عزاداریِ حضرت امام حسین علیہ السلام
ایک آفاقی تحریک

تالیف:
ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ

رایزنی فرہنگی سفارت جمہوری اسلامی ایران
نئی دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُل لَّآ أَسۡئَلُكُمۡ عَلَيۡهِ أَجۡرًا إِلَّا ٱلۡمَوَدَّةَ فِي ٱلۡقُرۡبَىٰ (پارہ ۲۵، سورہ الشوریٰ، آیت ۲۳)

کہہ دیجئے کہ میں تم سے اِس کا کوئی اجر طلب نہیں کرتا

بجز اِس کے کہ تم میرے قرابت داروں سے محبت کرو

أحب الله لما يغذوكم من نعمة و احبّوني لحب الله و احبوا اهل بيتي لحبي (سنن ترمذی، جلد ۵، ص ۶۶۴)

ے لوگو! تم خدا کو دوست رکھو اِس لئے کہ اُس نے اپنی نعمتیں تم کو عطا فرمائیں اور محبتِ خدا کے لئے مجھ سے محبت رکھو اور میری محبت کے لئے میرے اہل بیت کو دوست رکھو

رایزنی فرهنگی سفارت جمهوری اسلامی ایران ـ نئی دهلی

عزاداریِ حضرت امام حسین علیہ السلام

ایک آفاقی تحریک

تالیف: ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ

صفحه‌آرایی: علی رضا

طراحی جلد: عایشه فوزیه

ناظر چاپ: حارث منصور

✧

چاپ اول: دهلی‌نو ـ اردیبهشت‌ماه ۱۳۹۲ هـ ش/اپریل ۲۰۱۳ م

چاپ و صحافی: الفا آرٹ، نوئیڈا (یو.پی.)

شابک: ۹۷۸-۹۶۴-۴۳۹-۶۰۷-۶

الهدی انٹرنیشنل پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

✧

ناشر: ایران کلچر هاؤس، ۱۸ تلک مارگ، نئی دهلی-۱۱۰۰۰۱

ٹیلیفون: ۲۳۳۸۳۲۳۲-۴، فیکس: ۲۳۳۸۷۵۴۷

ichdelhi@gmail.com

newdelhi@icro.ir

http://newdelhi.icro.ir

انتساب

غم حسین علیہ السلام

میں

پلکوں پر جھلملاتے آنسوؤں کے نام

آنسو جو غم شاہ میں باہر نکلے   میزان قیامت میں وہ گوہر نکلے
لیکن جو رہے درد کی صورت دل میں   وہ اشک ریاضت کے برابر نکلے

کرسن لال ادیب لکھنوی

ہم مجالس کی وجہ سے زندہ ہیں

امام خمینیؒ

یہی مجلسیں ہیں جنہوں نے منبر و محراب کو بچائے رکھا ہے۔ اگر مجلسیں نہ ہوتیں تو منبر و محراب کا نام و نشان بھی نہ ہوتا۔ ہمیں اپنے شہید پر رونا چاہئے۔ فریاد کرنا چاہئے اور لوگوں کو بیدار کرنا چاہئے۔ البتہ ایک چیز کا ہم سب کو خیال رہے اور عوام کو بتا دینا چاہئے کہ بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ ہمیں مجلسوں سے ثواب ملتا ہے بلکہ یہ ہے کہ ہم ترقی کرنا چاہتے ہیں۔ سید الشہداء بھی ثواب کی خاطر قتل نہیں ہوئے۔ ثواب ان کے مد نظر زیادہ نہیں تھا وہ اس مکتب کو نجات دلانے اور دین کو ترقی دینے اور زندہ کرنے کے لئے نکلے تھے۔

اس گریہ نوحہ خوانی، سوز خوانی اور نثر خوانی کے ذریعہ ہم اس مکتب کو تحفظ دینا چاہتے ہیں۔ چنانچہ اب تک ایسا ہی ہوا ہے۔ یہ بات بھی لوگوں کو بتائی جائے کہ مجلس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم ایک بات کہیں اور چند لوگ روئیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ دین کی حفاظت گریہ سے ہوئی ہے۔ اس لئے کہ یہ چیز مکتب کے لئے مددگار ثابت ہوئی ہے۔ اہل منبر حضرات کوشش کریں کہ لوگ ان مذہبی اجتماعوں سے مجالس سے دستبردار نہ ہوں اس لئے کہ ہم مجالس کی وجہ سے زندہ ہیں۔

فہرست

باب ہشتم: شمالی ہند - ۱ .... ۱۶۵

حرف آغاز

تحریک عاشورا ساری تاریخ عالم وآدم کو پیچھے چھوڑتے ہوئے کل بشریت پر چھا گئی، اس کی قربانیوں نے امت مسلمہ کو خواب خرگوش سے بیدار کردیا اور خدا کی بندگی کا وہ راستہ جو شیطانی خط وخطوط سے ملا چاہتا تھا، ہمیشہ کے لئے اس سے جدا اور روشن کردیا چنانچہ اگر نہضت حسینی نہ ہوتی تو پیغمبر اکرم ﷺ کی رسالت بھی ان سے قبل پیغمبروں کی طرح محض نام کو باقی رہ جاتی۔ مگر امام حسین نے چراغ دین الٰہی کو اپنے اور اپنے ساتھیوں کے خون سے ہمیشہ کے لئے سینچ کردوبارہ منور کردیا اور کشتی انسانیت کو تمام برائیوں اور پلیدی سے نجات دلا کر آزادی اور سربلندیوں سے ہمکنار کردیا، ہر دین ومذہب کے ماننے والوں کے دل کو اس انقلاب کی دستک سنائی دی اور پوری دنیا کے نیک دل اور زندہ ضمیر افراد پر اتنے گہرے اثرات مرتب ہوئے کہ آج ان کی یاد دنیا کے مختلف گوشہ وکنار سے تعلق رکھنے والے امن وآشتی پسند افراد کے لئے رزق روح ہے۔

بلا تفریق مذہب وملّت اہل تسنن علماء نے حضرت سید الشہداء کی مدح میں روایات واحادیث نقل کی ہیں، نہضت عاشورا سے متعلق خامہ فرسائی کرتے ہوئے اس کی توصیف وتجلیل کی ہے اور امام حسینؑ اور ان کے اصحاب کو ظلم وستم کا نشانہ بنانے والوں کی شدید مذمت کی ہے، خدا کرے اس کا کرم ان علماء کے شامل حال رہے۔

اہل تسنن کے معروف دانشور ابن ابی الحدید، عظمت امام حسینؑ کے باب میں یوں رقمطراز ہیں:

''وہ اپنے وقت کے عظیم اور شکست ناپذیر کارواں کا باعظمت سردار تھا جس نے ذلت وحقارت کے آگے سر نہیں جھکایا تاہم زمانے اور نسلوں کو دلیری، شرافت اور برہنہ تلواروں کے سایہ میں باعزت موت کا درس دے گیا، جس نے یہ سکھایا کہ ظلم وبربریت کے آگے سر نہیں خم کرنا، وہی دنیا بھر کے موحدین کا پیشوا حسین ابن علیؑ ہے، اموی ظالموں نے اس ناقابل تسخیر شخصیت اور اس کے ساتھیوں کو امان دیدی لیکن چونکہ وہ ظلم کے آگے سر خم کرنا اور ذلت کی زندگی گذارنا نہیں چاہتے تھے، ساتھ ہی انہیں یہ بھی خیال تھا کہ اگر وہ امان نامہ کو قبول کرنے کے نتیجہ میں مرنے سے بچ بھی جائیں گے تو ان کو اور ان جیسے آزاد منش بندگان خدا کو ان آمروں کے آگے

حقارت آمیز زندگی گزارنی پڑے گا چنانچہ انہوں نے عزت کی موت کو ذلت کی زندگی پر ترجیح دی"۔

نامور شاعر مشرق، فلسفی، دانشور علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کے دیوان میں مختلف مقامات پر امام حسین سے ان کا والہانہ عشق صاف طور پر دیکھا جاسکتا ہے جس میں انہوں نے اظہار عقیدت کے علاوہ ان کی پیروی اور حریت آمیز تعلیمات کے فروغ پر زور دیا ہے۔

رمـز قـرآن از حسـینؑ آمـوختیم　　ز آتـش او شـعلههـا افـروختیم

تار ما از زخمـهاش لـرزان هنـوز　　تـازه از تکبیـر او ایمـان هنـوز

ای صـبا، ای پیـک دور افتادگـان　　اشک ما بر خـاک پـاک او رسـان

شیخ محمد عبدہ جو دنیائے اسلام کے بڑے رہنماؤں میں شمار ہوتے ہیں، یوں تحریر فرماتے ہیں: جب کہیں نظام عدل و شریعت اور قوانین الٰہیہ کا پاس ولحاظ کیا جارہا ہو اور اس کے مقابل کوئی ظالم حکومت اٹھ کھڑی ہونا چاہے کہ اس انصاف پر مبنی حکومت کو اکھاڑ پھینکے تو ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اس عادل حکومت ونظام کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہو، انقلاب امام حسین اسی فلسفہ کا حامل ہے اسی لئے انہوں نے یزید کے خلاف قیام کیا۔

امام حسین کی تحریک کا دنیا کے ادیان کے ماننے والوں پر بہت گہرا اثر پڑا چنانچہ ایک روسے جہاں یہ جہان تشیع کے لئے بہت اہم دن ہے وہاں دیگر مذاہب وادیان کے افراد کے لئے بھی محترم دن ہے قابل ذکر ہے کہ ہندوستان جیسے وسیع وعریض ملک میں اس دن سرکاری چھٹی ہوتی ہے اور ہر دین و مذہب کا ماننے والا چاہے وہ سنی ہو، سکھ ہو، پارسی ہو، ہندو ہو، یا جینی ہو مختلف انداز میں اس شہید کے تئیں اظہار عقیدت کرتا ہے، یہاں تک کہ بعض باقاعدہ سوگ مناتے ہیں جیسا کہ ہمارے ملک ایران میں آرمینی، ماہ محرم وصفر میں عزاداری برپا کرتے ہیں وہیں دوسرے نقطۂ نظر سے یہ اثر گزاری عالمی سماج کے سربراہوں کے لئے انتہائی حوصلہ پرور اور شعور بخش رہی ہے چنانچہ کربلا کے بعد دنیا کے ہر گوشہ میں برپا ہونے مثبت اور تعمیری انقلاب، نہضت حسینی کا مرہون منت ہے۔

بنابرایں امام حسین کی اس مقدس اور مسلسل تحریک، کے دیرپا اثرات کو عصری ہندوستان کے عوامی اور اجتماعی رہنماؤں کی فعال زندگیوں پر دیکھا جاسکتا ہے، آزادی ہندوستان کے وہ پیشوا جو اس ملک کو انگریزوں کے سامراج سے آزاد کرانا چاہتے تھے، انہوں نے شخصیت امام حسین کو دشمنوں کے مقابل اپنی جدوجہد کے لئے نمونہ عمل قرار دیا۔ اس پورے کارواں کے سربراہ مہاتما گاندھی نے اپنے قدم کو تحریک عاشورا کے مطالعہ کا نتیجہ قرار دیا اور انہوں نے خود کہا کہ:

"میں نے ہندوستانی عوام کے لئے کوئی نیا کام نہیں کیا ہے بلکہ امام حسینؑ کی زندگی سے حاصل کیا ہوا سبق ہے جس کا نتیجہ پیش کر رہا ہوں"۔

یہاں کے عوام، ذات والا صفات امام حسینؑ اور عاشورہ کے عزاداری کے آداب ور سوم میں شریک ہونے کو متبرک جانتے ہیں کیونکہ اس سے ان کے ضمیر کو تسکین ملتی ہے، معاشرہ یکرنگی اور ہمدلی کی صورت اختیار کرتا ہے اور بہر حال یہ جذبہ انسان کو خدا سے قریب کرتا ہے۔

بارہویں صدی ہجری میں دکن اور شمال ہندوستان میں اہل تشیع، اہل تسنن اور اہل ہنود کے درمیان عزاداری کے آداب ورسوم کو دیکھا جاسکتا ہے۔ بڑے بڑے نامور شعراء نے مرثیہ گوئی کا فن اختیار کیا اور اس سلسلے میں دبستان لکھنؤ نے غیر معمولی خدمات انجام دیں چنانچہ آج ان کے اشعار نہ صرف بر صغیر بلکہ ہر اردو زبان کا مشترک سرمایہ ہیں، اس ضمن میں میر انیس کا نام خصوصی احترام سے لیا جاتا ہے۔

ضریح اور تعزیہ داری آج بھی ہندوستانی معاشرہ میں رائج ہے حتی کہ یہاں سوگواری کے مخصوص ایام ۸ ربیع الاول یعنی روز شہادت امام حسن عسکریؑ تک مرسوم ہیں اور اس دن اس سال کے مخصوص ایام عزاداری سید الشہداء اپنے اختتام کو پہونچتے ہیں چنانچہ اسی لئے اس دن کے رسومات عزاداری کو بعض مقامات پر "چپ تعزیہ" کا نام دیا جاتا ہے۔

بڑے دنوں سے ضرورت محسوس کی جارہی تھی کہ بر صغیر میں عزاداری کی رسومات اور اس سے متعلق اصطلاحات سے بہتر آشنائی کے لئے کوئی کتاب تالیف کی جائے۔ امید ہے، زیر نظر کتاب اس خلا کو پر کرنے میں کامیاب ثابت ہوگی۔ یہ کتاب، جناب ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ صاحب کی انتھک زحمتوں کا نتیجہ ہے ڈاکٹر صاحب سے دہلی پہونچتے ہی مجھے آشنائی کا اعزاز حاصل ہوا۔ وہ ایک آزاد منش، غیر مسلم دانشور ہیں مگر خاندان رسالت مآب کے چشتینی دلدادہ بھی، آپ نے انتہائی وقیع نظر سے بر صغیر میں عزاداری امام حسین سے متعلق رائج اصطلاحات اور رسومات کے حوالے سے ایک نہایت جامع اور مبسوط کتاب تالیف کی ہے۔ ایران کلچر ہاؤس کے لئے مقام فخر ہے کہ یہ مرکز اپنی تہذیبی اور ثقافتی خدمات کی راہ میں ایک اور قدم بڑھاتے ہوئے اس کتاب کو زیور طبع سے آراستہ کرکے صاحبان ذوق ومودت کے ہاتھوں تک پہونچانے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

سردست، میں اس کتاب کے مؤلف جناب دھرمیندر ناتھ صاحب اور ان تمام حضرات کا جنہوں نے اس کی طباعت ونشر میں ہماری مدد کی بالخصوص جناب ڈاکٹر علی لاریجانی صاحب اسپیکر مجلس شورای اسلامی ایران کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

علی فولادی

کلچرل کاؤنسلر

سفارت جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی

تقریظ

غم حسین میں جو آنکھ تر نہیں ہوتی اُسے نصیب حقیقی نظر نہیں ہوتی

(جناب گوپی ناتھ امن لکھنوی)

عاشورہ کا سانحہ تاریخ اسلام کا صرف سانحہ ہی نہیں بلکہ اس خونچکاں تحریک نے پوری تاریخ انسانی میں، سبھی حریت پسندانہ تحریکوں پر اپنے گہرے قاعدانہ نقوش مرتب کئے ہیں یہی وجہ ہے کہ بہت سے غیر مسلم دانشوروں نے تاریخ عاشورہ کا تحلیل و تجزیہ کرتے ہوئے اس عظیم تحریک پر اپنی خاص توجہ مبذول رکھی اور اسے تاریخ بشریت کی ایسی سب سے بڑی رزمیہ داستان سے معنون کیا ہے جس نے کروڑوں حریت پسندوں کے احساسات و جذبات کو مسخر کرتے ہوئے زمان ومکان کی سرحدوں کو پار کرتے ہوئے اس بات کا ثبوت پیش کر دیا کہ عاشور کی رزمیہ داستان مکمل طور پر غاصم طاقتوں کے خلاف استقامت کی ٹھوس چٹان ہے کہ جس کی ایک ٹکر نے باطل کی نبضوں کو خاموش کرکے ذلت کی اتھاہ گہرائیوں میں معدوم کرکے رکھ دیا۔

جرمنی کے ایک دانشور کا کہنا ہے: عاشور کے دن ظاہری طور سے یزید نے حسین اور ان کے اصحاب کو خاک و خون میں غلطاں کر دیا، لیکن یہ حسین ہیں کہ جنھوں نے پوری تاریخ کے دوران، یزید اور بنی امیہ کو ہزاروں، ہزار مرتبہ موت دی ہے۔

یزید نے ایک دن میں امام حسین اور ان کے اصحاب کو مار ڈالا، لیکن حسینی تحریک اس بات کا سبب قرار پائی کہ یزید اور اس کے خاندان کو دنیا کے لاکھوں لوگ جو کہ حق و آزادی کے دلدادہ ہیں، ہر روز، اور ابدتک لعنت و ملامت کا شکار بناتے رہیں۔

ظالم کے آگے سر نہ جھکانا، بنی امیہ کے مظالم کے مقابلہ میں استقامت و پائداری دکھانا، فریب دینے والے سبھی دنیاوی مظاہر سے چشم پوشی۔اور ظلم و بدعنوانی سے مقابلہ کرتے ہوئے اپنے بچوں اور خاندان والوں کو فدا کر دینا، حمیت وغیرت اور آزادی کی ایسی نشانی اور مثال ہے جو دنیا کے سبھی ظالموں اور ستمگروں کے خلاف مظلوموں اور

حریت پسندوں کے لئے مشعل راہ ہو گئی ہے۔

ادوار سابقہ سے لے کر اب تک پوری تاریخ کے دوران انقلاب حسینی کے وقوع پذیر ہونے کے علل واسباب کا جائزہ لینے کے لئے اب تک سیکڑوں کتابیں تحریر کی جا چکی ہیں، اور اس تحریک کو خراج عقیدت پیش کرنے اور اس کی یاد منانے کے لئے ہر قوم وملت کے لوگ ایام محرم میں اپنے خاص علاقائی انداز میں مختلف طرز کے پروگرام منعقد کیا کرتے ہیں، اس سلسلہ میں ان جملہ ممالک میں جو کہ حسینی انقلاب کو چاہے وہ کسی بھی مذہب وملت کے لوگ ہوں احترام کی نظر سے دیکھنے کے ضمن میں اپنے خاص قومی وعلاقائی انداز میں مناتے ہیں اور عاشور کے انقلاب کی یاد کو تازہ کرتے ہیں۔ ہندوستان وہ کثیر المذاہبی ملک ہے کہ جہاں پر مسلمان اقلیت میں شمار کئے جاتے ہیں تاہم انقلاب حسینی کی تکریم و تعظیم میں پورے ملک میں عام سرکاری چھٹی کی جاتی ہے۔

ہندو لوگ امام حسین علیہ السلام سے بہت ہی قربت و محبت اور قریبی تعلقات کا اظہار کرتے ہیں۔ان کے درمیان قریبی تعلقات کا سلسلہ اور اس کی تاریخ بہت پرانی ہے کہ جس کا سلسلہ امام حسین علیہ السلام کے انقلاب کے بعد سے شروع ہوتا ہوا نظر آتا ہے،اس سلسلہ میں ہندوؤں کا ماننا ہے کہ عمر سعد کے لشکر نے جب امام حسین علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے خلاف مورچہ بندی کرتے ہوئے ان کا راستہ روک لیا تو امام عالیمقام نے عمر سعد کے سامنے کچھ تجویزیں پیش کیں جنہیں اس نے ٹھکرا دیا، پر امامؑ نے فرمایا کہ ہم تم سے جنگ کرنے نہیں آئے ہیں، اگر کوفہ جانے کی اجازت نہیں دینا چاہتے تو ہمیں کہیں اور چلے جانے کی اجازت دو، ہندوؤں کا ماننا ہے کہ امامؑ کی رائے یہ تھی کہ جانب ہندوستان سفر کریں۔ہندوؤں کی ایک تعداد کا یہاں تک ماننا ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے ساتھ ہندوؤں کی بھی ایک ایسی تعداد تھی جو ان کے لشکر میں شامل تھی اور انہوں نے جنگ لڑی اور شہادت بھی پائی۔ حسینی برہمن جو کہ ہندوں میں اونچی ذات سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ ان کے آباء واجداد نے انقلاب حسینی میں شرکت کی تھی، اسی طرح چند حضرات کا یہ ماننا ہے کہ جب امام حسین علیہ السلام نے مدد مانگی تو ہندوؤں کی ایک تعداد مدد کے لئے گئی، لیکن جب یہ لوگ کربلا پہونچے تو پتہ چلا کہ امام حسین علیہ السلام اپنے اصحاب سمیت شہید ہو چکے ہیں، لہٰذا بعد میں یہ لوگ امام حسین علیہ السلام کے خون کا بدلہ لینے کی خاطر مختار ثقفی کے لشکر میں شامل ہوگئے اور شانہ بشانہ جنگ کرتے ہوئے کچھ لوگوں نے شہادت پائی۔ ان میں جو زندہ بچ گئے تھے وہ ہندوستان واپس آگئے اور ہر سال محرم کے موقع پر عاشورہ اور انقلاب عاشورہ کی یاد مناتے ہوئے عزاداری کرتے اور سوگ مناتے رہے کہ جس کا یہ سلسلہ ابھی تک بہت سے ہندو فرقوں کے درمیان رائج اور جاری ہے، چونکہ یہاں مختلف مذاہب اور ملتوں کے لوگ ہیں اس لئے وہ الگ انداز میں مختلف طریقے سے عزاداری برپا کرتے ہیں جو کہ ایک الگ تنوع اور انداز لئے ہوئے ہوتی ہے اور دیکھنے لائق ہوتی ہے۔

ہندوستان کے مختلف علاقوں میں یہ عزاداری مختلف انداز میں برپا کی جاتی ہے اور اس سلسلہ میں اب تک کوئی ایسی جامع کتاب معرض وجود میں نہیں آئی ہے جو مختلف علاقوں میں مختلف طرز پر انجام پانے والی عزاداری کی نشاندہی اور شناخت کرواسکے حالانکہ اب تک ہندوستان میں عزاداری کے طرز اور طریقۂ کار کے سلسلہ میں مختلف مقالے اور رسالے و مضامین بارہا شائع ہوچکے ہیں لیکن اس کو کتابی شکل دینے کا بیڑا ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ صاحب نے اٹھایا ہے جن کا پورا خاندان رسالتمآب و آلِ رسول کا معتقد و محب ہے۔

موصوف نے ہندوشاعروں کے ذریعہ فضائل رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کہے گئے اشعار و قصائد کو جمع کرکے "ہمارے رسول "نام سے ایک کتاب شائع کی جس کو خاصی مقبولیت حاصل ہوئی، اور اب حالیہ تالیف "عزاداری حضرت امام حسینؑ: ایک آفاقی تحریک" تحریر کی جس میں امام حسین علیہ السلام کے انقلاب عاشورا کی یاد منانے، عزاداری کے انعقاد اور ان کے نظریات کو پیش کیا گیا ہے یہ ایک ایسی مثالی کتاب بن گئی ہے۔جس کی مثال نہ تو اردو زبان میں اور نہ ہی کسی دوسری زبان میں ملتی ہے جو اس قدر انقلاب حسینی اور عزاداری سے متعلق جامعیت رکھتی ہو، یہ ایسی جامع کتاب ہے جو انقلاب حسینی سے متعلق مختلف آراء و افکار اور عزاداری کے طرز پر بڑی دقیع نظر، تحقیق و تلاش اور برسوں کی ریسرچ کا پتہ دیتی ہے، بناء بریں اسلامی جمہوریۂ ایران کے کلچر ہاؤس نے اس گرانقدرکتاب کی اشاعت و طباعت کی ذمہ داری لی ہے۔اینجانب کی نظر میں اس کتاب کو دیگر زبانوں، خاص کر فارسی زبان میں ترجمہ کرکے شائع کیا جانا چاہئے تاکہ حسینی تحریک کے دلدادہ ہندوستان میں عزاداری کی رسومات سے آشنا ہو سکیں۔ جناب ڈاکٹر دھرمیندر ناتھ نے یہ خوشخبری بھی دی ہے کہ اس کتاب "عزاداری حضرت امام حسینؑ: ایک آفاقی تحریک"کی اشاعت کے بعد ہندوستانی عوام کی نظروں میں مولائے متقیان حضرت علی علیہ السلام کی منزلت اور فضائل پر مبنی کتاب "ہمارے علیؑ" بھی تحریر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، ہم خداوند متعال سے ان کی صحت و سلامتی کے دُعاگو ہیں اور یہ امید کرتے ہیں کہ خدا انہیں ان کے نیک مقاصد منجملہ سیدالشہداء حضرت حسین بن علی علیہ السلام کے روضۂ مبارک کی زیارت کی آرزو میں کامیابی و کامرانی عطا فرمائے۔ آمین

مہدی خواجہ پیری
ڈائرکٹر بین الاقوامی مرکز نور میکروفیلم
اسلامی جمہوریہ ایران کلچر ہاؤس، نئی دہلی

حرفِ چند

اک درس دائمی ہے شہادت حسینؑ کی　　　اس واقعے کو قیدِ زمین و زماں نہیں

شہید انسانیت حضرت امام حسینؑ اور شہدائے کربلا کی عظیم قربانی کا مقصد انسانی اقدار کا تحفظ، ایمان کی بقا اور حق کی باطل پر فتح ہے۔ یہ جنگ کسی شخص یا گروہ کے مفاد کے لئے نہیں تھی۔ اس واقعہ کا پوری تفصیل اور وسیع النظری کے ساتھ مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائے گی کہ امام عالی مقام نے اس جنگ کو ٹالنے کی ہر ممکن سعی فرمائی لیکن ظالم حکمراں تو آپ کو ہی مٹانے کے درپے تھے کیونکہ آپ اُن کے عزائم بد کو کامیاب نہیں ہونے دے رہے تھے۔ کربلا ایک جابر کے ظلم کو برداشت نہ کرنے اور مظلوم کو حق و صداقت پر قائم رہنے کی تلقین بھی ہے اور قوت بھی۔ یہ معاشی، اقتصادی مقاصد، یا ملک گیری کے لئے جنگ نہیں تھی بلکہ انسانی شعور کو بیدار کرنے کی ایک کوشش تھی۔ عزاداریِ حسینؑ اسی قربانی کی یاد تازہ کرنے کا ایک طریقہ ہے جو ہمیں ظلم سے لڑنے کا حوصلہ بھی دیتا ہے اور ظلم کی حمایت نہ کرنے کا سبق بھی۔ یہ فرمانِ نبوی کی عملی تفسیر ہے «افضل الجهاد كلمة الحق عند سلطان جابر» یعنی ظالم حکمراں کے سامنے حق کی بات کہنا افضل ترین جہاد ہے۔ کربلا ہمیں ایمان کی مضبوطی، مشکل سے مشکل حالات میں بھی حق پر ثابت قدم رہنا اور حق کی خاطر اپنے جان، مال اور اولاد کا نذرانہ پیش کرنے میں بھی دریغ نہ کرنا سکھاتا ہے۔ ہر دور کے مسائل کا حل اس میں مضمر ہے:

کوئی ہو دور اس کی ضرورت ہے کربلا　　　ہر دور کے یزید کے ہوتے ہیں اپنے روپ

عزاداری عملی تفسیرِ قرآن اور ارشادِ نبوی ہے۔ خدائے پاک کا اپنے پیغمبر سے ارشاد ہے: "کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس کا کوئی اجر طلب نہیں کرتا بجز اس کے کہ تم میرے قرابت داروں سے محبت کرو" (پارہ ۲۵ سورہ شوریٰ ۴۲، آیت ۲۳)۔ آنحضرت نے فرمایا: "اے لوگو! تم خدا کو دوست رکھو اس لئے کہ اس نے اپنی نعمتیں تم کو عطا فرمائیں اور محبتِ خدا کے لئے مجھ سے محبت رکھو اور میری محبت کے لئے میرے اہل بیت کو دوست رکھو"۔ مؤدت اہل بیت کا تقاضا ہے کہ ہم ان کی خوشی میں خوش اور ان کے غم میں غمگین ہوں۔ عزاداری اسی ارشاد نبوی پر عمل کرنا ہے۔ عزاداری اجرِ رسالت ہے۔ شہید کے

ساتھ ارتباط اور ظالم سے نفرت ہے، جذبۂ ایثار و قربانی کی تعلیم و تربیت ہے۔ شعائر اللہ کا احترام شہدائے کربلا کے ساتھ اظہار عقیدت ہے۔ اس عزاداری نے محبانِ اہلِ بیت کو ایک تشخص بخشا ہے۔ اس کتاب میں عزاداری کے معنی، جواز، اہمیت، تاریخ، مراسم، آداب و اصطلاحات کا تذکرہ ہے۔

عزاداری دنیا کے مختلف ممالک میں مروج ہے۔ حالانکہ کہیں کہیں کچھ مقامی اثرات بھی اس پر عمل پذیر ہوئے ہیں تاہم ماتم حسین، گریہ زاری، مجالس اور جلوس کسی نہ کسی شکل میں مختلف ممالک میں دکھائی دیتے ہیں۔ عزاداری میں مختلف علاقوں میں لوگ بلا تفریق مذہب و ملت شریک ہوتے ہیں۔ کتابِ ہذا میں ۳۴ ممالک میں عزاداری کا تذکرہ ہے۔ ہندوستان کے ۱۴۴ شہروں، قصبوں اور دیہی بستیوں کے مراسم عزاداری کا ذکر ہے۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ پیام شبیر کسی ایک خطہ، فرقہ یا مذہب تک محدود نہیں بلکہ حضرت امام حسینؑ کا پیغام تو "زمانے کے لئے ہے"۔

دراصل یہ موضوع میری کتاب "ہمارے حسینؑ" کے ضمیمہ کے طور پر لکھا گیا تھا لیکن بجائے خود یہ ایک کتاب بن گئی۔ اخبارات رسائل و جرائد، کتابوں سے معلومات حاصل کرکے اسے ایک کتابی شکل دے دی گئی ہے۔ تفاصیل اس لئے تحریر کی گئی ہیں کہ قارئین مختلف جگہوں خصوصاً اپنے شہر اور بستی کی عزاداری سے واقف ہو جائیں۔ اب یہ معلومات ایک جگہ جمع ہے جس سے قارئین استفادہ کر سکتے ہیں۔ مجھے یہ اعتراف کرنا ہے کہ اس کتاب کے کئی ابواب میں مختلف مضامین سے چند حصے بجنسہٖ نقل کئے گئے ہیں لیکن میں نے ان میں تلخیص و تمحیص کی ہے۔ (کچھ دوسری جگہ سے حاصل کردہ معلومات کو ضم کردیا ہے) جس کے سبب اِن میں تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ اس لئے میں نے مصنفین حضرات کا ذکر ذیلی نوٹس میں کیا ہے۔ یہ کتاب ایک تالیف ہے جس کا بنیادی مقصد تو بکھری ہوئی معلومات کو جمع کرکے قارئین تک پہنچانا ہے۔ میں اس میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں یہ فیصلہ کرنا قارئین کا حق ہے۔ مثل مشہور ہے الانسان مرکب من الخطاء و النسیان۔ انسان کا کوئی بھی کام مکمل نہیں ہوتا۔ ممکن ہے اِس کتاب میں بھی کچھ غلطیاں رہ گئی ہوں۔ مؤلف معافی کا خواستگار ہے اگر مطلع کرنے کی زحمت فرمائیں تو اگلے ایڈیشن میں اُن غلطیوں کی اصلاح کر دی جائے گی۔

رایزنی فرہنگی سفارت جمہوری اسلامی ایران، دہلی نو کا میں ممنون ہوں بالخصوص جناب علی فولادی صاحب کلچرل کاؤنسر، خواجہ پیری صاحب رئیس مرکز نور مائیکروفلم، جناب مجید احمدی صاحب (استاد من) نے اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں جو مدد فرمائی میں اِس کے لئے ازحد متشکر ہوں۔

میں جناب علی رضا قزوہ صاحب ڈائرکٹر مرکزِ تحقیقاتِ زبانِ فارسی خانۂ فرہنگ ایران نئی دہلی کا ممنون ہوں۔ وہ میرے دیرینہ کرم فرما ہیں۔ جب میں نے ان سے ذکر کیا کہ میں یہ معلومات اپنی کتاب "ہمارے حسینؑ" میں ضمیمے کی شکل میں اضافہ کرنا چاہتا ہوں تو آپ نے فرمایا کہ اس پر ایک علیحدہ کتاب مناسب رہے گی۔ تعمیلِ ارشاد میں یہ کتاب حاضر ہے۔ جناب قزوہ کی حوصلہ افزائی کے بغیر یہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچنا ممکن نہ تھا۔ خدائے پاک ان کو اس کا اجر دے۔

مؤلف کتابِ ہٰذا مندرجہ ذیل حضرات کا بھی تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہے جنہوں نے اپنے علاقے کی عزاداری کے متعلق تفصیلات فراہم فرمائیں:

جناب ڈاکٹر عراق رضا زیدی (بریلی اور سیتھل)

پروفیسر سید عزیزالدین حسین ہمدانی (جلالی) علی گڑھ

مولانا سیّد تقی حیدر نقوی (تذکرۂ ذاکرین)

جناب سیّد نذر امام نقوی (تذکرۂ ذاکرین)

جناب آصف عباس (مدیر راشٹریہ ہت لکھنؤ)

پروفیسر کلیم اصغر (سنبھل)

جناب نظیر رہبر جارچوی (جارچہ)

پروفیسر مولانا سید قمر حسنین رضوی (چھولس اور نور پور)

پروفیسو مولانا سیّد غلام حسین (ہلور)

ڈاکٹر علی سلمان رضوی (ہلور، لکھنؤ)

ڈاکٹر اشتیاق حیدر جعفری (فرید آباد)

جناب مولانا ابوذر عباس (شکوہ آباد)

جناب ریاضت علی شائق سانکھنوی (سانکھنی)

جناب احسن شکارپوری (شکارپور)

جناب متین اخلاق نقوی (رُدولی)

جناب شیخ شبیر حسن (پنجاب)

ڈاکٹر سجاد رضوی (میرٹھ)

جناب طاہر حسین کاظمی (رسول پور دھولڑی)

جناب مولانا عارف اعظمی (اعظم گڑھ)

جناب ڈاکٹر عظیم امروہوی (امروہہ)

جناب مولانا سیّد غلام حیدر نقوی (سوز خوانی و عزاداریِ امروہہ)

مولانا (ڈاکٹر) سیّد مظفر حسین ترابی (مرادآباد اور رامپور)

جناب مہدی باقر معراج (جونپور)
جناب ڈاکٹر سید قائم حسین
جناب علی امام (جونپور)
جناب احسان حسین نقوی (امروہہ)
جناب رفعت علی زیدی (مالیر کوٹلہ)
جناب سراج نقوی
جناب سید شاہد رضا (سیتاپور)
جناب مولانا سید اختر رضوی (کھمبات، گجرات)
جناب مولانا سید محمد رضا غروی (احمد آباد)
جناب مولانا علی عباس (غازی آباد)
جناب خدا داد خاں مونس (جے پور اور اجمیر)
جناب محمد حسن عابدی شاداب
جناب حیدر مہدی
جناب سید فرزند علی
جناب انیس اعظمی (اعظم گڑھ)
جناب ازہر رضا بلگرامی (بلگرام)
نزہت مہدی صاحبہ

جناب علی ظہیر نقوی صاحب تو مجھ پر کرم فرماتے ہی رہتے ہیں انہوں نے جس جانفشانی سے معلومات جمع کی اور مجھے کتابیں، اخبارات رسالے دے کر سرفراز فرمایا اِس کے لئے بہت شکرگذار ہوں۔

مرکز تحقیقات کے جناب عبدالرحمان صاحب، شبیر احمد صاحب، جناب خان محمد صادق جونپوری، جناب علی رضا صاحب اور جناب شبیہ الحسن خاں صاحب کا بھی تشکر ہوں جنہوں نے اپنے تکنیکی تعاون سے اس پراجکٹ کو کتابی شکل دی۔ میرا لکھا ہوا پڑھنا بھی کار مشکل وارد لیکن انہوں نے جس خندہ پیشانی سے یہ کام پایۂ تکمیل تک پہونچایا اُس کے لئے میں از حد ممنون ہوں۔ عزیزم ہمیندر ناتھ اور ہتیندر ناتھ سریواستو کے لئے دعائیں۔

خدا ہمیں توفیق دے کہ ہم اُس راہ پر گامزن ہوں جو ہمیں شہدائے کربلا نے دکھائی ہے۔ ہمارے قلب و ذہن یاد سید الشہداء حضرت امام حسینؑ سے ہمیشہ منور رہیں۔

دھرمیندر ناتھ

مؤلّف کے متعلّق

نام: دھرمیندر ناتھ

ولادت: ۲۴ اپریل ۱۹۳۴ء (دہلی)

والد محترم: عالیجناب گوپی ناتھ امنؔ لکھنوی

(نامور شاعر، معتبر صحافی، مشہور نثر نگار، کئی زبانوں کے ماہر، پدم بھوشن، وزیر ترقیات، ڈپٹی اسپیکر اسٹیٹ اسمبلی دہلی، صدر تعلقات عامہ کمیٹی دہلی، مجاہد قومی تحریک برائے آزادیٔ ہند)، اساسی رکن انڈو ایران سوسائٹی۔ متعدد تنظیموں اور اداروں کے عہدوں کی ذمہ داریاں سنبھالیں اور اعزازات حاصل ہوئے۔

ابتدائی تعلیم: جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی۔

اعلیٰ تعلیم: لکھنؤ یونیورسٹی ایم۔اے (سیاسیات)، پی ایچ ڈی، ڈپلوما اِن پبلک ایڈمنسٹریشن

ملازمت

آگرہ یونیورسٹی اور دہلی یونیورسٹی کے کالجوں میں شعبۂ سیاسیات سے وابستہ رہے، صدرِ شعبہ کے فرائض سر انجام دیے۔ گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ طلباء کو تعلیم دی۔ ایم۔اے اور پی ایچ ڈی کے ریسرچ اسکالروں کے گائڈ رہے۔ ۴۱ سال کی ملازمت کے بعد عمر کے ۶۶ ویں سال یعنی ۱۹۹۹ء میں بحیثیت ریڈر دہلی یونیورسٹی سے سبکدوش ہوئے۔

مدحت پیغمبر وائمۂ کرام

کئی پشتوں سے خاندان میں محمدؐ وآلِ محمدؐ کی عقیدت کی روایت ہے۔ دادا جان (جناب مہادیو پرشاد عاصیؔ لکھنوی) نے منظوم نذرانے پیش کیے۔ والد محترم (جناب گوپی ناتھ امنؔ لکھنوی) اور عم محترم (جناب گرسرن لال ادیبؔ لکھنوی) نے ملک و بیرونِ ملک میں مجالس اور کانفرنسوں میں تقاریر کیں۔ اخبارات، رسائل و جرائد میں مضامین اور کلام شائع ہوئے 'سیلِ عقیدت' اور 'ایشور اللہ

مصنف نے بھی اس خاندانی روایت کو پیش نظر رکھا۔ حمد، نعت، مناقب، قصائد، سلام و مراثی کے نذرانے خدمت میں پیش رسول اکرم و ائمہ اطہار کی خدمت میں نذرانے پیش کیے۔ اخبارات و رسائل میں کلام اور ان موضوعات پر مضامین شائع ہوئے۔ دہلی اور بیرونِ دہلی ہندوستان کے مختلف حصوں میں مسالموں، مقاصدوں اور مجالس میں کلام پیش کیا۔ آل انڈیا ریڈیو اور دوردرشن پر بھی منظوم اور نثری نذرانۂ عقیدت پیش کیا:

جو بھی کہا دل لے کہا جو بھی لکھا دل سے لکھا

سماجی و ادبی خدمات

مختلف انجمنوں، اداروں اور تنظیموں سے اعزازی طور سے وابستہ رہے۔ سروودے، اسکاوٹنگ، انوورت آندولن، نوجوانوں کی تعلیم و تربیت، سماجی ہم آہنگی اور اخلاقی بیداری کے میدان میں سرگرمِ عمل رہے۔ اہم عہدوں کی ذمہ داری نبھائیں۔ اسی سلسلے میں ملک کے مختلف حصوں میں اور ہندوستان کے باہر بھی (سوویت یونین، ایران اور انگلینڈ کا) سفر کیا۔

شعر و ادب کے معاملے میں بزرگوں کے دکھائے راستے پر گامزن ہیں۔ طالب علمی کے زمانے سے ہی لکھنے کا شوق رہا۔ مختلف زبانوں کے اخبارات، رسائل و جرائد میں مضامین، کہانیاں اور کلام شائع ہوئے۔ ملک کے مختلف حصوں میں ادبی پروگراموں اور مشاعروں میں شرکت کی۔ ریڈیو اور دوردرشن کے مختلف پروگراموں میں شمولیت کی۔

تصنیفات

اردو:

۱. گوپی ناتھ امنؔ لکھنوی: حیات اور شخصیت ۲۰۰۳ء
۲. ایشور اللہ تیرے نام (جناب امنؔ لکھنوی کے مذہبی کلام کی ترتیب و پیشکش ۲۰۰۴ء)
۳. آئینہ در آئینہ (کہانیوں کا مجموعہ، ۲۰۰۵ء)
۴. سیلِ عقیدت اور صحیفۂ نور (خاندانِ امن کا دینی کلام مرتب کیا ۲۰۰۸ء)
۵. ہمارے رسول ۲۰۰۸ء (تقریباً ۴۰۰ غیر مسلم شعراء کا نعتیہ کلام جمع کیا)
۶. عزاداریِ حضرت امام حسنؑ ایک آفاقی تحریک ۲۰۱۳ء

ہندی:

۱. دلّی اور آزادی ۱۹۹۰ء
۲. دلّی اور اگست کرانتی ۱۹۹۲ء

۳. چیتنا کے استر ۱۹۹۷ء

۴. پورنا کی اور ۱۹۹۷ء

۵. وار تالاب پر کی چرچا اور بھاشن کلا ۲۰۰۳ء

۶. اُجالے کا شِلپی (کہانیوں کا مجموعہ) ۲۰۰۴ء

۷. اُجالے کی اور ۲۰۰۷ء

۸. مکتی سنگرام (جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء) ۲۰۱۰ء

۹. جیوتی پُنج (۱۸۵۷ء کے مجاہدین) ۲۰۱۰ء

۱۰. مون کب تک (۲۰۱۳ء)

انگریزی:

۱. اسکاؤٹنگ اینڈ گائیڈنگ اِن انڈیا: مائل سٹونز ۲۰۰۵ء

عہدے اور اعزازات

آل انڈیا نہرو نیشنل یوتھ سینٹر کے ڈائرکٹر جنرل، انوورت (انتر راشٹریہ) مہا سمتی کے صدر، وویکانند ایجوکیشنل سوسائٹی کے جنرل سکریٹری، امن فاؤنڈیشن کے سکریٹری، دلّی اسٹیٹ اسکاؤٹ اور گائڈ کے اسٹیٹ کمشنر (اسکاؤٹ)، بھارت اسکاؤٹ گائڈ کے نیشنل ہیڈ کوارٹر کمشنر، اردو اکادمی (دلّی اسٹیٹ) کے رکن۔ گاندھی ہندوستانی ساہتیہ سبھا کی انتظامیہ کمیٹی کے ممبر، اہنسا انٹر نیشنل، پراکرتک چکتسا پریشد، انوورت مہا سمتی وغیرہ جیسی اہم ادبی اور سماجی انجمنوں کی طرف سے وابستہ رہے اور اعزازات سے نوازے گئے۔ صدر جمہوریہ ہند نے اسکاوٹنگ کا اعلیٰ ترین اعزاز سلور ایلیفنٹ ۱۹۹۷ء میں عطا فرمایا۔ ۲۰۰۷ء میں شیعہ اکادمی آف انڈیا نے سماجی و تہذیبی خدمات کے لئے 'نشانِ عظمت' کے اعزاز سے نوازا۔ اسی سال مجلس فکر وآگہی دلی کی طرف سے قومی یکجہتی کے لئے علمی، ادبی اور سماجی خدمات کے لئے 'نشان سپاس' عطا کیا گیا۔ ۲۰۱۱ء انجمن بیدل، خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران کے ادبی خدمت کے لئے اعزاز دیا۔ ۲۰۱۲ء میں حمد نعت اکادمی نے ایوارڈ پیش کیا۔ جشن باران غدیر (تہران) میں اعزاز سے نوازے گئے۔

پتہ: بی ۱۳۹، پاکٹ بی، میور وہار فیز II، دہلی - ۱۱۰۰۹۱
رہائشی فون نمبر: ۲۲۷۷۹۷۴۰ - ۰۱۱

باب اوّل

معانی و تصوراتِ عزاداری

حسین ابن علی کو سلام کرتا ہوں　　اور اِس سے کسب فیض دوام کرتا ہوں
نہیں ہے مصلحت اندیش اعتقاد مرا　　پئے طہارت دل اہتمام کرتا ہوں
(گوپی ناتھ امن لکھنوی)

سانحۂ کربلا اپنے مرکزی کردار کی وجہ سے تمام دنیا میں انتہائی الم ناک اور اپنی نوعیت کا اہم ترین واقعہ ہے۔ اس واقعہ نے پورے عالم انسانیت کو متاثر کیا ہے۔ پیغامِ کربلا کسی ایک خطہ، مذہب یا فرقہ تک محدود نہیں یہ اَبدی و آفاقی ہے۔ دنیا بھر میں عزاداری اس کا زندہ ثبوت ہے۔ اس کی یاد کے طریقے مختلف ہو سکتے ہیں، انداز جدا ہو سکتے ہیں، خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے زبان و بیان کا وسیلہ الگ ہو سکتا ہے مگر شہدائے کربلا کی عظمت کا اعتراف ہر صاحبِ دل کرتا ہے۔ ایمان کے لئے قربان ہونے والوں کا ذکر اپنی تمام آب و تاب کے ساتھ صفحۂ تاریخ پر حرف روشن کی طرح عیاں، زندہ و پائندہ ہے اور انسانیت کو پیغام زندگی دے رہا ہے۔ یہ بنی نوعِ انسان کے لئے متعلق رزمیہ ہے یہ ظلم و ستم سے رہائی کا منشور ہے۔ عصر عاشور کو حسین مظلوم نے جو عظیم قربانی دی وہی بشریت کی عدیم المثال قربانی بن گئی ہے۔ ضروری ہے کہ تحریک و مراسم عزاداری سے روشناس ہونے سے پہلے عزا، عزادار اور عزاداری کے تصورات کو سمجھ لیا جائے۔

معانیِ عزاداری

عزاء (عربی بالفتح - اسم مذکر) جس کا مطلب ہے مصیبت پر صبر کرنا، شکایت نہ کرنا، ماتم پرسی کرنا، پُرسا یا سیاپا[۱]۔

---

۱. اتر پردیش کے ضلع غازی پور میں عزاداری کی روایت۔ (مضمون) ڈاکٹر عذرا عابدی مشمولہ راہِ اسلام شمارہ ۲۰۴ جون ۲۰۰۷، خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران نئی دہلی، ص ۱۴۱/۳۴۱ سید احمد دہلوی: فرہنگ آصفیہ جلد سوم مکتبہ ہیلی، لاہور ۱۹۹۸، ص ۱۷۲۔

عزادار (فارسی لفظ) صفت ماتم داری، سوگواری، سوگی، ماتمی، میت کے غم اور سوگ میں رہنے والا، میت کا غم کرنے والا[۱]۔

عزاداری (فارسی مونث) ماتم کرنا، عزاخانہ (مذکر) وہ گھر جہاں مرثیے پڑھے جاتے ہوں، ماتم و نوحہ خوانی ہوتی ہو یا تعزیہ رکھا جاتا ہو[۲]۔ مجالس (عربی لفظ) لیکن اس لفظ سے زیادہ تر "مجالسِ ماتمِ حسین" مراد لیتے ہیں یہ لفظ ماتمِ حسین کے لئے مخصوص ہو گیا ہے[۳]۔ سید علی اشرف موسوی علی آبادی عزاداری کی تعریف اس طرح بیان کرتے ہیں: "وہ حرکات و سکنات، کلمات و خطبات جو حسین کی عزاداری کے عنوان سے صادر ہوتے ہیں جیسے تقریریں، اشعار، مرثیہ سوز و کلام، سیاہ پوشی، اظہارِ حزن و ملال، شبیہ سازی، غرضیکہ تمام مظاہر جن سے عزاء اور غم حسین میں عزادار اپنے اندوہ و ملال کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ نیز مظلومِ کربلا پر ہونے والے ظلم و ستم پر احتجاج کرتے ہیں اور یکجہتی کا اعلان کرتے ہیں"[۴]۔

ڈاکٹر ندیم حسین اور شیخ ابرار حسین اپنی اہم تصنیف "شیعہ اینڈ شیعہ اسلام اِن انڈیا۔ اے اسٹڈی آف سوسائٹی اینڈ کلچر میں رقمطراز ہیں:

"عزاداری کے معنی ہیں ماتم کرنا، سوگ کرنا جو ایک شیعہ کی زندگی میں بے مثل جگہ رکھتی ہے یہ محرم کے درمیان کربلا کے المیہ کے متعلق مراسم ہیں یہ تعزیت، ماتم کا اجتماعی روپ ہے۔ خطیب، مذہبی مجمع کو شیعہ عقائد کی فضیلت، امام حسین اور ان کے ۷۲ رفقاء کی شہادت کی روحانی اہمیت کے متعلق بتاتا ہے۔ ہندوستان میں صرف شیعہ ہی نہیں بلکہ روشن خیال سنی حضرات خصوصاً حنفی مکتب فکر والے اور ہندو آبادی کی خاصی تعداد خاص طور پر دیہات میں رہنے والے، تعزیے رکھتے ہیں اور کسی نہ کسی طرح غم حسین مناتے ہیں۔ ہندو رجواڑے جیسے گوالیار، جے پور احترام کے ساتھ محرم مناتے ہیں جس سے ان کی ہندو اور مسلم رعایا کے درمیان جذباتی ہم آہنگی مضبوط ہوتی ہے۔ عقیدت مند۔ اس "خدار سیدہ بزرگ" کے فضل و کرم کی دعائیں کرتے ہیں اور نوحہ خوانی و ماتم کرتے ہیں۔ ہندوستان بھر میں محرم کے عشرے کے دوران ماتمی جلوس نکالے جاتے ہیں۔ شیعوں کے لئے یہ المیہ کربلا بہت شدید و روح فرسا واقعہ ہے جس کو بے توجہی یا سرسری طریقے سے نہیں منایا جا سکتا۔ اس لئے وہ محرم میں ماتم، گریہ زاری، سینہ زنی، ماتمی مجالس (جس میں واقعات کربلا بیان کئے جاتے ہیں) کا انعقاد کرتے ہیں۔

---

۱. خواجہ عبدالمجید: جامع اللغات جلد دوم "اردو سائنس بورڈ" لاہور، ص ۱۳۹۶۔
۲. مولوی نورالحسن نیر: نور اللغات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۸۹، ص ۱۱۸۔
۳. مرزا مہذب لکھنوی: مہذب اللغات لکھنؤ، جلد ہشتم، ص ۶۸-۶۷۔

ملک بھر میں تعزیوں کے جلوس نکلتے ہیں جو کربلا کی طرف جاتے ہیں"[1]۔

تصورات عزاداری

کربلا تو بنی نوع انسان کے شعور کی بیداری کے متعلق رزمیہ ہے اور ماتم حسین ایک تہذیبی نشان ہے۔ یہ توسل اہل بیت کا طریقہ ہے مودۃ القربیٰ کے لئے عزاداری حسین ایک ذریعہ ہے۔ لیکن عزاداری کی اصطلاحات کسی کتاب میں لکھی ہوئی نہیں ہیں۔ یہ سب رسومات بیک وقت شروع نہیں ہوئی ان کا بتدریج ارتقاء ہوا ہے۔ دراصل یہ مراسم عزاداری نذر و نیاز کے طریقے صوفیائے کرام نے قائم کئے اور ان کے مزاج کے مطابق سینہ بہ سینہ، پشت در پشت، نسل در نسل تک پہنچتے رہے ہیں۔ ۱۳ ویں صدی عیسوی سے ۲۰ ویں صدی عیسوی تک عزاداری سے متعلق کوئی کتاب نہیں تھی۔ سید حسین علی کربلائی کی "تحفۃ العوام" میں ماہِ محرم کے اعمال درج ہیں لیکن عزاداری یا نذر و نیاز کی بابت کچھ مرقوم نہیں ہے۔ جو اعمال ماہ محرم لکھے گئے ہیں وہ بھی شب عاشور سے لے کر آخر روز عاشور تک صرف ۵ گھنٹے میں ختم ہو جاتے ہیں۔ مراسم عزاداری تو پہلی محرم سے ۸ ربیع الاول تک منائے جاتے ہیں۔ چند علماء میں اس پر اتفاق رائے نہیں تھا کہ مجلس کیسے کریں؟ علم کیسے بنائیں؟ تعزیہ کیسے بنائیں؟ یہ سب معاملات زبانی ہیں۔ لیکن عزاداری اتنی مقبول ہوئی اور عزاداری کو نظام کے ساتھ ایسا جوڑ دیا گیا کہ اہل حرفہ بھی اس کے ساتھ جڑ گئے (حلوائی، بڑھئی، کہار، درزی، کمہار، سقے، نانبائی، وغیرہ بھی محرم میں تعاون کرنے لگے) معاشی نظریہ بھی پیش نظر رکھا گیا۔ جذباتی، سماجی، معاشی طور سے منسلک ہونے سے عزاداری کے نظام کی بنیاد وسیع اور مضبوط ہو گئی۔ صوفیائے کرام نے تو عوام کا یہاں تک خیال رکھا کہ حسینیہ یا بارگاہ امام کو امام باڑے کا نام دیا جو خاص ہندوستانی بول چال کا لفظ ہے۔ آج عزاداری ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کا اہم حصہ ہے۔

عزاداری ایک مکمل ادارہ ہے جس کی باقاعدہ اصطلاحات ہیں۔ یہ کسی لغت یا عالم کی کتاب میں موجود نہیں ہیں نہ ان کی وضاحت کی گئی ہے۔ ان اصطلاحات کو وہی سمجھ سکتا ہے جس نے انہیں بچپن سے دیکھا، سمجھا اور عمل کیا ہو۔ عزاداری کی مختلف ممالک میں متنوع کمیت اور کیفیت ہے۔ مثلاً ایران میں پردہ خوانی، روضہ خوانی بھی مراسم عزاداری میں شامل ہیں۔ وہاں قمع پر پابندی لگا دی گئی (کیونکہ علماء کے خیال سے اس سے بین الاقوامی سطح پر اسلام کے متعلق غلط پیغام جاتا ہے) سینہ زنی یا بغیر چھریوں کے زنجیری ماتم کر سکتے ہیں لیکن ماتم کے وقت قمیص اتار کر ماتم کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ ایران میں کربلائی واقعات کی ڈرامائی پیشکش کو "تعزیہ" کہتے ہیں۔ جہاں یہ ڈرامہ پیش کیا جاتا ہے اس جگہ کو "تکیہ" کہتے ہیں۔ جبکہ بحرین میں

1. Nadeem Hasnain & Sheikh Abrar Husain: Shias And Shia Islam In India - A Study of Society & Culture, Harnam Publications, New Delhi, 1985.

جلوس عزا کو تعزیہ کہا جاتا ہے۔ لبنان میں عزاداری کو "تعزیہ" یا "ذکرہ" کہا جاتا ہے۔

قبل و مابعدِ کربلا ہونے والے واقعات جس طرح یاد کئے جاتے ہیں ان کو مراسم عزاداری کہا جاتا ہے۔ عزاداری صرف گریہ زاری کرنے یا ماتم منانے کے لئے ہی نہیں ہے۔ ہندوستان (بلکہ برصغیر ہند) میں عزاداری حسینی انقلاب کے تمام پہلوؤں کی نشر و اشاعت پر محیط ہے اور تعزیہ روضۂ حضرت امام حسین کے لئے مخصوص ہے جو عام طور پر جلوس عزا میں برآمد کیا جاتا ہے۔ تعزیے یا شبیہ کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں جس میں تعزیہ بنانے والے کا اندازِ فکر، ایجاد و اختراع کی صلاحیت بھی شامل ہوتی ہے لیکن بنیادی چیز ہے رثائی اثر یعنی ناظرین کے دل و دماغ میں غمِ حسین رچ بس جائے۔ تعزیہ داری میں مقامی رسموں، رواجوں کا بھی دخل ہوتا ہے۔

مقاتل و مصائب خوانی

مجالس یا یادگاری اجتماع بھی حضرت امام حسین اور اُن کے رفقاء و انصاران کی شہادت اور عاشورہ کے دلخراش المیہ کی یاد دلانے کے لئے کئے جاتے ہیں۔ اِن میں حضرت امام حسینؑ کی حیات طیبہ اور اُن کے وفادار ساتھیوں کا تذکرہ ہوتا ہے۔ کہیں مقاتل پڑھے جاتے ہیں کہیں مصائب خوانی ہوتی ہے۔ ان میں مظالم اور زیادتیوں کا تاریخی ریکارڈ بھی ہوتا ہے اور شیعہ فرقہ کی یادگاری رسوم اور معمولوں (Rituals) کا ذکر بھی شامل ہو جاتا ہے۔ کلاسیکی یا بنیادی مقاتل عربی میں لکھے گئے دوسری زبانوں میں بھی کوششیں ہوئیں۔ عراق میں ایک شخص مقاتل پڑھتا ہے سوگوار سامعین سر دھنتے ہیں اور گریہ کرتے ہیں۔ ایران میں روضہ خوانی کا عروج مصیبت خوانی میں ہوتا ہے۔ محرم کے پانچوں معمولوں کو مصیبت خوانی میں شامل نہیں کیا گیا۔ صنف مقاتل کو لسانی تناظر میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔ مقاتل میں عمل تخاطب (Macro Speech Act) خود بہت چھوٹے عمل تخاطب پر مشتمل ہوتا ہے۔ مقاتل کے اثرات ذہن میں پر سوزِ جذبات اور احساسِ ہمدردی پیدا کرتے ہیں۔ انہیں زبان کے متاثر کن عمل (Effective Language Act) کی ایک قسم مانا جا سکتا ہے۔ مقاتل کے تصدیقی کردار یا خصوصیات کے باوجود جو گذرے واقعات کی کچھ روداد پیش کرتے ہیں، یہ شخصی فنکارانہ خصوصیت کے مظہر ہیں کیونکہ ان کا دُہرانا کسی چیز کو کرکے دکھانے کا حصہ ہوتا ہے[1]۔

یہ متون کچھ اس مواد کی تشکیل کرتے ہیں جنہیں ہم بلا شبہ مذہبی یا رسومی شخصی فنکارانہ عمل تخاطب (Religious or ritual performance or speech act) مان سکتے ہیں جو شخص اسے دُہراتا ہے اور جو اسے سنتا ہے دونوں کسی

۱۔ محمد رضا فخر روحانی: صنف مقاتل: ایک ابتدائی تلاش و مطالعہ، ان کے متون کی نوع بندی، (مضمون) مشمولہ، راہ اسلام، خانہ فرہنگ شمارہ نمبر

مذہبی یا رسومی عمل تخاطب انجام دے رہے ہوتے ہیں ایسے اعمال کو آسٹن کے مطابق عادت (Behative) کہا جا سکتا ہے کیونکہ ان سے سماجی برتاؤ اور رویہ (Attitudes and social behaviour) کا اظہار ہوتا ہے۔ انہیں ظہاری (Expressive) مانا جا سکتا ہے۔ زبان کا کھیل ایک طرح کا سماجی عمل، زندگی کی ایک شکل ہے' طرز بیانیہ کے اعتبار سے مصیبت خوانی میں مقتل کے ایک حصہ کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے جبکہ مقتل ایک کتاب یا کم از کم ایک رسالے کی صورت میں ہوتا ہے۔ مصیبت خوانی عام طور پر مختصر اور زبانی متن ہوتی ہے جس میں ایک یا دو مناظر کے بیان پہ توجہ مرکوز ہوتی ہے اور اس کا مقصد سامعین میں شدید جذباتی ہلچل پیدا کر کے زیادہ سے زیادہ گریہ اور بکا کو ابھارنا ہوتا ہے۔ دونوں کا موضوع مواد ایک ہی بیانیہ دائرہ ہوتا ہے۔ یہ چند مجموعہ روایات اور توقعات کو پورا کرتے ہیں۔ اس لئے ایک قسم کی صورتحال کے موافق اور مطابق ہوتے ہیں۔ مصیبت کا ایک شخصیاتی مدارج اور اس کا دائرہ کار (Range of Foci persona) ہوتا ہے یہ دائرہ کار اصل میں معصوم اور غیر معصوموں کے درمیان منقسم ہوتا ہے۔ کچھ مقاتل میں امام حسینؑ کے گروہ پر ہوئے ظلم و ستم کو مرکزِ توجہ میں رکھا جاتا ہے جبکہ کچھ میں تحلیلی تجربے کئے گئے ہیں اور اس واقعہ کو سماجی، نفسیاتی، یا سیاسی رخ سے دیکھنے کی کوشش کی گئی ہے[۳]۔

عزاداری صرف غم منانے کے لئے نہیں ہے یہ گہرے فلسفے سے تعلق رکھتی ہے۔ اللہ کی خوشنودی کے لئے اللہ کی راہ میں ہر چیز کی قربانی کرنے کو ہمیشہ تیار رہنے کے لئے یاد دہانی ہے۔ حسین منارۂ نور ہیں اُن سے عقیدت دلوں کو زندہ رکھتی ہے۔ ہر زندہ شخص غم کرتا ہے اور عزاداری کرتا ہے۔ مجلس، مرثیہ، جلوس، تعزیے سب انہیں روایات سے تعلق رکھتے ہیں۔

شہدائے کربلا کا غم کرنا، تعزیہ رکھنا، مجلس کرنا یہ سب اصطلاحات عزادارِی ماتم حسینؑ کے لئے مخصوص ہو گئی ہیں[۴]۔ عصر عاشور کو حسین مظلوم نے ایمان کی بقا کی خاطر جو عظیم قربانیاں پیش کی تھیں، وہ تاریخ بشریت کی عدیم المثال قربانیاں بن گئیں۔ ذکر شہادت ہر اس شخص کا فریضہ ہے جو ظلم کے خلاف مظلوم کی حمایت کرنا چاہتا ہے بقول مولانا ابو الکلام آزاد:

"اربابِ درد و غم کے لئے یہ ایک ایسی داستان ہے جو صدیوں سے موجود ہے، جو کبھی بُھلائی نہیں جا سکتی اور اگر لوگ اسے بُھلا بھی دیں تو ہر سال چند ایسے ماتم آلود دن ہیں جو تازگی زخم کہن کے لئے موجود ہوتے ہیں جو از سرِ نو

---

۱. محمد رضا فخر روحانی: صنف مقاتل: ایک ابتدائی تلاش و مطالعہ، ان کے متون کی نوع بندی، (مضمون) مشمولہ، راہ اسلام، خانہ فرہنگ شمارہ نمبر ۲۰۴، جون ۲۰۰۷، ص ۱۱۷ تا ۱۱۹۔
۲. ایضاً۔
۳. ایضاً۔
۴. مہذب لکھنوی: مہذب اللغات، ص ۶۷۔

تیرہ سو سال پیشتر کے ایک حادثۂ عظیم کی یاد پھر سے تازہ کر دیتے ہیں۔ فی الحقیقت یہ آزادی و حریت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی عظیم الشان انسانی قربانی تھی۔ دنیا میں ہر چیز مر جاتی کہ فانی ہے مگر خونِ شہادت کے ان قطروں کے لئے جو اپنے اندر حیاتِ الٰہیہ کی روح رکھتے ہیں کبھی بھی فنا نہیں"[1]۔

عزاداری اور تعزیہ داری حسینی انقلاب کے مختلف اور متنوع پہلوؤں کی نشر و اشاعت کے لئے مخصوص ہو گئی ہے۔ اس کی بدولت عوام حسینی انقلاب کے آثار و اثرات سے کچھ نہ کچھ واقف ہو جاتے ہیں۔ غمِ حسین میں گریہ کرنا ایک فطری عمل ہے اور تقاضائے مودت و محبتِ آلِ رسول اور شہدائے کربلا ہے۔

1۔ کربلا شناسی عشرہ محرم الحرام (مضمون) مولانا ابوالکلام آزاد، راہ اسلام، خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، دہلی نو، شمارہ ۲۰۴، جون ۲۰۰۷ء، ص ۲۲۔

باب دوم

جوازِ عزاداری

اظہار غم ایک فطری عمل

اظہار غم ایک فطری عمل ہے اسی طرح اظہار مسرت بھی عین فطرت ہے۔ جب کوئی دلخواہ شے ملے یا کوئی شخص آ جائے جسے دل پسند کرتا ہے یا کوئی واقعہ ایسا ہو جس سے دل خوش ہو جائے تو انسان بشاش ہوتا ہے۔ قہقہہ لگاتا ہے لیکن جب کوئی حادثہ ایسا ہو جو دل پر چوٹ کرے، کوئی محبوب شے چھن جائے تو انسان غمگین ہوتا ہے۔ آہ و بکا کرتا ہے، گریہ زاری کرتا ہے۔ یعنی غم و مسرت انسانی فطرت کے تقاضے ہیں۔ یہ کسی خاص وقت، خطے یا نسل تک محدود نہیں ہیں لیکن احساسِ غم زیادہ پر اثر اور دیر پا ہوتا ہے۔ کوئی بات قہقہوں کے ساتھ کہی جائے تو اس کا دل پر اتنا اثر نہیں ہوتا جتنا آنسوؤں کے ساتھ بات کہنے کا ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص جو دل کے بہت نزدیک ہو، جدا ہو جائے تو اظہار غم کرنا عین فطرت ہے۔

قرآن کریم میں ذکرِ گریہ

اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے اس لئے قرآن کریم میں متعدد جگہ گریہ کے متعلق ذکر ہے اور اس کا درجہ بلند بتایا گیا ہے۔ سورۂ مریم ۱۹، آیت ۵۸[۱]۔ سورۂ المائدہ ۴، آیت ۸۳[۲]۔ سورۂ بنی اسرائیل ۱۷، آیت نمبر ۱۰۹[۳]۔ سورہ النجم ۳۵ آیت ۴۴[۴]۔ میں گریہ کے

---

۱. جب ان کے سامنے خداوند عالم کی نازل کی ہوئی آیات کی تلاوت کی جاتی تو وہ روتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے (سورہ مریم، آیت ۵۸)۔

۲. جو چیز پیغمبر اسلام کی طرف سے نازل کی گئی جب وہ اُس کو دیکھتے تو معرفت کے سبب اِن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اس لئے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا (سورہ المائدہ، آیت ۸۳)۔

۳. اور یہ لوگ سجدہ میں ٹھوڑیوں کے بل روتے ہوئے گر پڑتے ہیں اور یہ اِن کی خاکساری کو بڑھاتا جاتا ہے (سورہ بنی اسرائیل، آیت ۱۰۹)۔

۴. اور وہی خداوند ہنساتا بھی ہے اور رُلاتا بھی ہے (سورہ النجم، آیت ۴۴)۔

متعلق ارشادات ہیں۔ سورہ ۹ توبہ آیت ۸۲ میں ارشاد ہے "ہنسو کم اور روؤ زیادہ"[۱] سورہ یوسف (پارہ ۱۳) میں حضرت یعقوبؑ کے متعلق کہا گیا ہے کہ روتے روتے ان کی آنکھیں سفید ہو گئیں[۲]۔ فرعون جیسے بدکاروں کے لئے زمیں آسمان نہیں روئے[۳]۔

رونا سنت رسول ہے

رسول اکرم انسانِ کامل تھے ان کی سیرت ہمارے لئے شمع ہدایت ہے اور طریقِ زندگی سنت۔ آنحضرت نے بھی گریہ فرمایا ہے۔ اپنے فرزند ابراہیم کی حالتِ اختصار[۴] میں، حضرت حمزہ کی شہادت[۵]، حضرت جعفر کی شہادت پر[۶] اور حضرت

---

۱. ہنسا کم چاہیے رونا زیادہ چاہیے۔ سورہ توبہ، آیت ۸۲۔

۲. (حضرت یعقوبؑ) نے کہا "یوسف پر افسوس ہے" اور روتے روتے اُن کی آنکھیں سفید ہو گئیں پس وہ بڑے صبر کرنے والے تھے (پارہ ۱۳ سورہ یوسف)۔ کچھ لوگ آیت میں (ارشاد عالی "فھو کظیم" کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ حضرت یعقوبؑ غم برداشت کرنے والے تھے اس کا مطلب یہ ہوا کہ حضرت یعقوب ذرا بھی نہیں روئے۔ کظیم کے معنی ہوتے ہیں غصہ کو پی جانے والا۔ حضرت یعقوب غصہ کو پی گئے غصہ کا اظہار نہیں کیا لیکن غم یوسف میں روتے رہے۔ کچھ حضرات نے کہا کہ جب یوسف کو دیکھ کر حضرت یعقوب ہنسے تو حضرت یوسف گم ہو گئے اور جب خوب گریہ کیا تو حضرت یوسف انہیں مل گئے۔

۳. فرعون جیسا بدکار اور دعویدارِ خدائی کا بیڑا دریائے نیل میں غرق ہوا تو قرآن پاک نے اس کی بداعمالی کا اظہار اِس طرح کیا کہ اِس پر نہ آسمان رویا نہ زمین نہ انہیں مہلت دی گئی۔ یعنی بدکاروں کے لئے زمین و آسمان نہیں روتے (سورہ الدخان ۴۴، آیت ۱۹)۔

۴. حضرت انس سے روایت ہے کہ وہ رسول خدا کی خدمت میں ایسی حالت میں حاضر ہوئے جب آپکے فرزند حضرت ابراہیم حالتِ اختصار میں تھے اور آنحضرتؐ کی آنکھوں سے اشکب جاری تھے۔ عبدالرحمٰن بن عوف نے کہا یا رسول اللہ مصیبت میں عوام روتے ہیں کیا آپ بھی گریہ فرماتے ہیں؟ رسول خدا نے فرمایا کہ یہ رحمت ہے اور پھر آپ نے گریہ فرمایا اور ارشاد کیا "آنکھیں روتی ہیں جب دل غمگین ہوتا ہے اور ہم ایسی بات نہیں کہتے جو خدا کو پسند نہ ہو اور اے ابراہیم میں تیری جدائی پر غمگین ہوں"۔ (صحیح بخاری حدیث ۲۳۹ ص ۱۴۰)

۵. غزوۂ احد میں جناب حمزہؓ شہید ہوئے۔ رسول خدا جب مدینہ تشریف لائے تو سنا لوگ اپنے مقتولین پر نوحہ زاری کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا ہائے میرے چچا حمزہؓ پر کوئی نہیں روتا۔ مدینہ والوں نے یہ سنا تو اُنہوں نے اپنی عورتوں کو حکم دیا۔ حضرت حمزہؓ پر جا کر ماتم کرو۔ جب آنحضرت کو معلوم ہوا کہ انصار کی عورتیں جناب حمزہؓ پر رو رہی ہیں تو آپ وہاں گئے اور عورتوں سے کہا: "اب اپنے گھروں کو جاؤ خدا تم پر رحم کرے تم نے حق اخوت ادا کر دیا" (سیرت النبی از علامہ شبلی نعمانی ص ۳۸۶ و ۳۸۷، مدارج النبوت جلد ۲ ص ۱۲۵ نول کشور، لکھنؤ۔) جناب صفیہ جناب حمزہؓ کے سرہانے پہنچ گئیں۔ جناب فاطمہ بھی اُن (جناب حمزہؓ) پر روتی تھیں اُن کے رونے سے رسول اکرم بھی رونے لگتے (مدارج النبوت، جلد ۲ ۱۵۲)۔

۶. جناب جعفر طیار کی بیوی اسماء بنت عمیس بیان کرتی ہیں کہ جب آنحضرت کو جناب جعفر کی شہادت معلوم ہوئی تو آپ میرے گھر تشریف لائے بچوں کو گود میں لے کر پیار کرتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے۔ میں نے کہا یا حضرت شاید حضرت جعفر شہید ہو گئے فرمایا ہاں۔ یہ سن کر میں کھڑی ہو گئی اور نوحہ و فریاد کرنے لگی۔ میرے رونے پیٹنے سے عورتیں جمع ہو گئیں آنحضرت آنسو بھرے ہوئے فاطمہؑ کے گھر تشریف لے گئے دیکھا وہ یا عماہ یا عماہ کہہ کر رو رہی تھیں۔ آنحضرت نے فرمایا "جعفر ایسے شہیدوں پر لوگوں کو ضرور گریہ وبکا کرنا چاہئے"۔

[illegible]

ابوطالب کے انتقال کی خبر سن کر آنحضرت بھی روئے[1]۔

جناب شاہ عبدالحق تحریر فرماتے ہیں:

"ابن مسعود سے منقول ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے رسول خدا کو کبھی اتنا روتے نہیں دیکھا جس قدر رسولؐ اپنے چچا جناب حمزہ پر روئے تھے۔ حضرت ان کے جنازے پر کھڑے ہوئے، رونے لگے اور گریہ غم سے بیہوش ہو گئے[2]"۔

انبیاء نے بھی گریہ کیا

حضرت آدم ہابیل کی شہادت پر بہت روتے تھے اور اپنی اولاد کو وصیت فرما گئے تھے یہی معمول جاری رکھیں[3]۔ حضرت نوحؑ (جن کا اصلی نام عبدالغفار تھا) اس لئے روتے تھے کہ آپ نے اپنی قوم کے لئے بددعا کی تھی جس کی وجہ سے وہ ہلاک ہو گئی تھی، زیادہ نوحہ کرنے، رونے کے سبب آپکا لقب نوح ہو گیا۔ یعنی زیادہ نوحہ کرنے والا[4]۔ حضرت ابراہیم کے لئے قرآن کریم میں ارشاد ہے کہ وہ بہت حلیم اور آہ کرنے والے تھے[5]۔ حضرت یعقوب غم یوسف میں اتنا روئے کہ آنکھیں سفید ہو گئیں[6]۔ حضرت شعیب متواتر دس سال تک اتنا روئے کہ بصارت جاتی رہی[7]۔ جناب یحییٰ بن زکریاؑ بچپن میں خوف خدا سے روتے تھے یہاں تک کے آپ سات شب و روز صحرا میں روتے رہے[8]۔

صحابہ کرام کا گریہ

پیغمبر اسلام کی وفات کے وقت حضرت ابو بکر اور حضرت عمر کی یہ حالت ہوئی کہ ان کے آنسو رواں تھے اور آہ و نالہ بلند کرتے تھے[9]۔ حضرت ابن عباس جمعرات کے دن کو یاد کرکے رونے لگے پھر فرمایا جمعرات کے دن ہی رسول اللہ کا مرض شدید ہو

---

۱. جب حضرت علی نے آنحضرت کو بتایا کہ جناب ابوطالب کا انتقال ہو گیا تو حضرت یہ سن کر بہ شدت روئے (تاریخ خمیس، جلد ۱، ص ۳۳۹)۔

۲. رسول اکرم روتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے: "اے رسول خدا کے چچا، ہائے خدا کے شیر، ہائے اے رسول کے شیر۔ ہائے اے حمزہ، ہائے اے اچھے کاموں کے کرنے والے۔ ہائے اے حمزہ اے مصیبتوں کے دفع کرنے والے، ہائے اے حمزہ اے رسول خدا سے دشمنوں کو ہٹانے والے۔ آنخضرت اتنا روئے کہ بے ہوش ہو گئے" (مدارج النبوت، جلد ۲، ص ۵۷۶)۔

۳. حکیم امتیاز حسین، عزاداریِ حضرت امام حسینؑ، ص ۱۰۳۔

۴. الصاوی علی الجلالین جلد ۲، حوالہ مولانا فتحیاب حسین، برکات غم، انجمن سوگوار حسینی نوکانواں سادات۔

۵. حکیم امتیاز حسین، عزاداری حضرت امام حسینؑ، ص ۱۰۳۔

۶. سورۂ یوسف، آیت ۸۴۔

۷. ایضاً۔

۸. حکیم امتیاز حسین، عزاداری حضرت امام حسینؑ، ص ۱۰۴/ مدارج النبوت، جلد ۲، ص ۵۷۶۔

۹. صحیح بخاری، جلد اول، ص ۴۲۹۔

تھا[1]۔ آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد حضرت بلال نے اذان دینی چھوڑ دی تھی اور ایک زمانہ تک شام میں سکونت پذیر رہے۔ جب وہ مدینہ واپس آئے تو لوگوں نے ان کا استقبال کیا۔ وہ قبر نبی پر آئے تو اُس پر رونا شروع کر دیا۔ جب اہل مدینہ کے اصرار پر انہوں نے اذان دی اور اللہ اکبر کہا تو مدینہ آواز گریہ سے ہلنے لگا اور جب اشھد ان محمد رسول اللہ کہا تو کوئی ذی روح ایسا نہ تھا جو رو یا نہ ہو۔ ابو عبیدہ معاذ بن جبل روتے روتے بے تاب ہو گئے حضرت عمر کی ہچکی لگ گئی اور دیر تک اثر رہا[2]۔

خالد بن ولید کا انتقال ہوا تو عورتوں نے گریہ نہیں کیا کیونکہ حضرت عمر اور خالد میں کدروت تھی۔ مگر حضرت عمر نے ڈانٹا کہ عورتوں نے گریہ کیوں نہیں کیا[3]۔ حضرت عمر نے سزا میں اپنے بیٹے کو کوڑے لگوائے جب وہ مر گیا تو اپنے بیٹے کا سر اپنی گود میں لیکر گریہ کیا[3]۔ علامہ شبلی نعمانی نے حضرت عمر کے زمانے کے مکہ کے ایک واقعہ کا ذکر کیا ہے[4]، ایک شخص متمم بن نویرہ تھا خالد بن ولید نے اس کے بھائی کو مار ڈالا۔ متمم اپنے گھر سے نکل پڑا اور قبائل عرب میں گھومتا پھرتا تھا اور لوگوں کو درد انگیز لہجے میں اپنے بھائی کا مرثیہ پڑھتا لوگ گریہ زاری کرتے تھے جب وہ مسجد نبوی میں آیا وہاں حضرت عمر موجود تھے اُس نے مرثیہ کے اشعار پڑھنے شروع کئے تو حضرت عمر کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے[5]۔

رسول اللہ کی وفات کے بعد اُن کی صاحبزادی جناب فاطمہ اپنے والد کو یاد کرکے آہ و زاری کرتی تھیں یہاں تک کہ آنحضرت کی رحلت کے چند ماہ بعد ہی آپ کا بھی انتقال ہو گیا۔

عزائے حسین

آنحضرتؐ کو نبوت کے منصب کی وجہ سے اپنی زندگی میں ہی شہادت حسینؑ کی اطلاع ہو گئی تھی[6]۔ حضرت جبریل امین نے تو کربلا کی مٹی لاکے رسولِ خدا کو سونگھنے کے لئے دی تھی۔ رسول پاک نے گریہ فرمایا تھا۔ مستند کتابوں میں درج متعدد

---

۱. علامہ شبلی نعمانی، الفاروق، ص ۱۹۰۔

۲. عقد الفرید، جلد ۲، ص ۵۔

۳. ازالۃ الخفاء، جلد ۲، ص ۱۵۱۔

۴. شبلی نعمانی، موازنۂ انیس و دبیر۔

۵. حکیم امتیاز حسین، عزاداری حضرت امام حسینؑ، ص ۸۰۲۔

۶. ولادت حسین کی اطلاع ہوئی تو رسول اکرم حضرت علی اور فاطمہ کے گھر پہنچے اسماء بنت عمیس نے نومولود (حضرت حسین) کو لاکر رسولؐ کی آغوش میں دیا بے ساختہ رسول اللہ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اسماء نے نبی پاک سے گریہ کا سبب پوچھا تو آنحضرتؐ نے فرمایا اِس کو

روایات ایسی ہیں جن میں بعد از واقعہ کربلا آنحضرتؐ کا شہادت حسین پر گریہ کرنے کا ذکر ہے[1]۔

ائمۂ کرام اور علمائے اسلام کا گریہ

شہادت امام حسین کے روز سے ہی بزرگانِ دین، فقہا، ائمہ کرام و مشائخ نے اس واقعہ پہ اظہار غم کیا اور گریہ فرمایا ہے۔ ان میں سے کچھ نام ہیں: حضرت زین العابدینؑ[2]، حضرت محمد باقرؑ[3]، حضرت امام جعفر صادقؑ[4]، حضرت امام علی بن

---

1. عبداللہ بن نجی نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ وہ حضرت علیؑ کے ساتھ صفین کی طرف جارہے تھے جب نینوا پہنچے تو حضرت علیؑ نے آواز دی:
"اے اللہ کے بندے شط فرات میں ٹھہر جاؤ"۔ میں نے پوچھا: "شط فرات کیا چیز ہے؟" امام نے فرمایا:
"ایک مرتبہ رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا میں نے دیکھا حضور کی آنکھوں میں آنسو ہیں۔ میں نے پوچھا: کیا وجہ ہے آپؐ رو رہے ہیں؟ فرمایا: تھوڑی دیر پہلے جبریل امین میرے پاس کھڑے تھے اور مجھ سے کہا کہ حسین شط فرات میں شہید کیا جائیگا"۔
اس حدیث کو ابن حجر نے اپنی کتاب صواعق محرکہ میں، سبط ابن جوزی نے اپنی کتاب تذکرۃ الخواص، بغوی نے اپنی کتاب "معجم" متقی ہندی نے اپنی کتاب منتخب کنزالعمال میں ان کے علاوہ اور بہت سے اہل سنت اور شیعہ حضرات نے نقل کیا ہے۔
حافظ ترمزی جامع صحیح، ص ۱۹۳ (ان سے ابو سعید الشیخ نے ان سے ابو خالد احمد نے اور ان سے زرین حبیب الجہنی اسکری الکوفی نے سلمہ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ حضرت ام سلمہ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو وہ گریہ فرمارہی تھیں۔ میں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں نے رسول اکرمؐ کو خواب میں دیکھا آپ کی ریش مبارک اور سر پر خاک پڑی ہوئی تھی۔ میں نے سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں ابھی شہادتِ حسین کو دیکھ کر آرہا ہوں۔ یہ حدیث، حدیث و تاریخ کی اور بھی کئی مستند کتابوں میں درج ہے۔
امام احمد بن حنبل مسند صفحہ نمبر ۲۸۳ پر رقمطراز ہیں:
مجھ سے عفان بن مسلم ابو عثمان البصری نے ان سے حماد بن سلمہ البصری نے اور اُن سے عمار بن ابی عمار المکی نے ان سے حضرت عبداللہ بن عباس (مشہور صحابی اور عم زادہ پیغمبر) نے بیان کیا ہے کہ میں نے دوپہر کے وقت پیغمبر اسلام کو خواب میں دیکھا آپ کے بال پریشان اور گرد آلود تھے آپ کے ہاتھ میں ایک شیشی تھی جس میں خون تھا۔ مرے پوچھنے پر آپ نے فرمایا: یہ حسین اور ان کے اصحاب کا خون ہے جسے میں صبح سے درج کر رہا ہوں۔ بعد میں معلوم ہوا وہی روز شہادت حسین تھا۔ یہ روایت کئی کتابوں میں درج ہے۔
2. حضرت امام زین العابدینؑ واقعہ کربلا کے بعد تمام عمر اپنے والد گرامی اور دیگر شہدائے کربلا کے غم میں روتے ہی رہے۔ ایک بار ان سے عرض کی گئی یا امام آپ کا یہ گریہ کب کم ہوگا آپ نے فرمایا۔ حضرت یعقوب کا تو ایک بیٹا گم ہوا تھا تو روتے روتے اُن کی آنکھیں سفید ہو گئی تھیں میں نے تو اپنے مظلوم باپ، بھائی، چچا اپنے خاندان کے سترہ جوان شہید ہوتے دیکھے ہیں۔ اپنے مظلوم باپ کے اعوان و انصار کی لاشیں زمین پر بے گور و کفن پڑے دیکھے ہیں پس میرا غم و گریہ و زاری کیسے ختم ہو۔
3. حضرت امام جعفر صادقؑ حضرت حسینؑ پر زیادہ حزن و گریہ کرنے والوں میں سے تھے۔ آپ فرماتے تھے جو کوئی حضرت حسینؑ کا ذکر کرے اس کے بعد روئے یا دوسرے کو رلائے خداوند اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور اس کے لئے بہشت واجب کر دیتا ہے۔
4. حضرت امام محمد باقرؑ واقعہ کربلا میں موجود تھے اور کمسن تھے آپ واقعات کربلا یاد کر کے گریہ فرماتے تھے۔

موسیٰ کاظمؑ[۱]، جناب حسن بصری[۲]، بابا فرید گنج شکر[۳]۔ حضرت مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہ[۴]، جناب بختیار کاکی[۵]، علامہ شہاب الدین ابن حجر مکی[۶] (مفتی اعظم مکہ بھی تھے)۔ حضرت شرف الدین بصیری[۷]، علامہ شہاب الدین[۸] (دولت آباد)، سلیمان بلخی قندوزی[۹]، حضرت سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی چشتی[۱۰]، حضرت شیخ الاسلام مخدوم علاء الحق پنڈی[۱۱]، خواجہ

---

۱. حضرت امام علی ابن موسیٰ کاظمؑ فرماتے ہیں: ہم پر کربلا میں جو مظالم کئے گئے انہوں نے قیامت تک ہمارے لئے مصیبت وآہ وزاری کا سامان مہیا کر دیا۔

۲. جب حسن بصریؒ کو شہادت امام حسینؑ کی خبر ہوئی تو وہ اتنا روئے کہ اِن کی کنپٹیاں شدت گریہ سے پھڑکنے لگیں۔

۳. حضرت بابا فرید گنج شکرؒ عاشورہ کے دن اس واقعہ کا ذکر کر کے ہائے ہائے کا نعرہ لگاتے اور بے ہوش ہو جاتے تھے۔

۴. حضرت مخدوم شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری قدس سرہ کی بھی یہی حالت تھی۔

۵. جناب بختیار کاکی فرماتے تھے کہ جبرئیل نے رسول خداؐ کو شہادت حسینؑ کی خبر دی تو آنحضرت نے فرمایا جب ہم میں سے کوئی بروز کربلا زندہ نہیں رہے گا تو میرے اہل بیت کی تعزیت کون کرے گا۔ جبرئیل امین نے جواب دیا آپ کے امتی آپ کے فرزندوں کی تعزیت کریں گے اور وہی ماتم برپا کریں گے اور ماتم حسین ہر سال قائم ہوتا رہے گا۔

۶. علامہ شہاب الدین ابن حجر مکی صواعق المحرقہ میں تحریر کرتے ہیں۔ آپ اپنے آپ کو بچایئے پھر بچایئے ایسا نہ ہو کہ ناصبیوں کی بدعات جو اہل بیت رسول کے خلاف تعصب رکھتے تھے کہیں آپ کرنے لگیں یعنی فرح و سرور کو ظاہر کرنا، عاشورہ کے دن عید منانا اور آرائش و زینت کرنا، خضاب کرنا، نئی پوشاک پہننا، خرچ میں فیاضی کرنا، کھانے وغیرہ معمول سے زیادہ پکانا اور ان کا یہ سمجھنا تھا کہ یہ اُمور مسنون و معتاد ہیں، غلط ہے۔ بلکہ ان تمام اُمور کا ترک کرنا سنت ہے۔

۷. حضرت شرف الدین بُصیریؒ نے امام مظلوم کا مرثیہ کہا ہے جو ہمزیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس کے ایک شعر کی شرح جناب شہاب الدین احمد بن عبدالقادر اپنی کتاب ذخیرۃ المال فی شرح جواہر الاسلام میں یوں مذکور فرماتے ہیں:

"جو شخص اس مصیبت عظمیٰ پر نہ روئے اُس کو چاہئے کہ اپنے کو بہ تکلف رونے والا بنائے اس لئے کہ اِس مصیبت کی وجہ سے رسول اسلام روئے تھے۔ اے شخص جب تک دم میں دم ہے تو بھی روتا رہ کیونکہ اِس مصیبت کے مقابلے میں رونا بہت کم چیز ہے۔ یہ رونا اور اندوہ کرنا صرف عاشورہ یا زمین کربلا کے لئے مخصوص نہیں ہے"۔

۸. علامہ شہاب الدین (دولت آباد) نے اپنی کتاب ہدایۃ السعد میں تعزیہ داری امام کے جواز میں ایک مستقل باب "جلوہ نہم" میں تحریر فرمایا ہے:

حسین جن کے مصائب پر رسول اللہؐ، حضرت علیؑ حضرت سیدہؑ قبل شہادت اور بعد شہادت دونوں زمانوں میں روئے اور جن پر حضرت آدم و حوا، فرشتے، عرش و کرسی، آسمان و زمین، صحابہ رسولؐ، پرندے، چرندے جانور پتھر انسانوں اور جنوں کے تمام گروہ نے گریہ کیا۔

۹. سلیمان بلخی قندوزی نقشبندی نے اپنی کتاب ینابیع المودہ جلد ۲ ص ۳۵۷ میں ایک خاص باب فضائل گریہ تحریر فرمایا ہے۔

۱۰. حضرت سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی چشتی کی یہ حالت تھی کہ محرم کا چاند دیکھ کر بے قرار ہو جاتے تھے اور گریہ وزاری میں مصروف ہو جاتے تھے اور رسم عاشورہ برپا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ تمام اکابر سادات کا یہی طریقہ ہے۔

۱۱. حضرت شیخ الاسلام مخدوم علاء الحق پنڈی کہا کرتے: "یعنی وہ کون کمبخت دل ہوگا جو خاندان رسول اور جگر گوشان بتول کے ماتم میں نہ روئے [illegible]"

معین الدین چشتی اجمیری[1]، مولانا شاہ محمد فخر عالم صاحب سجادہ نشین خانقاہ بھاگلپور[2]، شاہ عبدالعزیز قدس سرہ، امام شافعی وغیرہ[3]۔

جس چیز کے ذریعے کسی کو یاد کیا جاتا ہے اس کو شعائر کہتے ہیں۔ ماتم، مجلس، علم، تعزیہ، تابوت، ذوالجناح، وغیرہ شعائر حسینی ہیں جن کا احترام ہر محبِ آل رسول کے لئے ضروری ہے۔ یہ سب ظلم کے خلاف احتجاج ہیں مجالس میں ظالم و مظلوم، حق و باطل کی معرفت کرائی جاتی ہے۔ امام حسینؑ اور اُن کے اقرباء پر جو مظالم ہوئے، اِن کے لاشے دفن نہ ہونے دیے گئے تھے۔ اس لئے شبیہ تابوت کا مظاہرہ کرکے احتجاج ہوتا ہے۔ جس گھوڑے پر امام مظلوم بیٹھتے تھے اسے بھی ظالموں نے تیروں سے چھلنی کر دیا تھا یہ ذوالجناح اُس کی تصویر پیش کرکے احتجاج کرتا ہے۔ یہ تو اسلامی احتجاج ہے جس کے حوالے کم و بیش قرآن حکیم اور احادیث سے پیش کئے جاتے ہیں ورنہ احتجاج کا کوئی قانون نہیں ہوتا صرف اتنا ہی ہوتا ہے کہ احتجاج پر امن ہو کسی کو تکلیف نہ دیا جائے چنانچہ حسینی عزادار ماتم کرتے ہوئے خود زخمی ہو جاتے ہیں مگر کسی کو ستاتے نہیں۔

---

۱. سلطان الہند غریب نواز خواجہ معین الدین چشتی اجمیری تو اس حد تک قیام عزاء حسین برپا کرتے تھے کہ حضرت نے وصیت کی کہ ایام عشرہ میں برابر ان کے حرم میں مجلس حسین برپا کی جائے چنانچہ اس پہ آج بھی عمل ہوتا ہے۔

۲. مولانا شاہ محمد فخر عالم صاحب سجادہ نشین خانقاہ بھاگلپور نے اپنی قدیم کتابوں اور خطوں کے ذخیرہ میں سے مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کا ایک مکتوب عزاداری اور مجالس کے متعلق، حاصل کرکے مجلہ علمیہ معارف بابت ماہ اکتوبر ۳۲ آثار علمیہ و ادبیہ کے تحت شائع کر دیا ہے۔ آپ جیسے مقدس فاضل و محدث کا لکھا ہوا خط جس میں وہ اپنے عمل و معمولات کو ظاہر کرتے ہیں، کیوں نہ قابل قدر اور لائق عمل ہو۔

۳. جناب شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ، جن کا شمار اہل سنت کے مشہور علما میں کیا جاتا ہے کے متعلق مشہور ہے کہ وہ روز عاشورہ اہتمام کے ساتھ مجلس حسین برپا کرتے تھے، مرثیہ پڑھواتے تھے، خود روتے تھے اور دوسروں کو بھی گریہ کراتے تھے (خط بنام احمد یار خان ساکن کشن گنج کھگڑا)۔ مرثیہ خوانی کے متعلق آپ فرماتے ہیں، اس بارے میں فقیر کا جو کچھ معمول ہے اسے لکھا جاتا ہے۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں پورے سال میں فقیر خانہ پر دو مجلسیں منعقد ہوتی ہیں ایک ذکر وفات شریف کی مجلس اور دوسرے شہادت امام حسینؑ کے ذکر کی مجلس جو عاشورہ کے دن یا اس سے دو ایک دن پہلے۔ چار سو، پانچ سو اور کبھی کبھی ہزار کے قریب لوگ جمع ہوتے ہیں اور درود پڑھتے ہیں۔ اور جب فقیر باہر آتا ہے اور بیٹھتا ہے تو امام حسنؑ و امام حسینؑ کے وہ فضائل جو احادیث میں مذکور ہیں بیان کئے جاتے ہیں ان بزرگوں کی شہادت کے متعلق اور ان کے قاتلوں کی بدانجامی کے متعلق جو کچھ اخبار و احادیث میں ہے وہی بیان کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ان شدائد و مصائب کا تذکرہ ہو جاتا ہے جو احادیث معتبرہ کی روح سے آپ حضرات پر گزرے اور وہ مرثیے بھی پڑھے جاتے ہیں جن میں اُم سلمہ اور دوسرے صحابیوں نے جنوں اور پرندوں سے سنا ہے۔ اس کے بعد ختم قرآن اور پنج سورہ پڑھا جاتا ہے اور ماحضر پر فاتحہ دیا جاتا ہے۔ اُس وقت میں کوئی خوش الحان شخص سلام یا مرثیہ پڑھنا شروع کر دیتا ہے تو اس کے سننے کا اتفاق ہوتا ہے اور ظاہر ہے اس حالت میں اکثر حاضرین مجلس اور خود فقیر پر گریہ و بکا طاری ہو جاتا ہے۔ اگر یہ چیزیں فقیر کے نزدیک اسی طریقے سے جائز نہ ہوتیں تو کبھی اِن پر اقدام نہ کرتا اور دوسرے جو غیر شرعی امور ہیں ان کے بیان کی حاجت نہیں۔

۴. امام شافعی فرماتے ہیں اگر آل محمد کی دوستی کا نام رفض ہے تو دونوں جہان گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں، (فتاوی عزیزیہ، جلد ۴، ص ۱۰۴)۔

امام حسینؑ کی قربانی اہل اسلام کے لئے بھی ہے اور غیر مسلموں کے لئے بھی۔ بقول علامہ مولانا عقیل الغروی:
"یقیناً امام حسین کی عظیم قربانی اسلام کے لئے بھی ہے، پورے عالم انسانیت کے لئے بھی اور اپنے اندر بڑے پیغامات کی حامل ہے۔ خصوصاً آپ کی قربانی میں عدل و انصاف و امن آفرینی کے مطالبوں کے لئے اور ظلم و استحصال کو برداشت نہ کرنے اور مظلوم کو اپنی سچائی اور حق پر قائم رہنے کی زبردست تلقین بھی ہے اور قوت بھی۔ ظاہر ہے جب تک دنیا میں حق ناشناسی، باطل پرستی، ظلم اور استحصال کا سلسلہ جاری رہے گا جو کہ اس وقت بھی جاری ہے، اُس وقت تک پیغام حسینی کی معنویت باقی رہے گی"[۱]۔

شہادت امام حسینؑ پر غم منانا انسانی فطرت اور دین دونوں کا تقاضا ہے۔ اس غم کو منانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان کی قربانی کو فراموش نہ کریں اور ان کے تذکرے کو زندہ رکھیں ہر سال اُن سے محبت اور وفاداری کا عہد تازہ کرتے رہیں۔ امام حسین کا غم منانا ہر دور کے یزیدی صفت حامل حکمرانوں کی بیعت پر انکار کرنے اور دستِ حق پر بیعت کرنے کے مترادف ہے۔
اس کے علاوہ بھی بہت سے مطالب ہیں جن پر بہت سے علماء اور دانشوروں نے مقالات اور کتابوں میں روشنی ڈالی ہے۔

۱۔ سہارا، محرم نمبر، جنوری ۲۰۰۷ء، ۳۵

باب سوم

اہمیت عزاداری

ائمۂ معصومین نے اپنے پیروکاروں کو یاد و ماتم حسین پابندی سے بار بار کرنے کی تاکید کی ہے۔ عزاداری کے لئے یہ اصرار صرف گریہ کرنے تک ہی محدود نہیں ہے بلکہ اس کے کئی پہلو ہیں۔

اجر رسالت

قرآنِ حکیم میں خدائے برحق نے اپنے پیغمبر سے ارشاد فرمایا ہے: "کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس کا اجر طلب نہیں کرتا بجز اس کے کہ تم میرے قرابت داروں سے محبت کرو"۔ (پارہ ۲۵ سورہ شوریٰ ۴۲ آیت ۲۳) احادیث مستند میں ہے کہ رسول اکرم نے فرمایا کہ میرے اقربا سے مراد علیؑ فاطمہؑ اور ان کے فرزند ہیں۔ حضرت میر سید علی ہمدانی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب مودۃ القربیٰ میں اس آیت کی تفسیر ان الفاظ میں بیان کی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اے لوگو! تم خدا کو دوست رکھو اس لئے کہ اس نے اپنی نعمتیں تم کو عطا فرمائیں اور محبتِ خدا کے لئے مجھ سے محبت رکھو اور میری محبت کے لئے میرے اہلبیت کو دوست رکھو۔ پس جب کہ آل نبی کی دوستی کی بابت سوال کیا گیا ہے اور وہ ہم سے طلب کی گئی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ اپنی اُمت سے اپنے ذوی القربیٰ کی دوستی کے سوا اور کچھ طلب نہ کریں اور یہ دوستی ان کے لئے باعث نجات آخرت ہے اور آنحضرتؐ اور اُن کی آل اطہار سے توسل کا ذریعہ ہے۔ جو کوئی خدا تک پہنچنے اور اس کی جناب میں مقبول ہونے کا طالب ہو اس پر واجب ہے کہ رسول خدا سے محبت رکھے اور اہل بیت رسول خدا سے محبت رکھے اور اہل بیت رسول کی

دوستی اختیار کرے اور یہ بات آنحضرت کے آلِ اطہار کے فضائل کی معرفت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی[۱]۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا آلِ رسول سے مؤدت و محبت رکھیں۔ مؤدت کا تقاضہ ہے کہ ہم ان کی خوشی میں خوش اور غم میں غمگین ہوں۔ اس سانحۂ جانکاہ (معرکہ خیر و شر یعنی کربلا) میں امام حسین اُن کے اعزا اور رفقا کی شہادت) پر مغموم ہوں ایسی کیفیت تب ہوگی جب ہم صدق دلی سے انہیں یاد کریں۔ محبت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ آنسو اپنے آپ نکل آئیں کیونکہ شدتِ غم میں آنسو نکلنا ایک فطری عمل ہے۔ یہ ماتم باعث نجات بھی ہے اس سے قلب اور ذہن پاک ہوتا ہے۔ ان آنسو سے جنت کے دروازے کھلتے ہیں۔

شہید کے ساتھ ارتباط (اور ظالم سے نفرت)

عزاداری ہمارے اور شہدائے کربلا کے درمیان ایک رابطہ پیدا کرتا ہے۔ صدقدلی سے جب اُنہیں یاد کرتے ہیں، گریہ کرتے ہیں تو یہ عزادار اور امام حسین علیہ السلام کے درمیان ایک تعلق پیدا کرتا ہے جو جذباتی اور دلی ہوتا ہے ہم یاد کئے جانے والے کی پسند ناپسند کو اختیار کر لیتے ہیں۔ علامہ عارف حسین شہید عزاداری کی مجالس کے بارے میں فرماتے ہیں:

> "یہ عزاداری کی مجالس، یہ سینہ زنی، یہ ماتم حسین ایک کلاس ہے۔ یہ تربیت اسلامی کا ایک مدرسہ ہے۔ ہم روتے ہیں اور اس رونے سے ہمارے اور امام حسینؑ کے درمیان ارتباط ہوتا ہے اور رابطہ برقرار ہوتا ہے۔ جب امام حسینؑ کے ساتھ دل کا ارتباط ہو جائے تو ہم یقیناً امام حسینؑ کے رَاستے پر آ جاتے ہیں۔ پھر جو چیزیں امام حسینؑ کو پسند ہیں انہیں دوست رکھیں گے اور جن چیزوں کو امام حسینؑ دوست نہیں رکھتے اُن سے دور رہیں گے۔ کیا کبھی آپ نے سوچا کہ جب دلوں کا امام حسینؑ سے رابطہ ہو، تو آنسو نکلتے ہیں۔ اگر امام حسینؑ کے ساتھ ارتباط نہ ہو تو آنسو نہیں نکلتے۔ پس ہم گریہ کرتے ہیں کہ اس ذریعہ سے ہماری تربیت ہو، ہماری خود سازی ہو، ہماری فکر، فکرِ حسینی بن جائے۔ ہمارا رونا شکست کا رونا نہیں ہے کیونکہ امام حسینؑ نے اپنا مقصد حاصل کر لیا ہے۔ ہمارے مکتب میں شکست ہے ہی نہیں کیونکہ حسینؑ فاتح ہیں"[۲]۔

علامہ شہید مرتضی مطہری فرماتے ہیں۔

۱۔ میر سید علی ہمدانی، مودۃ القربی، قلمی نسخہ کتب خانہ سید شاہ خیرات علی جلالی ضلع علی گڑھ۔ حوالہ 'ہندوستان میں عزاداری امام حسین کی روایت' مقالہ پروفیسر سید محمد عزیزالدین حسین ہمدانی، ماہنامہ راہ اسلام شمارہ ۲۰۳ جون ۲۰۰۸ ص ۴۴۔

"گریہ کے لئے ضروری ہے ایک قسم کی رقت اور ہیجان کے سبب ہو، ہم میں سے ہر ایک، شوق کے آنسوؤں، عشق و محبت سے واقف ہے۔ گریہ کے عالم اور اس کی خصوصیات رقت اور ہیجان کی حالت میں انسان ہر حالت سے زیادہ اپنے آپ کو اس محبوب کے نزدیک دیکھتا ہے جس کے لئے وہ گریہ کناں ہوتا ہے۔ سچ پوچھئے تو وہ اس عالم میں وہ اپنے آپ کو محبوب سے متحد پاتا ہے۔ ہنسی اور خوشی زیادہ تر شخصی اور انفرادی طور پر اپنے اندر محدود ہوتی ہے اور گریہ زیادہ تر اندرون قلب اور ذات سے باہر نکل آنا اپنی ذات کو بھول جانا اور محبوب سے متحد ہو جانے کا نام ہے۔ گریہ عشق کی مانند ہے جو انسان کی ذات و شخصیت سے باہر نکل آتا ہے"[1]۔

امام حسین علیہ السلام اپنی بلند شخصیت اور عظیم شہادت کے ذریعہ کروڑوں انسانوں کے دلوں اور جذبات و احساسات کے مالک بن گئے ہیں ضروری ہے کہ لوگ اِس لا محدود خزانے اور بیش قیمت گرانقدر احساسات اور روحانیت کو اپنائیں۔ مذہبی راہنما اور قائدین تو اِس لا محدود خزانے کی برکتوں سے اور ان کے احساس سے ملتے جلتے احساس کے حامل ہو کر صحیح معنی میں بہت کچھ فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور دنیا کی اصلاح کر سکتے ہیں[2]۔

"عزاداری میں گریہ کرنے سے ظلم اور ظالم کے خالف بیزاری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور ان لوگوں اور طاقتوں کے خلاف نفرت پیدا ہوتی ہے جنھوں نے امام حسینؑ کو شہید کیا۔ گریہ اور مجالس میں مصائب بیان کرنے کے سبب یزید سفاکی اور بربریت کی علامت بن گیا۔ ابن زیاد، شمر، یزید وغیرہ سے لوگ نفرت کرتے ہیں"۔

"معاشرتی نقطہ نظر سے لوگوں کو شہید کی شہادت سے سبق لینا چاہئے اول تو ایسے حالات پیدا نہ ہونے پائیں اور اگر اس کے بعد بھی کوئی غیر متوقع المیہ ظہور میں آ جائے تو لوگ ظلم کرنے والوں اور قاتلوں سے بیزاری اور نفرت کا اظہار کریں تاکہ معاشرہ کے افراد ان مجرموں کی پیروی کرکے اِن جیسے بننے سے پرہیز کریں۔ جیسا کہ آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ یزید اور ابن زیاد اور انہیں جیسے افراد کے نام ایسی گالی بن گئے ہیں کہ جو شخص صحیح طور پر امام حسینؑ کی عزاداری کے مکتب کا تربیت یافتہ ہے وہ اِن کے عمل سے معمولی سی شباہت بھی برداشت نہ کرے گا"[3]۔

جذبۂ ایثار و قربانی

عزاداروں کو جذبۂ ایثار و قربانی برائے حق کی تعلیم واقعہ کربلا سے ملتی ہے۔ علامہ شہید مطہری فرماتے ہیں، دوسرا سبق جو معاشرے کو لینا چاہئے یہ ہے کہ دوبارہ معاشرہ میں ایسی زمین ہموار کرنا چاہئے جو شہادت کو قبول کر سکے اور اس کی آواز پر

---

۱. شہید از علامہ شہید مرتضیٰ مطہری (بحوالہ عزاداری از حکیم سید امتیاز حسین، عزاداری حضرت حسینؑ، ص ۱۲۲)۔

۲. ایضاً۔

۳. ایضاً۔

لبیک کہہ سکے۔ اس نظریہ کی بنیاد پر ایسے عظیم کارنامے جو شہید سے متعلق ہیں اور بغیر کسی دباؤ کے اُس نے جن اقدام کو سوچ سمجھ کر منتخب کیا ہے، بار بار بیان کیا جائے تاکہ لوگوں کے احساسات وجذبات شہید کے احساسات وجذبات کے ساتھ، ہم رنگ وہم آہنگ ہو جائیں[1]۔

شہادت اللہ تعالیٰ کی عبادتوں میں افضل ترین عبادت ہے اور ایک قابل تعریف عمل ہے۔ شہادت کی سعادت تو شہید کے لئے ہوتی ہے۔ پسماندگان کو تو شہید کے عمل کی پیروی کرنی چاہیے۔ مجالس ماتم حسین نے مومنین کو حق کی حمایت اور باطل سے ٹکرانے کا حوصلہ بخشا اور ہمت عطا کی۔ واقعہ کربلا کے بعد جتنی تحریکیں اٹھیں وہ کربلا کے نام پر ہی اُٹھیں۔ اس دور میں بھی جب بھی کوئی حق پرست باطل سے ٹکرانے کی بات کرتا ہے تو کربلا کا واقعہ اور حسین کا کردارؑ اُس کے ذہن میں ضرور ہوتا ہے۔

شعائر اللہ کا احترام

شہادت حضرت امام حسینؑ کو یاد کرکے ہم نہ صرف سید الشہداء کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں بلکہ دنیا والوں کو بھی اُس واقعہ سے روشناس کراتے ہیں۔ اُن تک شہدائے کربلا کا پیغام موثر طریقے سے پہنچاتے ہیں۔ آج ہر ملک میں کوئی جماعت یا فرقہ کسی واقعہ یا جنس کی تکریم واحترام کے لئے کوئی نہ کوئی دن مناتا ہے۔ اسلام میں عاشور کا دن یوم شہیداں ہے۔ حضرت امام حسینؑ نے ہمیں گناہوں سے بچنے کی تعلیم وتربیت کے لئے قربانی پیش کی علامہ سید علی نقی صاحب فرماتے ہیں:

"امام حسینؑ کو اس اعتبار سے نجات دہندہ سمجھنا غلط ہے کہ آپ نے اپنے معتقدین کو فرائض کی واجبی پابندی سے کلیتہً آزاد کر دیا اور (معاذاللہ) خود اُن کے گناہوں کے کفارہ کے طور پر شہید ہو گئے اور یہ سمجھنا کہ امام حسینؑ گنہگاران امت کے لئے شہادت اختیار کی۔ اگر کوئی اس طرح کا عقیدہ رکھتا ہے تو اپنی غلط ذہنیت کی بنا پر شہادتِ حسین کے مقصد حقیقی کو فراموش کرنے کا درپے ہوتا ہے۔

حسین یقیناً نجات دہندہ امت تھے اور ہیں باین معنی کہ آپ نے نجات کا راستہ نمایاں کر دیا اور ایک ایسی جماعت کی بقا کا سامان کر دیا جو اپنے عمل سے نجات کی حقدار ہو۔ اگر حسینؑ کا کربلا کا جہاد نہ ہوتا تو دین وشریعت کی اصلی صورت رخصت ہو جاتی۔ بادشاہوں کی سیرت سنت الٰہیہ قرار دی جاتی اور اُن کی تقلید ہی معیار نجات سمجھی جاتی۔ اس طرح امت اسلامیہ ابدی ہلاکت میں مبتلا ہوتی۔ حسین نے اپنے اسوۂ حسنہ سے ہمیں نجات کے قابل بنا دیا۔ حسین نے ہمارے قوائے عمل کو معطل و

مشلول نہیں کیا بلکہ آپ کا اسوۂ حسنہ ہمارے لئے بہترین محرکِ عمل ہو سکتا ہے[1]۔

دنیا کی ہر قوم نے اپنے بزرگوں، بانیوں، مذہبی معلموں، محب الوطنوں اور قومی شہیدوں کی یاد کو کبھی مفقود نہیں ہونے دیا اور ان واقعات و حوادث کی تعظیم کی جن میں غیر معمولی تاثیر یا عبرت پائی جاتی ہو۔ ہمیشہ ان انسانی برائیوں اور عظمتوں کی یاد کو یادگاروں، تہواروں، عمارتوں، تاریخوں، قومی روایات اور اجتماعات کے ذریعے زندہ رکھنا چاہا ہے جس کے اندر خود اس قوم کی عظمت اور بزرگی پوشیدہ ہے۔ اس سلسلے میں ہمارے سامنے واقعہ کی یادگار اور اس کا دائمی تذکار آتا ہے۔

اصلی روحِ حقیقت جو اجتماعِ انسانی کی اس سب سے زیادہ پرانی رسم کے اندر کام کر رہی ہے در اصل ناموس شخصیتوں اور محض تذکرہ و یادآوری سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ اس سے اصلی غرض یہ تھی جو اعمال حسنہ، عزائم ہمہ نتائج عظیمہ اور بصائر و مواعظہ جلیلہ ان مشاہیر کی زندگی سے وابستہ ہیں اور جنکی یاد اور تذکرہ کے اندر قوموں اور ملکوں کے لئے سب سے زیادہ موثر اور نافذ دعوت عمل و اتباع ہے، ان کی یاد کو ہمیشہ زندہ و قائم رکھا جائے اور مختلف ذریعوں سے ایسے مواقع بہم پہنچائے جائیں جنکی وجہ سے کبھی بھی آئندہ نسلیں اِن اعمال حسنہ کے نمونوں کو اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیں[2]۔

۱۔ تشخص کا تحفظ

عزاداری حضرت حسینؑ کے سبب اہل بیت کی ایک شناخت بنی ہوئی ہے۔ شکاگو یونیورسٹی کے تحقیقی رسالہ (ماہنامہ) "تاریخ مذاہب" میں گریہ و بکا پر ایک مضمون شائع ہوا تھا جس میں فاضل مصنف نے دنیا میں ایسے مذاہب کی نشاندہی کی ہے جن میں گریہ و بکا پایا جاتا ہے۔ مضمون میں رونے کے اثبات میں دلائل دئے گئے ہیں اور محبانِ اہلِ بیت کا شہادتِ حضرت حسین پر رونے کے متعلق تعریفی انداز میں تحریر کیا گیا کہ کس طرح محرم میں شہادت حسین پر رونے کی وجہ سے ایک اقلیتی جماعت ایک اکثریتی جماعت میں اپنا تشخص قائم رکھنے میں کامیاب ہوئی[3]۔

مشہور مورخ گبسن اپنی مشہور تصنیف 'عروج و زوال سلطنتِ روم' میں لکھتا ہے:

"وہ خدائے یکتا کتنا رحیم و کریم ہے جس نے انسانوں میں حسین جیسے مایۂ نازِ انسانیت کو پیدا کیا۔ ہزاروں ہزار سلام اُن بزرگوں پر جن کی تربیت نے حسینؑ کو حسینؑ بنایا۔ صدیوں اور برسوں گزر جانے پر دور دراز ملکوں میں بھی ہر جگہ حسین کا دردناک نظارہ ہمیشہ ہمیشہ پتھر سے پتھر دلوں کو پگھلائے گا اور ہمدردی حاصل کرتا رہے گا"[4]۔

---

۱. مولانا سید علی نقی النقوی، شہید انسانیت۔

۲. مولانا ابوالکلام آزاد، کربلا شناسی عشرہ محرم الحرام (مضمون) مذکورہ بالا۔

۳. تاریخ مذاہب تحقیقی رسالہ (History of Religions Journal 39 No. 3, Feb. 2003)

۴. [illegible]

سر لیوس پیلی نے تذکرۂ امام حسین کے متعلق تین مجالس عزا کا ترجمہ کر کے ایک کتاب The Miracle of Hasan & Husain شائع کی جو دو جلدوں میں ۱۸۷۹ء میں منصۂ شہود پر آئی۔ مصنف اس کتاب کے دیباچے میں تحریر کرتا ہے " اگر کسی تمثیل کی کامیابی کا انحصار اس تاثیر کو قرار دیا جائے جو اس کی وجہ سے اُن قوتوں کے قلوب پر جن کے لئے وہ لکھی گئی ہے، ناظرین کے دلوں پر ہوتی ہے تو ماننا پڑے گا کہ دنیا کا کوئی المیہ (ٹریجڈی) اس المیہ سے زیادہ کامیاب نہیں ہوا جو مسلمانوں میں شہادت نامہ حسن حسین کے نام سے مشہور ہے[۱]۔

ایڈورڈ جی براؤن نے اپنی مشہور تصنیف Literary History of Persia میں لکھا ہے کون ایسا متنفس ہے جو درد بھرا دل رکھتا ہو اور پھر حالاتِ کربلا پڑھکر یا سن کر اس کا دل نہ پسیجے۔ وہ لکھتا ہے کہ بہ حیثیت مجموعی یہ کہا جاسکتا ہے کہ محرم کی عزاداری میں جو جذبات پیدا ہوتے ہیں خواہ شبیہیں دیکھنے سے ہوں یا روضہ خوانی سننے سے، وہ گہرے اور سچے ہوتے ہیں۔ غیر ملکیوں اور غیر مسلموں کو بھی اِن کے مخلصانہ اور موثر ہونے کا اعتراف کرنا پڑا ہے[۲]۔

فتاوی علمائے کرام (اہل سنت)[۳]

مولانا محمد مبین فرنگی محل:

مسند امام احمد حنبل میں ہے کہ جو شخص امام حسین پر آنسو بہائے یا صرف ایک ایک قطرہ اشک ٹپکائے تو خداوند عالم اُس کو جنت عطا فرمائیں گے (وسیلۃ النجات)۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی:

اگر کوئی خوش الحان سلام اور مرثیہ شروع کرتا ہے اُس حالت میں اکثر حاضرین مجلس اور خود فقیر پر گریہ و بکا طاری ہو جاتا ہے اگر یہ چیزیں جائز نہ ہوتی تو کبھی ان پر اقدام نہ کرتا (فتاوی عزیزیہ جلد ۴)۔

امام شافعی:

اگر آل محمدؐ کی دوستی کا نام رفض ہے تو دونوں جہاں گواہ رہیں کہ میں رافضی ہوں۔

حضرت مولانا سلامت علی خان دہلوی:

خدا کا شکر کہ تعزیہ داری آثار اسلام میں سے ہے۔ . . اس سے دینی فائدے ہوتے ہیں (تبصرہ الایمان)۔

---

۱. بحوالہ حکیم امتیاز حسین، عزاداریِ حضرت امام حسین، ص ۱۳۲۔
۲. ایضاً۔

مولانا اشرف علی تھانوی:

میں نے اُس کو تعزیہ بنانے کی اجازت دے دی۔ اجمیر میں مولانا محمد یعقوب (رہ) نے تعزیہ کی نسبت کا فتویٰ دیا تھا (اضافات الیومیہ)۔

مولانا عبدالوحد فرنگی محل:

اُس زمانے کے علمائے صالحین نے تعزیہ داری کو شعائر اسلام سمجھتے ہوئے اس کی ترویج وبقا کے لئے فتویٰ دیا جب وہ بالکل صحیح و درست ہے اور تعزیہ داری کی ترویج ثواب عظیم کا سبب ہے۔ مولانا نظام الدین و مولانا عبدالعلی و مولانا مجید الدین و مولوی انوار الحق اور دوسرے علمائے فرنگی محل واطراف ہند جب تعزیہ کو دیکھتے تھے تو تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے اور دونوں ہاتھ تعزیہ کی طرف دراز کرکے نہایت خشوع و خضوع اور عجز وانکساری کے ساتھ فاتحہ پڑھتے تھے (رسالہ ازالۃ الاوہام)۔

جناب خواجہ حسن نظامی سجادہ نشین درگاہ نظام الدین اولیا دہلی:

تعزیوں، نشانوں، جلوسوں اور مجلسوں کی مخالفت کسی مسلمان کو نہ کرنا چاہئے بلکہ تبلیغی حضرات کو ان سب باتوں کے قائم رکھنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن المخاطب مقبول النبی کتونی:

یقیناً قیامت تک تعزیہ داری ختم نہ ہوگی اس لئے کہ اِس کا اہتمام خدا اور رسولؐ کی جانب سے ہے کسی کے بند کرنے سے یہ بند ہو سکتا ہی نہیں (انوار الرحمٰن تنویر الجنان)۔

حضرت مولانا محمد نعیم اللہ قادری گورکھپوری:

ہزاروں عالم و فاضل گزرے کسی نے اس (تعزیہ) کو منع نہیں کیا اور برابر اس کو اچھا سمجھتے آئے پس جب وہابیوں کا زمانہ ہوا تو ٹھہرایا اس کو ناجائز اور قرار دیا اس کو بت، یہ بعید نہیں ہے ان سے کیونکہ روضہ رسول کے خلاف یہی کہا ہے عبدالوہاب نے، جس سے نکلا ہے مذہب وہابی۔

آج پوری دنیا میں غم حسین منایا جاتا ہے۔ اس کی سب سے معروف شکل تو تعزیہ داری اور مجلس عزا کا انعقاد ہے۔ گھروں میں، امام باڑوں میں تعزیہ رکھے جاتے ہیں۔ جلوس شبیہ تابوت، تعزیہ، ذوالجناح کا جلوس، عَلَم وغیرہ ظلم کے خلاف احتجاج بھی ہیں اور معرفتِ حق بھی۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ ہم واقعۂ کربلا کو فراموش نہ کردیں اور اس کے تذکرے کو زندہ رکھیں۔ ماتم حسین منانے کی سب سے معروف شکل مجالس کا انعقاد ہے جن میں مسلم اور غیر مسلم سبھی شریک ہوتے ہیں۔ یہ مجالس ذکر وتذکیر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ کوئی عالم یا خطیب حمد باری تعالیٰ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و

سلام پر مشتمل خطبہ سے اپنی تقریر شروع کرتا ہے۔ تقریر کی اساس و بنیاد عموماً قرآن مجید کی کوئی آیت یا کوئی حدیث پیغمبرؐ ہوتی ہے۔ اسی آیت و حدیث کی روشنی میں حق شناسی، حق پرستی، باطل بیزاری اور دینداری کی تبلیغ ہوتی ہے۔ خداشناسی اور دینداری کی سب سے اعلیٰ مثال کے طور پر حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام و کردار و سیرت اور ان کے اہل بیت کی سیرت کو، اسی کے ساتھ فضائل و مناقب اور ان کی قربانیوں کا تذکرہ کرکے اُن کے غم کو تازہ کیا جاتا ہے جس سے تزکیہ نفس کا عظیم مقصد بھی حاصل ہوتا ہے۔ مجالس میں سوزخوانی بھی ہوتی ہے مرثیہ خوانی بھی و سلام اور نوحے بھی پڑھے جاتے ہیں۔ ماتم اور زیارت کے ساتھ مجلس ختم ہوتی ہے۔ تبرک بھی تقسیم ہوتا ہے مجلس کے ذریعہ تربیت دماغی و روحانی اور کردار سازی ہوتی ہے۔ عقیدت فزوں ہوتی ہے۔ بقول ڈاکٹر اقبال:

بہرِ حق در خاک و خوں غلطیدہ است　　پس بنائے لا الہ گردیدہ است
تار ما از زخمہ اش سرزاں ہنوز　　تازہ از تکبیر او ایماں ہنوز

باب چہارم

تاریخِ عزاداری

آج سے چودہ سو سال قبل کربلا کا بے آب و گیاہ میدان ایک غیر معروف علاقہ تھا لیکن شہادتِ حسینؑ وہ عظیم سانحہ ہے جس نے کربلا کے میدان کو وقار بخشا۔ محبان و عاشقان شہدائے کربلا سال بھر خصوصاً ماہ محرم و صفر میں امام حسینؑ اُن کے اقرباء و رفقاء کو یاد کرتے ہیں۔ اُنھوں نے اس یاد کو جزوِ ایمان بنالیا ہے۔ ایک ایسا دور بھی آیا جب محبان و عاشقانِ حسین پر طرح طرح کے ظلم ڈھائے گئے ان پر بندشیں لگائی گئیں۔ انہیں دار و رسن کی منزلوں سے گزرنا پڑا لیکن وقت کے اُتار چڑھاؤ کے ساتھ اس واقعہ کی یاد اور زیادہ بڑھتی گئی، جذبۂ ایمان نکھرتا گیا اور عزاداری پروان چڑھتی گئی۔ مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں:

"دنیا میں ہر چیز مر جاتی ہے کہ فانی ہے۔ مگر خونِ شہادت کے ان قطروں کے لئے جو اپنے اندر حیات الٰہیہ کی روح رکھتے ہیں کبھی فنا نہیں"[۱]۔

پہلی مجلس

روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے شہادت حسین سے قبل اس آنے والے سانحہ کا تذکرہ کرکے گریہ فرمایا یعنی یہ اللہ کی جانب سے مسلمانوں کو مجلس عزا منعقد کرنے کا اشارہ تھا۔ گریہ زاری کرنا سنت رسول ہے۔ آنحضرت کے گھر ملائکہ کا مرثیہ پڑھتے ہوئے آنا اور تعزیت کرنا عزاداری کی مثال ہے۔

پہلی مجلس عزا بھی آنحضرتؐ کے یہاں ہوئی جب شہادت عظمیٰ کی خبر رسول اکرم نے جناب سیدہ کو دی۔ ذاکر خود آنحضرت تھے۔ سامعین میں حضرت علیؑ حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا اور چند افراد اہل بیت تھے۔

۱۔ مولانا ابوالکلام آزاد: کربلا شناسی عشرہ محرم الحرام۔ (مضمون) مشمولہ سہ ماہی راہ اسلام، شمارہ ۲۰۳ و ۲۰۴، جنوری تا جون ۲۰۰۷ء۔

کربلا میں عزاداری

واقعۂ کربلا کے بعد عزاداری خود اہل حرم کے ہاتھوں ہوئی۔ شہادت حسین کے بعد اشقیاء قافلہ اہل بیت و اطہار کو کوفے لے جاتے ہوئے راستے میں تبدیلی کرکے دانستۂ مقتل کی طرف لے گئے۔ جناب زینب نے بھائی کی نعش دیکھ کر گریہ زاری کی اور مدینہ کی طرف منہ پھیر کر جو کہا اسے سن کر سب اہل بیت رونے لگے۔ یہ حضرت زینب کی ذاکری تھی۔ کربلا سے شام تک اسیروں کا قافلہ گریہ کناں رہا۔

مسجد اموی میں مجلس

دوسری مجلس مسجد اموی (شام) میں ہوئی جس کے ذاکر امام زین العابدینؑ تھے۔ آپ نے پہلے حمد خدا کی، توصیف نبی کے بعد فضائل علی بیان کئے۔ اس کے بعد اپنے والد مظلوم کا مرثیہ، مصائب بیان کرنے لگے جسے سن کر لوگ رونے لگے۔ یزید (لعین) کو خطرہ پیدا ہوا۔ اس نے اس سلسلے کو منقطع کرنے کے لئے ایک چال چلی۔ مؤذن کو اذان دینے کا اشارہ کیا۔ مؤذن کی آواز سن کر امام زین العابدینؑ خاموش ہوگئے۔ جب موذن نے اشہد ان محمد رسول اللہ کہا تو امام چہارم نے یزید سے کہا کہ بتا یہ کس کے جد بزرگوار تھے، تیرے یا میرے، یزید نے سر جھکا لیا۔

حرم یزید میں ذکر مصائب

حرم یزید میں بھی ماتم ہوا جب قافلے کی عورتیں زنان خانے میں پہونچائی گئیں تو حضرت زینب سلام اللہ علیہا، ام کلثوم، زوجۂ حضرت امام حسینؑ حضرت رباب، امام مظلوم کی صاحبزادی سکینہ اور دیگر خواتین حرم کی گریہ زاری تاریخ میں درج ہے۔ ان خواتین نے ذکر مصائب شروع کیا تو یزید کے محل کی عورتیں بھی رونے لگیں۔

دربار یزید میں اظہار غم

دربار یزید میں جب اسیران کربلا کے سامنے شہیدان کربلا کے سر لائے گئے تو اظہار غم کس طرح ہوا ہوگا اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اسی دربار یزید میں اہل حرم نے ایسی عزاداری کی کہ کوئی اپنے آنسو نہ روک سکا یہاں تک کہ بقول مولانا آزاد، یزید بھی رو پڑا[1]۔ یزید کی عورتیں روتے پیٹتے دربار میں نکل آئیں اور خاندان رسالتؐ کی عورتوں کے ہمراہ بین کرنے لگیں۔ خود یزید کی بیوی ہندہ بھی اس موقع پر بے پردہ ہو کر باہر نکل آئیں اور ان لوگوں کے ساتھ گریہ کرنے لگیں۔ ماحول

ایسا جذباتی ہو گیا کہ یزید کو حکم دینا پڑا کہ اِن اسیروں کو فوراً دربار سے لے جایا جائے اور قید خانے میں . ..[1]

اہل حرم کا شام میں گریہ و ماتم حسین

اس کے بعد جتنی مدت بھی اہل حرم شام میں یزید کی قید میں رہے یہ لوگ شہدائے کربلا پر گریہ و ماتم کرتے رہے۔ ان اسیروں کی رہائی کے بعد با قاعدہ عزاداری اور ماتم حسین کی مجالس برپا ہوتی رہیں۔ حضرت زینب نے فرمائش کی کہ انہیں ایک مکان دیا جائے تاکہ وہ شہیدوں کا ماتم کر سکیں۔

دارالجارہ میں پہلی مجلس

پہلی مجلس عزا حضرت زینب نے دارالجارہ میں برپا کی جس میں قریش اور ہاشمی خاندان کی عورتوں نے حضرت زینب، حضرت کلثوم اور دیگر خواتین کو شہدائے کربلا کا پرسہ دیا۔ یہ زنانی مجلس تین دن تک جاری رہی[2]۔ حضرت زینبؑ نے کربلا جانے کی خواہش ظاہر کی۔

کربلا میں قبر امامؑ پر مجلس

جس دن اہل حرم کربلا پہونچے حضرت جابر بن عبداللہ انصاری اُس سے پہلے کربلا پہنچ چکے تھے۔ چالیس دن بعد ہی اہل حرم نے قبر امام کی زیارت کی۔ حضرت جابر سے قبل عبید اللہ ابن حر جعفی، عقبہ ابن عمر العبسی، سلیمان ابن قتہ العدوی، مختار ابن عبید اللہ ثقفی کئی حضرات قبر امام پر گریہ زاری کر چکے تھے۔ حضرت امام زین العابدینؑ نے حضرت جابر سے شہادت کی تفصیل بیان کی یہ شہیدوں کی یاد میں کربلا میں امام سجادؑ کی عزاداری کی پہلی مجلس تھی[3]۔

مدینہ میں خواتین کا گریہ

مدینے میں جب شہادت حسینؑ کی خبر پہنچی تو ام لقمان زینب عقیل بن ابی طالب کی بیٹی باہر نکل آئیں۔ ان کے ساتھ اُن کی بہنیں اُم ہانی، اُسماء، رملہ وغیرہ تھیں جنھوں نے گریہ کیا اور مرثیہ پڑھا۔ حضرت اُم البنین ہر روز اپنے ساتھ عبد اللہ فرزند عباس کو لے کر جنت البقیع میں جاتی تھیں اور مرثیہ پڑھتی اور گریہ کرتی تھیں۔ ان کے نوحے اور گریہ کی آواز سن کر لوگ

---

۱. حکیم امتیاز حسین: عزاداری حضرت امام حسینؑ، ص ۱۳۷۔

۲. عزادارِی حسین اور خواتین، (مقالہ) پروفیسر طلعت عزیز، سہ ماہی رسالہ راہ اسلام، ہندوستان میں سنت عزاداری محرم، خصوصی شمارہ ۲۰۳۔ ۲۰۴، جنوری تا جون ۲۰۰۷۔

۳. الفاً، ص ۱۰۱، ۱۰۲

جمع ہو جاتے اور اشکبار ہوتے تھے[۱]۔

مدینہ میں مجلس امام زین العابدینؑ

جب مدینے میں اہلِ حرم پہنچے تو امام زین العابدین نے ایک خطبہ پڑھا اس پر لوگوں نے بہت گریہ کیا۔ مدینے میں امام علی ابن الحسین نے امام مظلوم کی یاد میں ایک مجلس کی جس میں مردوں نے شرکت کی اور شہدائے کربلا کا پرسہ دیا۔ یہ مدینہ میں پہلی مردانی مجلس تھی[۲]۔ اس کے بعد سے ہی مجالس، ماتم اور عزاداری کا سلسلہ شروع ہوا۔

اموی حکومت کی سازشیں

مدینہ میں بھی آلِ رسول کو چین سے رہنے نہ دیا گیا۔ اموی حکومت کو ڈر تھا کہ مدینہ شیعت کا مرکز نہ بن جائے اِس لئے اِن مظلومین کو یہاں سے چلے جانے کا حکم دیا گیا اور اِن کے شعائر امام باڑہ، قبورِ حضرت زین العابدینؑ امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کو بے نشان کر دیا گیا۔ وہاں کھڑے ہو کر سلام کرنے اور اشک بہانے کی اجازت نہیں تھی۔ شیعہ مدینہ سے نکلے شام و مصر، عراق و افریقہ میں انہیں رہنے کا حق نہ ملا۔ مدینے میں فرزدق نے امام زین العابدین کی مدح میں قصیدہ پڑھا تو قید خانے میں ڈال دیا گیا۔ شام میں شہدائے کربلا کا نام لینا بھی جرم تھا۔ مصر میں شیعہ ڈھونڈ ڈھونڈ کر جلا وطن کئے گئے یہ سلسلہ صلاح الدین ایوبی کے بعد بھی ختم نہ ہوا۔

سیاسی بیداری

امام علیؑ ابن الحسینؑ، حضرت زینب اور دیگر آل رسول اور ورثائے شہدائے کربلا کی عزاداری اور تشہیرِ واقعات کربلا سے بنو امیہ کی حکومت کی بنیاد ہلنے لگی۔ اموی حکومت کی طرف سے عوام میں غلط باتیں اور خبریں پھیلائی گئیں کہ لوگ آل رسول سے خلاف ہو جائیں (مثلاً حضرت علی نماز نہیں پڑھتے تھے یا امام حسین کے رفقاء باغیوں کا ایک گروہ تھا جنہوں نے یزید کے خلاف خروج کیا تھا۔) لیکن جب اہل حرم کے بیانات اور خطبات سے اصلیت لوگوں پہ ظاہر ہوئی تو یزید حکومت کی مخالفت بڑھی۔ عزاداری کے سبب عوام پر بنی امیہ کی سازشیں بے نقاب ہوئیں۔ حکومت وقت کے خلاف انقلاب کے آثار نمودار ہوئے۔ اِن مجالس نے سیاسی بیداری پیدا کی۔ اموی حکمرانوں نے عزاداری پر پابندی لگا دی۔ زیارتِ روضۂ حضرت حسینؑ پر پابندی لگا دی گئی جو اُدھر جانے کی کوشش کرتا اُس کو اذیتیں دی جاتی تھی۔ لیکن قاتلان حسین کے خلاف اُبھرنے والی اس

۱۔ عزاداریِ حسین اور خواتین (مقالہ) پروفیسر طلعت عزیز (مضمون مذکورہ بالا)، ص ۱۰۲۔

تحریک کو دبایا نہ جاسکا۔ توابین کی ایک جماعت قائم ہوئی[1]۔ قریب ۴ ہزار لوگوں نے اموی حکومت سے ٹکر لی لیکن کامیاب نہ ہوسکے۔ مختار ابی عبیدہ ثقفی نے اس مہم کو پھر شروع کیا۔ کوفہ بنی امیہ کے ہاتھ سے نکل کر عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ میں آ گیا۔ اس لئے مختار نے مالک اشتر کے فرزند حضرت ابراہیم کو ساتھ ملا کر کوفہ کا اقتدار اپنے ساتھ لے لیا اور قاتلانِ حسین کو تہ تیغ کرنا شروع کر دیا۔ جن مکانوں میں وہ ٹھہرتے تھے اُنہیں زمین دوز کر دیا۔ مختار نے ابراہیم کو فوج کے ساتھ موصل بھیجا جہاں ابن زیاد مقیم تھا اُس کا سر کاٹ کر مختار کے پاس بھجوایا گیا۔ مشہور ہے کہ مختار کی فوج میں ہندوستان کے حسینی براہمن (دت خاندان والے) بھی شریک تھے جنہوں نے حسین کے نام پر اپنی جانیں قربان کر دیں۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے: ملحقہ ا، حسینی براہمن)۔

عباسی حکومت کی عزاداری پر پابندیاں

بنی امیہ کے بعد بنی عباس نے عنان حکومت سنبھالی۔ منتقلی کے دور میں اُن کا رویہ کچھ اور تھا لیکن بعد میں اُن کا رویہ بالکل مختلف تھا۔ انہوں نے شیعیان علی پر نہ صرف ظلم ڈھائے، عزاداری پر پابندی لگائی، زائرین کو روضہ امام پر جانے سے روکا، بلکہ حضرت حسینؑ کی قبر مبارک کو کئی مرتبہ گرایا اور اس پر ہل چلوائے، دریائے فرات کے پانی کا بہاؤ ادھر کیا۔ کربلا کے راستے پر پہرے بٹھائے۔ مسلح سپاہی زائرین کو روکنے کے لئے تعینات کر دیے گئے مدینہ، مکہ، کوفہ، بصرہ میں حجاج جیسے ظالم نے اِن مظلومین کو نشانہ بنایا لیکن عزاداری خفیہ طور پر جاری رہی اور عباسی حکومت کے خلاف آواز اٹھائی گئی۔ معزالدولہ دیلمی (۳۵۲ھ) نے بغداد میں اعلانیہ طور پر عزائے حسین برپا کرنے کا حکم دیا[2]۔ اسی طرح کا حکم المعزالدین فاطمی نے مصر میں جاری کیا[3]۔ سرزمین شام میں شہر حلب سے باہر عشرہ محرم میں گریہ وزاری کا ثبوت مولانا روم کی جلد ششم کے اشعار

---

۱. اس جماعت کی سرکردگی سلیمان بن صرد خزاعی (صحابی رسولؐ) مسیب بن نجبہ فرازی (صحابی امیر المومنینؑ) عبداللہ بن سعد بن نفیل ازدی، عبداللہ بن والی تیمی اور رفاعہ بن شداد کر رہے تھے قریب ۴ ہزار لوگوں نے اِن جانبازوں کی قیادت میں بنی امیہ کی حکومت سے ٹکر لی۔

۲. بغداد پر منگولوں کے حملہ سے عباسیوں کی حکومت ختم ہوئی۔ معزالدولہ برسرِ اقتدار آیا اُس نے سرکاری طور پر عزاداری کو رائج کیا اور عاشورہ کو پہلا جلوس نکالا گیا معزالدولہ کی حکومت قائم ہونے سے قبل بھی بنی عباسیوں کے خلاف تحریکیں ہوئیں جو زیادہ تر چھوٹے چھوٹے علاقوں تک محدود تھیں۔ اِن میں مشہور بغاوت یعقوب بن لیث کی ہے جس کی کوشش کے سبب سجستان، طبرستان اور خراسان پر تیسری اور چوتھی صدی ہجری پر محبانِ اہل بیت کی حکومت رہی۔ عمرو بن لیث یعقوب بن لیث کا جانشین تھا جو محبت اہل بیت میں کسی درجہ غلو رکھتا تھا۔ اِن کے علاوہ حکومت غنویہ، حکومت سامانیہ، حکومت طاہریہ، حکومت صفاریہ، حکومت زیدیہ اور حکومت ہمدانیہ جب تک اقتدار میں رہیں عزاداری کو ترویج دی گئی۔

۳. تاریخ ابوالفدا، جلد دوم، طبع حسینیہ مصر، ص ۱۰۴، (بحوالہ سید سبط الحسن فاضلی: عزاداری کی تاریخ، نظامی پریس لکھنؤ ۱۹۸۱، ص ۱۰) المقریزی، الخطط، جلد دوم النیل مصر ۱۳۲۴ھ، ص ۲۸۹ تا ۲۹۱۔

میں ملتا ہے[۱]۔ آل بویہ اور ترک سلجوقی بر سر اقتدار آئے تو عزاداری کا فروغ ہوا اور دنیا کے دیگر ممالک میں بھی یہ تحریک شروع ہو گئی۔ آج تو دنیا کے کونے کونے میں عزاداری کے مراسم منائے جاتے ہیں۔ بقول جوش ملیح آبادی:

کیا صرف مسلمان کے پیارے ہیں حسینؑ — چرخ نوع بشر کے تارے ہیں حسینؑ
انسان کو بیدار تو ہو لینے دو — ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ

۱. مثنوی مولانا روم، جلد ششم، بمبئی ۱۳۰۸ھ، ص ۵۷۰۔

روز عاشورا همه اهل حلب — باب انطاکیه اندر تا به شب
گرد آید مرد و زن جمعی عظیم — ماتم آن خاندان دارد مقیم
تا به شب نوحه کنند اندر بکا — شیعه عاشورا برای کربلا

باب پنجم

مجالسِ عزاداری - آداب و مراسم

مفہومِ عزا جاننے والے کم ہیں   احسان کو گردانے والے کم ہیں
شبیر ترے چاہنے والے ہیں بہت   لیکن ترے پہچاننے والے کم ہیں
(نجم آفندی)

واقعۂ کربلا ایک ہدایت نامہ

واقعۂ کربلا ایک مکمل مرتب و منظّم ہدایت نامہ ہے کہ ایک جابر حکومت کے ظلم بے پناہ سے مظلومیت اپنی بے سر و سامانی کے ساتھ کس طرح ٹکرائی اور سرخرو ہوئی۔ عزاداری اُن تمام رسموں، رواجوں اور طریقوں کا نام ہے جس کے ذریعے سید الشہداء حضرت امام حسینؑ، تمام شہدائے کربلا اور اسیران کربلا کو یاد کیا جاتا ہے۔ اُنہیں خراجِ عقیدت پیش کیا جاتا ہے۔ سانحۂ کربلا کا پس منظر، واقعات، نوعیت اور عالم انسانیت پر اُس کے اثرات کو بیان کیا جاتا ہے۔ ماتم کا مقصد مظلومین کے درد کا احساس کرنا اور ظالموں کے خلاف لڑنے کا حوصلہ بڑھانا ہے۔ اِسی لئے عزاداری محض ایک رسم نہیں بلکہ ایمان افروزی اور کردار سازی کی ایک درس گاہ ہے، تربیت ہے۔ عزاداری کا مقصد یہی ہے کہ لوگ تفصیلاتِ کربلا کو یاد رکھیں، اپنے ایمان کو نکھاریں اور شہدائے کربلا کی عظیم قربانی کو ہمیشہ پیش نظر رکھ کر ظلم کی مخالفت کرنے کے جذبہ کو فروغ دیں اور ظلم کا مقابلہ کریں۔ عزاداری ظلم کے خلاف اجتماعی احتجاج ہے۔

فراست حضرت امام حسینؑ

امام عالی مقام کی دور اندیش نظروں نے روز اول سے ہی کربلا کی ابدی مقصدیت کو دیکھ لیا تھا وہ جانتے تھے کہ یہ واقعہ عالم انسانیت کا سرمایہ بنے گا۔ اسی لئے لوگوں کے منع کرنے کے باوجود اہل حرم کو ساتھ لیا۔ وقت نے امامِ مظلوم کے اِس فیصلے کو

صحیح ٹھہرایا اُن کی شہادت کے بعد اہل حرم نے اظہار حقیقت کرکے واقعاتِ کربلا کو اِس طرح پیش کیا کہ ظالم حکومتِ وقت کی تمام سازشیں بے نقاب ہو گئیں اور لوگ کربلا کے حقیقی واقعات سے واقف ہوئے۔ جنابِ زینب اور اُم کلثوم کے خطبات اور ارشادات کا اثر اور مجالسِ ماتم کی تاریخی اہمیت کون بھول سکتا ہے۔ اِسی طرح کربلا کی زمینوں کو خرید کر امام حسینؑ نے دوبارہ انہیں لوگوں کو شرائط کے ساتھ ہِبہ کر دیا۔ اِن زمینوں پر شہدائے کربلا کے مزار بنے۔ یہ فراستِ حسین تھی کہ اُنہوں نے ایسا انتظام کیا کہ زائرین اِن مقدس مقامات پر آئیں اور واقعاتِ کربلا کے تناظر اور تفصیلات کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ یوم عاشور کو وقتِ رخصت امام سومؑ نے حضرت زین العابدینؑ کے ذریعے جو پیغامات اپنے دوستوں کے پاس بھیجے اِس کے پیچھے بھی یہی تمنا تھی کہ لوگ واقعات و مظلومینِ کربلا کو یاد رکھیں۔ عزاداری کا مقصد بھی یہی ہے کہ لوگ تفصیلاتِ کربلا کو یاد رکھیں۔ پیغام حسین کو پیش نظر رکھیں اور اِس پر عمل پیرا ہوں۔

امام زین العابدینؑ اور دیگر ائمہ کرام نے غم حسین میں ڈوبے رہنے والوں کو جنت کی بشارتیں بخشیں۔ چھٹے امام حضرت جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: "غم حسین میں جو روئے، رُلائے یا رونے والوں کی صورت بنائے اُس پر جنت واجب ہے"۔ رونے سے ایمان میں پختگی آتی ہے اور اعمال کو نیک راہ پر لانے میں مدد ملتی ہے۔ نیک اعمال اور پختہ ایمان والوں کے لئے جنت کے دروازے وا رہتے ہیں۔ روئے اور رُلائے گا وہی جو دل سے واقعات کربلا سنے، جس کے دل و دماغ پر قربانیِ حسین کا گہرا اثر ہو۔ رُلانے والا جب تک اِن واقعات کو سنتے سنتے یا پڑھتے پڑھتے خود دل سے اِن میں ڈوب نہ جائے تب تک وہ دوسروں کو رُلا نہ سکے گا۔ جہاں تک رونے والوں کی صورت بنانے والوں کی بات ہے اصل میں وہ عزاداری کی راہ میں ابتدائی قدم ہے۔ واقعات کربلا سنتے سنتے اور سمجھتے سمجھتے وہ ایک دن خود بخود گریہ کرنے لگے گا۔

عزاداری محض ایک رسم نہیں ہے بلکہ مراسم عزاداری مذہبی اور سماجی زندگی کے وہ سرمائے ہیں جو ایمان نکھارتے ہیں اور ہمارے اعمال کو نیک راہ پر لاتے ہیں۔ یہ ہماری زندگی کے لئے ایک مشعل ہدایت ہے۔ کربلا کے ۷۲ شہیدوں میں ۵۴ افراد ایسے تھے جو خاندانِ بنی ہاشم سے نہیں تھے۔ یہ لوگ مختلف قبیلوں، نسلوں اور ملکوں کے تھے۔ اِن میں سے بھی ۴ غلام تھے۔ لیکن اعلیٰ ظرفیِ امام حسین یہ ہے کہ اِن شہیدوں کے لئے بھی آپ نے اُسی طرح سلام بھیجا جیسا کہ اپنے خاندان والوں پر۔ یہ عالم انسانیت کے لئے مساوات اور بین الاقوامی اتحاد کا ایک پیغام ہے۔

حضرت امام حسینؑ نے کربلا میں کوئی معجزہ نہیں دکھایا جبکہ وہ امامت کے بلند مرتبے پر فائز تھے۔ مدینہ سے وقتِ رخصت اپنی جد ماجدہ اُم سلمہ کو دو انگلیوں کے بیچ سے زمینِ کربلا دکھادی اور وہ جگہ بھی بتادی جہاں اُن کی شہادت ہونے والی تھی۔ لیکن کربلا پہنچ کر کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ کربلا پہنچ کر جب گھوڑا آگے نہیں بڑھا تو امام عالی مقام نے پوچھا یہ کون

قربانی پیش کی لیکن فوق البشری قوتوں کی مدد نہ لی۔ بھوکے پیاسے بچوں کے لئے جنت سے خوان نہیں منگوائے، پانی نہیں منگوایا۔ امام ہوتے ہوئے بھی حضرت حسین نے عام انسانوں کی طرح مصائب برداشت کئے۔ صدمے سہے اور قربانی دی تاکہ لوگوں پر واضح ہو جائے کہ یہ راستہ ایک عام شخص کے لئے ہے چاہے وہ کسی مذہب، نسل، قوم یا خطے کا ہو۔ عزاداری ہر سال اُسی قربانی کی یاد تازہ کرکے ہمیں ایمان کی راہ پر چلنے کا حوصلہ دیتی ہے۔

ادوارِ مجالسِ عزا

انقلاباتِ زمانہ کبھی کسی ایک نظام کو یکساں قائم نہیں رہنے دیتے۔ دیلمیوں کے اقتدار میں آنے سے شیعوں پر لگی مذہبی بندشیں ختم ہوئیں۔ شیعی عوام اپنے عقائد اور مراسم کے مظاہرے کرنے لگے، بغداد میں شیعہ واعظ مسجدوں میں وعظ کہنے لگے۔ عاشور کے دن جلوس عزا برآمد ہوا۔ کربلا نجف اور کاظمین شیعی مراکز قرار پائے۔ ۳۵۲ھ کا محرم بغداد اور شیعی آبادیوں کا تاریخی محرم ہے اِس کے بعد سے مجالس کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا۔

دور اول

علمائے کرام کے ذریعے حدیث اور روایت کے طور پر فضائل و مصائب آل محمد کا بیان:

افسوس ہے کہ شیعہ مجالس کی سرگرمیوں کا ریکارڈ کہیں محفوظ نہیں رہا، حضرت صدوق (صدوق، ابو جعفر محمد بن ابوالحسن علی بن موسیٰ بن بابویہ قمی کا لقب ہے) متوفی ۹۹۱ء (مطابق ۳۸۱ھ) کی ایک پرانی کتاب 'امالی' ہے جس میں اِن کے درس اور ستانوے تقاریر کو جمع کیا گیا ہے اِن میں تین مجالس یکم، نہم اور دہم محرم ۳۶۸ھ سے متعلق ہیں۔ مجلسوں کے اِس پہلے دور میں علماء حدیث اور روایت کے طور پر فضائل و مصائب آل محمد بیان کرتے تھے۔ شعراء اپنے کہے مرثیے پڑھتے تھے۔

دوسرا دور

نجف، کاظمین، ایران میں تدریجی منازل:

ابو جعفر طوسی علیہ الرحمۃ (متوفی ۴۶۰ھ) نے نجف کو اپنا علمی مرکز یا شیعی دارالعلوم بنایا۔ عراق میں کربلا، نجف، کاظمین اور ایران میں مشہد مقدس شیعہ مرکزیت کی تدریجی منازل ہیں۔ یہاں مجلس عزا اور حلقۂ درس قائم تھا۔ مزارات مقدسہ کی قربت اور علماء کی موجودگی کے باعث ماحول سازگار بنا رہا۔ اوقاف کی وجہ سے مالی آسانیاں تھیں لہٰذا مجالس میں انہماک بڑھا۔ مصر میں کہیں کہیں ذکر حسین ہوتا تھا لیکن علماء کی کمی، شیعہ آبادی کی اقلیت اور دوسرے مذاہب کی عدم توجہی کے سبب اِن علاقوں میں مجلسوں کا رواج نظر نہیں آتا تھا۔ افریقہ و اندلس میں حسینیت میں کوئی دلچسپی اور خلوص کا مظاہرہ

دکھائی نہیں دیتا۔ آلِ محمد کا نام اور ائمہ کا نصب العین ظاہر کرکے عوام کو متاثر کرنا اور چیز ہے لیکن عقائد کا قیام دوسری بات ہے۔ افریقہ ابتدا سے ہی مالکی فقہ اور سنی عقائد اور اُصولوں کا علمبردار ہے۔ مصر کی فاطمی حکومت اور داعیانِ فرقۂ اسماعیلیہ کی وجہ سے تھوڑا سا علاقہ عام سُنی اسلامی عقائد سے اختلاف رائے ضرور ظاہر کرتا ہے لیکن افریقہ میں مجلس اور ماتم کا ہونا ممکن نہ تھا۔ مصر میں شیعیان علی کو کچلنے کی کوشش کی گئی جو صلاح الدین ایوبی کے بعد بھی جاری رہی۔ شیعہ آبادی کو وطن چھوڑ کر آنے پر مجبور ہونا پڑا۔ چنگیزی فتوحات غیر ملکی اور جداگانہ مذہب کے افراد کے ہاتھوں رونما ہوئیں۔ یہ عراق، عرب اور مصر پر اثر انداز ہوئیں۔ مغل سلاطین تمام مذاہب کے اکابر، علماء، مشائخ اور صوفیاء کا احترام کرتے تھے۔

ہندوستان کی سرزمین پر آل شنسب (افغانستان) اسمٰعیلی اور غوری خاندانوں کی حکومت تھی۔ تاریخ اِن خاندانوں کو شیعہ قرار دیتی ہے۔ بعض سیاحوں کے مطابق ملتان میں عرب شیعہ رہتے تھے اِن علاقوں میں محمود غزنوی (متوفی ۴۲۱ھ) نے شیعوں کے خلاف رویہ اپنایا۔ تیمور دوستدار اہل بیت تھا اُس نے ائمہ اہل بیت کے روضوں کی نگہداشت کی۔ شیعہ سیاسی طور پر مظالم کے شکار تھے لیکن مذہبی طور پر مطمئن تھے۔ تیمور کے بعد تو سلاطین، امراء، عوام، علماء اور صوفیا خاصی تعداد میں شیعی رنگ میں رنگ گئے۔ ایران میں تو جامی، ملا حسین واعظ کاشفی جیسے آزاد مسلک اور نقشبندی شیعہ مشہور ہو گئے۔ ملا کاشفی کی روضۃ الشہداء اتنی مقبول ہوئی کہ غیر عرب ممالک میں مجلس کا نام ہی روضہ خوانی پڑ گیا۔ ایران، ترکستان وغیرہ میں ذاکرین کو روضہ خواں کہا جانے لگا۔ روضۃ الشہدا سادہ ورنگین نظم و نثر میں فضائل و مصائب آل محمد پر مشتمل ہے۔ ابوالمفاخر رازی کے مقاتل ہوتے ہوئے بھی اِس کتاب کو اپنایا گیا۔ تیموریوں کے بعد صفویوں کا زمانہ عزاداری کے لئے بڑا مبارک اور روشن تھا۔ اصفہان میں علماء نے مجالس میں تقاریر کیں اور مصنفوں نے کربلا پر کتابیں، شعراء نے مصائب پر مرثیے لکھنا شروع کئے۔ علامہ مجلسی محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ نے عربی اور فارسی میں کربلا پر مفصل کتابیں لکھیں۔ محتشم نے شہرہ آفاق مرثیہ لکھا۔

ہندوستان میں مجالس

غیر ممالک میں عزادار مظالم اور سخت بندشوں کی وجہ سے اپنے وطن سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔ چند دیلمی اور علوی خاندان بھاگ کر دہلی آئے اور یہاں پناہ گزین ہوئے۔ اِن مہاجرین نے دلی میں کئی محلے آباد کئے۔ غیاث الدین بلبن ۱۲۶۵ء (۶۶۴ھ) کے عہد میں یہ محلے آباد تھے لیکن فیروز شاہ تغلق ۱۳۵۱ء (۷۵۲ھ) کے عہد میں انہیں مسمار کر دیا گیا۔ نظام الدین اولیاء کے زمانے میں عزاداری کے ثبوت ملتے ہیں۔ صفوی حکمرانوں نے ایران اور مغل تاجداروں نے

ہندوستان میں حالات بدلے۔ دکنی ہندوستان میں بہمنی (۷۴۸ھ تا ۹۳۳ھ) نظام شاہی (۸۹۰ھ تا ۹۱۰ھ) عادل شاہی (۸۹۵ھ تا ۱۰۹۵ھ) اور قطب شاہی (۹۱۸ھ تا ۱۰۹۸ھ) بادشاہوں نے شیعیت کو فروغ دیا۔

تاریخ مجالس کا تیسرا دور

دکن میں مجالس و میلاد کا دستور:

دکن میں مجالس و میلاد کا خاص دستور پڑ گیا۔ اِس قسم کی مجلسوں کا آغاز بیجاپور کی عادل شاہی سلطنت میں ہوا مگر قطب شاہیوں اور نظام شاہیوں نے اِس کو رواج دیا۔ وجہی، غواصی، لطیف افضل، مرزا نوری ہاشمی اور قطب شاہ نے مرثیے کہے جو مجلسوں میں پڑھے جانے لگے۔ کچھ لوگوں نے روضۃ الشہدا اور اِس انداز پر مسلسل مضامین نظم کروائے۔ نثر میں روضۃ الشہدا کے علاوہ اِس کے دکنی زبان میں کئی ترجمے پڑھے گئے۔ شیعہ اور سنی حضرات نے اِس قسم کی کتابیں لکھیں۔

شمالی ہند: کربل کتھا

شمالی ہند میں بھی یہ طریقہ رائج ہوا، فضلی کی 'دہ مجلس' (کربل کتھا) ہندوستان میں تاریخ مجلس کی پہلی اردو کتاب ہے جو ۱۷۳۱ء (۱۱۴۵ھ) عہد محمد شاہی میں لکھی گئی ۱۷۴۷ء (۱۱۶۰ھ) میں اِس پر نظر ثانی کی گئی اِس کے بہت سے قلمی نسخے ہیں۔ متعدد لوگوں نے اس میں زبان و بیان کی اصلاحیں کیں۔ روضۃ الشہدا کے معنی غیر فارسی داں خاص طور پر خواتین کی سمجھ میں نہ آتے تھے اِس لئے یہ دل سے ماتم نہیں کر پاتی تھیں۔

روضۃ الشہدا کے نثری تراجم و منظوم مضامین

روضۃ الشہداء کے منظوم اور منثور ترجموں نے واقعہ خوانی کی ایجاد کی۔ جس کا نمونہ واقعات ملا خطا کے نام سے مطبع منشی نول کشور میں چھپ چکا ہے۔ ملا خطا فضلی کے عہد کے قریب ایران سے آئے دربار آصف الدولہ میں ملازم اور شاہی مجلسوں کے واقعہ خواں گذرے ہیں۔ امام باڑہ آصف الدولہ اور حسین آباد کی مجلسوں میں واقعہ خوانی، سوز خوانی، مرثیہ خوانی اور ذکری ایک ہی مجلس میں نظر آتی تھی۔ فضلی اور ملا خطا کے دور میں حیدر بخش حیدری (۱۸۲۳ء (۱۲۳۸ھ) نجفی الاصل اور ہندی المولد ہیں) نے کلکتہ میں رہ کر بہت سی کتابیں لکھیں۔ گل مغفرت ۱۸۱۳ء (۱۲۲۷ھ) میں لکھی اور چھاپی گئی پھر فرانس میں اِس کا ترجمہ فارسی میں ہوا۔ (حکومتِ اودھ میں شیعہ علماء آزاد اور مراسم عزاداری ترقی پر تھے۔ قریہ قریہ گاؤں گاؤں مجلسیں ہوتی تھیں۔ ایران کے علماء اور واعظ ہندوستان آتے اور یہاں سے وہاں جاتے تھے) اِس سلسلے کی ایرانی مثال ملا محمد تقی

برخانی شہید کی مجالس المتقین، اور ہندوستان کی کتابوں میں خلاصۃ المصائب، مجالس علویہ، "نزہت المجالس" اخبارِ ماتم، قابل دیدنی ہیں۔ اِس سلسلے میں آخری صاحب کمال مولوی میر سید علی صاحب مرحوم (متوفی ۱۳۰۸ھ) تھے۔

چوتھا دور

انداز ذاکری میں تبدیلی

انداز ذاکری میں تبدیلی ہوئی۔ میر سید علی مرحوم کے زمانے میں اِن کا رنگ بہت پسند کیا گیا فضائل میں قصائد۔ ملا باذل کی حملۂ حیدری کے اشعار، روایات میں نکتہ آفرینی، نظم و نثر کی آمیزش، عربی و فارسی عبارتوں کی نقل، جنگ خندق جنگ خیبر وغیرہ فضائل میں بہت خاص سمجھی جانے لگیں۔ مصائب میں دردانگیز لہجہ غم آفرین عبارتیں پسند کی جاتی تھیں۔ مجلس کی کامیابی کا معیار تھا کہ رقت کیسی ہوئی لوگ روتے روتے بے ہوش ہو جاتے تھے۔ گریہ و بکا میں ذاکر کی آواز نہ آتی تھی۔ واعظ کو کبھی کبھی اشارے کرنے پڑتے تھے۔ علماء کے منبر پر آنے سے مواد و بیان میں بڑی خوش آیند تبدیلیاں ہوئی۔ مجلس بیان فضائل و مصائب سے بڑھ کر تبلیغ و افہام دین کی منزل میں آگئی۔ دوسرے فرقوں کے مخالفانہ پروپگنڈوں، مناظرانہ جھگڑوں کی وجہ سے امامت کے اصولوں پر توجہ دی گئی۔

مولانا مقبول احمد دہلوی: دلی کالج کے فاضل سنی العقیدہ سے شیعہ ہوئے۔ مجلس میں آپ نے اپنے سابق عقائد اور تبدیلئ مذہب کا ذکر کیا پھر امامت پر مناظرانہ نکتے بیان کرنا شروع کیے۔ اِن کی دوسرے فرقے والوں نے مخالفت کی تو اِن کا جوش اور بڑھا اور پسندِ عوام نے ایسے ذاکرین کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ نوآموزوں نے بھی یہی رنگ اپنایا۔ چنانچہ ذاکری میں مولانا مقبول احمد ایک نئے اسکول کے بانی قرار دئے گئے۔

مولانا محمد رضا: مدرسہ سلطان المدارس کے استادِ فلسفہ و منطق نے بہت شہرت پائی۔ آپ کا بیان منطق اور فلسفے کا رنگ لئے ہوئے تھا۔ آیات و روایات سے نتائج کا استخراج آپ کے ساتھ مخصوص قرار پایا۔

مولوی عبد العلی ہروی: ایران کے نامور عالم اور قرآن مجید و فلسفے کے عظیم ترین ماہر تھے۔ آپ کی زبان اگرچہ فارسی تھی لیکن مغربی پاکستان عموماً لاہور یا پنجاب میں آپ کی مجلس خوانی نے گہرے اثرات چھوڑے ہیں۔ آیات سے استدلال، لفظ لفظ پر قرآن مجید سے سند آپ پر ختم ہوئی۔

بانیٔ طرز جدید ناسخ اسلوب قدیم مولانا سید سبط حسن: (متوفی ۱۳۴۰ھ) مقبول خاص و عام، بانیٔ طرز جدید، موجودہ خطابت کے موسس اور گذشتہ رنگ کے جوہر ہیں۔ آپ کی فصاحتِ زبان، دلکشی بیان و جاذبیت، حدیث و مناقب، قرآن و مناظرہ، نکتہ آفرینی سے لوگ مخمور ہو جاتے تھے۔ بیان میں ٹھہراؤ آتا تو ایک ایک اشارے پر لوگ محو، ایک ایک لہجے سے

لوگ وجد کے عالم میں آ جاتے تھے۔ فضائل میں ہر لفظ خوبصورت بے مثال شعر اور مصائب میں ایک ایک جملہ مثل مرثیہ ہوتا۔ برستے پانی میں آندھی اور طوفان میں بھی لوگ آپ کو سنتے اور محو ہو کر گریہ و ماتم کرتے تھے۔ نثر نے فن خطابت میں آپ یکتا تھے۔ ذاکری میں رنگینی اور نکتہ آفرینی کا دستور آپ کی بدولت شروع ہوا۔ اس زمانے کا یہی رجحان تھا جس سے خطیب متاثر ہوئے فن میں اس کی رعائت کی گئی۔

اِس دور میں دیگر نامور ذاکرین سید کلب حسین، مولانا سید ابن حسن نونہروی، مولانا سید محمد دہلوی، جناب نجم حسن زیدی، حافظ کفایت حسین، جناب محمد شبیر صاحب، مولانا ابرار حسین پاروی، مولانا محمد طاہر اور مولانا سید علی نقی النقوی نے ہمہ گیر شہرت پائی۔ ان بزرگوں میں انفرادیت اور انکا رنگ جدا تھا، مولانا مقبول احمد کا طنز، مولانا سبط حسن صاحب کا ادب، مولانا محمد رضا قبلہ کا فلسفہ، جناب مرتضٰی الہ آبادی کا رنگ مزاح۔ علامہ ہروی اور مولانا محمد سبطین صاحب کی تفسیر کی موشگافیوں کا انداز مرکب کون بھلا سکتا ہے۔ جناب مولانا سید علی نقی النقوی کی تقریر میں استدلال، تاریخ کی معلومات اور زبان و بیان کا دلکش انداز سامعین کے دل و دماغ کو بہت متاثر کرتا تھا۔

عہد جدید

اِن اکابر کے بعد علوم جدید کی اشاعت اور تعلیم کی نئی بلندیوں، تاریخ و نفسیات، تنقید و ادب کے نئے رخ، زبان کا بدلتا ہوا رنگ، نئی تلمیحیں مشہور ہو گئیں۔ نئے مسائل کلام زبان زد ہو گئے۔ نئی پود نئی روشنی میں نئی باتیں سننا چاہتی تھی اس کے مقابل ایک جماعت خالص دینداروں کی ہے جو یہ دیکھتی ہے کہ اخلاقیات و مسائل دین مذہب و اسلام سے لوگ باغی ہو رہے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ہمارے ذاکرین اِدھر توجہ دیں اہمیت ارکان و پابندیٔ عمل سے آشنا کیا جائے۔ اِن کا مقصد ہے کہ ایران و عراق کی طرح مقررین کی تقریریں خشک، چست و رقت آمیز ہوں۔

شہروں سے دور سامعین کا ایک طبقہ ہے جو فرقہ وارانہ طعن و تشنیع سے دوچار ہے۔ اٹھتے بیٹھتے انہیں زبانی چرکے دئے جاتے ہیں۔ وہ حریفوں کے لئے کچھ مواد چاہتے ہیں۔ نوجوان ذاکر اور نئے واعظ کا فرض ہے کہ وہ اِن ہمہ گیر مطالبات اور رجحانات کو پیش نظر رکھیں لیکن یہ مرحلہ دشوار اور راستہ کٹھن ہے۔ ذرا سی افراط و تفریط، ذرہ بھر بے پروائی غیر دانشمندی اور نا تجربہ کاری بڑے واقعات و نتائج کا سبب بن سکتی ہے۔

مجلس خالص مذہبی علامت اور یادگار سید الشدا ہے۔ اِس کا مقصد تعارف و تشہیر واقعات کربلا ہے اِس کی تمہید میں سیاست کی بے جوڑ باتیں یا خالص مناظرہ جیسی نازک اور سائنس و منطق جیسی پیچدار باتیں کہی گئیں تو مجلس کا مقصد پس پشت چلا جائے گا اور مجلس میں اور حد فاصل میں اور کوئی فرق نہ رہے گا۔

مجلس ایک خاص اسلوب و آہنگ، رکھ رکھاؤ، خاص لہجہ، خاص حدیں اور معین مقصد ہے۔ خطیب اپنی فکر و نظر، بیان اور تقریر کا پابند ہے انہیں چیزوں کا مجموعی اثر خاص رنگ کہلاتا ہے۔ خطابت کے نئے رنگ و انداز اور زمانے کی نئی کروٹوں سے منبر بھی متاثر ہو چکا ہے۔ مولانا علی نقی صاحب، مولانا ابن حسن جارچوی، علامہ رشید ترابی، جناب ڈاکٹر مجتبی حسن کامون پوری، جناب خواجہ محمد لطیف صاحب انصاری مشہور ذاکرین ہیں۔

مجالس عزا

عام طور پر مجلس عزا کے کئی حصے ہوتے ہیں مثلاً ۱۔ سوزخوانی، ۲۔ سلام، ۳۔ مرثیہ خوانی، ۴۔ مذہبی بیان، ۵۔ نوحہ خوانی، ۶۔ ماتم، ۷۔ زیارت و دعا۔

سوزخوانی

نوحہ و سوز پیغمبر کے وصی و اہل بیت کی شان میں اردو میں چھوٹی نظمیں ہوتی ہیں جو سُر میں پڑھی جاتی ہیں اس میں ایک سوزخواں اور اس کے دو بازو ہوتے ہیں (جو ساتھ دائیں بائیں بیٹھ کر آواز میں ساتھ دیتے ہیں۔

سلام و مرثیہ

اس کے بعد سلام اور مرثیہ پڑھا جاتا ہے اِسے ۴۔۵ افراد مل کر پڑھتے ہیں اس میں المیہ بیان ہوتا ہے چنانچہ زیادہ تر عزادار رونے لگتے ہیں۔ (سوزخوانی کی تفاصیل کے متعلق ملاحظہ کیجئے: ملحقہ ۲)

بیان

اس کے بعد ذاکر کا بیان ہوتا ہے۔ اِس وعظ کی ساخت روایتی انداز میں مقرر ہے۔ حمد و ثنائے رسول اسلام کے اصولی اور تاریخی نکتے، اہل بیت کی فضیلت کا بیان فضائل اور دعا، کربلا کے شہدا کے فضائل اور اس بات پر زور کہ ہمیں اُن سے ہدایت حاصل کرنی چاہئے۔ شہدائے کربلا، رفقائے حسین اور اہل حرم پر ہوئے مظالم یعنی مصائب کی تفصیل، ظالموں کی ایذا رسانیوں کا ذکر ہوتا ہے۔ خطیب کا بیان اتنا پر سوز اور دلدوز ہوتا ہے کہ لوگ گریہ کرتے ہیں۔

نوحہ و ماتم

اس کے بعد مجلس نوحے پر ختم ہوتی ہے۔ نوحہ پڑھتے وقت عزادار کھڑے ہو جاتے ہیں اور ماتم کرتے ہیں۔ محرم میں ماتم غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے ورنہ اللہ اپنی مخلوق میں اپنے اپنے انداز میں رونے کی صلاحیت ہی نہ دیتا۔ (کربلا میں غم حسین میں تو پوری کائنات شریک تھی) گریہ و بکا کے ذریعے مجلس کے سامعین پر حسین کا غم اور امام مظلوم کی یاد واضح ہوتی رہتی ہے۔

زیارت ودعا

مجلس کا اختتام زیارت ودعا پر ہوتا ہے۔

عزاداری کی مشہور خوانیاں[1]

پیش خوانی: مرثیہ خوانی، سوز خوانی یا کسی مجلس کے ذاکر سے پہلے جب کوئی اور پڑھتا ہے۔ پیش خواں کہلاتا ہے۔

تحت خوانی: تحت اللفظ مرثیہ پڑھنا۔ میر ضمیر، مرزا دبیر، میر انیس وغیرہ نے تحت خوانی کے فن کو کمال تک پہنچا دیا۔

جواب خوانی: سوز خوانی میں اصل سوز خواں کے ساتھ کم از کم دو اور لوگ ہوتے ہیں جو بازو اور جوابی کہلاتے ہیں۔ جوابی اصل سوز خواں کے پڑھے ہوئے بعض مصرعوں کو اسی کے لحن میں دُہراتا ہے۔

چٹک چکی خوانی: چٹک چکی سڈول تراشی ہوئی لکڑی کی ٹکیہ ہوتی تھی۔ چٹک چکی خواں بجائے سینہ کوبی کے ہاتھوں میں ایک ایک چٹک چکی لے کر اُن کو آپس میں ٹکراتا تھا اور پر درد نوحہ پڑھتا تھا۔ اب چٹک چکی خواں نہیں ملتے۔

حدیث خوانی: واقعات کربلا نثر میں لیکن ہلکے ترنم کے ساتھ پڑھے جاتے ہیں۔ اب مجلسوں میں خصوصاً زنانی مجالس پڑھنے والیوں کو حدیث خواں بلکہ اُس کی تانیثی صورت نون پر تشدید کے ساتھ کہا جاتا ہے لیکن اِس میں اور عام مردانی مجلسوں کی ذاکری میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

روایت خوانی: اس میں ذاکر عموماً تحت اللفظ میں واقعہ کربلا کی کوئی منظوم روایت پڑھتا ہے مثلاً: "دنیا میں یادگار ہے عباس کی وفا" اب کئی پڑھنے والے ترنم سے بھی پڑھتے ہیں۔

روضہ خوانی: اول اول فارسی میں ہوتی تھی اب اردو میں بھی پڑھی جانے لگی۔ ایران میں ذاکرین روضہ الشہداء پڑھتے تھے اِس لئے روضہ خواں کہلائے۔

سوز خوانی: آج بھی رائج و مقبول ہے۔ سوز خواں پہلے رسول خدا یا اس کے وصی سے متعلق چھوٹی نظمیں رباعی یا قطعہ پڑھتے ہیں۔ پھر سلام اور مرثیے کے مربوط بند پڑھتے ہیں۔ (تفصیلات کے لئے ملاحظہ کیجئے: ملحقہ ۲)

کتاب خوانی: یہ بھی کتاب دیکھ کر عموماً ہلکے ترنم کے ساتھ ہوتی ہے۔ (مقاتلِ حسین کا ایک نسخہ امیر خسرو کے پاس تھا جو محرم میں پڑھا جاتا تھا)۔

---

[1] لکھنؤ عزاداری کی مشہور خوانیاں (مضمون) ڈاکٹر نیر مسعود مشمولہ ص ۹ راشٹریہ ہت ساپتاہک لکھنؤ، محرم نمبر ۷ ادسمبر ۲۰۱۰ء۔

مرثیہ خوانی: شروع میں مرثیہ خوانی ترنم سے ہوتی تھی بعد میں اِس مرثیہ خوانی کو مزید نکھار کر سوز خوانی کا جُز بنایا گیا اور مرثیہ خوانی تحت اللفظ ہونے لگی۔

مصائب خوانی: اِس کا ذکر کم ملتا ہے لیکن تین مشہور داستان لکھنے والے احمد حسین قمر، محمد حسین جاہ، تصدق حسین کو مصائب خواں بھی لکھا گیا ہے۔ قمر اور جاہ نثر خواں بھی تھے۔

نثر خوانی (نثاری): کتاب "طریق نثر خوانی" میں اِس فن کے آغاز اور ارتقاء کا حال لکھا ہے۔ پہلے نثر خوانی کتاب دیکھ کر کی جاتی تھی اور زیادہ تر فارسی میں ہوتی تھی پھر اُسے زبانی اردو میں کر دیا گیا اب نثر خوانی کو نثاری کہا جاتا ہے۔ یہ فن اب قریب قریب ختم ہے اِس میں نثر کی عبارتوں میں مرثیوں کے بند وغیرہ جوڑ کر پڑھے جاتے تھے۔ لکھنو میں سید نجم الحسن نثار مرحوم نثر خوانی کے آخری با کمال اُستاد تھے۔ اُن کے بیٹے سید اسرار الحسن بھی اچھا پڑھتے تھے لیکن جوان مر گئے۔ اب سید علی سجاد نثار جو نجم الحسن مرحوم کے شاگرد ہیں نثر خوانی کرتے ہیں۔

نوحہ خوانی: آج کی رائج اور سب سے مقبول خوانی ہے۔

واقعہ خوانی: اِس میں واقعہ خواں کے واقعہ پڑھنے کے بعد کئی لوگ مل کر کوئی نوحہ پڑھتے تھے۔ عباس صاحب لکھنوؔ کے مشہور واقعہ نویس و واقعہ خواں تھے۔

ہر سیہ خوانی: ایام عزا ختم ہونے کے بعد بعض حضرات ہر سیئے پڑھتے ہیں یہ غیر سنجیدہ صفت ہے جس میں دشمنان اہل بیت کی برائی پڑھی جاتی ہے۔ مرزا دبیر کے شاگرد علی گوہر مشیر ہر سیہ گوئی میں سب سے زیادہ مشہور تھے۔

شبیہ خوانی: اس کا رواج ایران میں ہے ہندوستان میں نہیں۔ شبیہ خواں ایک بڑے پردے پر مختلف داستانوں کو تصویروں پر منقوش کراتا ہے اس میں مختلف مجالس ہوتی ہیں۔ (تفاصیل کے لئے دیکھئے ایران میں عزاداری)۔ اُن میں واقعات کربلا، معجزات ائمہ کرام، وغیرہ کے متعلق داستانیں ہوتی ہیں جن میں پردہ خواں نظم و نثر میں آواز کے زیر و بم، ترنم اور تحت میں حرکات و سکنات کے ذریعے اِس طرح بتاتے ہیں کہ وہ ناظرین کے دل میں اتر جاتی[1]۔

مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی اپنی مشہور کتاب "گذشتہ لکھنو" میں رقمطراز ہیں:

"لکھنو کی خاص چیز جس نے لکھنو سوسائیٹی پر اثر ڈالا اور دیگر سوسائیٹی بھی اُس سے متاثر ہوئی وہ مجلسیں ہیں۔ مجلسوں کی برکت سے مختلف قسم کے ذاکر پیدا ہو گئے، مرثیہ خوانی کی ضرورت و قدر نے میر انیس اور مرزا دبیر پیدا کئے جو کمال شاعری کے اعلیٰ ترین مقام پر پہنچ گئے۔ لکھنو نے بہت سے ایسے سوز خواں پیدا کئے جن کے آگے بڑے

بڑے اُستاد گویئے کان پکڑتے تھے۔ یہ سب فنون مجالسِ عزا کی برکت سے خاص لکھنؤ میں پیدا ہوئے اور ان سب نے اردو ادب کو بے انتہا ترقی دینے کے علاوہ، نظم و نثر کی دنیا میں ایک خاص شان پیدا کر دی کہ انسان جس طرح چاہے جذبات کو حرکت میں لائے۔ فن خطابت کو یونانیوں نے باضابطہ طور پہ ترقی دی تھی۔ یورپ نے مقرروں اور خطیبوں نے اِس فن کو زندہ کرنا شروع کیا مگر لکھنؤ میں ذاکری کے طفیل میں اس فن کو خود بخود ترقی ہو گئی کہ شاید یورپ والے بھی اِس درجہ آگے نہ بڑھ سکے ہوں گے۔ . . اصل حقیقت یہ ہے کہ شیعوں کی مجلسوں نے لکھنؤ کی معاشرت پر بہت نمایاں اثر ڈالا ہے۔ ان کے ذریعے آداب صحبت اور تہذیب و شائستگی کو بہت زیادہ ترقی ہو گئی ہے"[۱]۔

آدابِ عزاداری

عزاداری ہمارے ملک کی مخلوط تہذیب کا حصہ بن گئی ہے۔ صرف مؤمنین ہی نہیں دوسرے فرقے والے اور مذاہب کے پیرو بھی اِس میں شریک ہوتے ہیں۔ مقامی اثرات بھی جگہ جگہ کی رسومات عزاداری میں نمایاں ہیں۔ عزاداری کے مختلف مراسم اور آداب بھی قائم ہو گئے۔ حالانکہ اِن کو کسی ایک شخص نے کسی ایک وقت معینہ پر طے نہیں کیا بلکہ اِن کا ارتقاء ہوا ہے۔ مگر آج اِن کو استحکام نصیب ہوا ہے وہ عقیدت اور سماج کی بالواسطہ تائید کی وجہ سے ہے۔ لوگ اِن آداب کو کسی تادیب یا سزا و تنبیہ کے خوف سے نہیں مانتے بلکہ دلی عقیدت اور سماجی حمایت و ضرورت کی وجہ سے اِن کی پابندی کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ کسی بھی دستور کی بہترین بنیاد داخلی ہوتی ہے یعنی لوگ کسی قانون کو اِس لئے مانیں کہ اُن کا دل ایسا کرنے کو کہتا ہے تو قوانین پر عمل اچھی طرح ہوتا ہے۔ جعفری ٹائمس (جعفری آبزرور) بمبئی سے شائع ہونے والے اخبار میں عزاداری کے متعلق محرم نمبر میں جو لکھا گیا وہ عزاداروں کے لئے اہم ہے۔ اخبار لکھتا ہے:

"امام حسینؑ کا مقصد اپنے سماج کے حالات کو سدھارنا اور اسلام کے فراموش کردہ قوانین و قواعد کو دوبارہ مستحکم کرنا تھا۔ اس لئے ہم اُس وقت تک خود کو سچا عزادار نہیں کہہ سکتے جب تک ہم اپنے فرائض جیسے قرآن کی تعلیم، واجب کردہ نماز، روزہ، اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک اور انسانوں سے محبت وغیرہ انجام نہ دیں اور ممنوعہ اعمال جیسے (غلط قسم کی) موسیقی سننا، گندی فلمیں دیکھنا، غیر ضروری گپ شپ میں وقت ضائع کرنا وغیرہ سے

---

[۱] مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی گذشتہ لکھنؤ، ص ۴۰۵-۴۰۶۔

پرہیز نہ کریں"[۱]۔

عزاداری کے روحانی پہلو کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے۔ عزاداری کی شرطِ اولیں جس پر اس کی بنیاد مضبوطی سے قائم ہے وہ ہے عزاداروں کی عقیدت۔ اسی لئے آداب عزاداری میں عقیدت کو فوقیت دی جاتی ہے۔ اس میں خلوص اور احترام ہونا چاہئے۔ چاہے مجلس میں شرکت کرنا ہو یا ماتمی جلوس میں ساتھ چلنا ہو۔ اُس میں خود نمائی نہ ہو بلکہ جو کچھ بھی کیا جائے وہ دلی عقیدت کے ساتھ کیا جائے۔

سماجی زندگی کی بنیاد شائستگی، خوش سلیقگی و تہذیب ہے یعنی دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے بلکہ دوسروں کا اپنے سے زیادہ خیال رکھا جائے۔ سماجی آداب، نشست و برخاست کے طور طریقوں، گفتگو، زبان اور موضوع میں آدابؔ ہمیشہ پیش نظر رہنے چاہئیں۔ کسی بھی مجلس میں شریک ہوں تو وقت سے پہلے پہنچ کر نظام نشست (یعنی نشستوں کا انتظام منتظمین نے کس طرح کیا ہے) کو ذہن میں رکھ کر فرش پر بیٹھ جائیں۔ یہ نہیں کہ مجلس شروع ہونے کے بعد پہنچے، دھڑ دھڑاتے ہوئے اندر داخل ہوں سامعین کی قطاروں کے اوپر پھلانگتے ہوئے آگے پہنچ گئے اور وہاں بیٹھ کر لوگوں کو سلام کر رہے ہیں۔ اس طرح تمام ماحول میں ہی انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔ مجلس کو خطاب کرنے والے ذاکر کی تقریر میں بھی رخنہ اندازی ہوتی ہے۔ مجلس میں جائیے اور خاموشی کے ساتھ آخری قطار میں تشریف رکھیئے اور ذاکر کے بیان پر توجہ مرکوز کیجئے۔ کچھ لوگ مجلس کی نشست کے درمیانی راستے میں بیٹھ جاتے ہیں تاکہ آگے جگہ ملے اور ذاکر کو اچھی طرح دیکھ سکیں یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ اس سے آنے جانے والوں کو پریشانی ہوتی ہے اور نظام نشست میں مشکلیں پیدا ہوتی ہیں۔

مجلس میں بیٹھ کر کچھ کھانا بھی معیوب ہے۔ پان تک کھانا مناسب نہیں ہے۔ نہ ہی برابر والے سے گفتگو کرنا جائز ہے۔ کوشش کیجئے کہ آپ کی آنکھیں خطیب مجلس کے چہرے پر مرکوز ہوں اور کان اُس کی آواز پر۔ طبیعت میں یکسوئی ہو تو ذاکر کے الفاظ دل میں اترتے چلے جاتے ہیں۔ اگر مقرر کی کسی بات سے آپ متفق نہیں ہیں تو بحث نہ کیجئے۔ نہ برابر بیٹھنے والے سے اُس پر تبادلہ خیالات کیجئے۔ جب مجلس ختم ہو جائے تو آپ خطیب سے ملکر اپنے شکوک رفع کر سکتے ہیں۔

ماتمی مجلس میں چہرے پر تبسم رکھنا یا کسی بات پر قہقہہ لگانا صحیح نہیں ہے۔ اگر آپ عقیدت سے ذاکر کا بیان سنیں گے تو خود بخود معروف گریہ ہو جائیں گے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ رونے والوں جیسی صورت بنائے رکھنے والے کے لئے بھی جنت کے دروازے وا رہتے ہیں۔ یہ ابتدا ہے۔ کچھ دنوں مجالس دل سے سنیں گے تو آنسو خود بخود رواں ہو جائیں گے۔

۱۔ جعفری ٹائمس بمبئی جلد ۲ نمبر شمارہ ۱، اگست ستمبر ۱۹۸۸ء۔ The importance of mourning – Azadari (Article) Karimi Md

نوحہ خوانی اور ماتم کے بعد زیارت پر خاتمۂ مجلس ہوتا ہے۔ بعدہ، تبرک کی تقسیم ہوتی ہے اِسے امام عالی مقام کی عطا سمجھتے ہوئے متبرک مانا جاتا ہے۔ تبرک تقسیم ہوتے وقت خیال رکھیئے کہ آپ عقیدت کے ساتھ تبرک لیں۔ اُس کے لئے دھکا مکی یا چھینا جھپٹی آداب مجلس کے خلاف ہے۔ "پہلے میں، پہلے میں" کی وجہ سے بد نظمی پیدا ہوتی ہے اور کبھی کبھی تبرک زمین پر گر جاتا ہے جس کے باعث اس کی توہین ہوتی ہے۔ اِسی طرح سبیل پر بھی قطار میں اپنی باری کا انتظار کیجئے۔ توشہ ہو یا شربت تبرک ہے اُسے حاصل کرنے کے لئے غلط حرکات اور پیٹ بھرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ لینا منافیٔ تہذیب ہے بلکہ اِس سے آپ کے بارے میں لوگوں کی رائے غلط بن سکتی ہے۔

اپنے کنبے والوں خاص طور پر بڑے بچوں کو مجلس میں لے جایئے تاکہ وہ کربلا کے واقعات جانیں اور بڑے ہو کر اچھے عزادار بن سکیں۔ عورتیں زنانہ مجالس میں شرکت کریں تو گھر میں عقیدت کا ماحول بننے میں مدد ملے گی۔

مراسم عزاداری و تعزیہ داری

مراسم عزاداری میں اگر علاقے والے زیادہ سے زیادہ تعداد میں شریک ہوں تو اُس کا اثر دوسروں پر بھی ہوگا۔ یہ شیعیان علی کے تشخص کا بھی اظہار ہے اور قوت کا بھی۔ چاہے رویتِ ماہِ محرم ہو یا شب بیداری، علم کا جلوس ہو یا تابوت و ذوالجناح کا جلوس اُس میں شرکت آپ کے لئے برکتیں لائے گی اور علاقہ میں عزاداروں کا اثر بھی بڑھے گا۔ جلوس میں بھی آپ کو نظم و نسق کا خیال رکھنا ہے۔ ترتیب جلوس کو قائم رکھیئے۔ خود نمائی کی کوشش نہ کیجیئے خاص طور پر فوٹو کھنچوانے کے شوق میں لوگ آدابِ ماتمی جلوس نظر انداز کر دیتے ہیں۔ قطار میں چلئے۔ اگر آپ سینہ زنی یا زنجیری ماتم میں اُس شد و مد سے حصہ نہیں لے سکتے تو عزاداروں کی اُن ٹولیوں سے ذرا فاصلہ رکھکر چلئے کیونکہ ماتم کس طرح کرنا ہے اور کب نوحہ میں ساتھ دینا ہے یہ اگر معلوم نہیں تو جلوس کے ماتم میں رخنہ اندازی ہوگی۔ کچھ جلوسوں میں (خاص طور پر آٹھویں محرم اور روز عاشورہ کے جلوسوں میں) لوگ برہنہ سر اور برہنہ پا چلتے ہیں۔ آپ جلوس میں شرکت کریں تو آپ بھی برہنہ سر اور برہنہ پا ہوں ورنہ جلوس سے کچھ فاصلے سے چلیں۔

مجلس ہو یا جلوس سادے کپڑے پہنیئے۔ بہت زرق برق لباس یا بڑھیا چمکدار جوتے پہن کر ماتمی مجلسوں یا جلوسوں میں شریک ہونا کیا بلکہ ماہ محرم میں ایسی چیزوں کا استعمال بھی مناسب نہیں۔ آپ شہدائے کربلا کا غم منا رہے ہیں اِس لئے چہرہ بھی سوگوار ہو اور لباس بھی سادہ، سوگ کا ہونا چاہئے۔ خود ہی خیال فرمائے کسی کے گھر میں اگر غمی ہو جائے تو اُس کا لباس، حرکات و سکنات، طرز گفتگو کیسے ہوں گے۔ چاہے آپ سڑک پر زیارت ضریح کے لئے کھڑے ہیں یا جلوس میں ہوں، علم ٹھنڈے کرنے گئے ہوں یا تدفین تعزیہ کے لئے، سب کام منظم طریقہ سے ہونا چاہئے۔ شام عاشور کو فاقہ کشی ختم کرنا ہو یا

حاضریٔ عباس میں شامل ہونا ہو۔ آپ ایک صالح مومن کی طرح برتاؤ کیجئے۔ خدا آپ کو اجر دے گا نورِ ایمان سے آپ کی زندگی منور ہوگی، آپ کو برکتیں ملیں گی۔ ایسے لوگوں کو ائمہ کرام نے جنت کی بشارت دی ہے اور یہ عزاداریِ مودت القربیٰ کی جانب ایک قدم ہے۔

مظلوموں کی حمایت اور اُن سے محبت، ظالموں سے نفرت انسانی فطرت کے جزو ہیں (اسلام تو دینِ فطرت ہے جبھی تو ارکانِ حرم میں طوافِ حرم و بوسۂ حجرِ اسود کے ساتھ ہی شیطانوں پر کنکری پھینکنا بھی شامل ہیں یعنی خدائے پاک بھی مظلوموں سے محبت اور ظالموں سے نفرت پسند کرتا ہے) عزاداری بھی انہیں رسومات و معمولاتِ عزاداری پر مبنی ہیں اِن کی ہیئت اور نوعیت متنوع ہے کیونکہ اِن کی تشکیل کسی وقت معینہ پر کسی ایک شخص یا اجتماع نے رسمی طور پر نہیں کی نہ ہی کسی ایک کتاب میں یہ درج ہیں، اِن کا ارتقاء ہوا ہے۔ صوفیائے کرام نے نظامِ عزاداری کو ترتیب دیا۔ حکمرانوں، روساء، شرفاء نے اس میں تعاون کیا لیکن اصل میں یہ عوام کی دلی محبت، جوشِ عقیدت ہے جس نے اِس کو نہ صرف زندہ رکھا بلکہ اِس کے فروغ، ترویج و ارتقاء میں مدد کی۔ آج دنیا بھر میں کروڑوں لوگ امامِ مظلوم، شہیدان و اسیرانِ کربلا کو ہر سال یاد کرتے ہیں۔ اُن کا ماتم کرتے ہیں اُن کی زبان، آداب و مراسم مختلف ہو سکتے ہیں لیکن ایک چیز بنیادی ہے یعنی اُن کے قلوب و ذہن عقیدتِ آلِ رسول سے منور ہیں اور لوگ بلا تفریق مذہب و ملت عزاداریٔ حضرت حسینؑ میں شریک ہوتے ہیں۔

عزاداری ہندوستانی مخلوط ثقافت کا جزو لاینفک ہے۔ بقول ڈاکٹر سید جعفر رضا بلگرامی:

"اقدار اور جذبات کے امتزاج نے عزاداری کے مادی عناصر اور اُس سے متاثر سماج نے طرز و انداز کے ایسے پیکر فراہم کئے جن سے مل کر ایک منظم و مربوط تہذیب کی تشکیل ہوئی۔ امام باڑے، درگاہیں، عزاخانے، تعزیے، علم، تابوت اِس تہذیب کی شناختیں ہیں، سوز و سلام و مرثیے و نوحے، بول اِس تہذیب کی بولنے کی قوت اِس سے وابستہ صنفِ موسیقی اِس تہذیب کا آہنگ ہے، مجلسوں میں ذاکروں کا بیان اِس تہذیب کا نہج البلاغہ ہے۔۔۔ سوز کے سوز و گداز، سلام کے اظہار عقیدت، مرثیہ اور نوحوں کے بیانیہ اور رینیہ سلیقے سے اِس تہذیب کے خد و خال مرتب ہوئے۔ یہ تہذیب بناوٹ سے پاک اپنے فطری لہجے میں بول پڑھتی ہے۔ اِن تہذیبی عناصر کو موسیقی کی لَے اور لحن سے سجایا گیا ہے۔۔ اِن عناصر کی بدولت یہ تہذیب، ذہن اور قلب میں بلا تفریق مذہب و ملت رچ بس گئی ہے۔ اِن تہذیبی عناصر نے اظہار خیال میں ہر طبقے اور ہر علاقے کا لب و لہجہ اختیار کر کے اُس کو اپنا بنا لیا ہے"[1]۔

۱۔ بلگرام کے تناظر میں ... [illegible] ... مضمون: ڈاکٹر سید جعفر رضا بلگرامی ... [illegible] ... لکھنؤ ... [illegible]

لفظ امام باڑہ صوفیوں نے اِس لئے استعمال کیا تھا کہ یہ اصطلاح ہندوستانی مشترکہ تہذیب نے ذہن و مزاج سے زیادہ قریب تھی۔ حالانکہ ایران میں اِس کے لئے حسینیہ مستعمل ہے۔ ہندوستان میں بعض علماء نے اسے امام بارگاہ کہنا زیادہ پسند کیا۔ دکن میں اِسے عاشور خانہ اور علوہ/الاوا کہا گیا لیکن قبول عام کی سند "امام باڑے" کو ہی ملی۔ آج بھی ہندوستان کے زیادہ تر حصوں میں لفظ امام باڑہ ہی مروج ہے۔ امام باڑہ صرف ایام عزاداری میں ہی اجتماعی زندگی کا مرکز نہیں ہوتا بلکہ سال بھر کئی معاشرتی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ قصبات میں تو امام باڑے میں بچوں کی دینی تعلیم، میلاد کی مجالس، نماز جنازہ، قرآن خوانی، ایصال ثواب کی مجالس کے انتظامات بھی ہوتے ہیں۔ امام جمعہ و جماعت نماز بھی پڑھاتا ہے اور شرعی مسائل اور معاملات میں رہنمائی بھی کرتا ہے۔ کہیں کہیں تو امام جو طبابت سے واقف ہیں مریضوں کا علاج بھی کرتے ہیں[1]۔ ایام عزا میں کئے جانے والے کاموں کی تقسیم بھی امام باڑے کی جانب سے ہوتی ہیں[2]۔ غرضیکہ امام باڑے معاشرتی زندگی کے مراکز بھی ہیں جو ہماری خوشیوں اور غموں کے موقعوں پر کام آتے ہیں[3]۔ محرم کا اثر بازاروں اور گفتگو میں بھی نمایاں ہوتا ہے۔

انسان کی فطرت یہ ہے کہ وہ ایک جزیرے کی طرح نہیں رہ سکتا۔ وہ دوسروں کے افکار و اعمال سے متاثر ہوتا ہے اور دوسروں پر اپنا اثر ڈالتا ہے۔ انسانی تہذیبیں بھی اسی انسانی فطرت کی عکاسی کرتی ہیں ایکدوسرے پر اپنا اثر ڈالتی ہیں۔ عزاداری کی رسومات پر بھی اسی قسم کے متنوع اثرات نظر آتے ہیں۔ دیگر مذاہب اور علاقائی رسومات و زبان، عزاداری کے مراسم اور اصطلاحات پر اثر پذیر ہوئے ہیں۔ اس لئے رسومات میں اختلاف نظر آتا ہے۔ اہل سنت بھی عزاداری میں شریک ہوتے ہیں کئی جگہوں پر وہ تعزیے کی جگہ مسجد اٹھاتے ہیں (تاکہ بدعت کا الزام نہ لگے)، راستے میں اللہ اکبر، لا الہ الا اللہ کے نعرے لگاتے ہیں۔ اکھاڑے کھیلتے ہیں۔ تدفین تعزیوں کے لئے اِن کی کربلا میں بھی الگ جگہ ہوتی ہیں۔ بریلوی مسلک والے تو تعزیے کے جلوس میں شریک ہوتے ہیں اور اپنا تعزیہ نکالتے ہیں۔ سنی حضرات ماتم یا گریہ زاری نہیں کرتے لیکن مرثیے پڑھتے ہیں۔ اہل تسنن کے طریقے الگ ہو سکتے ہیں لیکن نواسۂ رسول کی شہادت کا غم تو انہیں بھی ہوتا ہے۔ مسلم اور غیر مسلم مختلف فرقوں اور ذاتوں کے تعزیے اٹھتے ہیں جس میں سب شریک ہوتے ہیں۔

ہندو حضرات بھی عزاداری میں خلوص اور احترام سے شریک ہوتے ہیں۔ مراسم عزاداری میں ہندوستانی اثرات نمایاں ہیں۔ چوڑیاں بڑھانا، علم پر پھول چڑھانا، کلاوہ باندھنا، علم کو دودھ اور عرقِ گلاب سے ٹھنڈا کرنا۔ آگ میں ماتم کے وقت

۱۔ بلگرام کے تناظر میں تہذیب محرم (مضمون) ڈاکٹر سید جعفر رضا بلگرامی، راشٹریہ ہت ساپتاہک لکھنؤ محرم نمبر ۱۷ دسمبر ۲۰۱۰ ص ۱۸۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ ایضاً۔

سوکھے ناریل کی قاشیں اور پتی ہری ڈالنا، کونڈے کی نذر، صحنک کھانا، آگ کا ماتم، علم اور تعزیہ کے سہرے سیرانا، ڈولہ نکالنا، پالکی اٹھانا، بچوں کے بٹوؤں کو سوکھے ناریل کی قاشوں اور دھنیاں سے بھرنا، حسینی فقیر بننا، سگِ حسین بن کر قبولی کھانا، بچوں کو تعزیے کے نیچے سے نکالنا، بچوں کو گروی رکھنا، جلوس میں جانوروں کی شکلوں میں شریک ہونا، سوانگ کا مظاہرہ کرنا، جوگنوں کی تلوار بازی وغیرہ مراسم دوسرے ممالک میں نظر نہیں آتے۔ مہندی کی رسومات بھی ہندوستان میں الگ طرح کی ہیں جو مشرقِ وسطیٰ کے اسلامی ممالک میں نظر نہیں آتیں۔ اِن کا تعلق واقعاتِ کربلا اور جوشِ عقیدت دونوں ہی سے ہے۔ اِسی طرح عزاداری میں استعمال ہونے والی اصطلاحات پر بھی ہندوستانی زبانوں کے اثرات نظر آتے ہیں (ملاحظہ کیجئے: ملحقہ ۴، فرہنگ اصطلاحات)۔

امام مظلوم کے عقیدتمندوں میں ہندو حضرات کی بھی ایک بڑی تعداد ہے۔ مسالموں اور مرثیہ خوانی کی مجلسوں میں ہندو بھی شریک ہوتے ہیں۔ سلام گو اور مرثیہ نگار شعراء میں بھی ہندو حضرات کے ناموں کی خاصی طویل فہرست نظر آتی ہے۔ (مؤلفِ کتابِ ہٰذا نے ۲۰۰ سے زائد غیر مسلم سلام گو اور ۴۰ سے زائد مرثیہ نگار شعرا کا کلام جمع کیا ہے جو انشاء اللہ ہمارے حسین، نامی کتاب میں شائع ہوگا)۔

ہندو خواتین بھی عزاداری میں شریک ہوتی ہیں۔ کہیں یہ تعزیوں پر چاول نچھاور کرتی ہیں اور راستے میں لوٹے سے پانی کا چھڑکاؤ کرتی ہیں۔ بنارس میں ہندو عورتیں منت پوری ہونے پر سونے چاندی کے لیموں چڑھاتی ہیں۔ کہیں عرضیاں چڑھاتی ہیں۔ منتیں مانتی ہیں۔ لوبان، اگربتی لے کر رات رات بھر کھڑی منتیں مانتی ہیں۔ منت پوری ہونے پر نذر و نیاز کرتی ہیں۔ آندھرا پردیش کے دیہی علاقوں میں پیرلو (ماتمی علم) پر ادیس چڑھا کر اولاد کے لئے منت ماننے کے بعد جو بچے پیدا ہوتے ہیں اُن کے والدین اُن کے نام کے ساتھ حسنؑ حسینؑ، یا بی بی فاطمہؑ جوڑ دیتے ہیں۔ مثلاً رام حسن، رنگیا حسین، بی بی ناچاری۔ کئی ہندو ایامِ عزاداری میں تعزیے بھی اٹھاتے ہیں اور گھروں میں تعزیے بھی رکھتے ہیں وہ اپنے گھروں میں تعزیے داری بھی کرتے ہیں۔ ہندوؤں نے عزاداری کی تنظیمیں بھی بنا رکھی ہیں۔ لکھنؤ میں چودھری نیورتی پرساد نے ماتمی انجمن بنا رکھی ہے۔ کشن خلیفہ لکھنؤ میں آگ پر ماتم کرتے ہیں۔ سدرشن پوری اور عیش باغ لکھنؤ کے ستیش دھانک سینہ زنی کا ماتم کرتے ہیں۔ ڈوراداس گاؤں تحصیل سگڑی ضلع اعظم گڑھ میں دھرمو، بال گووند اور گنجن تعزیہ بناتے ہیں اور ماتم کرتے ہیں۔ اُن کا خاندانی تعزیہ ۳۰۰ سال پرانا ہے۔ انڈین فارین سروس کے اعلیٰ عہدہ دار جناب جیوتی پانڈے سوز خوانی کرتے ہیں اور اُن کے دونوں بچے اُن کے ساتھ بازو ہوتے ہیں۔ لکھنؤ کے مہندر سنگھ کراکری مرچنٹ نوحہ خوانی کرتے ہیں۔ کتنے ہی ہندوؤں نے امام باڑے اور کربلائیں بنوائیں۔ بشیرت گنج لکھنؤ میں گیا دھانک نے امام باڑہ بنوایا۔ آج بھی لکھنؤ میں کتنے ہی ہندو تعزیہ

شیعیان علی کا ساتھ دیا۔ ناہرپور، ضلع اعظم گڑھ میں انجمن حسینیہ یوٹ دل قائم کی گئی جس نے سرکاری نہیں بنوٹ ہیں۔ اِس کے ۱۵۰ ممبر ہیں جن میں کئی نوحہ خوانی کرتے ہیں۔ ہر گاؤں، قصبہ اور شہر میں ہندو معتقدین حسین کی خاصی تعداد عزاداری میں شریک ہوتی ہے۔

راقم الحروف کے خاندان میں بھی محترم پردادا صاحب تعزیوں کے ساتھ برہنہ پا لکھنؤ میں کربلا تالکٹورہ جایا کرتے تھے۔ خاندان کی طرف سے سبیل رکھی جاتی تھی جس میں مسلمان پانی پلانے والا ہوتا تھا۔ پردادی صاحبہ بچوں اور بہوؤں کے ساتھ پڑوس کے گھر میں مرزا جی (جنہیں بچے چچا جان کہتے تھے) کے یہاں رکھے تعزیے کی زیارت کرتیں اور زنانی مجلس میں شریک ہوتی تھیں۔ مرزا جی کی بیگم صاحبہ تبرک دیتی تھیں۔ بچوں کے گلے میں کلاوہ ڈال کر تعزیہ کے نیچے سے نکالا جاتا۔ محترم دادا صاحب، والد محترم اور قبلہ عم محترم سالموں میں کلام پیش کرتے تھے (والد صاحب عالی جناب گوپی ناتھ امنؔ لکھنوی نے تو ہندوستان اور پاکستان میں مجلسوں کو خطاب کیا تھا)۔

آج بھی سڑک کے کنارے تعزیوں کے انتظار میں غیر مسلم زائرین کی تعداد بہت ہوتی ہے۔ الہ آباد میں ۱۹۳۸ء میں جب فرقہ واریت سے شہر کی فضا مکدر تھی تو مومنین نے فیصلہ کیا کہ وہ تعزیہ نہیں نکالیں گے۔ شہر کے ہندوؤں نے کوتوالی پہ بینر لگایا "غم حسین میں ہم مسلمانوں کے ساتھ ہیں"۔ حصولِ آزادی کے بعد جب ماحول فرقہ واریت سے زہر آلود تھا تو مسلمان حضرات نے فیصلہ کیا کہ وہ تعزیہ نہیں نکالیں گے۔ لیکن اہل ہنود نے حکام سے اصرار کیا کہ مسلمانوں کو تعزیہ نکالنے کے لئے کہیں۔ چنانچہ جب تعزیہ نکالا گیا تو ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں سے کہیں زیادہ تھی۔ آج بھی الہ آباد میں تعزیہ داری میں ۸۰ فی صد اہل تسنن ماتم دار ہوتے ہیں۔

دہلی میں ۴۷ کے فرقہ وارانہ فسادات سے حالات بگڑ چکے تھے۔ حکام اعلیٰ کو امن عامہ میں خلل پڑنے کا خدشہ تھا۔ راقم الحروف کے والد (محترم گوپی ناتھ امنؔ لکھنوی)، جناب ویاس دیو مصرا بیرسٹر اور سید حسین علی جعفری نے چیف کمشنر سے مل کر یقین دلایا کہ تعزیوں کے جلوس کی وجہ سے کوئی جھگڑا نہیں ہوگا۔ اِن حضرات نے حالات پُر امن رکھنے کی ذمہ داری لی۔ اِن کی گارنٹی سے مطمئن ہو کر حکام اعلیٰ نے تعزیوں کا جلوس نکالنے کی اجازت دے دی۔ بیرسٹر ویاس دیو مصرا (جو بعد میں ہماچل پردیش ہائی کورٹ کے چیف جسٹس بنے) نے کربلا سے قبضہ مخالفانہ ہٹوانے کے لئے برسوں بلا معاوضہ مقدمہ لڑا اور بالآخر اپنے اِس نیک مقصد میں کامیاب رہے۔ ویاس دیو مصرا جی، گوپی ناتھ امنؔ صاحب اور سید حسین علی جعفری صاحب دہلی اور بیرون دہلی مجالس میں تقریریں کیا کرتے تھے۔ ہندوستان میں ہزاروں جگہیں ایسی ہیں جہاں غیر مسلم حضرات عزاداری میں نہ صرف شریک ہوتے ہیں بلکہ سبیلیں رکھواتے ہیں۔ اور ہر طرح کا تعاون کرتے

ہیں جو اِس بات کو واضح کرتا ہے کہ عزاداری امام مظلوم صرف شیعیان علی تک ہی محدود نہیں بلکہ بقول دگمبر پرشاد جین گوہرؔ دہلوی:

مخصوص نہ محکوم، نہ سرور کے لئے ہے — مسرور، نہ مجبور، نہ مضطر کے لئے ہے
تخصیص نہ ہندو کی نہ مسلم کی ہے اس میں — شبیرؑ کا پیغام جہاں بھر کے لئے ہے

محرم کی تیاریاں

ماہ محرم الحرام کی تیاریاں چاند رات سے کئی روز قبل سے ہی شروع ہو جاتی ہیں۔ کہیں کہیں تو ماہ ذی الحجہ کے آغاز کا اعلان ہی معارفہ بجا کر کیا جاتا ہے۔ امام باڑوں کی صفائی، مرمت، قلعی، رنگ روغن اور آرائش کا کام شروع ہو جاتا ہے۔ پنجوں، علم، ضریح وغیرہ کو چمکایا جاتا ہے۔ شیشے کے آلات کو صاف شفاف کیا جاتا ہے۔ ۲۵ ذی الحجہ سے یکم محرم تک دن میں زنانی مجلسوں کا انعقاد امام باڑوں میں کیا جاتا ہے۔

چاند رات

۲۹ ذی الحجہ کو لوگ امام باڑے، کربلا یا اپنے گھروں سے ماہ محرم کے چاند کو دیکھتے ہیں۔ کچھ علاقوں میں چاند اجتماعی روپ سے دیکھا جاتا ہے یعنی لوگ امام باڑے یا کربلا میں جمع ہو جاتے ہیں۔ چاند دیکھتے ہی "یا حسین" کی صدا ہر طرف بلند ہوتی ہے۔ امام باڑے میں ڈنکا بجا کر محرم کے چاند کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔ مجالس عزا کا اہتمام ہوتا ہے۔ اِس کے بعد ماتم ہوتا ہے۔ بزرگ امام باڑے میں سوتے ہیں کیونکہ علم نصب کرکے اُسے تنہا نہیں چھوڑا جاتا۔ زنانہ امام باڑوں میں عورتیں چاند دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتی ہیں۔ امام باڑے میں رویت ماہ ہوتے ہی میراثنیں اندر آ جاتی ہیں اور نوحہ پڑھتی ہیں جس کے ساتھ ماتم شروع ہو جاتا ہے[1]۔

شہ نشین پر نشان لگا دیئے جاتے ہیں اور امام باڑے کے دروازے پر دو سیاہ علم لگا دیئے جاتے ہیں، اندر سیاہ فرش بچھا دیا جاتا ہے۔ چاند رات کو ہی عورتیں امام باڑے یا گھروں پر چوڑیاں بڑھا دیتی ہیں، زیورات اتار دیتی ہیں[2]۔ اِس کے بعد سے نویں ربیع الاول تک زرق برق پوشاک، بناؤ سنگار یا عمدہ کھانے سے احتراز کرتی ہیں اور سوز و غم کے سائے میں مکمل پاکیزہ زندگی گزارتی ہیں۔ گھروں کے عزاخانے میں ضعیفہ فرش پر قیام کرتی ہے اور عزاخانے میں چراغ جلانے کی ذمہ داری بھی

۱۔ بلگرام کے تناظر میں تہذیب محرم (مضمون) ڈاکٹر سید جعفر رضا بلگرامی، راشٹریہ ہت ساپتاہک لکھنؤ محرم نمبر ۱۷ دسمبر ۲۰۱۰، ص ۱۸۔

نبھاتی ہے۔ مردانہ امام باڑوں میں نوحہ خوانی کے ساتھ عزاداری شروع ہوتی ہے۔ اگر ۲۹ ذی الحجہ کو چاند نظر نہیں آتا تو اگلے دن ۳۰ ذی الحجہ کو یہ ساری رسومات ادا کی جاتی ہیں۔

پہلا عشرہ

یکم محرم: یکم محرم سے ہی مجالس عزا کا انعقاد شروع ہو جاتا ہے۔ کئی جگہوں پر تو روزانہ کئی کئی مجالس منعقد ہوتی ہیں۔ مختلف شہروں میں اِس موقع پر یہ مرثیہ پڑھا جاتا ہے: "محرم آیا ہے مجتبیٰ، رسول روتے ہیں کربلا میں" کئی شہروں اور قصبوں (اندور، سیتا پور وغیرہ) میں امام باڑے سے چوکی کا جلوس برآمد ہوتا ہے جو تالاب یا دریا کے کنارے تک جاتا ہے جہاں چوکی کی دھلائی ہوتی ہے۔ اُس پر فاتحہ پڑھ کر لوبان سلگایا جاتا ہے۔ پھر اس مقدس چوکی کو امام باڑے میں لاکر رکھ دیا جاتا ہے۔

یکم محرم کو اسلامی سال (سالِ ہجری) کا آغاز ہوتا ہے۔ بوہرہ فرقے والے اُس دن خوشی مناتے ہیں عمدہ پوشاک، عمدہ کھانا، ایک دوسرے کے گھر جاکر مبارکباد دینا، مہمان کو پر تکلف کھانا کھلانا ان کے مراسم میں شامل ہے[1] لیکن اگلے دن سے بوہرے بھی ماتم حسین پوری عقیدت سے کرتے ہیں۔

۲ محرم: بی بی فاطمہؑ کی شہادت پڑھی جاتی ہے۔ امام باڑے میں سہ پہر چار بجے بی بی کا علم نصب کیا جاتا ہے۔ امام باڑوں پر روشنی کی جاتی ہے۔ علم و ذوالجناح برآمد کیا جاتا ہے۔ بریلی شہر میں دن کے ایک بجے ضریح کا جلوس برآمد ہوتا ہے جو گشت کرکے رات ۱۲ بجے اسی امام باڑے میں واپس آتا ہے۔

۳ محرم: کربلا میں امام مظلوم کے آمد کی منظر کشی کی جاتی ہے۔ اونٹوں پر عماریاں ہوتی ہیں۔ اونٹوں کی قطار ہوتی ہے۔ شبیہ ذوالجناح اور علم کے جلوس کے ساتھ ماتم ہوتا ہے۔

۴ محرم: خانقاہ نیازیہ بریلی میں امام باڑے سے ضریح مبارک اور جلوس علم برآمد ہوتا ہے۔ اِس جلوس کے علاوہ خانقاہ سے برابر چار - چار، پانچ - پانچ مرید اپنے ہاتھوں میں علم لئے برہنہ پا یا حسین یا حسین کی صدا لگاتے ہوئے آس پاس کی گلیوں میں گشت کرتے ہیں۔ ۴ تاریخ کو خانقاہی سجادہ نشین اور اُن کے مرید حسینی فقیر بنتے ہیں[2]۔

۵ محرم: لکھنؤ میں حضرت عون و محمد کا تابوت برآمد ہوتا ہے۔ خانقاہ نیازیہ بریلی میں بچے بہشتی بنتے ہیں۔ اندور میں ریاست

---

۱. داؤدی بوہرہ فرقے میں عزاداری (مقالہ) ڈاکٹر سریش مشرا، مشمولہ راہ اسلام نمبر ۲۰۳ جنوری تا جون ۲۰۰۷، ص ۲۰۳۔

۲. خانقاہ نیازیہ میں عزاداری امام حسینؑ کی روایت [illegible] مضمون ڈاکٹر [illegible] مشمولہ راہ اسلام جون ۲۰۰۷، ص ۱۳۸۔

کی طرف سے فوج کے کمانڈر ریشمی صافہ اور کفنی کے لئے کپڑے دیئے جاتے تھے[1]۔
چانڈوی کلاں (میو موضع ضلع الور راجستھان) میں محرم کی رسومات میں سب سے پہلے میٹھی چیز پکائی جاتی ہے۔ نوجوان لوگ پیک کا لباس پہنتے ہیں۔ پچھلے چند برس پہلے ہندو، سکھ لڑکے بھی پیک بنے تھے۔ گاؤں کے زیادہ تر مرد ایک بار پیک ضرور بنتے ہیں۔ یہ پیک گاؤں گاؤں گھوم کر چندہ جمع کرتے ہیں۔ روزانہ پانچ پانچ چھ چھ گاؤں کا دورہ کرکے ساتویں محرم کو واپس آجاتے ہیں۔ سات محرم کو اِن کا استقبال گاؤں کے میدان میں مہندی کی رسم (کئی خاندان ایسے ہیں جو گھر سے ایک تھالی میں دس بارہ دیئے روشن کرکے اُس کے ساتھ ایک گلاس شربت، ایک پیالی کھیر اور پسی ہوئی مہندی ایک پیتل کی تھالی میں رکھ کر لاتے ہیں) کے ذریعہ کیا جاتا ہے۔ یہ پیک آٹھویں کو مسجد میں جاتے ہیں جہاں چراغ روشن کئے جاتے ہیں۔ نویں محرم کو بھی پیک ناچ کر گھر گھر سے چندہ وصول کرتے ہیں جو تعزیہ خریدنے اور نقارہ، ڈھول وغیرہ خریدنے یا اُن کی مرمت پر خرچ کیا جاتا ہے[2]۔
دہلی میں مغلیہ دور میں بادشاہ سے فقیر تک لوگ امام حسین کے فقیر بنتے تھے کوئی پیک تو کوئی سقہ اور نشانچی (علم بردار)[3]۔

۶ **محرم:** چھ محرم کو تورہ بندی کی رسومات ہوتی ہیں۔ شبیہ گہوارۂ علی اصغر کا جلوس برآمد ہوتا ہے اور آگ پر ماتم ہوتا ہے۔ بڑے امام باڑے میں آگ کا ماتم دیکھنے کے لئے ہزاروں کی بھیڑ ہوتی ہے۔ عزادار برہنہ پا یا حسین یا حسین کہتے ہوئے دہکتے انگارے کے الاوہ سے گزرتے ہیں۔ اب کئی جگہوں پر لوگ آگ کے گرد علم کے سایہ میں طواف کرتے ہیں۔

۷ **محرم مہندی کا جلوس:** سات محرم سے آلِ نبیؐ اور انصاران حسین پر پانی بند کر دیا گیا تھا۔ اِس لئے محرم کی رسومات میں ۷ محرم سے زیادہ جوش آتا ہے۔ یہ دن حضرت قاسم بن حسن کے نام سے منسوب ہے۔ لکھنؤ میں تو شام کو ہی شربت پر نیازیں شروع ہو جاتی ہیں۔ شہزادۂ علی اصغرؑ اور جنابِ سکینہ کی نذر ہوتی ہے۔ حضرت قاسم کی مجالس کا انعقاد ہوتا ہے۔ لکھنؤ میں امام باڑوں میں روشنی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ جلوس میں شبیہ سب سے آخر میں آتی ہے۔ بڑی بڑی کشتیوں میں مہندی رکھی ہوتی ہے۔ ساتھ میں بینڈ باجے ہوتے ہیں یہ جلوس نصف شب میں بڑا امام باڑہ (آصفی

۱۔ پانچویں محرم کو ہولکر حکمرانوں کی طرف سے کچھ لوگوں کی فقیری (کپڑے) دئے جاتے تھے۔ کمانڈر انچیف کو ریشمی دوپٹہ اور کفنی اور باقی لوگوں کو سادہ دوپٹہ اور رنگین کفنی مہاراجہ دیتا تھا۔ ملاحظہ کیجئے ہولکر حکمران اور محرم مقالہ ڈاکٹر جے سی اُپادھیائے مشمولہ راہ اسلام جون ۲۰۰۷، ص ۱۴۴۔

۲۔ میوات کے میوؤں میں محرم کی رسمیں (مقالہ) ڈاکٹر جی۔ ڈی۔ گلاٹی راہ اسلام مذکورہ بالا، ص ۱۹۴-۱۹۶۔

امام باڑے) سے نکلتا ہے اور رات کو ۱۲ بجے حسین آباد جاتا ہے۔ یہ جلوس گومتی کے کنارے پہنچتا ہے تو پانی میں روشنیوں کا عکس دلکش ہوتا ہے۔ رات کے پہلے پہر میں نخاس سے عوامی مہندی کا جلوس (جسے کشمیریوں کی مہندی کہا جاتا ہے) نکلتا ہے اِس میں باجے ہاتھی گھوڑے وغیرہ نہیں ہوتے۔

لاہور میں بھی مہندی کا پرانا جلوس ساتویں محرم کو گریہ و سوگ کے ماحول میں برآمد ہوتا ہے۔ ناظم حسین سوز خواں سوز پڑھتے ہیں۔ کراچی میں بھی مہندی کا جلوس نکلتا ہے۔

مہندی کی رسم مختلف ممالک میں بھی منائی جاتے ہے۔ عراق میں روضوں پر مہندی کی چھاپ لگتی ہے۔ عورتیں حضرت حسینؑ حضرت عباس علمبردارؑ حضرت حر کے روضوں کی دیوار پر ہاتھ کی مہندی کی چھاپ لگا دیتی ہیں۔ حضرت حرُ کی مہندی اٹھتی ہے۔ یعنی مہندی عزاداری کی علامت بن گئی ہے بقول میر انیس لکھنوی:

دنیا میں ایک شجر ہے کہ جس کو نہیں ہے چین ظاہر غم حسن ہے تو باطن غم حسین

ڈنکے کی رسم

قصبہ بلگرام ضلع ہردوئی اترپردیش میں زنانہ امام باڑے کے قریب بارہ دری مقام پر سات محرم کو خشک مٹی کوٹ کر ایک دائرے میں بچھا دی جاتی ہے جس کے بیچ میں نقارہ رکھ دیا جاتا ہے اس کے قریب نقارچی چوب لئے تیار بیٹھا رہتا ہے جب سب معزز ہستیاں آ جاتی ہیں تو ایک بزرگ یا علی کی صدا بلند کرتے ہیں جس کے بعد نقارے پر چوب پڑتی ہے۔ مرثیہ خواں مرثیہ پڑھتے ہیں[1]۔

سات محرم کو ہی زنانہ امام باڑے (بلگرام) میں باہر چبوترے سے تخت کی زیارت اٹھتی ہے جو تخت دادا پیر کے نام سے مشہور ہے اِس زیارت میں تخت کے ساتھ ڈولا بھی اٹھتا ہے[2]۔

یہ زیارت بیواؤں کے لئے مخصوص ہے اور وہ اسے وجۂ تسکین سمجھتی ہیں۔ زنانہ امام باڑے میں موجود عورتیں اپنے بچوں کو سبز رنگ کے کپڑے اِس تخت سے چھوا کر پہناتی ہیں تخت وہاں سے جب ہی اٹھتا ہے جب بچے یہ کپڑے پہن لیتے ہیں[3]۔

صبحدم ایک بڑا تعزیہ چوک پر رکھا جاتا ہے۔ مجمع جس کا طواف کرتا ہے سات پھیروں کے بعد یہ طواف ختم ہو جاتا ہے۔ یہ رسم بھی اس واقعہ کی یاد دلاتی ہے جب نویں کی شب حسینؑ نے انصار کو جمع کر کے کہا میں نے اپنی بیعت تم سب پر سے

---

۱. بلگرام کے تناظر میں تہذیب محرم، مضمون مذکورہ بالا، ص ۱۸۔

۲. ایضاً

۳. ایضاً

اٹھالی جسے جانا ہو جائے خیمہ کی شمع گل کر دی گئی تا کہ جانے والا شرمندہ نہ ہو لیکن انصار حسینؑ ثابت قدم اور وفادار تھے وہ حضرت حسینؑ کے گرد طواف کرکے پروانہ وار صدقے ہونے کا یقین دلانے لگے۔ اسی رسم کی یاد کو بڑے تعزیے کے گرد طواف کرکے تازہ کیا جاتا ہے[1]۔

۸ محرم یوم حضرت عباسؑ: حضرت عباسؑ علمبردار لشکرِ حسینی سے منسوب اِس تاریخ کو علم کا جلوس برآمد ہوتا ہے۔ تقریباً تمام جگہوں پر یہ رسم جلوس منائی جاتی ہے۔ امروہہ (ضلع جے پی نگر اتر پردیش) میں جو جلوس نکلتا ہے اُس میں اونٹوں کی قطار، ماتمی باجا، آرائش، حسینی باجا؛ علموں کی جوڑیاں، تخت، علم، دُلدُل، رضاکاروں کی صف وغیرہ ہوتے ہیں۔ اگلے اونٹ پر ایک سیاہ عماری ہوتی ہے جو کربلا میں آلِ حرم کی آمد کی منظر کشی ہوتی ہے۔ پیچھے کے اونٹوں پر بچے اور نوجوان راستے میں توشہ تقسیم کرتے ہیں۔ پہلے باجے میں دو تاشے اور ایک ڈھول ہوتا ہے جسے پیشہ ور باجن دار یا اُن کے بچے بجاتے ہیں۔ اِس کے بعد آرائش کا حصہ ہوتا ہے جس میں روشن چوکیاں علم اور دستکاری کے نمونے ضریح نما تخت، مزین پالکیاں، نالکیاں، گھوڑوں کی شبیہیں، اور سجے تخت ہوتے ہیں۔ اس کے بعد حسینی باجا ہوتا ہے جسے شیعہ عزادار بجاتے ہیں۔ اس کے بعد علم ہوتے ہیں۔ جلوس میں علموں کی کئی کئی جوڑیاں آگے پیچھے قطار میں ہوتی ہیں۔

جلوس کا دوسرا حصہ دورہ، ایک ایسی اصطلاح ہے جو جلوس میں شامل تمام عزاداروں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہ لوگ برہنہ سر برہنہ پا جلوس میں شریک ہوتے ہیں۔ کئی لوگ سیاہ کرتے پہنے ہوتے ہیں۔ یہ منظم طریقے سے چلتے ہیں۔ جلوس میں ماتم بھی منظم طریقے سے ہوتا ہے۔ امام باڑے کے صحن میں یہ ماتم ہوتا رہتا ہے اور شبیہ ذوالجناح و تخت (جو تربت یا قبر کی شبیہ ہوتی جس میں تخت پر سفید چادر مڑھ کر لال رنگ چھڑک دیا جاتا ہے اور سرہانے کی طرف ایک عمامہ رکھ دیا جاتا ہے) معذور، بیمار اور ضعیف لوگوں کی زیارت کے لئے گھروں کے صحنوں، ڈیوڑھیوں میں لے جایا جاتا ہے۔ اِس دوران امام باڑے میں چائے، شربت، نذر و نیاز، حاضری کے کھانوں کا سلسلہ چلتا رہتا ہے[2]۔

کئی شہروں میں اِس دن آگ پر ماتم ہوتا ہے۔ اس دن مجالس میں حضرت امام علی نقیؑ کی شہادت کا ذکر خاص طور پر ہوتا ہے کیونکہ یہ اُن کا یوم شہادت ہے۔

۱۔ بلگرام کے تناظر میں تہذیب محرم، مضمون مذکورہ بالا، ص ۱۸۔

۹ محرم: نویں کی شب بیداری، میں گزرتی ہے کیونکہ کربلا میں امام مظلوم اور اُن کے ساتھیوں نے یہ رات عبادت میں گزاری تھی۔ اِس لئے عاشور کی رات کو پوری رات مجالس عزا اور ماتم ہوتا ہے۔ رات کے ابتدائی حصے میں علم یادگار حسینی کا جلوس برآمد ہوتا ہے اور آخری حصۂ شب میں معجزے کا علم اُٹھتا ہے۔ امروہہ میں نشانوں کی جوڑیوں کا جلوس نکلتا ہے۔ اس میں ایک جوڑی علم پر گنگا مندر بازار امروہہ کے پنڈت جی کیسریا پٹکا باندھتے ہیں۔ علم پہ نذر چڑھاتے ہیں۔ عزاداروں کے لئے سڑک پر چھڑکاؤ کیا جاتا ہے۔ نشانوں کے سبھی علموں میں پٹکا گوٹا وغیرہ لگایا جاتا ہے۔

۱۰ محرم: یوم عاشور کو صبح اعمالِ عاشورہ کئے جاتے ہیں۔ اِس کے بعد علم کا جلوس نکلتا ہے جو دوپہر تک امام باڑے واپس پہنچ جاتا ہے۔ دوپہر بعد تعزیوں کے جلوس نکلتے ہیں جس میں زور دار ماتم ہوتا ہے۔ کئی جگہوں پر دوسرے قصبات و مواضعات کے تعزیوں کے جلوس راستے میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو اِس کو ملنی کا جلوس کہتے ہیں۔ بعدۂ ایک بڑے جلوس کی شکل میں تعزیے کربلا جاتے ہیں جہاں وہ دفن کئے جاتے ہیں۔ ضریح کا قیمتی سامان واپس کربلا سے امام باڑے لایا جاتا ہے جبکہ ابری، دفتی، سہرے (ہار پھول وغیرہ) سپرد کیئے جاتے ہیں۔ لوگ کربلا سے واپس آکر غروب آفتاب سے پہلے عزاخانوں، امام باڑوں یا گھروں پر فاقہ شکنی کرتے ہیں (عورتیں اپنے بچوں کو بھی دودھ نہیں پلاتی ہیں خود تو پانی بھی نہیں پیتیں)۔ فاقہ شکنی کے بعد لوگ شامِ غریباں کی مجلس میں شریک ہونے امام باڑے آتے ہیں وہاں سجاوٹ، روشنی وغیرہ سب اُتار دی جاتی ہے۔ اندھیرے میں سوگواران حسینؑ مجلس شام غریباں سنتے ہیں، ماتم کرتے ہیں۔ حیدرآباد میں اِس روز "بی بی کے علم" کا جلوس شہر میں گشت کرتا ہے۔ یہ حیدرآباد کا علامتی علم ہے جو ہاتھی پر نکالا جاتا ہے[1]۔

دوسرا اور تیسرا عشرہ

رائے بریلی میں گیارہ اور بارہ محرم کو ماتمی جلوس نکلتا ہے۔ جگہ جگہ سوئم کی مجلس ۱۲ محرم کو ہوتی ہیں۔ گیا شہر (بہار) میں گیارہ محرم کو صبح ۹ بجے عظیم الشان جلوس نکلتا ہے[2]۔ جو سو سال سے زائد گزر جانے کے بعد آج بھی جوش سے برآمد ہوتا ہے۔ بہار میں ایک بزرگ نے خواب میں دریا میں قائم ایک چیز دیکھی جو پُر نور تھی اور سپر کے مشابہ تھی۔ تب سے سپر کو

---

۱. بی بی کا علم حیدرآباد ریاست کا علامتی علم ہے جو ہاتھی پر نکالا جاتا ہے۔ اس علم کی بنیاد تخت کا وہ ٹکڑا ہے جس پر حضرت علیؑ نے حضرت فاطمہ زہرہ سؑ کے جسد مطہر کو غسل میت دیا تھا۔ (حیدرآباد آندھرا پردیش کے مقدس تبرکات، حیرت انگیز واقعات مضمون سید رضا حیدر، راشٹریہ ہفت ساپتاہک لکھنؤ، محرم نمبر ۶ دسمبر ۲۰۱۱، ص ۱۴)۔

۲. بہار میں عزاداری (مضمون) حسن نواب حسن، ص ۵۷، راشٹریہ سہارا، دہلی محرم نمبر ۳۰ جنوری ۲۰۰۷۔

بھی اسباب عزاداری میں شامل کر لیا گیا۔ ماتمی جلوسوں میں بڑی سپر کا بھی جلوس نکلتا ہے۔

ماتمی جلوسوں اور مجالس کا سلسلہ یوں تو یکم محرم سے آٹھویں ربیع الاول تک تقریباً روز ہی جاری رہتا ہے پھر بھی کچھ تاریخیں اہم ہیں۔

۱۱ محرم کو چراغوں کا کھانا ہوتا ہے۔

۱۲ محرم امام مظلوم کے سیوم (تیجے) کی رسوم ہوتی ہیں۔ اجمیر شریف میں کھیر اور توشہ کی روٹی نذر کے بعد تقسیم کی جاتی ہے۔ ۱۱-۱۲- محرم کی رات کو درگاہ خواجہ اجمیری میں بزم منقبت ہوتی ہے۔ اندور میں زعفرانی چاول پر نذر ہوتی ہے۔

۱۳ محرم اندور میں تعزیے کے نقیر، بھوئی کمیٹی کے ممبران کربلا آکر تعزیہ کھولتے ہیں۔

۲۰ محرم زنگی پور (غازی پور) میں حضرت علی اصغر کی یاد میں جلوس برآمد ہوتا ہے۔

۲۳/۲۴ محرم کو عابد بیمار (حضرت امام زین العابدینؑ) کی یاد میں تابوت کا جلوس اُٹھتا ہے۔

ماہ صفر میں عزاداری

یکم صفر کو سکینہ بی کا تابوت برآمد ہوتا ہے۔

۱۲ صفر سے ۲۰ صفر تک مہندیوں (چھوٹے تعزیوں) کے جلوس نکالے جاتے ہیں۔

۱۷ صفر کو حضرت امام رضاؑ کی یاد میں جلوس برآمد ہوتا ہے۔

۲۰ صفر کو (اربعین) چہلم کو امام مظلوم کا چالیسواں منایا جاتا ہے۔ یوم عاشور کی طرح ماتمی جلوس نکالا جاتا ہے۔

۲۸ صفر کو حضرت امام حسنؑ کی شہادت کا جلوس برآمد ہوتا ہے۔

۸ ربیع الاول

۸ ربیع الاول کو ریاست محمود آباد میں ۷۲ شہدائے کربلا کے تابوت نکالے جاتے ہیں۔ بڑے گاؤں جونپور میں مدینہ میں قافلۂ کربلا کی واپسی کی منظر کشی کا ماتمی جلوس برآمد ہوتا ہے۔ قمع کا ماتم ہوتا ہے۔ حضرت امام حسن عسکریؑ کی شہادت بھی اسی دن ہوئی تھی۔ اِس لئے یہ دن اور بھی مقدس ہے۔

لکھنؤ میں چُپ تعزیے کا جلوس برآمد ہوتا ہے۔ ۱۸۵۷ کی جنگ آزادی میں لکھنؤ والوں نے برٹش سامراجی حکومت کا زبردست مقابلہ کیا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ مجاہدین کی شکست کے بعد فتحیاب برٹش فوجیوں نے شہر میں زبردست قتل و غارتگری کی۔ ہزاروں بیگناہ تہ تیغ ہوئے۔ لوٹ مار کا بازار گرم ہوا۔ شہر والوں پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ شرفاء و روساء گرفتار ہوئے۔ لکھنؤ

کی مشہور ہستی نواب آغا احمد علی خاں مرحوم و مغفور (والد بزرگوار نواب اغن صاحب) بھی بغاوت کے جرم میں گرفتار ہوئے۔ اِس دوران محرم کا چاند نظر آیا۔ لکھنؤ کی فضا ماتم حسین سے سوگوار ہوئی۔ (حسین آباد کے امام باڑے کے متولی رفیق الدولہ اکیلے ہی اس دن امام باڑے میں موجود تھے انہوں نے چراغاں کیا تھا) اِس گھرانے کی مستورات نے اپنے عزاخانے کا تعزیہ ٹھنڈا نہیں کرایا۔ جب چہلم کے قریب نواب صاحب رہا ہوئے تو نہ تو وقت ہی تھا نہ ہی گھر میں روپیہ تھا (فوجیوں کی لوٹ مار اور نواب صاحب کے مقدمے اور جیل سے رہائی میں بہت رقم خرچ ہوئی تھی) کہ تعزیہ اٹھایا جائے۔ نواب صاحب کے ایک مصاحب (بڑے حکیم صاحب) نے مشورہ دیا کہ چہلم کے اٹھارہ دن بعد یعنی آٹھ ربیع الاول کو تعزیہ برآمد کیجئے۔ چنانچہ آٹھ ربیع الاول کو جو تعزیہ اٹھا اُس میں کوئی شاہی اہتمام تھا نہ روساء کے گھروں کی روایت کے مطابق بینڈ باجے، نہ جھنڈے جھنڈیوں کا انتظام نہ تبرک بس ایک نقیب جلوس کے آگے سواری پڑھ رہا تھا:

سواری ہے غریب نینوا کی

سواری ہے شہید کربلا کی

لوگ تعزیہ دیکھ کر گریہ زاری کرتے تھے۔ ۱۸۵۷ کے بعد سے یہ تعزیہ اتنا مقبول ہوا کہ ہندوستان میں جگہ جگہ یہ تعزیہ برآمد کیا گیا۔ پاکستان میں سید نواب حسن لکھنوی کراچی میں ۱۹۴۸ سے انجمن امامیہ کی مدد سے چپ تعزیہ اٹھا رہے ہیں اور لاہور میں ۱۹۶۱ سے سید شاہد نقوی صاحب نے چپ تعزیے کی بنیاد رکھی۔ یہ ایام عزا کا آخری دن مانا جاتا ہے[1]۔

۹ ربیع الاول: یہ دن **ثانی زہرا** (حضرت زینب سلام اللہ علیہا) کی عید کے نام سے جانا جاتا ہے جو کربلا کے دردناک واقعات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ حضرت زینب نے شام و کوفہ میں لوگوں کو واقعاتِ کربلا اور مظالم یزید کے متعلق بتایا، مجالس عزا بپا کیں۔ اسیران کربلا نے اتنے مظالم سہے اور اتنے خونچکاں سانحہ و تباہ کاریاں دیکھیں کہ اُن کے چہرے سے شادابی رخصت ہو گئی۔ یہ قافلہ مدینہ پہنچا تو انہوں نے واقعات کربلا، کوفہ و شام کو اِس طرح بیان کیا کہ شہر دارالحزن بن گیا۔ جب محبان اہل بیت جانثاران حق اور عاشقِ حسین مختار ثقفی نے قاتلان حسین کو واصل جہنم کیا، اور اِس واقعہ کی اطلاع حضرت زینب و حضرت اُم کلثوم کو ملی تو اُن دلوں سے نہ ہٹنے والے رنج و الم کے بادل کچھ چھنٹ گئے اور اُن خواتین عصمت و طہارت نے جو محرم ۶۱ ہجری سے ربیع الاول ۶۷ ہجری تک غم کے لباس میں تھیں سیاہ پوشی ختم کی، مناسبت سے کپڑے بدلے سر میں تیل ڈالا اور آنکھوں میں سرمہ لگایا۔ حضرت زینب کے ہونٹوں پر ہلکی بشاشت آئی۔ اِس لئے اِس دن کو عید ثانی زہرا کہا جاتا ہے۔

---

[1] جلوس چپ تعزیہ لکھنؤ کی تاریخ (مضمون) مولانا عالم رضوی ص ۳۲ راشٹریہ ہت ساپتاہک لکھنؤ، محرم، نمبر ۶ دسمبر ۲۰۱۱، ص ۳۲۔

ماتم دار، عزادار سیاہ لباس اُتار کر سرخ رنگوں والے کپڑے پہنتے ہیں۔ گھر گھر کڑھیا چڑھتی ہیں پکوان بنتے ہیں[1]۔

محرم کے ایام عزاداری میں منعقد ہونے والی مجالس یا جلوس میں جگہ جگہ جو تبرکات تقسیم ہوتے ہیں وہ ایک معاشرتی اور معاشی عمل بھی ہے اُس کے سبب عزاداروں کو شکم پُری کے لئے مجالس یا جلوس چھوڑ کر گھر جانے کی زحمت نہیں اُٹھانی پڑتی۔ علاوہ ازیں مفلسوں، ناداروں، محتاجوں کو ماہ محرم میں مجلسوں میں ملنے والے تبرک، یا حاضریوں اور عوامی لنگروں کی بدولت پیٹ بھرنے کے لئے گداگری کی ضرورت نہیں رہتی۔ کوئی بھوکا نہیں رہتا۔ کوئی پیاسا نہیں رہتا۔

عزاداری کا سیکولر مزاج

مراسم عزاداری کی انفرادیت اس کا سیکولر مزاج ہے۔ سکھ، ہندو، اہل سنت سبھی اِس میں شریک ہوتے ہیں اور ہر قسم کا تعاون کرتے ہیں۔ اہل سنت حضرات میں بریلوی مسلک والے، حنفی اور صوفی عقائد کے ماننے والے عزاداری میں بھی شریک ہوتے ہیں لیکن طریق عزاداری اہل تشیع کی عزاداری سے کچھ مختلف ہوتا ہے (مثلاً سنی حضرات ماتم نہیں کرتے۔ کچھ جگہوں پر تعزیے کی جگہ مسجد اٹھاتے ہیں اور شبیہ ذوالجناح کی جگہ شبیہ براق نکالتے ہیں)۔ تعزیوں کی راہ میں سبیلیں رکھوانے، طبّی امداد بہم پہنچانے میں اِن کا تعاون ملتا ہے۔ دوسری خصوصیت مقامی اثرات کا مراسم عزاداری پر اثر ہے۔ چوڑیاں بڑھانا، مہندی کا جلوس، جلوس میں آرائش علم پر سہرے چڑھانا، بچوں کو گروی رکھنا، کونڈے کی رسم وغیرہ خالص ہندوستانی رسومات ہیں۔ تبرکات میں بھی علاقائی اثرات نظر آتے ہیں۔ یہ تہذیبی اتصال کا نتیجہ ہیں۔ ہندوستان میں شیعہ آبادی تقریباً ۵ فی صد ہے اور کچھ جگہوں پر تو شیعہ آبادی کا تناسب بہت ہی کم ہے۔ لیکن عزاداری پورے ملک میں خلوص احترام کے ساتھ برپا ہوتی ہے مثلاً شیوگنگا ضلع تمل ناڈو راجیہ میں ایک گاؤں میں ایک بھی مسلم خاندان نہیں ہے لیکن وہاں بھی تعزیے کا جلوس برآمد ہوتا ہے۔ اور ماتم کیا جاتا ہے۔ حمایت حق ہندوستان کا کلچر ہے اور عقیدت اِس ملک کی بنیاد۔ محرم بنانے میں خلوص کیوں نہ ہو آخر ہستی ممدوح بھی تو حضرت حسین علیہ السلام جیسی ہے۔ اُس ہستی کی عظمت یہ ہے کہ خود بھوکے پیاسے دنیا سے گئے لیکن آج دنیا بھر میں اُن کے نام پر لنگر جاری ہیں جہاں لاکھوں بھوکوں کو ایام عزا میں کھانا ملتا ہے۔ اُس پیاسے کے نام پر ہزاروں سبیلیں لگتی ہیں اور اُس بے گھر کے نام کا گھر دنیا کے کونے کونے میں موجود ہے۔

بنا کردند خوش رسمی بخاک و خون غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

---

[1] [illegible] لکھنؤ محرم نمبر ۶، ۲۰۱۱ء، ص ۳۱

باب ششم

مختلف ممالک میں عزاداری

حضرت امام حسینؑ اُن کے اقرباء و رفقا کی شہادت تمام عالم انسانیت کے لئے ایک درس دائمی ہے۔ حق کے لئے شہدائے کربلا نے جس وقار و جوش کے ساتھ اپنی جانیں قربان کیں وہ سرمایۂ انسانیت ہے۔ ہر قوم اِس سے متاثر ہوئی ہے۔ آج دنیا بھر میں عزاداری کی مجالس ہو رہی ہیں۔ ماتمی جلوس نکالے جا رہے ہیں۔ علاقائی اثرات کی وجہ سے مراسم عزاداری میں کچھ فرق ضرور ہے۔ مثلاً مصر میں یوم عاشور مختلف طریقے سے منایا جاتا ہے۔ یمن میں ماہ محرم میں بھی شادیاں ہوتی ہیں۔ اصطلاحات میں بھی فرق ہے۔ ہندوستان میں بلکہ برصغیر ہند میں عزاداری کی اصطلاح حسینی انقلاب کے تمام اہم پہلوؤں کی نشر و اشاعت پر محیط ہے۔ تعزیہ روضہ امام حسینؑ کی شبیہ کے لئے مخصوص ہے جو عام طور پر جلوس عزا میں برآمد کیا جاتا ہے۔ تعزیہ تعزیہ داروں کے ذوق و مزاج اور مقامی رسم و رواج کے اعتبار سے تیار کیا جاتا ہے۔ چند ممالک میں مراسم عزاداری منانے کے متعلق مختصر معلومات درج ذیل ہے۔

افریقہ

براعظم افریقہ میں بھی مجالس عزا برپا کی جاتی ہیں۔ محبان اہل بیت ۱۹ویں صدی کے وسط میں مشرقی افریقہ پہنچے۔ زنجبار کے سلطان کے یہاں ملازمت کے سلسلے میں بہت سے ایرانی آئے۔ ہندوستان سے اسماعیلی اور اثنا عشری عقائد کے لوگ بھی تجارت کے سلسلے میں وہاں پہنچے۔ ۱۸۸۵ میں اثنا عشری عقائد والوں نے نامور مجتہد شیخ زین العابدین مازندرانی سے درخواست کی کہ اُن کی رہبری کے لئے کسی عالم کو بھیجا جائے۔ چنانچہ سید ابوالحسین میراثی شوستری کو بھیجا گیا۔ بعد میں حیدرآباد سے سید غلام حسین بھی وہاں آ گئے۔ آج مشرقی افریقہ میں عزاداری کی چھوٹی بڑی تقریباً ۵۵ جماعتیں ہیں جن میں کینیا، یوگانڈا، مڈغاسکر، کونگو وغیرہ ملکوں کی اثنا عشری جماعتیں بھی شامل ہیں۔ اِن میں نیروبی، دارالسلام، زنجبار، بتورا ننگا،

موشی، عروشہ، موانزہ، لندی، سونگیا، سنگیدا، گگوما، بکوکمیاں، ٹانگانیکا، لامو، مبالے، فورٹ پورٹ، ٹورو، ازومرا شہروں کی شیعہ انجمنیں خاص ہیں۔ (۲۰ویں صدی میں زنجبار سے نکلکر اثنا عشری نیروبی، موشی، کمپالا میں بس گئے)۔ مشرقی افریقہ میں شیعہ تجارت پیشہ خاصی تعداد میں سکونت پذیر ہیں۔ اُنہوں نے ایک جماعتی نظام قائم کرلیا ہے۔ ۱۹۱۴ میں ٹانگانیکا میں بلال مسلم مشن قائم ہوا جس نے تبلیغ واشاعت دین اور ترویج عزاداری میں اہم کام کیا۔ اب افریقہ میں ایک سپریم کونسل یا فیڈریشن قائم ہو گئی ہے جس کے تحت چھوٹی بڑی جماعتیں قائم ہوئیں۔

ہر امام باڑے میں ہر ہفتہ پنجشنبہ کو آدھ گھنٹہ مجلس سید الشہدا منعقد ہوتی ہے۔ یوم ولادت و وفات چہاردہ معصومین منایا جاتا ہے۔ ماہ محرم کا چاند نمودار ہوتے ہی امام باڑے پر سیاہ پردے ڈال دئے جاتے ہیں اور سیاہ جھنڈیاں لگادی جاتی ہیں دروازے پر سیاہ نشان نصب کر دیا جاتا ہے۔ رات کو مقررہ وقت پر مجلس کا آغاز ہوتا ہے جس میں مرد وزن ماتمی لباس پہن کر شریک ہوتے ہیں۔ رات کو ۹ بجے مرثیہ خوانی کے بعد ذاکر فضائل و مصائب بیان کرتا ہے اور سلسلہ روز سوم تک چلتا ہے اور ذاکر کے منبر سے اُترنے کے بعد بیٹھے بیٹھے ماتم ہوتا ہے چوتھی تاریخ سے کھڑے ہو کر ماتم ہونے لگتا ہے۔ ساتویں تاریخ سے یوم عاشور تک ماتم میں زور اور ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ مجلس کے بعد تبرک تقسیم ہوتا ہے۔ پہلی تاریخ محرم سے ہی سلسلۂ نذر و نیاز شروع ہو جاتا ہے۔ دن میں ایک مختصر سی مجلس کے بعد دستر خوان بچھا دیا جاتا ہے۔ کھانے کے بعد شام کو عورتیں مجلس کے واسطے جمع ہو جاتی ہیں اور مرد شام کو قبرستان میں عزاخانہ میں مجلس ماتم میں شریک ہوتے ہیں (قبرستان میں پنجشنبہ میں مرحومین کے ایصال کے لئے شام کو مجلس ہوا کرتی ہے)۔ قبرستان میں محرم کی پہلی سے چہلم تک متواتر مجالس ہوا کرتی ہیں۔ شام کو مستورات کی مجلس غم کا سلسلہ ۲۸ صفر تک جاری رہتا ہے۔ شب عاشور کو ایک جلوس مخصوص معین کردہ راستوں سے گزرتا ہے۔ ایک چوراہے پر تعزیہ و علم کو روک کر اردو، گجراتی اور مقامی زبانوں میں تقریریں ہوتی ہیں۔ ہزاروں لوگ شریک ہوتے ہیں جن میں ہندو مسلم (شیعہ و سنی)، سکھ وعیسائی وغیرہ بھی ہوتے ہیں۔ جلوس امام باڑے پر آکر ختم ہوتا ہے رات کو شام غریباں کی مجلس ہوتی ہے[1]۔

مصر

مصر میں عزاداری کی بنیاد حضرت زینب کے وہاں جانے سے ہوئی۔ اہل حرم حضرت زینب کی قیادت میں مصر گئے۔ اُس کی وجہ یہ تھی کہ جب مدینے میں اہل حرم کی واپسی سے ماتم و سوگواری اور اموی حکومت کے مخالف ماحول بننے لگا تو مدینہ کے

۱۔ افریقی ممالک میں محرم (مضمون) مولانا انتظار حسین مشمولہ راشٹریہ سہارا محرم نمبر ۳۰ جنوری ۲۰۰۷ء، ص ۶۔

گورنر نے یزید کو اطلاع بھیجی۔ اُس نے حکم دیا کہ اہل حرم کو مدینہ سے چلے جانے کو کہا جائے۔ حضرت زینب جانے کے لئے تیار ہی نہیں تھیں لیکن بنی ہاشم کی بیبیوں کے کہنے سے مدینہ سے رخصت ہو کر مصر کی طرف روانہ ہوئیں اور اول شعبان ۶۱ ھ کو مصر پہنچیں جہاں مصر کا گورنر مسلم ابن مخلد انصاری اور اہل مصر نے سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کا استقبال کیا۔ انہیں نزدیک کے ایک دیہات (بل بیں) میں پہنچا دیا گیا۔ آپ نے یہاں عزاداری کی باضابطہ شروعات کی اس کے بعد عزاداری اور نوحہ خوانی میں اضافہ ہوتا رہا اور تمام اطراف مصر میں عزاداری ہونے لگی۔ حضرت سیدہ مصر میں ایک سال رہیں۔ ایک روایت کے مطابق حضرت زینب کا انتقال مصر میں ہوا یہیں انہیں دفن کیا گیا۔ آج کل یہاں ایک شاندار زیارت گاہ بنی ہوئی ہے (شام میں مزار حضرت زینب سلام اللہ علیہا پر ہزاروں زائرین آتے ہیں)۔ ایک اور روایت کے مطابق سلیمان بن عبدالملک نے سر مبارک حضرت حسینؑ عسقلان (فلسطین) میں دفن کیا تھا۔ لیکن بنی فاطمین کے زمانے میں اسے مصر لایا تھا۔ دسویں محرم کو اہالیان مصر کی تعطیل ہوتی تھی۔ شاعروں اور نوحہ خوانوں کو جمع کیا جاتا ہے جو بازاروں میں نوحہ خوانی اور گریہ کرتے تھے۔ قاہرہ میں ایک خوبصورت بارگۂ امام تعمیر کی گئی تھی جس کے اطراف میں وسیع عمارتیں ہیں جہاں شہادت کی یاد قائم کی جاتی تھی۔

مصر میں جب بنی فاطمین کے ہاتھ سے عنانِ حکومت نکل گئی اور بنی ایوب برسر اقتدار آگئے تو انہوں نے روز عاشورہ کو روز جشن قرار دیا۔ لوگ اُس دن اچھے لباس اور اچھے کھانے تیار کرتے ہیں۔ شیرینی تیار ہوتی ہے نئے برتن خریدے جاتے ہیں۔ نہا کر نئے کپڑے پہن کر آنکھوں میں سرمہ لگاتے ہیں۔ وہ تمام رسومات جو حجاج نے عبدالملک بن مروان کے زمانے میں جاری تھیں انہیں رائج کر دیا گیا ہے[1]۔

مڈغاسکر (مالاگاسی)

یہاں تعزیے بانس کی تیلیوں سے اور کاغذ سے بنائے جاتے ہیں البتہ وضع میں مقامی رنگ شریک رہتا ہے۔ نوحہ، مرثیوں، ماتم کے ساتھ ساتھ زنجیری ماتم بھی ہوتا ہے۔ اہل سنت والجماعت کے افراد اور بوہرہ جماعت کے لوگ اپنے اپنے طرز پر حسینؑ کا غم مناتے ہیں۔ دس دن تک شہادت نامہ پڑھا جاتا ہے اور پورے جزیرے میں غم کا ماحول بنا رہتا ہے۔ عزاداری کے مخالفین نے مسلسل تقریریں اور تبلیغ کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اب پہلے جیسا متحدہ اجتماع نہیں ہوتا لیکن عاشورے کے دن سبھی عزادار جمع ہو جاتے ہیں۔ ہر امام بارگاہ پر سیاہ پرچم لہراتا ہے۔ سبیلوں کا سلسلہ چہلم تک جاری رہتا ہے۔ کہیں کہیں امام کے نام

۱۔ حکیم امتیاز حسین: عزاداری حضرت امام حسینؑ، ص ۱۵۳-۱۵۱۔

پر قیدی بننے کی رسوم بھی ملتی ہیں۔ عاشور کی نیاز بہت دی جاتی ہے اس نیاز کو کھانے کے لئے امراء، بڑے تاجر، وزراء بھی غریبوں کے ساتھ فرش پر بیٹھتے ہیں۔ اب ٹی۔وی۔ اور ریڈیو پر بھی محرم کے پروگرام آتے ہیں[1]۔

ماریشس

جزیرہ ماریشس کی زیادہ تر آبادی ہندوؤں اور عیسائیوں کی ہے۔ شیعہ آبادی برائے نام ہے لیکن وہاں محرم کا چاند دکھائی دیتے ہی روزانہ ماتمی جلوس نکلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ شام سے ہی ماتمی دستہ شہر سے مقامی کربلا جاتا ہے اور پھر رات گئے واپس آتا ہے۔ عاشور کی رات کو مختلف رنگوں اور سائزوں کے تعزیئے چوک پر آجاتے ہیں اور پوری رات زیارت کرنے والوں کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ ماریشس میں تعزیئے ہلکی لکڑی (چیڑ) کے بنائے جاتے ہیں جس کے نیچے پہیے لگے رہتے ہیں جس کے آگے براق کی شبیہ ہوتی ہے۔ عاشور کے دن لوگ میخ جیسی کیلوں کو گردن سینہ و پشت میں چبھوئے رہتے ہیں۔ عجیب بات ہے خون نہیں نکلتا۔ عصر عاشور کو ایک برتن میں دودھ کا شربت امام اور شہدائے کربلا کی نیاز دے کر کربلا میں گہرا گاڑ دیتے ہیں۔ اور اُس شربت کو بڑی عقیدت سے آپس میں تقسیم کرتے ہیں یہ شربت بہت لذیذ اور نشاط آور ہوتا ہے[2]۔

جنوبی امریکہ

جنوبی امریکہ میں عزاداری کی روایت قدیم بتائی جاتی ہے جہاں عاشورہ کو بڑے جلوس برآمد ہوتے ہیں اور مجالس عزا کا اہتمام ہوتا ہے۔ لوگ بہت عقیدت سے عزاداری کے مراسم کرکے یاد حسینؑ اور شہدائے کربلا کو تازہ کرتے ہیں[3]۔

شمالی امریکہ

ریاست ہائے متحدہ امریکہ

ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں حیدرآباد دکن (ہندوستان) سے ہجرت کرکے بسنے والوں نے عزائے حسینؑ کی بنیاد رکھی۔ یہ لوگ اپنے گھروں میں ایک مخصوص حجرے کو عاشور خانے کا نام دیتے ہیں جس میں آباء و اجداد کے زمانے کے محفوظ کردہ تبرکات ہوتے ہیں۔ مالی حالت بہتر ہوتے ہی یہ کوئی ایوان خرید کر امام بارگاہ بنالیتے ہیں یا قطعہ اراضی خرید کر نئی بارگہ امام تعمیر کر دیتے ہیں جس میں یہ تبرکات منتقل کر دئے جاتے ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ تو یکم محرم سے دس محرم تک مرغن

---

۱. ماریشس اور مڈغاسکر میں عزائے حضرت حسینؑ از مولانا عباس فطرت مشمولہ راشٹریہ سہارا، محرم نمبر جنوری ۲۰۰۷۔

۲. ایضاً۔

۳. [illegible]

غذائیں استعمال نہیں کرتے ہیں نہ ہی لباس فاخرہ پہنتے ہیں۔ میر مراد علی خاں جو بیت القائم کے بانی ہیں ان کے گھر میں پہلی منظم مجلس ہوئی۔ ڈاکٹر علی چوہان اور ڈاکٹر ریاض حسین خاں نے جارجیا ہجرت کر کے اسلامک سوسائٹی آف جارجیا کی زینبیہ اسلامک سینٹر کی بنیاد رکھی جو اس وقت ایک بڑا سینٹر اور امام بارگاہ ہے۔ اس میں شہدائے کربلا کے نام دیوار کے ساتھ نقش ہیں۔ نیویارک میں یوم عاشور کو عزاداری کے جلوس کی ابتدا سید اصطفیٰ نقوی نے کی ان کے ساتھ معصومین اسکول کے جاوید حسین صدیقی معاونت کرتے رہے۔ یہ جلوس شیعہ ایسوسی ایشن آف نارتھ امریکہ والے برآمد کرتے ہیں۔ نیویارک، نیوجرسی، پنسلوینیا میں امام بارگاہیں ہیں اور مجالس کا اہتمام ہوتا ہے۔ جناب علی محمد سچے کراچی سے امریکہ آئے تو عزاداری میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ اُن کے معتقدین نے بوسٹن اور اٹلانٹا میں بڑے ادارے قائم کئے۔ انٹرنیٹ پر پاسبانِ عزا کے نام سے ویب پیج بھی موجود ہے۔ ڈیلیس میں بھی صاحبان عقیدت اس سلسلے میں سرگرم عمل ہیں۔ افریقہ سے ہجرت کر کے جن اثنا عشری خوجہ حضرات و خواتین نے امریکہ میں بود و باش اختیار کی انہوں نے عزاداری کو مزید فروغ دیا۔ حسن البکر اور صدام حسین کے مظالم کے باعث عراق بدر ہونے والے علماء اور عوام نے امریکہ اور کنیڈا میں دینی مراکز قائم کئے ان میں مجالس عزا برپا ہوتی ہیں۔ نیویارک میں امام الخوئی اسلامک سینٹر اور شاہ نجف کیمونٹی سینٹر بھی قائم ہیں جن میں عشرہ محرم و دیگر مجالس عزا کا اہتمام ہوتا ہے۔ نیویارک میں نوحہ خوانوں، سلام خوانوں اور مرثیہ خوانوں کی بڑی تعداد موجود ہے۔ نیویارک میں یوم عاشورہ کو زنجیر کا ماتم ہوتا ہے۔ نیویارک میں خواجگان نار والی بھی عزاداری کی ترویج و فروغ میں نمایاں تعاون کر رہے ہیں۔ بیت القائم میں خدمت دین کرنے والے ولایت موسوی صاحب کے اور "خان" خاندان والوں کے پاس امام حسینؑ کی مقتل کی خاک شفا کی ضریح موجود ہے۔ اِس ضریح کی خاک کا رنگ یوم عاشورہ کو پورا سرخ ہو جاتا ہے۔ ضریح کا رنگ بدلتے ہی ماتم بپا ہو جاتا ہے[1]۔ نیوجرسی میں بیت القائم کے علاوہ آستانہ زہرا، بیت ولی العصر، محفل شاہ خراسان، زینبیہ اور محمدی سینٹر میں ماتمی مجلس ہوتی ہیں۔ آستانۂ زہرا نیوجرسی مرکزی امام بارگاہوں میں سے ہے۔ ابوالفضل عباس کی سالانہ مجلس یہیں ہوتی ہے جو سب سے بڑی مجلس ہوتی ہے۔ آغا ماشاءاللہ رضوی نے ورجینیا میں امام بارگاہ قائم کی ہے۔ محفل شاہ خراسان حبیب بینک والوں کا ادارہ ہے جسے وہ ذاتی خرچ سے چلاتے ہیں۔ تاریخ امریکہ میں پہلی شب بیداری سید احتشام حیدر نقوی کے ذریعے یہیں ہوئی تھی۔ اور اب یہ ہر سال ہوتی ہے۔ ڈاکٹر منظور نقی رضوی مسلم فاؤنڈیشن کے بانی ہیں ان کے چھوٹے بھائی باقر رضوی کے یہاں حضرت عباس کی قدیم ترین مجلس عزا ہوتی ہے۔ نواب آغا سکندر (لکھنؤ) نے زینبیہ نیو رودک کی بنیاد رکھی اِن کے یہاں کی سالانہ یوم زینب کی مجلس بڑی مشہور ہے۔ میری لینڈ میں ادارہ جعفریہ میں مسلسل یکم محرم سے ۸ ربیع الاول تک مجالس ہوتی ہیں۔

۱۔ براعظم امریکہ میں عزاداری کی روایت (مضمون) ڈاکٹر سید تقی حسن عابدی، مشمولہ راشٹریہ سہارا محرم نمبر جنوری ۲۰۰۷، ص ۷۱۔

واشنگٹن میں ایرانیوں کا اپنا سینٹر (آئی ای سی) ہے جہاں تاسوعا اور عاشورہ عقیدت اور احترام سے منایا جاتا ہے۔ پنسلوانیا میں ایلین ٹاؤن اور مہدیہ فلاڈلفیا میں عزاداری ہوتی ہے۔ فلوریڈا میں میامی اور لینڈو میں امام بارگاہیں موجود ہیں۔ سین ہوزے میں اسلامی سینٹر میں عزاداری ہوتی ہے۔ کیلی فورنیا، لاس اینجلس میں ادارہ جعفریہ زینبیہ فاطمیہ میں مجالس و ماتم برپا ہوتے ہیں۔ ڈیٹرائٹ میں عرب و ایرانی عزاداری کرتے ہیں۔ کیلی فورنیا میں مقیم ایرانیوں میں عزاداری عقیدت و احترام سے ہوتی ہے۔ شکاگو میں حیدرآباد سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے دو امام بارگاہیں (ایک معصوم دوسرا حسینی) قائم کیں جن میں مجلس و ماتم برپا ہوتے ہیں۔ بوسٹن میں حیدرآبادی شیعوں نے الغدیر کے نام سے سینٹر قائم کیا ہے۔ ڈینوز مرکزِ عزاداری ہے۔ ہیوسٹن میں عزاداری کے لئے ایک ادارہ ہے۔ واشنگٹن اور نیو یارک میں انجمن جاںنثاران اہل بیت نے سب سے بڑا علم نکال کر جلوس میں شرکت کی۔ اٹلانٹا میں درعباس تعمیر ہوا ہے ساتھ ہی بڑا جعفری سینٹر قائم ہوا ہے۔ برج واٹر مین میں تطہیر سوسائٹی قائم کی گئی ہے۔ کچھ سخنوران نے بھی فروغ عزاداری کے لئے زبانی اور قلمی حدمت کی ہے۔ ہندوستان سے مشہور علما و ذاکرین ڈاکٹر کلب صادق، مولانا فیروز حیدر وغیرہ امریکہ میں مجالس پڑھنے جاتے ہیں[1]۔

کناڈا

امریکہ اور کناڈا میں تقریباً ۳۰۰ جگہوں پر عزاداری کی مجالس ہوتی ہیں کیسٹ کا استعمال بھی کیا جاتا ہے۔ الہدی اسلامک سینٹر میں دو ماہ ۸ دن (محرم کی پہلی تاریخ سے ۸ ربیع الاول تک) مسلسل ماتمی مجلسیں ہوتی ہیں۔ ٹورنٹو، آٹوا، کیلگری، وینکور، مانٹریل میں تقریباً ۵۰ جگہوں پر محرم میں مجالس عزا اور ماتم برپا ہوتا ہے۔ امام حسین ایسوسی ایشن کی اور مظلومین فاؤنڈیشن کے زیر اہتمام حسینیہ (بارگاہ) قائم کیا گیا ہے۔ الہدی سینٹر میں منتخب پڑھے لکھے لوگوں کی طرف سے عزاداری ہوتی ہے۔ بشیر اکبر مرحوم کے یہاں عاشورہ کی مجلس اور قاسم حسینی کے گھر (جہاں سب سے پرانا عاشورہ خانہ ہے) ماتمی مجلس ہوتی ہے۔ محمود صاحب کے یہاں شب بیداری کا اہتمام ہوتا ہے۔ جعفری ٹی۔ وی چینل ایشیا پر محرم کا خاص پروگرام نشر ہوتا ہے۔ سات سال سے تحریک جعفریہ کانیر سے جلوس نکال رہی ہے[2]۔

یوروپ، جرمنی اور فرانس

انیسویں اور بیسویں صدی میں لبنان سے بہت سے محبان اہل بیت امریکہ اور یوروپ میں ہجرت کر گئے۔ اِن لوگوں کے ساتھ خاصی تعداد میں ایرانی بھی مل کر آباد ہوئے۔ اِس طرح یورپ میں جرمنی، فرانس، برطانیہ میں عاشقان رسول نے

---

[1] براعظم امریکہ میں عزاداری کی روایت (مضمون) ڈاکٹر سخاوت حسین، ص ۱۷، مشمولہ راشٹریہ سہارا محرم نمبر جنوری ۲۰۰۷ء۔

بود و باش اختیار کی انھوں نے اِن ممالک میں عزاداری شروع کی۔ محرم کے دنوں میں برصغیر ہندوستان و پاکستان کے نامور علماء و ذاکرین خصوصی دعوت پر یورپ جاکر مجالس محرم پڑھتے ہیں۔ حضرت حسینؑ اور ان کے مشن پہ متعدد کتابیں فرانس اور جرمنی میں تحریر ہوئیں[1]۔ پیرس میں محفلِ زینب میں محبان اہل بیت جمع ہوتے ہیں۔ باہر سے آئے ذاکرین مجلس کو خطاب کرتے ہیں۔ جرمنی میں کیل الفاطمیہ سینٹر اور فرینک فورٹ میں مجالس عزا کا انعقاد ہوتا ہے۔

برطانیہ

لندن میں حضرت حسینؑ کی یاد میں یوم عاشورہ کی پہلی مجلسِ عزا جون ۱۹۲۹ میں ہوئی تھی۔ جمعیت اسلامیہ غربیہ لندن نے جلوس نکالا تھا۔ آج کل عاشورہ کے علاوہ اربعین کے جلوس کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے۔ لندن میں محبانِ اہلبیت عاشورہ مناتے ہیں۔ حیدر اسلامک سینٹر اسٹرایم روڈ میں یکم محرم سے دسویں محرم تک مجالس ہوتی ہیں۔ ۳ محرم کو حضرت حر، ۴ محرم کو حضرت عون و محمد، ۷ محرم کو حضرت قاسم اور شہزادہ علی اصغر کی مجالس ہوتی ہیں۔ شب عاشور کو بھی مجالس کا اہتمام ہوتا ہے۔ زنانی مجلس عزا بھی منعقد ہوتی ہیں۔ گزشتہ بارہ برسوں سے ہندوستان کی مشہور ذاکرہ نادر جہاں نقوی ہر سال مجالس کو خطاب کرنے برطانیہ جاتی ہیں۔ پہلے لوگ اپنے گھروں میں مجالس کرتے تھے جس میں علاقہ کے لوگ جمع ہوتے تھے اور مقامی ذاکر مجلس پڑھتا تھا۔ رفتہ رفتہ تنظیمیں وجود میں آئیں اور انھوں نے اپنی اپنی عمارتیں حاصل کر لیں۔ آج برطانیہ میں کم از کم ۲۴ سے ۳۰ تک امام بارگاہیں ہیں جہاں مجالس عزا ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ نجی طور پر مجالس ہوتی ہیں اُن کو شمار کرنا مشکل ہے۔ زنانی مجالس بھی ہوتی ہیں جن میں ذاکرات خطاب کرتی ہیں۔ برصغیر سے بھی ذاکرین اور ذاکرات کو بلایا جاتا ہے۔ جن میں ڈاکٹر کلب صادق صاحب کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ امام بارگاہوں کے اندر ہی ذوالجناح کا ماتم ہوتا تھا۔ ایک دو تابوت بھی سڑکوں پر نکالے جاتے تھے۔ جناب یاور عباس (بی بی سی کی اردو سروس کے سابق پروڈیوسر) تحت میں مرثیہ پڑھنے کے لئے مشہور ہیں اور جگہ جگہ بلائے جاتے ہیں۔ جناب مولانا سید عقیل الغروی اور اُن کے برادر معظم مولانا سید ذوالقدر رضوی عزاداری کو برابر فروغ دینے میں سرگرم عمل ہیں۔ اب تو لندن کی سڑکوں پر ماتمی جلوس نظر آنے لگے ہیں۔ سینہ کوبی اور زنجیر کا ماتم دیکھ کر اہل برطانیہ حیران ہوتے ہیں۔ پہلے مجالس میں ذاکر اور خطیب اُردو میں تقریر کرتے تھے نئی نسل کو اردو سمجھنے میں دقت ہوتی تھی۔ اب چند ذاکرین انگریزی میں تقریر کرنے لگے جس کی وجہ سے نوجوان زیادہ تعداد میں مجالس میں آنے لگے ہیں۔ دوران عشرۂ مُحرم انگریزی میں مجلس ساڑھے دس بجے دن سے پونے گیارہ بجے تک جبکہ اردو مجالس پونے گیارہ بجے سے ساڑھے گیارہ بجے تک ہوتی ہیں۔ حدیث، قصہ خوانی، مرثیہ خوانی کے بعد ماتم اور

زیارت ہوتی ہے۔ تبرک تقسیم ہوتا ہے۔ ٹی۔وی۔چینل بھی محرم کا پروگرام دکھاتے ہیں۔ ڈاکٹر شبانہ انجم اعظمی یکم محرم سے دس محرم تک انگلینڈ میں پروگرام پیش کرتی ہیں۔ مانچسٹر میں شب عاشور کو مجلس عزا بپا ہوتی ہے اور دن میں علم کا جلوس برآمد ہوتا ہے جو جعفریہ اسلامی بارگاہ پر ختم ہوتا ہے۔ یہیں زنجیری ماتم ہوتا ہے۔

لندن کی سرزمیں پر عباس کا علم ہے　　　زہرا تری دعا ہے زینب ترا کرم

(عاشور کاظمی)

اب ٹیلی فون پر مجلس عزا کی پوری تقریر سننے کا انتظام بھی ہو گیا ہے۔ کمپیوٹر کے استعمال کے ذریعے انٹرنیٹ پر دیگر مقامات پر ہوئی مجالس عزا سنی جا سکتی ہیں۔ امام حسینؑ اور واقعہ کربلا کے متعلق کتابیں بھی اب دستیاب ہیں[1]۔

ناروے میں بھی عاشقان آلِ رسول نے عزاداری کا سلسلہ قائم کیا ہے۔

اوشینیا خطہ

نیوزی لینڈ

نیوزی لینڈ کی مشہور تنظیم انٹرنیشنل شیعہ کلچرل اینڈ ہیومن رائٹس آرگنائزیشن آکلینڈ شہر میں واقع ہے۔ اس تنظیم کے تحت مجالس عزا منعقد ہوتی ہیں بعد مجلس کے ماتمی جلوس میں روایتی انداز میں یہاں کے عزادار قمع (اسے تدبیر بھی کہتے ہیں اس میں دھار دار چھرے یا تلوار سے سر میں چوٹ کرکے خون بہایا جاتا ہے) کرتے ہیں۔ ماتم دار زنجیروں کا ماتم کرکے خود کو لہولہان کر لیتے ہیں[2]۔

آسٹریلیا

آسٹریلیا کے میلبورن شہر کی اہم حسینی تنظیمیں ہیں حسینیہ، بیت الحسین، تنظیم سید الشہداء، الامام الحسن المجتبیٰ سوسائٹی اور پنجتن سوسائٹی[3]۔ یہ تنظیمیں میلبورن شہر میں ایام عزا کے دوران مجالس کا اہتمام کرتی ہیں اور چہلم کا جلوس بھی نکالتی ہیں جس میں "ابن زہراوا ویلا" کی صدا بلند ہوتی ہے۔ وکٹوریہ شہر کے محلے شپارٹن میں بھی جلوس عزا برآمد ہوتا ہے۔ میلبورن کے سینٹ ایڈورڈ سے ماتمی جلوس شروع ہوتا ہے اس کے اختتام پر امام عصر حضرت مہدی کو یاد کیا جاتا ہے اور شہیدانِ

---

۱. حکیم امتیاز حسین: عزاداری حضرت امام حسینؑ، ص۱۶۹/برطانیہ میں غم حسین اور نئی نسل، مضمون رضا علی عابدی، مشمولہ راشٹریہ سہارا، ص۶۹۔

۲. راشٹریہ سہارا، محرم نمبر، جنوری ۲۰۰۷، ص ۷۲۔

۳. ایضاً۔

کربلا کو پُرسہ دیا جاتا ہے۔ اس جلوس میں ہزاروں لوگ شرکت کرتے ہیں۔ ان جلوسوں میں بین الاقوامی حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے دہشت گردی کے خلاف اور امن عالم کے حق میں نعرے بھی لگائے جاتے ہیں[1]۔

مشرقِ بعید

فلپائن، تھائی لینڈ، انڈونیشیا، مالٹا، جاوا میں علوی مسلمان خاصی تعداد میں مقیم ہیں۔ یہ لوگ سینکڑوں سال قبل ہجرت کرکے ان علاقوں میں آباد ہوئے۔ اِن مقامات پر نوحہ خوانی اور مجالس عزا ہر سال ہوتی ہیں خصوصاً ماہ محرم کے دس دنوں میں امام حسین و شہدائے کربلا کے مراسم کا اہتمام ہوتا ہے[2]۔

تھائی لینڈ

ایک رپورٹ کے مطابق بنکاک میں ۱۳۹۴ھ میں محبانِ اہل بیت کی تعداد تقریباً دو ہزار تھی۔ تقریباً چار سو سال قبل ایران سے ایک عالم دین تھائی لینڈ چلے گئے تھے جہاں انہوں نے مراسم عزا شروع کئے۔ وہاں لوگ کربلا کی یاد میں مراسم عزا میں شرکت کرتے ہیں۔ محرم کے دنوں میں تاسوعا اور عاشورہ کے روز نوحہ خوانی اور مجالس ماتم میں شریک ہوتے ہیں پشت اور سینے پر ماتم کرتے ہیں۔ آنسو بہاتے ہیں خیرات نذر و نیاز دیتے ہیں غریبوں میں کھانا تقسیم کرتے ہیں[3]۔

انڈونیشیا

یہاں والے ماہ محرم اور صفر میں کوئی جشن نہیں مناتے، شادی نہیں کرتے۔ یوم عاشور کو بہت سے خاندان ایک خاص غذا "بوبورا" تیار کرتے ہیں۔ اور مجلس عزا برپا کرتے ہیں[4]۔

سماترا

شمالی سماترا میں محبانِ اہل بیت ہیں یہ ماہ محرم کو حسن حسین کا مہینہ کہتے ہیں۔ سماترا کے مغربی ساحل (مینیانگ کابو) میں عزاداری کو تابوت کہتے ہیں۔ عزاداران مجالس ماتم برپا کرتے ہیں اور عزاداری میں ایک تابوت جلوس کی شکل میں لے کر سڑکوں پر چلتے ہیں بعد میں اُسے جاری پانی (نہر یا ندی) میں ڈال دیتے ہیں۔ یہ طریق عزاداری اہل مینا، نقطایا، اور سماترا کے

---

۱. حکیم امتیاز حسین: عزاداری حضرت امام حسینؑ ص ۱۶۵۔

۲. تاریخچہ عزاداری حسینؑ از آقای شہرستانی ترجمہ اقبال حسین جاوید ولی العصر ٹرسٹ جھنگ پاکستان۔

۳. ایضاً۔

۴. ایضاً۔

رہنے والوں نے شروع کیا تھا۔ آہستہ آہستہ آجیہ، بقولین وغیرہ شہروں میں بھی عزاداری شروع ہو گئی۔ مراسم عزاداری کچھ اِس طرح کے ہوتے ہیں۔ کسی دریا کی طرف جاکر کچھ مٹی لاتے ہیں (اس سے مراد وہ خاک ہے جہاں امام حسینؑ شہید ہوئے تھے) اسے ایک بیابان میں رکھکر چاروںطرف لکڑیاں گاڑ کر دیوار بنا دیتے ہیں اور نو محرم تک چھوڑ دیتے ہیں۔ نویں محرم کو طبل اور تاشہ لے کر ہاتھوں میں اخروٹ کے درخت کی شاخیں اٹھائے ہوئے اِس خاک پر رکھ دیتے ہیں۔ عاشورہ کو اس خاک کو ایک چھوٹے تابوت (جسے "لینواتق" کہتے ہیں) میں رکھکر باہر لاتے ہیں نذر و نیاز بھی دیتے ہیں۔ اس تابوت کو ایک بچہ (جس کا لباس زرد رنگ کا ہوتا ہے) اٹھاتا ہے۔ اس بچے کے ارد گرد لوگ جمع ہو کر گریہ و فریاد کرتے ہیں۔ یہ لوگ صبح ۱۱ بجے تک گھروں کے چکر لگاتے ہیں۔ بارہ بجے طبل بجاتے ہیں اور حزینہ اشعار پڑھتے ہیں۔ تمام حاضرین بلند آواز سے گریہ کرتے ہیں۔ پھر لوٹتے وقت گریہ زاری کرتے ہیں۔ عزاداری کرتے ہیں بیان واقعات کربلا کرتے ہیں[۱]۔ دوسری رات (۱۱ محرم) کو لکڑی کا پنجہ لئے ہوئے باہر آتے ہیں اور اس پر عمامہ رکھتے ہیں جسے سربان کہتے ہیں۔ اس عمامہ کو انہیں پھولوں سے بناتے ہیں جو بیابان میں رکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ سفید کپڑا اس پر لپیٹتے ہیں۔ (مراد حضرت حسینؑ کا عمامہ ہوتا ہے)۔ بارہویں کی رات کو تابوت و طبل و باقی شعائر برآمد کرتے ہیں اور حاکم شہر کے گھر کی طرف جاتے ہیں۔ پھر تابوتوں کو اٹھائے ہوئے صدقات اکٹھا کرتے ہیں دوبارہ شہر کا چکر لگاتے ہیں۔ جب کسی گھر کے سامنے جاتے ہیں تو اشعار پڑھتے ہیں جنہیں "انگ اینڈنق" کہتے ہیں جن میں واقعات و مصائب کربلا کا ذکر ہوتا ہے۔ بارہویں محرم کو دن میں یہ سب تابوت اور علم (ہر گروہ کے پاس اپنا تابوت و علم ہوتا ہے) نہر یا دریا میں ڈالتے ہیں اور اُس وقت بلند آواز سے گریہ کرتے ہیں۔ اِس کے بعد گھر لوٹتے ہیں[۲]۔ ایک نامور سیاح نور احمد قادری کا بیان ہے کہ ساترا کے مسلمان محرم میں پٹے بازی کرتے ہیں۔ ذکر حسین سنتے ہیں اور ان میں قوالیاں بھی ہوتی ہیں[۳]۔

جاوا

جاوا میں ماہ محرم کو "سورا" کہتے ہیں۔ اُس دن مخصوص غذا بنائی جاتی ہے جو سفید اور سرخ شوربے پر مشتمل ہوتی ہے۔ یہ لوگ اپنے بیٹوں کو جمع کرکے غذا تقسیم کرتے ہیں۔ سرخ رنگ شہادت کے خون بہنے اور سفید رنگ خلوص اور قربانی کی علامت ہے۔ یہ لوگ چھوٹے بڑے بچوں کو جمع کرکے امام حسینؑ کے بچوں کے یتیم ہونے کی شبیہ بناتے ہیں[۴]۔

---

۱. نور احمد قادری، تاریخ تمدن اندونیشیا، حصہ اول، ص ۳۷۶۔

۲. علی حسین رضوی، تاریخ شیعیان علی، ص ۲۳۲۔

۳. آقای شہرستانی، تاریخچہ عزاداری حسین

۴. حکیم امتیاز حسین، عزاداری حضرت امام حسینؑ، ص ۱۵۶-۱۵۸

چین

مشہور ہے تیسری صدی ہجری میں ترکستان اور افغانستان کے شہروں سے بہت سے محبان اہل بیت جن کی تعداد تقریباً دس ہزار بتائی جاتی ہے ہجرت کرکے چین میں جاکر بس گئے۔ انہوں نے ماہ محرم کے پہلے دس دنوں خصوصاً روز عاشورہ اپنے گھروں میں مجالس عزاداری بپاکرنے کا سلسلہ برقرار رکھا[1]۔

تبت

انیسویں صدی میں کئی ہندوستانی اور ایرانی محبانِ اہلِ بیت تجارت کے سلسلے میں تبت جاکر آباد ہوگئے۔ تبت کے شہروں میں اِن کے خاندان والے اپنے گھروں میں عزاداری کرتے ہیں اور محرم کی نویں (تاسوعا) اور دسویں (یومِ عاشور) ہر سال دنیاوی کاموں کی چھٹی کرتے ہیں۔ یہ افراد کسی ایک شہر میں جمع ہوکر نوحہ خوانی کرتے ہیں ایک خطیب منبر سے واقعات کربلا اور شہادت امام حسینؑ بیان کرتا ہے۔ لوگ آنسو بہاتے ہیں، ماتم کرتے ہیں، سینہ زنی کرتے ہیں نذر و نیاز دیتے ہیں اور عام مراسم عزا کو انجام دیتے ہیں[2]۔

سنٹرل ایشیا

ترکستان، قفقاز، تاجکستان

جہاں بھی اہلِ بیت و عاشقانِ رسول پہنچے وہاں جس قدر بھی ممکن ہو سکا شعائر حسینی، عزاداری و ماتمی جلوس برپا کرتے رہے۔ جنوبی قفقار کے مشہور شہروں تجوان، ایردان، باکو، طفلیس میں نوحہ خوانی، مرثیہ خوانی، مجالس عزا ماہ محرم و صفر میں بہت زیادہ ہوتی ہیں خصوصاً عشرے میں روز تاسوعا اور عاشورہ میں مجالس عزا بہت ہوتی ہیں۔ قفقار کے جنوبی حصہ میں رہنے والے یعنی آذر بائجان والے ایرانیوں کی پیروی کرتے ہیں البتہ مراسم عزا ایران کی بہ نسبت محدود ہیں۔ ترکستان کے بڑے شہروں خیوہ، عشق آباد، مَرو، سمرقند، تاشقند، بخارا میں بھی عزاداری حسین ہوتی ہے۔ تیسری صدی ہجری کے اوائل میں خراسان کے جنوبی علاقے کے کچھ قبائل ترکستان منتقل ہوگئے تھے۔ اسی طرح کچھ محب اہل بیت طوس سے بخارا، خیوہ اور دیگر مقامات پر چلے گئے۔ وسط ایشیا میں جو تاجک قبائل ہیں وہ ۱۹ویں صدی کے اخیر اور ۲۰ویں صدی کے شروع میں ایران سے آکر اسحاق آباد، بخارا، سمرقند میں بس گئے۔ یہ محبانِ اہلِ بیت ہیں اور ماہ محرم میں عزاداری کرتے ہیں۔

---

۱. حکیم امتیاز حسین: عزاداری حضرت امام حسینؑ، ص۱۵۶ و ۱۵۷۔

۲. ایضاً، ص ۱۵۵۔۱۵۶۔

مشرق وسطیٰ

ترکی

ترکی میں شیعی عقائد کے باشندگان مختلف جگہوں پر آباد ہیں۔ عربی بولنے علوی جماعت والے، جو اناتالیکہ اور میرسن کے درمیان آباد ہے۔ کچھ ترکی بولنے ترکمان ہیں جو ترکی کے گاؤں میں خاص طور پر انقرہ کے شمال میں ہیں۔ کچھ قزلباش قبیلہ کے پسماندگان اور کُرد ہیں جو روس کے آذربائجان کے علاقہ سے ہجرت کرکے ترکی میں آکر مقیم ہو گئے ہیں۔ ترکی پر پہلی جنگ عظیم کے بعد عثمانی حکومت بنی تھی اُس کے بعد جمہوریہ ترکی قائم ہوئی۔ عزاداری محبانِ اہل بیت گھروں تک محدود ہیں۔ بعض ترک زوار جو مشرقی علاقے کے رہنے والے ہیں وہ عراق زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ وہ مجالس سوگواری ؑ برپا کرتے ہیں۔ محرم کے دس دنوں میں بالخصوص یوم عاشور اور ۲۰ صفر تک راتوں کو نوحہ خوانی گھروں اور مختلف جگہوں پر دیہات اور شہروں میں ہوتی رہتی ہے۔ استنبول میں بھی مجالس عزا برپا ہوتی ہیں خصوصاً یوم عاشور کو ہر طرف سے شیعہ اس شہر میں آکر مجالس ماتم برپا کرتے ہیں۔ بعض لوگ اہل سنت کے بھی شریک ہوتے ہیں اور حکومت کے افراد بھی ہمدردی کے طور پر اِن کے ساتھ مل کر یاد حسین تازہ کرتے ہیں- علامہ شبلی نعمانی نے استنبول کے محرم کا تذکرہ اپنے سفر نامے میں کیا ہے۔ یہاں جو اہل عجم بود و باش اختیار کر چکے ہیں ان کی تعداد پچاس ساٹھ ہزار سے کم نہیں ہے۔ یوں تو یہ لوگ شہر کے تمام حصوں میں پھیلے ہوئے ہیں لیکن جہاں کثرت سے رہتے ہیں اس محلہ کا نام والدہ خانہ ہے۔ محرم کے مہینے وسوم و چہارم کی مجلسیں اور نوحہ وآہ وبکا زیادہ تر یہیں ہوتا ہے۔ مجلسوں میں یہاں سوز اور تحت کا دستور نہیں صرف حدیث خوانی ہوتی ہے۔ منبر کے پاس ایک شخص کھڑے ہو کر جناب امیر اور حضرت امام حسینؑ کے فضائل و مناقب پڑھتا ہے پھر ایک مستند عالم حالات کربلا کو وعظ کے طور پر بیان کرتا ہے۔ بجز ایک دو موقعوں کے وعظ ترکی زبان میں ہی ہوتا ہے۔ ترک بہت ادب اور خلوص کے ساتھ مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں۔ ماتم کے چند طریقے ہیں اور بعض بہت عجیب اور موثر ہیں ایک ماتم یہ ہے کہ زور سے چھاتی پیٹتے ہیں یہاں تک کہ گوشت ابھر آتا ہے۔ دوسرا طریقہ زنجیروں سے ماتم کا ہے۔ ۳۰۔۳۰، ۴۰۔۴۰ آدمیوں کا حلقہ ہوتا ہے اور سینے پر پشت پر زنجیریں اس زور سے مارتے ہیں کہ آواز دور تک جاتی ہے۔ تیسرا طریقہ تلواروں سے ماتم کرنے کا ہے جو شب عاشور کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ ماتم کرنے والے تلواریں لے کر صف باندھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور جوش وخود رفتگی کے عالم میں یا حسین کہتے جاتے ہیں اور سر پیشانی اور شانوں پر تلواریں مارتے ہیں زخموں سے خون کی چھینٹیں اڑتی ہیں کپڑے خون سے تر ہو جاتے ہیں اور حلقہ ماتم گویا لڑائی کا میدان بن جاتا ہے۔ اِس ماتم کو دیکھنے کے لئے خلقت کا زبردست اژدہام ہوتا ہے[1]۔

لبنان اور شام

جب اسیران آل محمدؐ کو ۶۱ ہجری میں واقعہ کربلا کے بعد شام میں لایا گیا تو اسی زمانے سے [illegible] نوحہ خوانی شروع ہوئی۔ زمان و مکان کی مناسبت سے مجالس عزا قائم ہوتی رہی۔ محبان آل محمد کو اموی حکمرانوں کی طرف سے [illegible] ہونے والی بندشوں کا سامنا کرنا پڑا۔ سیاسی اثرات نے عزاداری کو کبھی محدود کر دیا کبھی وسیع۔ ہمدانی بادشاہوں خاص طور پر [illegible] بن ہمدان کے دور حکومت میں محبانِ اہل بیت کو عزاداری کی آزادی ملی۔ تیسری صدی ہجری میں جب عراق [illegible] میں آل بویہ اور مصر میں فاطمیوں نے عنان حکومت سنبھالی محبانِ آل رسول نے رسومات عزاداری زور شور سے منائی۔ شعائر حسینی واقامۂ عزا، نوحہ خوانی، مجالس ماتم کا وسیع تر علاقوں میں اہتمام ہوتا تھا خصوصاً بیروت، دمشق، حلب، [illegible]، [illegible]، بنطیہ، بنت جبل اور قصبوں اور دیہاتوں میں عزاداری زور شور سے قائم ہوئی لیکن عثمانیوں کے دور میں پھر سختیاں ہونے لگیں۔ محبانِ اہل بیت اِدھر اُدھر ہجرت کر گئے زیادہ تر لوگ جبل عامل کی طرف گئے جہاں امام بارگاہیں تعمیر کی گئی۔ پہلا امام باڑہ بناطیۃ التحنا میں بنا۔ اِس کے بعد کئی اور جگہوں پر امام بارگاہیں بنائی گئیں مثلاً صور، بناطیۃ الفوقا، کزامان بنت جبیل حارف، الخیام، کفر صبر وغیرہ میں، بارگاہیں تعمیر ہوئیں۔ شام میں آج یزید کی قبر کا نشان بھی نہیں لیکن مزار حضرت زینب سلام اللہ علیہا شان و شوکت کے ساتھ موجود ہے جہاں ہزاروں کی تعداد میں زائرین آتے ہیں۔ شام میں جہاں ایک زمانے میں منبروں سے حضرت علی کے خلاف تقریر کی جاتی تھی وہاں علوی حکومت قائم ہوئی[1]۔

بیروت میں خلیج العبد میں عشرۂ محرم کی مجالس روزانہ بپا ہوتی ہیں زوردار ماتم ہوتا ہے اور ماتمی جلوس میں سیاہ لباس میں ملبوس ہزاروں لوگ شریک ہوتے ہیں۔

دمشق میں گہوارۂ علی اصغر کا جلوس برآمد ہوتا ہے۔ الحوزہ العلمیہ زینبیہ میں عاشورہ کی مجالس ہوتی ہیں۔

عراق

عراق میں میدان کربلا ہے جہاں امام حسینؑ اُن کے اقربا اور رفقاء معرکہ خیر و شر میں شہید ہوئے۔ عراق سے ہی عزاداری کی ابتدا ہوئی۔ آل بویہ کے زمانے میں اس میں وسعت ہوئی۔ انہوں نے نوحہ خوانی۔ مرثیہ خوانی اور شعائر سوگواری امام حسینؑ کو رائج کیا۔ اس سے پہلے بھی عزاداری کا قیام عمل میں آیا تھا مگر اس میں رکاوٹیں ڈالی گئیں۔ آل بویہ کے سلطان معزالدولہ (۳۳۴ھ) کو خلیفہ مستکفی کے عہد حکومت میں بغداد کا والی مقرر کیا گیا جس کے دور میں عزاداری کی ترویج ہوئی۔ چنانچہ محرم الحرام کے پہلے عشرہ میں سیاہ لباس پہننے کا رواج اسی زمانہ سے شروع ہوا۔ سلطان معزالدولہ کے دور حکومت میں

[1] [illegible]

بازار بند ہونے لگے۔ بازار میں سبیلیں لگائی گئیں بازاروں میں لوگوں نے ماتم کرنا شروع کیا۔ عورتیں بھی باہر آ کر ماتم میں شریک ہوتیں اور نوحہ خوانی کرتی تھیں یہ سلجوقی عہد حکومت تک جاری رہا۔ اِس کے بعد کوئی بھی حکمراں بنا یہ سلسلہ قائم رہا لیکن جب حکمرانوں کو اس سے خطرہ لاحق ہوا تو نہ صرف عزاداری پر بندش لگانے کی کوشش کی بلکہ حضرت امام حسینؑ کے مزار شریف کو بھی منہدم کرنے کی کوشش کی لیکن بقول شاعر:

نورِ خدا ہے کفر کی باتوں پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

عراق میں جلوس نہیں نکالے جاتے لیکن ماتم ہوتا ہے۔ لوگ گھروں میں ماتم کرتے ہیں۔ شب عاشورہ میں گرد و نواح کے علاقوں کے لاکھوں لوگ حرمین شریفین میں جمع ہو جاتے ہیں اور دعاؤں زیارتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یوم عاشور کو بوقت نماز ظہرین جم غفیر جمع ہوتا ہے اور آہ وزاری ہوتی ہے[1]۔ امسال (۲۰۱۲ء میں) ۲۰ صفر کو کربلا میں ۷۰ لاکھ زائرین نے عزاداری کی تھی۔ بنی اسد والے شہادتِ حسین کا ماتم کرتے ہیں۔

یمن

عاشورہ کا پیغام اور عزاداری جیسا اسلامی ممالک میں ہونی چاہئے ویسی ابھی نہیں ہوئی۔ یمن میں تقریباً ۸۰۰ سال سے زائد زیدی شیعہ مقیم ہیں لیکن یہاں ماہ محرم میں شادیاں ہوتی ہیں[2]۔

دولۃ الامارات العربیہ المتحدہ

کویت، بحرین، مسقط، عمان، قطر، قطیف اور گرد و نواح میں عزاداری ہوتی ہے۔ اگرچہ عراق کی طرح وسیع تر عزاداری برپا نہیں ہوتی۔ لیکن ہر سال ماہ محرم اور صفر میں مجالس سوگواری برپا ہوتی ہیں و نوحے پڑھے جاتے ہیں۔ مساجد اور امامیہ بارگاہوں میں خطیب اور واعظ واقعاتِ کربلا اور مصائبِ حسین بیان کرتے ہیں۔ کویت، بحرین اور مسقط میں خاصی تعداد میں محبانِ اہلِ بیت آباد ہیں جو ماہ محرم کا چاند نمودار ہونے سے چند روز قبل سے ہی مجلس عزا کا اہتمام کرتے ہیں۔ بحرین میں عظیم الشان ماتمی جلوس برآمد ہوتا ہے۔

۱۔ حکیم امتیاز حسین: عزاداری حضرت امام حسینؑ، ص ۱۶۴ تا ۱۶۵۔

۲۔ جناب شاہد مہدی صاحب نائب صدر انڈین کاؤنسل فور کلچرل ریلیشنز (تقریر) ہندوستان میں سنت عزاداری دو روزہ سیمینار ۱۸-۱۹ نومبر ۲۰۰۶ راہِ اسلام نمبر ۲۰۳-۲۰۴ جنوری تا جون ۲۰۰۷، ص ۱۶۔

کویت

کویت میں ساڑھے چار سو کے قریب امامباڑے ہیں جہاں مجالس ہوتی ہیں۔ جب اندر بیٹھنے کی جگہ نہیں رہتی تو باہر فرش بچھا دیئے جاتے ہیں۔ لوگ سڑکوں پر کھڑے رہتے ہیں بارش ہوتی ہے اور ذاکر کا خطاب سنتے رہتے ہیں۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر مجالس منعقد ہوتی ہیں۔ کہیں عربی میں تقریر ہو رہی ہے کہیں ایرانی ماتمی شور ہے تو کہیں ہندوستانی عزاداری۔ امسال (۲۰۱۲ میں) پہلی بار حسینی ماتمی جلوس برآمد ہوا ہے جس میں تقریباً دس ہزار لوگ شریک ہوئے[1]۔

افغانستان

افغانستان میں صوبہ بلخ کے دیہی علاقے خیران شریف میں مزار شریف واقع ہے جس کے متعلق روایت ہے کہ حضرت علی علیہ السلام یہاں دفن ہیں جن کا جسد مطہر قریب ایک صدی بعد نجف اشرف سے یہاں منتقل ہوا تھا۔ مزار شریف کے صحن میں ارد گرد امام بارگاہیں ہیں جہاں ہر سال ماہ محرم میں دس دن مجالس عزا برپا ہوتی ہیں۔ اِن میں شیعہ اور سُنّی دونوں حضرات شریک ہوتے ہیں۔ افغانستان اور ایران کی سرحد پر کئی قبائل خاصکر فنروز کوئی اور جمشیدی محبانِ اہلبیت ہیں۔ شہر ہرات میں بھی اِس عقائد والے لوگ کثرت سے آباد ہیں۔ ہزارہ اور تاجیک قبیلے والے بھی محبانِ اہلبیت ہیں۔ کابل میں کچھ قزلباش قوم کے لوگ بھی موجود ہیں جو نادرشاہ کے ساتھ یہاں آئے تھے اور یہیں بس گئے۔ یہ لوگ سرخ رنگ کی بارہ کونوں والی ٹوپی (بارہ اماموں کی تعداد کے مطابق) پہنتے ہیں۔ یہ لوگ ایرانی شیعہ ہیں اور کابل اور قندھار میں آباد ہیں۔ کابل میں متعدد امامباڑے ہیں جہاں ماہ محرم میں عزاداری ہوتی ہے۔ افغانستان کے بادشاہ سلطان محمود نے (تیرہویں صدی ہجری میں) عزاداری کی ترویج کی تھی۔ افغانستان کے محبانِ اہلبیت تمام سال ایران، عراق و حجاز ائمہ معصومینؑ کی قبور مطہر کی زیارت کے لئے جاتے رہتے ہیں۔ یہ زائرین زیادہ تر خراسان کے راستے عراق و حجاز زیارت کے لئے جاتے ہیں اور یوم عاشورہ کے مراسم عزا میں شریک ہوتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں افغانستان کے اکابرین حکومت اور اعلیٰ افسران نے اجتماعی طور پر پہلے پہل ماہ محرم ۱۳۹۳ھ میں مجالس عزا میں شرکت کی تھی۔ کابل میں مسجد جعفریہ میں لوگ جمع ہوتے ہیں۔ عزاخانے میں شبِ عاشور کو مجلس برپا ہوتی ہے[2]۔

---

۱. حکیم امتیاز حسین: عزاداری حضرت امام حسینؑ، ص ۱۵۴، ۱۵۵/ ملاحظہ کیجئے قاسم کی مہندی (مضمون) ڈاکٹر ضمیر احمد نقوی، کراچی راشٹریہ ہت لکھنؤ محرم نمبر ۱۷ دسمبر ۲۰۱۰ء۔

۲. ایضاً، ص ۱۵۸، ۱۵۹۔

ایران

اہلِ ایران شروع سے ہی آنحضرتؐ، ائمہ کرام اور شہدائے کربلا سے بے پناہ عقیدت رکھتے ہیں۔ حضرت سلمان فارسی آنحضورؐ کے خاص صحابی تھے۔ (انہوں نے ہی) جنگِ احزاب میں اسلامی فوجی کیمپ کے گرد خندق کھودنے کا مشورہ دیا تھا جس کی وجہ سے یہ جنگ خندق کے نام سے مشہور ہوئی۔ آپ حضرت علیؑ کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔ اہلِ ایران نے عزاداریِ حضرت امام حسینؑ کا ہمیشہ ہی احترام اور بے پناہ عقیدت سے اہتمام کیا۔ ایران ہمیشہ سے ہی محبانِ اہلِ بیت کا مرکز رہا۔ حضرت امام حسینؑ کی زوجہ مطہرہ شہزادی شہر بانو ایران کے بادشاہ یزدجرد سوم کی بیٹی تھیں اور حضرت امام زین العابدینؑ کی والدہ گرامی تھیں۔ واقعۂ کربلا کے بعد حضرت زین العابدینؑ نے مدینہ آکر حضرت سلمان فارسیؓ کے باغ کے نزدیک ہی بیت الحزن تعمیر کرایا تھا۔ جب عرب میں سادات اور اہلِ بیت پر مظالم شروع ہوئے تو بہت سے لوگ ایران منتقل ہو گئے۔ بنی امیہ کے ایک حاکم حجاج بن یوسف ثقفی کے مظالم سے تنگ آکر ایک قبیلہ "شاعرہ" اصفہان آگیا تھا۔ یہاں دس سال رہ کر قریب ۸۳ھ میں شہر قم کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ لوگ ہر سال عاشورہ کو عزاداری کرتے تھے یہاں تک کہ ۲۰۱ھ میں حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی دختر اور حضرت امام علی رضاؑ کی ہمشیرہ حضرت فاطمہ اپنے بھائی سے ملنے جاتے ہوئے اس شہر میں ٹھہریں جہاں علالت کے بعد اُن کا انتقال ہو گیا تھا اور وہ فاطمہ معصومہ قم کے نام سے مشہور ہوئیں۔ شہر قم کی فضیلت میں رسول اکرم اور معصومین سے بہت سی روایت ملتی ہیں[۱]۔ جمکران کی مقدس اور پر شکوہ مسجد بھی قم میں ہے۔ قم کے مدرسوں میں ملکی اور غیر ملکی طلباء دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ آج یہ شہر مرکزِ علم و دانش ہے بہت سے لوگوں نے دیگر علاقوں سے آکر زیارت و برکت کے لئے اطرافِ حرم میں رہائش اختیار کی اور مجالس عزا برپا ہونے لگیں۔ ایران میں خراسان کے علاقے میں حضرت امام علی رضاؑ قیام فرماتے تھے اُن کی وہاں شہادت ہوئی آج مشہد میں روضۂ امام علی رضاؑ زیارت گاہ عوام ہے۔

ایران میں سیاسی تغیرات و تبدیلیوں کی وجہ سے عزاداری پر بھی اثر ہوا۔ جن علاقوں میں محبانِ اہلِ بیت برسرِ اقتدار ہوتے تھے وہاں عزاداری احسن طریقے سے ہوتی تھی اور جہاں آلِ رسول سے عقیدت نہ رکھنے والوں کی حکومت ہوتی وہاں عزاداری محدود ہوتی تھی۔ جب داعی صغیر زید الحسنی نے ۲۵۰ھ میں مستقلاً حکومت قائم کی تو مذہب امامیہ کا بہت فروغ ہوا۔

۱۔ امام جعفر صادق نے فرمایا تھا: "آگاہ ہو جاؤ خدا کا ایک حرم ہے مکہ اور رسول اسلام کا حرم مدینہ ہے اور حضرت علی کا حرم کوفہ (نجف اشرف) ہے۔ میرا اور میری اولاد کا حرم قم ہے۔ جنت کے آٹھ دروازے ہیں جن میں سے ۳ قم کی طرف کھلتے ہیں۔ میری اولاد میں سے ایک خاتون فاطمہ بنت موسیٰ قم میں وفات پائے گی کہ جس کی شفاعت سے میرے شیعہ جنت میں داخل ہوں گے۔ امام رضاؑ نے فرمایا تھا، جس نے قم میں معصومہ کی زیارت کی گویا میری زیارت کی۔ روضۂ معصوم پر جناب زینب بنت امام محمد تقیؑ نے پختہ گنبد تعمیر کروایا تھا (۴۱۳ھ میں حرم مطہر پر کاشی کا نفیس رنگ کیا گیا ۵۲۶ھ میں نیا گنبد بنا ۱۲۱۸ھ میں اِس پر سونے کا غلاف چڑھا دیا گیا جس میں سونے کی ۱۲۰۰۰ اینٹیں ہیں۔

اِن کے صاحبزادے داعی صغیر محمد ابن زید الحسنی تھے جنہوں نے پہلے روضہ حضرت علی رضاؑ مشہد میں تعمیر کرایا تھا۔ جب ایران میں صفوی حکومت قائم ہوئی تو علاقائی حکومتیں ختم کر دی گئیں۔ صفوی حکمراں محبانِ آلِ رسول تھے ان کے دور میں عزاداری کی بہت ترویج ہوئی۔ بے شمار امام بارگاہیں تعمیر ہوئیں جن میں عزاداری ہوتی تھی۔ اس کے علاوہ گھروں، بازاروں، سرکاری دفاتر اور مساجد میں ماتمی مجالس برپا ہوتی تھیں۔ سڑکوں گلی کوچوں میں جلوس عزاداری گشت کرتے تھے۔ صفوی خاندان کے بعد قاچاری حکمرانوں کے عہد میں بھی عزاداری کی ترویج ہوئی۔ ناصرالدین قاچار ۱۲۹ھ میں عراق گیا تھا۔ وہاں ضریح حضرت امام حسینؑ کے سامنے ایک ذاکر خطبہ پڑھ رہا تھا جب اُس نے کہا کہ یا امام آپ کا مددگار آپ کے حضور کھڑا ہے تو ناصرالدین اتنے بے حال ہوا کہ اُس نے اپنا تاج امام کی ضریح مقدس کے سامنے پھینک دیا تھا۔ اسی طرح جب نادر شاہ زیارتِ روضۂ امام حسینؑ کے لئے کربلا گیا تو کتے کی زنجیر اپنے گلے میں ڈال لی جیسے وہ یہاں کا سگِ وفادار ہو۔ اس کے بعد شمشیر برہنہ ہاتھ میں لے کر روضۂ مبارک کے سامنے صبح سے شام تک چلاتا رہا اور کہتا رہا:

"میرے آقا! اگر میں روز عاشورہ کو آپ کے ساتھ ہوتا تو دشمنوں کو اسی طرح مارتا"[1]۔

نادر شاہ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ اس نے حضرت حر کی قبر کھدوانے کا حکم دیا تھا کیونکہ حر نے امام حسین کا راستہ روکنے کی کوشش کی اور شہزادیٔ کونین حضرت فاطمہ زہراؑ کی جانب اشارہ کرنے کی جرأت کی تھی لوگوں نے لاکھ سمجھایا کہ حضرت حر اپنی غلطی پر پشیمان ہوئے تھے اور کربلا میں حضرت حسین کے لئے جان دی تھی۔ لیکن نادر شاہ نہ مانا قبر کی کھدائی کا حکم دے دیا۔ لیکن جب کوئی کھود نہ سکا تو خود اپنے ہاتھ سے کھدائی شروع کی۔ قبر میں حضرت حر کی لاش بالکل تازہ برآمد ہوئی جن کے سر میں حضرت سیدہ کا رومال جو حضرت حسینؑ نے یوم عاشور کو حضرت حر کے زخمی سر میں باندھا تھا اُس وقت بھی بندھا تھا۔ نادر شاہ نے وہ رومال جیسے ہی حضرت حر کے سر سے اُتارنا چاہا خون کا فوارہ پھر جاری ہو گیا۔ چنانچہ رومال دوبارہ باندھ دیا گیا اور قبر دوبارہ بند کر دی گئی[2]۔

ماہ محرم آتے ہی پورے ایران میں عزاداری شروع ہو جاتی ہے۔ مجالس عزا، مرثیہ و نوحہ خوانی، ماتم، زنجیرزنی، روضہ خوانی اور پردہ خوانی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ تعزیہ خوانی میں ڈرامائی انداز سے واقعات کربلا پیش کئے جاتے ہیں۔ یہ ایک مکمل حزنیہ ڈرامہ ہوتا ہے جسے تعزیہ کہا جاتا ہے۔ تعزیہ عام طور پر سراؤں، میدانوں اور رئیسوں کے گھروں میں منعقد ہوا کرتا تھا بعد میں اِس مقصد کے لئے عمارتیں بنائی گئیں جنہیں "تکیہ" کہا جاتا ہے۔ جن میں سے کئی میں ہزاروں لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ ہوتی تھی۔ ناصرالدین قاچار نے جو ایک بڑی عمارت اِس مقصد کے تیار کرائی تھی اُسے "تکیہ دولت" کہا جاتا تھا[3]۔ یہ

---

۱. حکیم امتیاز حسین: عزاداری حضرت امام حسینؑ، ص ۱۶۲۔
۲. ایضاً، ص ۱۶۳۔
۳. ایضاً، ص ۱۳۵۔

تعزیہ کم از کم ۱۰ دن تک چلتا تھا کبھی کبھی تو عشرہ کے بعد بھی جاری رہتا تھا اور اس میں خاندان امامت کی اسیری اور اس کے بعد کے حالات اور واقعات دکھائے جاتے تھے۔ کبھی کبھی ایسے واقعات بھی پیش کئے جاتے تھے جس کا براہ راست کربلا سے تعلق نہ بھی ہو لیکن کسی نہ کسی طرح کربلا سے جڑے ہوئے تھے۔ ایسے واقعات کو گریز کہا جاتا ہے "تعزیہ" ڈرامہ میں خواتین کا کردار مرد ہی نبھاتے تھے۔ ڈائلاگ منظوم (اشعار کی شکل میں) ہوتے تھے۔ ظالم لوگوں کا کردار کرنے والے لوگ لال رنگ کا لباس پہنتے ہیں اور اِن کی آواز کرخت اور بھیانک ہوتی ہے۔ مظلوم لوگوں کا کردار کرنے والے افراد سبز رنگ کا لباس پہنتے ہیں۔ اِن کی زبان بہت مہذب اور نرم ہوتی تھی۔ ہر دن کسی ایک شہادت کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ پہلی محرم کو سفیر حسینی حضرت عقیلؑ کی شہادت پیش کی جاتی ہے اور دسویں کو حضرت امام حسینؑ کی شہادت اِس ڈرامہ کا کلائمکس ہوتا ہے۔ ۱۹۳۰ء میں حکومت نے "تعزیہ" پر پابندی لگا دی اب یہ صرف گاؤں تک محدود ہے۔ اِس وقت ایران میں صرف چند ہی گروپ ہیں جو تعزیہ کا پروگرام ایران اور بیرون ملک بھی پیش کرتے ہیں۔

ایران میں ماہ محرم آتے ہی زیادہ تر لوگ سیاہ لباس پہن لیتے ہیں۔ مجلسوں، مرثیہ، اور نوحہ خوانی، ماتم گریہ زاری کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ امام باڑوں کو ایران میں "حسینیہ" کہا جاتا ہے جہاں مجالس و ماتم کا اہتمام ہوتا ہے۔ جگہ جگہ لنگر ہوتے ہیں اور پانی کی سبیلیں لگائی جاتی ہیں۔ مجلسوں میں ذاکرین فضائل و مصائب اہل بیت بیان کرتے ہیں۔ اِن ذاکرین کو ایران میں "روضہ خوان" کہتے ہیں کیونکہ واقعۂ کربلا پر حسین ابن علی کاشفی المعروف واعظ بیہقی (متوفی ۹۱۰ ھ) کی کتاب سے اکثر ذاکرین مجالس ایام محرم میں پڑھا کرتے ہیں۔ اِس لئے اُن کو روضہ خوان کہا جاتا[1]۔

ذاکرین یا خطیب مجلس پڑھتے ہوئے کتاب یا یادداشت کا سہارا لیتے ہیں۔ کتاب سے پڑھنا شرم کا باعث نہیں سمجھا جاتا کیونکہ صحیح معلومات دینا ذاکر اپنی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔ اسی طرح کاغذ پر لکھے حوالوں کو پڑھنا بھی غلط نہیں مانا جاتا تاکہ ذاکر اہل مجلس کو صحیح اور درست مطالب سے روشناس کرا سکے۔ زنانہ مجالس کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔ ملک کے تمام ذرائع ابلاغ محرم پر خصوصی پروگرام پیش کرتے ہیں۔ ریڈیو اور ٹی وی چینل خصوصی پروگرام نشر کرتے ہیں جبکہ اخبارات اور رسائل خصوصی شمارے شائع کرتے ہیں۔ محرم کی دسویں تاریخ کو مسجد جمکران میں خاص پروگرام میں اکابرین حکومت اور اعلیٰ افسران شرکت کرتے ہیں۔ قم میں روضۂ معصومۂ قمؑ، مشہد مقدس میں امام علی رضاؑ کے روضہ اور تہران میں آیت اللہ خمینی کے مزار پر عزاداری کے خاص پروگرام منعقد ہوتے ہیں۔ ملک بھر میں یا حسین، یا ابوالفضل عباس کی صدا سنائی دیتی ہے۔ پہلی محرم سے ہی تقریباً ہر گھر میں نمازوں کے بعد دعاؤں اور زیارتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ۱۰ محرم کو اس کا عروج ہوتا ہے۔

[illegible]

پورے ملک میں ۹ محرم (تاسوعا) اور ۱۰ محرم (عاشورہ) کی چھٹی ہوتی ہے۔ ہر گلی سڑک کے نکڑ پر اور ہر چوراہے پر سیاہ علم نصب کردئے جاتے ہیں۔ جن پر آیات قرآنی، احادیث واقوال ائمہ درج ہوتے ہیں۔ ملک کی تقریباً تمام تجارتی کمپنیاں تبرک تقسیم کرتی ہیں۔ سڑکوں پر لاکھوں پیر وجوان سیاہ لباس سے ملبوس قطار در قطار ماتم وگریہ زاری کرتے نظر آتے ہیں۔ ایران میں یہ سلسلہ صفر کے مہینے تک چلتا ہے[1]۔

ایران اور ہندوستان کے محرم کی رسومات میں کچھ فرق ہے۔ مثلاً ہمارے یہاں تعزیہ، تابوت، ذوالجناح کے جلوس نکالے جاتے ہیں ایران میں ایسے جلوس نہیں نکالے جاتے۔ ہم لوگ جن چیزوں کو ضریح اور تعزیہ کی شکل میں جانتے ہیں وہ ایران میں نہیں ہوتیں۔ ایران میں جن زنجیروں سے ماتم کیا جاتا ہے ان میں چھریاں نہیں لگی ہوتیں اور قمیص اتار کر ماتم کرنا اچھا نہیں سمجھا جاتا اِس لئے ماتم دار قمیص پہن کر صرف زنجیروں سے ماتم کرتے ہیں جن سے چوٹ تو لگتی ہے لیکن خون نہیں نکلتا۔ اِس طرح قمع کے ماتم (چاقو یا چھری سے سر کو زخمی کرنا) پر بھی پابندی ہے کیونکہ آیت اللہ خامنہ ای نے فتویٰ دیا ہے کہ اِس سے غیر مسلم لوگوں میں اسلام کے متعلق غلط پیام جاتا ہے۔ ایران میں آگ پر ماتم کرنے کی روایت بھی نہیں ہے آج کل ایران میں یہ خاص خیال رکھا جاتا ہے کہ ماتم یا عزاداری میں کوئی بھی چیز غیر اسلامی نہ ہو۔ اسی لئے نماز کا وقت ہوتے ہی ماتم بند ہو جاتا ہے اور سارے ماتم دار وہیں سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ نماز ختم ہوتے ہی پھر ماتم شروع ہو جاتا ہے۔ ماتمی جلوس بھی منظم ہوتا ہے اس میں بے شمار دستے ماتم داروں کے ہوتے ہیں۔ ہر گروہ میں ایک شخص آگے آگے علم لے کر چلتا ہے کچھ لوگ جھنڈیاں اور بینر لے کر چلتے ہیں جو گروہ کے ساتھ یا پیچھے چلتے ہیں۔ آخر شب عزادار مسجد ماتم سرا یا حسینیہ (امام باڑے) میں شام غریباں کی مجلس میں شرکت کرتے ہیں۔ شہیدان کربلا کی یاد میں فانوس و شمع روشن کرتے ہیں۔ بازاروں اور گلیوں میں نوحہ خوانی کرتے ہیں۔ لاؤڈ اسپیکر کا استعمال تو کیا جاتا ہے مگر اس پر پابندی ہے کہ آواز بہت زیادہ نہ ہو تاکہ دوسرے لوگوں کو پریشانی نہ ہو۔ مجالس ماتم اور نوحہ خوانی بھی آدھی رات کے بعد نہیں چلتی۔ ذاکرین سے بھی کہا جاتا ہے کہ ضعیف روایات کو نہ بیان کریں اور لوگوں کو انقلاب اسلامی کے مقصد سے آگاہ کریں کیونکہ گریہ وزاری کے ساتھ ہی مقصد حسین سمجھنا بھی ضروری ہے۔

محرم کی تمام تاریخیں شہدائے کربلا سے منسوب ہیں نویں محرم کو یوم حضرت عباس (ہندوستان میں آٹھویں محرم کو) منایا جاتا ہے۔ زنجیر زنی، سینہ زنی، شبیہ خوانی کا سلسلہ دو ماہ تک چلتا رہتا ہے۔ مخصوص تاریخوں پر سینہ زنی کے دستے سڑکوں پر آتے ہیں۔ ساتویں، آٹھویں، نویں اور دسویں کو امام معصوم کی یا امام زادوں کی قبروں پر جاتے ہیں، نہیں تو شہیدوں کی قبر

---

۱ حکو[illegible]

کی طرف سینہ زنی کرتے ہیں۔ قم و مشہد میں ہر رات سینہ زنوں کے دستے آتے ہیں دوسرے شہروں و ملکوں کے لوگ جلوس ہائے عزا کراتے ہیں اور اپنی روایات کے مطابق ماتم کرتے ہیں۔ مثلاً مشہد میں ہندوستانیوں کی تین مجالس روزانہ ہوتی ہیں۔ صبح عورتوں کی، دوپہر کو اُردو زبان میں اور شام یعنی رات کو فارسی زبان میں مردوں اور عورتوں کی مجالس ہوتی ہیں[۱]۔ ۸ویں کو ہندوستانی ذوالجناح کی زیارت کرتے ہیں اور علم حضرت عباس کی زیارت کرائی جاتی ہے۔ چھوٹے بچوں کو خونین کفنی پہنا کر سر پر یا عباس کی پٹی باندھ دی جاتی ہے اور خالی کوزے ہاتھ میں لے کر وہ جلوس کے آگے "عمو العطش" عمو پیاس کی صدا لگاتے ہیں اس منظر کو دیکھ کر سب لوگ اشکبار ہو جاتے ہیں۔ اِن مجالس میں سب سے پہلے زیارتِ عاشورہ ہوتی ہے اس کے بعد ماتم سینہ زنی ہوتا ہے اہلِ دل زیارت عاشورہ پڑھتے ہیں اور نذر کرتے ہیں[۲]۔

پردہ خوانی

ایران میں پردہ خوانی (شبیہ خوانی) کا خاص رواج ہے[۳]۔ اس میں پردے پر بنی تصاویر کو پردہ خوان نثر اور نظم میں آواز کے زیر بم، لہجہ کی تبدیلی، حرکات و سکنات کے ساتھ اسے سمجھاتے ہیں کہ یہ شبیہیں دیکھنے والوں کے دلوں پر دیرپا اثر چھوڑتی ہیں۔ پردوں کا سائز اور تعداد الگ ہوتی ہے۔ ایک بڑے پردے پر تقریباً ۲۷ مجلسیں ہوتی ہیں جن میں قریب ۳۶۶ چہرے ہوتے ہیں[۴]۔ پردہ خواں درویشوں جیسا لباس پہنتے ہیں اور اِن کی پوشش سر بھی (دستار، عمامہ، کلاہ) مختلف ہوتی ہے[۵]۔ پردہ خوان کے ہاتھ میں ایک عصا یا چھڑی ہوتی ہے تبرزین (خاص قسم کی کندھے پر کلہاڑی) لٹکی ہوتی ہے (حضرت علیؑ نے اپنے غلام قنبر کو ایک خاص کلہاڑی عنایت فرمائی تھی)۔ پردہ خوانی میں کچھ موضوع مرکزی ہوتے ہیں اور کچھ ضمنی۔ اِن میں دعائیں

۱۔ مولانا ریاض حیدر نقوی کے یہاں مشہد مقدس میں کچھ عرصے قبل تک تین مجلسیں روز ہوتی تھیں۔ صبح عورتوں کی، دوپہر کو اردو زبان میں، اور شام (رات) کو فارسی زبان میں مردوں اور عورتوں کی مجلس ہوتی تھی۔ انہیں کے گھر سے ۸ ویں محرم کو ذوالجناح کا جلوس، گہوارۂ علی اصغر اور علم جناب ابوالفضل کی زیارت کرائی جاتی تھی۔ راشٹریہ ہت ساپتاہک، لکھنؤ محرم نمبر ۲۸ دسمبر ۲۰۰۹، ص ۲۲۔

۲۔ ایضاً۔

۳۔ مرشدان پردہ خوان ایران جلد ۲۷ سخن ناشر۔ ہندوستان میں راجستھان کے کچھ علاقوں میں اسی طرح کا رواج ہے۔ جس میں پردے کو "پابو جی کی پھڑ" کہا جاتا ہے اور فنکار چکارہ کے ساتھ ساتھ گا کر پابو جی کی تصاویر کو سمجھا کر اُن کی حیات اور کارناموں کو بتاتے ہیں۔

۴۔ ملاحظہ کیجئے۔ جدول طبقہ بندی موضوعی اجزاء در پردہ خوانی بحوالہ مرشد پردہ خواں ایران از حمید رضا اردلان دفتر ۲۷ ص ۱۴ تا ۱۵؛ ملاحظہ کیجئے سید حسین حوانجی۔ مرشدان پردہ خوان ایران دفتر ۲۸ از حمید رضا اردلان ص ۱۸۔

۵۔ زمانہ قدیم میں پوشش سر عالم ادراک معانی و وسیلہ تھی مختلف قسم کی پوششیں آج بھی دلیل انواع مفاہیم مختلف رکھتی ہیں۔ دراویش تاج، سادات کا عمامہ سبز، حاجیوں کا زرد، سفید یا طلائی، روضہ خوانوں کا سفید کسی اور رنگ کے ساتھ دستار پہنتے ہیں۔ ایرانی قصہ خوانوں نے منطقہ

مناجات، مثنوی، غزلیات، قصائد اور گریز کا استعمال ہوتا ہے۔ ذکرہائے اصلی میں ذکرِ اسمِ اعظم، دعائے اول، مناجات، دعائے آخر اور ذکرِ صلوات ہوتا ہے۔ سلام اور دعا میں حاضرین سے اور نواردوں کی توجہ وسلام اور تمام حاضرین اور غائبوں کے لئے دعائے خیر ہوتی ہے۔ پردہ خوانی کے مرکزی حصہ (بخش ہائے اصلی) میں پیشِ واقعہ، واقعہ اور اس سے مربوط وقائع ہوتے ہیں موضوعات فرعی دینی واخلاقی میں خطبہ خوانی، حدیث گوئی، تحبث وتضرع اور اذان ہوتی ہے۔ مصیبت خوانی، فضائل خوانی، شجاعت خوانی، نوحہ خوانی، روضہ خوانی اور پندیات شامل ہوتے ہیں۔ موضوعات فرعی آزاد میں غزل خوانی، مثنوی خوانی، قصیدہ خوانی، بحرِ طویل خوانی آتے ہیں۔ جبکہ گریز میں گریزہائے زمانی (ماضی، حال ومستقبل) گریزہائے مکانی (یہاں، وہاں) گریزہائے مجموعی میں اخلاقی، سیاسی اجتماعی موضوعات ہوتے ہیں۔ پردہ خوان (نقال یا بیان کرنے والا) اپنے بیان میں تحت اور موسیقی دونوں استعمال کرتا ہے۔ اِن کی موسیقی میں جہاں کلاسیکی اثرات ہوتے ہیں وہیں علاقائی اثرات بھی ہوتے ہیں۔ نیک کرداروں کی زبان شیریں اور نرم ہوتی ہے جبکہ بد کرداروں کی زبان کرخت اور سمع خراش بار گوش ہوتی ہے۔ اپنے بیان میں آواز کے زیر وبم، لہجہ کی تبدیلی اور حرکات وسکنات کے ذریعے پردہ خوان زور پیدا کرتے ہیں۔ شہادت کے بیان میں آواز گلوگیر، رقت آمیز ہوتی ہے گریہ زاری بھی ہوتی ہے۔ ہاتھ کے عصا (چھڑی) کا استعمال بھی مختلف انداز میں ہوتا ہے۔ کبھی تیر اندازی، کبھی شمشیر زنی، نیزہ زنی، حملہ اور دفاع یا گھڑسواری دکھانے کے لئے ہوتا ہے۔ دونوں ہاتھوں سے عصا کے کونوں کو پکڑ کر اِس طرح حرکت کرتے ہیں گویا لگام ہاتھ میں لیکر گھوڑے کو دوڑا رہے ہیں۔

پردے میں ایک ہی صورت مختلف زاویوں، مختلف انداز اور مختلف سائز میں بنائی جاتی ہے۔ شبیہیں روایت کی مناسبت سے ہوتی ہیں۔ پردے پر بالائی حصہ نیک کرداروں اچھے چرند وپرند اور جنت کے لئے ہوتا ہے۔ یہ اونچی اور اچھی قسمت والوں کے لئے ہے۔ پردے کے دائیں طرف نیک ہستیاں اور نیک کرداروں کی شبیہ ہوتی ہے۔ اس میں زخمی کبوتر، اسپ زخمی، اونٹ اور آہو بنائے جاتے ہیں۔ پردے کے زیریں حصہ میں بد کردار اشخاص بنائے جاتے ہیں جن کے چہرے کریہہ المنظر، آنکھیں بھیانک اور شرارت آمیز، مونچھیں بڑی ہوتی ہیں۔ بائیں طرف کے بالائی میں جنت اور زیریں حصے میں جہنم بنائے جاتے ہیں۔ جہنم میں عجیب الخلقت حیوانات اور موجودات منقش کئے جاتے ہیں۔ سانپ، مردار کھانے والا بڑا پرندہ اور شیر جو جہنم میں گناہگاروں کو گزند پہنچاتے ہیں۔ نیک کرداروں کی شبیہوں میں سبز رنگ اور بد کرداروں کی تصویروں میں لال رنگ استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ تصاویر حقیقی بھی ہوتی ہیں اور غیر حقیقی بھی۔ اہل بیت کی خواتین مطہرات کو سفید ہلکے حجاب یا بغیر حجاب کے دکھایا جاتا ہے۔ مصور ایرانی روایتی رنگوں اور تصویر کشی کی روایت میں اپنی طبیعت سے حاشیہ بناتے ہیں اور رنگوں کا استعمال کرتے ہیں لیکن جدت واختراع کے باوجود ان کا تاثر، جاذبیت قائم رکھتے ہیں۔ روایات کے مطابق پردہ پر تصاویر بنائی جاتی ہیں۔

پردہ خوانی کی روایت بھی الگ الگ ہوتی ہیں۔ ایک ایک پردہ پر کئی داستانیں منقش ہوتی ہیں۔ کریم کریمی مہر ایک مجلس میں تین داستانیں (کربلا میں حضرت عباس کی شہادت، نصرانی لڑکی اور ضامن آہو) سناتے ہیں[۱]۔ علی مداحی کا شروع داستان مجلس مارد ابن سدیف (ایک نامور پہلوان) سے ہوتا ہے جس کا حضرت عباس کے ہاتھوں قتل ہوا۔ دوسرا قصہ کوفے میں رہنے والی پیر زن توعہ کا ہے جس نے حضرت مسلم بن عقیل کو اپنے گھر میں پناہ دی تھی لیکن جابر حکمرانِ کوفہ نے انہیں گرفتار کرکے دارالخلافہ کی بالائی منزل سے پھینک کر شہید کر دیا۔ تیسری کہانی یوسف بقال کی جس کی بیوی پر بد چلنی کا الزام لگایا گیا لیکن حضرت عباس نے پہنچ کر اُس عورت کی نیک چلنی کی گواہی دی اور اُس کے بیٹے کو حلال زادہ بتایا[۲]۔ قاسم ہمتی مقدم کی داستان جاسم عرب میں عبور از زمان فنر کی ہے۔ جاسم عرب اپنی نو عروس کے ساتھ زیارتؐ مزار حضرت عباس کے لئے کربلا جارہا تھا راہ میں قزاقوں نے اُس کی بیوی چھین لی۔ جاسم مزار مبارک پر پہنچا لیکن وہاں نادر شاہ زیارت کر رہا تھا اس لئے فوجیوں نے جاسم کو روک لیا۔ جاسم نے بہت خوشامد کی اُس کی مصیبت سن کر سپاہیوں کا دل پسیجا۔ جاسم نے قبر حضرت عباس پر اپنی مصیبت بیان کی اور حاجت روا حضرت ابوالفضل عباس سے امداد کی درخواست کی نادر شاہ نے سن کر جاسم کو تسلی دی کہ وہ اُس کی بیوی کو واپس لا کر دے گا لیکن اس میں وقت لگے گا۔ حضرت عباس جاسم کے سامنے ظاہر ہوئے اور اُس کی بیوی واپس لا کر دے دی۔ اسی مجلس میں حضرت عباس کے ہاتھوں نجات پیر زن نخ رئیس نیشاپوری در مجلس متوکل عباسی اور سلطان قیس کی حضرت امام حسینؑ کے ہاتھوں شیر کے حملہ سے نجات وغیرہ بیان کی جاتی ہیں[۳]۔ سید حسین حوانجی اپنی داستان میں حضرت عباس کے ذریعے ایک زن زائر جسے دجلہ میں پھینک دیا گیا تھا کی نجات کا قصہ بیان کرتے ہیں[۴]۔ یہ داستانیں قیود زمان طبعی سے بالاتر ہوتی ہیں۔ اِن داستانوں میں پردہ خوان بھی بہت کچھ زیب داستان کے لئے بڑھا دیتے ہیں کیونکہ وہ اپنی داستانوں پر سامعین کی توجہ مرکوز کرنا چاہتے ہیں اور دلچسپی بھی قائم رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ اپنے لحن

---

۱. حضرت عباسؑ کا تشنہ اہل حرم کے لئے پانی لینے نہر علقمہ تک جانے اور یزید کے فوجیوں کی شقاوت؛ چھپ کر وار کرنا۔ حضرت عباس کے دونوں بازو قطع کر دینا۔ دانتوں سے مشکیزہ لانے کی کوشش اُس پر لشکر کفار کی تیراندازی، حضرت عباس کا نہر پر پانی نہ پینا اور لوٹتے وقت شہید ہونے کی داستان بیان کی جاتی ہیں۔ داستان دوم میں ایک نصرانی لڑکی خواب میں حضرت علی اکبر کو دیکھ کر عاشق ہو جاتی ہے۔ لیکن جب وہ کربلا پہنچتی ہے حضرت اکبر شہید ہو چکے ہوتے ہیں۔ تیسری حکایت ضامن آہو کی ہے جو بتاتی ہے کہ امام حضرت رضا نے کس طرح ایک ہرنی کو بچایا جس کے چھوٹے چھوٹے بچے تھے۔

۲. ملاحظہ کیجئے علی مداحی، مرشدان پردہ خوان ایران، از حمید رضا اردلان، دفتر ۲۵، ص ۱۹۔

۳. ملاحظہ کیجئے قاسم ہمتی مقدم، مرشدان پردہ خوان ایران، دفتر ۲۵، ص ۱۴ و ۱۹، از حمید رضا اردلان۔

۴. ملاحظہ کیجئے سید حسین حوانجی، مرشدان پردہ خوان ایران، دفتر ۲۸، ص ۱۴، از حمید رضا اردلان۔

خوشنوا سے جب گاتے ہیں "حسین جانم ! بیا ای دل از اینجا پر بگیریم" یا "تا مراد ور دی است اندر دل" تو یا حسین سے حاضرین کی آنکھیں تر ہو جاتی ہیں۔ فن پردہ خوانی ایرانی ثقافت کا ایک قابل ذکر جزو ہے۔ ایران میں آج کل ۳۰ نامور مرشدان پردہ خوان ہیں[1]۔

پردہ خوانوں کی اِن داستانوں میں فضائل ائمہ کرام اور واقعات کربلا اور نیک ہستیوں کا تذکرہ ہوتا ہے۔ پردہ خوان اپنی داستان گوئی کی مہارت سے لوگوں کے دلوں میں عقیدت موجزن کر دیتے ہیں۔ اِن کے بیان سے یادِ حسینؑ شہیدانِ کربلا اور دیگر ائمہ کرام کے متعلق احترام اور جذبات غم پیدا ہوتے ہیں۔ سامعین اشکبار ہوتے ہیں اِس لئے اس کو عزاداری میں شمار کیا گیا ہے۔

برصغیر ہند

پاکستان

ہندوستان میں ۱۹۱۱ء کی مردم شماری سے ہمیں سُنّی اور شیعہ مسلمانوں کی تعداد کی معلومات ملنا شروع ہوتی ہے۔ ۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے اعداد کے مطابق آسام میں سب سے کم شیعہ تھے اور سب سے زیادہ پنجاب اور دہلی میں تھے۔ حصول آزادی کے وقت جو فرقہ وارانہ فسادات ہوئے اس کے نتیجے کے طور پر لاکھوں لوگوں کو ہجرت وطن کرنا پڑی۔ ہندوستان سے دہلی، پنجاب اور یو پی کی شیعیان علی کی خاصی بڑی تعداد پاکستان ہجرت کر گئی۔ پاکستان میں جا کر اِن مہاجرین نے نہ صرف اپنی روایت قائم رکھیں بلکہ جہاں اِنہوں نے سکونت اختیار کی اُن بستیوں میں عزاداری کو اور فروغ دیا۔ پاکستان میں آج بھی عزاداری و تعزیہ داری پوری عقیدت کے ساتھ کی جاتی ہے۔ کچھ علاقوں کا تذکرہ درج ذیل ہے:

بلتستان

پورا بلتستان شیعہ اثنا عشری ہے۔ بلتی زبان کے ادب کا بیشتر حصہ قصائد و مراثی، مدح اہل بیت و فضائل محمد و آل محمد پر مشتمل ہے۔ یہاں قدم قدم پر امام باڑے ہیں کوئی ایسا گاؤں نہیں جس میں عالم دین نہ ہو۔ طلباء اور علماء نجف، کربلا و مشہد و لکھنؤ

---

1. اِن مرشدان پردہ خوان کے نام ہیں: ۱۔غلام رضا درویشی، ۲۔ کریم کریمی مہر، ۳۔ سید حسین میریان، ۴۔اسماعیل نسوحی، ۵۔ میرزا علی خندان، ۶۔اکبر عبداللہ زادہ، ۷۔ محمد علی جلالیہ، ۸۔ علی صادق پور، ۹۔ محمد عارفیان، ۱۰۔ابراہیم دہ دشتی، ۱۱۔شکراللہ کریمی، ۱۲۔ سلیمان حیدری، ۱۳۔ قاسم دانش پژوہ، ۱۴۔ علی اکبر جوان بخت، ۱۵۔ نبی اللہ بہاری، ۱۶۔اکبر د باغیان اصفہانی، ۱۷۔ حسن میرزا علی، ۱۸۔ ذبیح اللہ بہاری، ۱۹۔ میرزا علی شغانی، ۲۰۔ محمد احدی، ۲۱۔ عزیز محمد درویشی، ۲۲۔ نقی صباغ، ۲۳۔رجب علی صالحی، ۲۴۔ محمد علی درویشی، ۲۵۔ قاسم ہمتی مقدم، ۲۶۔ عزت اللہ فرخی، ۲۷۔ علی مداحی، ۲۸۔ سید حسین حوانجی، ۲۹۔رسول میرزا علی، ۳۰۔ محسن میرزا۔

کے مدارس سے تعلیم یافتہ ہیں۔ یہاں کا پہلا حکمران خاندان مقپوں مغلوں سے روابط اور قرابت رکھتا تھا۔ اِن کے بعد یگو اور عماچہ خاندانوں نے حکومت کی۔ ان میں کئی حکمراں شاعر، مرثیہ گو اور اہل بیت تھے۔ بلتستان میں ہر شخص عزادار ہے۔ بلتستانی ایماندار، مذہب کے پابند، جفاکش اور دلیر ہوتے ہیں۔

محرم کا چاند دیکھتے ہی ہر طرف نوحہ وماتم کی صدائیں گونجنے لگتی ہیں۔ مرد وزن، بوڑھے نوجوان بچے سب سوگوار نظر آتے ہیں۔ مقپون خاندان کے آخری تاجدار احمد شاہ کے چھوٹے فرزند (جو ۱۸۴۱ء میں مہاراجہ گلاب سنگھ سے لڑتے ہوئے گرفتار ہوئے اور قید میں ہی فوت ہوئے) بلتی زبان کے میر انیس مانے جاتے ہیں۔ اِن کے علاوہ راجہ لطف علی خان عاشقؔ، راجہ امیر حیدر مخلصؔ، راجہ ملک حیدر بیدلؔ، راجہ محمد علی خاں ذاکرؔ، راجہ حیدر خان حیدرؔ، عماچہؔ وغیرہ یہاں کے نامور مرثیہ گو، ذاکر اور نوحہ خواں تھے۔ یہاں کی عزاداری میں مراثی، بلتی اور فارسی دانوں کی فارسی تقاریر، ماتم بلتستیوں کا طرۂ امتیاز ہے۔ پاکستان میں کراچی، لاہور، خضر آباد، مری اور ہندوستان میں مسوری اور نینی تال جہاں بھی بلتی آباد ہیں یہ لوگ عزاداری خلوص و عقیدت سے کرتے ہیں[۱]۔

سندھ

عہد امیر المومنین علیؑ سے سندھ سے اسلامی رابطہ قائم ہو گیا تھا۔ یہاں فاتحین، علماء اور محدثین آتے جاتے رہتے تھے۔ سرحد کے علاقے میں غور کا صوبہ عہد علوی میں شنسب کی اولاد کے قبضہ میں آگیا جو علوی تھے۔ ۴۲۱ ہجری (محمود غزنوی) عہد تک سندھ اور ملتان تک علوی فرقے خصوصاً اسمٰعیلی برسر اقتدار رہے۔ ۱۹۵۴ میں متی تعلقہ کی کھدائی میں چاندی کے چند سکے ملے ہیں جو ۳۴ھ اور ۱۳۳ھ کے ہیں جن پر امام جعفر صادقؑ کا نام کندہ ہے جو اِس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ اِس زمانے میں شاید ایسی حکومت یہاں تھی جو امام جعفر صادق علیہ السلام سے عقیدت رکھتی تھی۔ شیخ محمد اکرام نے "آب کوثر" میں معزالدولہ بویہی سے ملتان کے روابط کا تذکرہ کیا ہے۔ یونہی مصر کے فاطمی سلاطین سے بھی اِس علاقے کا رابطہ تھا۔ دمشق و بغداد سے سید مہاجروں کی جماعتیں دوسری صدی ہجری تک یہاں آکر آباد ہو چکی تھیں۔ آج بھی سندھ کے صوفیاء اور عوام امام حسین سے محبت کرتے ہیں۔ مصائب کربلا پر صوفی مرثیہ نگاروں نے بہت لکھا ہے۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی کے اشعارِ مرثیہ اور ملتانی و سندھی میں دوہڑے (جیسے یو۔پی میں سوز) آج بھی زبان زد عوام ہیں۔ عزاداروں کے مکانوں، اولیاء کے مزاروں، تکیوں، خانقاہوں پر حضرت عباس کے علم نصب ہونے کی رسم آج بھی پاکستان کے اِس علاقے میں مروج ہے۔

[illegible]

ذاکری، مجلس، تعزیہ داری اور جلوس عزا میں سادگی نظر آتی ہے۔

ٹھٹھہ

سندھ کا تاریخی شہر ہے۔ ملا احمد شہید (جو فاروقی نسب اور حنفی مذہب تھے ایک عراقی سیاح صالح کی وجہ سے شیعہ ہو گئے تھے، ۲۲ سال کی عمر میں مشہد مقدس، یزد و شیراز گئے کلام و فقہ و حدیث و طب و فلسفہ سیکھ کر شاہ طہماسپ صفوی کے دربار میں ملازم شاہی ہو گئے تھے۔ اسمٰعیل شاہ ثانی کے زمانے میں حج و زیارت اور علماء سے استفادہ کرنے کے بعد گولکنڈہ میں قطب شاہ کے دربار میں آئے یہاں سے اکبر اعظم کے دربار میں پہنچے، اکبر نے انہیں تاریخ الفی کی تالیف کا حکم دیا۔ (مرزا فولاد نامی ایک متعصب امیر نے انہیں لاہور میں بجرم تشیع ۹۱۷ھ میں قتل کر دیا پھر ان کی لاش قبر کھود کر نکالی گئی اور جلا دی گئی)۔ ٹھٹھہ سے ہی تعلق رکھتے تھے۔ اِس شہر میں پرانے امام باڑے موجود ہیں۔ سکھر اور حیدرآباد میں عاشور کے جلوس میں لاکھوں لوگ شرکت کرتے ہیں جس میں شیعہ سنیوں کے علاوہ اسمعیلیہ فرقے والے بھی شریک ہوتے ہیں۔

خیرپور میرس

اگرچہ شیعہ اسٹیٹ تھی جس کے تمام مالک شیعہ تھے لیکن عوام میں سنی اکثریت کے سبب شیعوں کی خاص ترقی نہیں ہوئی۔ البتہ عزاداری کے اہتمام اور اوقاف مقرر ہوئے۔ محرم کے دنوں میں ریاست کی طرف سے خاص انتظامات ہوتے تھے ۱۹۴۷ کے بعد سے تو خیرپور سندھ کا بے مثل شہر عزاداری ہے۔

سید کسریٰ

راولپنڈی کے نزدیک اِس شہر کی عزاداری کا اندازہ اِس شعر سے ہوتا ہے:

جس نے نہ دیکھی کربلا　　وہ دیکھے سید کسریٰ

یہ قصبہ پابند صوم و صلوٰۃ ہے اور یہاں کے باشندے ارباب ایمان و نکتہ فہم ہیں۔ یہاں کے مورث اعلی محرم کا چاند دیکھ کر یوں روتے اور سینہ زنی کرتے تھے جیسے جوان فرزند کی موت ہو گئی ہو۔ اُن کی اولاد کا بھی یہی وطیرہ ہے۔ پیر سید لعل شاہ ترویج عزاداری کے لئے کوہ ہمالیہ سے چل کر مغربی پنجاب، ڈیرہ غازی خان، جھنگ، ملتان، بہاولپور، سکھر، حیدرآباد، خیرپور میرس ہوتے ہوئے کراچی پہنچے۔ آپ نے چھیالیس (۴۶) امام باڑوں اور کئی مساجد کا سنگ بنیاد رکھا۔ ہر امام باڑے کی حفاظت کے لئے ملنگ مقرر کئے۔ نواب میر سہراب علی خاں والئ ریاست خیرپور آپ کے مرید ہوئے۔ راولپنڈی کے شاہ چن چراغ اِسی سید کسریٰ کے باشندے تھے جن کی بارگاہ واقع راولپنڈی میں آج بھی عزاداری و ماتم ہوتا ہے۔

روہڑی

سندھ کے شہر روہڑی میں سید محمد شریف عرف مور شاہ رہتے تھے جو ہر سال زیارت کے لئے کربلا پیدل جایا کرتے تھے۔ جب وہ ۸۰ سال کے ہوگئے تو ایک دن خواب میں آپ نے امام مظلوم کو دیکھا جنھوں نے فرمایا تمہاری عمر اس قابل نہیں کہ تکالیف و مصائب سفر برداشت کرسکو بلکہ اب ہم تمہارے مہمان ہوں گے۔ ہماری طرف سے ایک مہمان تمہارے یہاں آکر ہماری تربت کا نقشہ بنادے گا۔ اِس طرح ہم ہر سال وہاں آیا کریں گے۔ ایام عزا میں ایک صاحب آئے انہوں نے بعینہٖ ایسا تابوت نما تعزیہ بنایا جو کربلائے معلّٰی میں امام مظلوم کی اُس قبر کی طرح کا تھا جس کو بنی اسد نے سب سے پہلے بنایا تھا۔ تابوت بنانے والے صاحب بھی روہڑی میں رہنے لگے۔ اُنکا مزار آج بھی مورے شاہ کے مزار کے احاطے میں ہے۔ اب یہ تابوت ۹ محرم کو جلوس کی صورت میں کربلا سے محلّہ منڈو کھبڑ میں جاکر رکتا ہے۔ اس کی خاص بات یہ ہے کہ تعزیہ ۹ محرم کو صبح بجائے دروازے کے خود بخود دیوار کے اوپر سے ہو کر باہر آجاتا ہے) دو بجے دن تین جلوسِ تابوت (شبیہ تابوتِ حضرت علی اکبر، تابوت علی اصغر، اور حضرت قاسم) بھی اِس جلوس میں شامل ہو جاتے ہیں۔ پھر جُدائی (جسے لوگ کربلا بھی کہتے ہیں) میں جاکر دو الگ جلوس بن جاتے ہیں پھر یہ دوسرے میدان میں جاکر مل جاتے ہیں جہاں اتنا زبردست مجمع ہو جاتا ہے کہ تل دھرنے کی جگہ نہیں رہتی۔ یہاں لوگ ماتم گریہ کرتے ہیں منتیں مانگتے ہیں۔ یہاں دس محرم تک تعزیہ ایک شامیانے میں رکھا جاتا ہے گرد و نواح کے علاقوں کے لوگ زیارت کے لئے آتے ہیں۔ یہاں سے تعزیہ کو اٹھا کر ایک جگہ قیام دیا جاتا ہے۔ (جہاں مفتی و قاضی حیدر شاہ حقانی جلوس روکنے کے لئے رکے تھے لیکن انہیں امام مظلوم کی زیارت ہوئی جس کے بعد وہ بھی سر پہ خاک ڈال کر حسین حسین کہتے جلوس میں شامل ہو گئے تھے) نو، دس محرم کی شب تعزیہ شامیانہ کے بیچ رکھا رہتا ہے اور زبردست ماتم ہوتا ہے۔

کراچی

کراچی ایک عظیم الشان شہر ہے جہاں مختلف طور طریقے، الگ لب و لہجے، جداگانہ کلچر نظر آتے ہیں۔ یہ شہر ایک ثقافتی گلدستہ ہے۔ سندھ، بہار، یو۔پی، بمبئی، پنجاب، بلوچستان، سرحد، راجپوتانہ غرضیکہ جگہ جگہ کے لوگ اور کلچر دکھائی دیتے ہیں۔ یہاں کے محرم میں بھی یہی خصوصیات ہیں۔ ایرانیوں کا مجمع الگ، لکھنؤ والوں کی مجالس کا رنگ جدا، خوجوں کا انداز الگ اور امروہے والوں کے اجتماعات الگ۔ ایک طرف بلتستانیوں کی رسوم ہیں اور دوسری جانب کشمیری جلوس۔ یعنی کراچی کے محرم میں "ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است"۔ کہیں تقریر، کہیں مرثیہ خوانی، کہیں شہادت نامہ، غرضیکہ محرم کے چاند نکلنے کے بعد جگہ جگہ مجالس، عزاداری شور ماتم سنائی پڑتا ہے۔ کھارادر کے پُرانے امام باڑے سے مارٹن روڈ اور محفل شاہ خراساں کے حدود

عزاخانوں تک ہر طرف سوگ کا عالم ہوتا ہے۔ ہندوستان، پاکستان اور ایران کے علماء، واعظ، مقرر، خطیب یہاں چالیس دن تک نذرانۂ عقیدت پیش کرتے رہتے ہیں۔ عاشور کے دن تو مختلف مذاہب اور فرقوں کے لوگ سڑکوں پر تعزیے، علم، ذوالجناح اور تابوت دیکھنے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں۔ سیاہ لباس پہنے حسینی عزادار، ماتم گریہ زاری، سینہ زنی، زنجیر زنی ماتم، قمع کرتے، نوحے پڑھتے سروں اور کاندھوں پر تعزیے، کاندھے پر علم رکھے چلتے ہیں اور سمندر کے کنارے تعزیوں اور علم کو ٹھنڈا کرتے ہیں۔ شام کو امام باڑوں میں فاقہ شکنی کرکے عاشور کی یاد میں اشک فشانی کرتے ہیں اور مجلس شام میں خاک بھر زمین پر بیٹھتے ہیں۔ امام باڑوں میں اندھیرا ہوتا ہے۔ لیکن لوگوں کے دل عقیدت سے منور ہوتے ہیں۔

علامہ رشید ترابی، علامہ ابن حسن جارچوی، مولانا سید محمد دہلوی، مولانا سلطان حسین، مولانا محمد مصطفی مجالس کی خطابت آج بھی لوگوں کے قلب و ذہن پر منقش ہیں۔ کراچی میں مولانا عقیل الغروی ہر سال عشرۂ محرم کراچی میں مجلس میں تقریریں کرتے ہیں جسے سننے کے لئے ہزاروں کی تعداد میں سامعین جمع ہوتے ہیں۔ امام بارگاہ بالکل بھر جاتی ہے تو سڑکوں پر لوگ تقریر سے فیضیاب ہوتے ہیں۔ حالانکہ کہ کراچی اور پاکستان کے دیگر شہروں میں محرم کے زمانے میں کہیں کہیں دہشت گردوں نے اپنی مذموم حرکات سے کتنے ہی محبان اہل بیت کا خون کر دیا لیکن بفیض عزم شبیری عزاداری پہلے سے بھی زیادہ زور شور سے کی جاتی ہے۔ پاکستان میں شعراء، ادبا، خطیب، اخبار، ریڈیو، ٹی۔وی۔ ہر نشری ادارہ واقعہ کربلا کے لئے وقف ہو جاتا ہے۔

ملتان[۱]

شیعوں کا مشہور شہر ہے۔ یہاں کے سادات گردیزی اپنی روحانی برکتوں سے بہت مشہور ہوئے۔ سید جمال الدین شاہ، ابوالفضل اور سید محمد یوسف نے یہاں تبلیغ اسلام کی۔ سید جمال الدین کا مزار عزاداری کا قدیم ترین گہوارہ ہے۔ محرم کے دنوں میں صبح تا شام مجالس و ماتم کی آوازوں سے ماحول گونجتا رہتا ہے۔ ملتان کی ذاکری بہت مشہور ہے۔ یہاں کا محرم شیعہ سنی بھائی چارہ کی علامت ہے۔ اہل تشیع اور اہل سنت دونوں جلوس تعزیہ برآمد کرتے ہیں۔ یہاں تعزیہ ذوالجناح و علم کے ۴۸ منظور شدہ جلوس ہیں۔ زیادہ تر لائسنس سُنی فرقے کے پاس ہیں۔ مرکزی جلوس ۹ محرم کو امام بارگاہ ممتاز آباد سے نکلتا ہے۔ علم اور ذوالجناح جلوس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ جلوس سے پہلے اِس مجلس کو کوئی ذاکر خطاب کرتا ہے۔ یہ جلوس دن میں ایک بجے شروع ہوتا ہے مرکزی زنجیر زنی ممتاز آباد مین مارکیٹ میں ہوتی ہے۔ آستانہ کورے شاہ، امام بارگاہ عظیم شاہ، لال

۱۔ پاکستان میں عزاداری امام حسینؑ، ناشر، سہارا، ص ۷۲۔

کرتی، کمان گروں والا، کالی منڈی، امام بارگاہ ہیرا حیدری، امام بارگاہ حسینی یہ تمام جلوس مرکزی جلوس میں آکر مل جاتے ہیں اور شام کو دربار حضرت شمس سبزواری میں پہنچتے ہیں۔ معروف استاد اور شاگرد کا تعزیہ اور دوسرے جلوس رمضان والا، نجو خاں، بھیدی پوتراں، کمتار والا، لودھی والا، سلیم الدین والا، خولاصی لائین والا، رشید والا، احمد بخش والا، اور جیلانیوں کے تعزیے شام کو دربار پارک سائی پہنچتے ہیں۔ مجالس بشام غریباں امام بارگاہ، ممتاز آباد، حویلی مرید شاہ، امام بارگاہ حیدریہ اور دولت گیٹ پر منعقد ہوتی ہیں۔

جھنگ

یہ شہر مشہور شیعی روایات کا مرکز ہے۔ یہاں ادنٰی و اعلیٰ، سید اور غیر سید اور سید سب کے سب محرم میں اہتمام عزاداری میں شریک ہوتے ہیں۔

منٹگمری

یہاں بھی عزاداری کی پرانی روایت ہے امام باڑے کا خادم اور محافظ ملنگ ہوتا ہے۔ لاہور، راولپنڈی، سیالکوٹ اور ملتان میں شیعہ آبادی ہے اور عزاداروں کی خاصی تعداد ہے۔

اسلام آباد و راولپنڈی[1]

اسلام آباد میں دس محرم کا پورا دن ماتم میں گزرتا ہے۔ ہر سال نویں محرم کو یہاں ایک بڑا جلوس برآمد ہوتا ہے جو دن میں تقریباً ۱۱ بجے نکلتا ہے اور ۱۲ گھنٹے بعد مرکزی امام بارگاہ میں جاکر ختم ہوتا ہے۔ پھر رات میں چھوٹے جلوس نکلتے ہیں جس میں لوگ ایک دوسرے کے گھروں پر جاکر ملتے ہیں۔ یہ سلسلہ فجر تک چلتا ہے۔ فجر کی اذان کے بعد سورج نکلنے سے پہلے ایک اور جلوس برآمد ہوتا ہے جو مرکزی مسجد کی طرف بڑھ جاتا ہے۔ شاہ چن چراغ کی بارگاہ میں عزاداری کا ماتم ہے۔

راولپنڈی میں یوم عاشور (دس محرم) کا خاص جلوس نکلتا ہے جس میں دور دراز کے لوگ بڑی تعداد میں شرکت کرنے کے لئے آتے ہیں۔

لاہور[1]

جناب محمد ہادی نے "نقوش راہ" میں بہت سے شہروں کی عزاداری کے ساتھ ساتھ لاہور کا بھی ذکر کیا ہے۔ لاہور شہر شیعیان علی کے لئے بہت اہم ہے۔ یہاں ملا احمد شہید ٹھٹھوی دفن ہیں اور دوسرے شہید نوراللہ شوستری (جنہیں جہانگیر نے اکبرآباد میں شہید کیا گیا) نے یہاں اپنی زندگی کا بہترین حصہ گزارا تھا۔ بہادر شاہ نے (متوفی ۱۷۰۸ء) لاہور میں اپنے شیعہ ہونے کا اعلان کیا تھا جس کے بعد اہل تشیع نے دہلی اور لاہور میں بڑی حد تک تقیہ ختم کر دیا تھا۔ اٹھارویں صدی کے وسط میں نادر شاہ کے ساتھ بہت سے ایرانی قزلباش آئے جو پیشاور، لاہور، دہلی اور مضافات میں آباد ہو گئے۔ احمد شاہ درانی اور اس کے بعد سکھوں نے جب اقتدار حاصل کیا عزاداری تب بھی مروج رہی۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانے میں لاہور کے شیعہ عزاداری کرنے لگے تھے۔ ایک سکھ سردار شیر سنگھ بھی تعزیہ دار ہوا۔ (جس کا تعزیہ آج بھی لاہور میں رکھا ہوا ہے)۔ تعزیے بنانے والے کاریگر اپنا کمال دکھاتے تھے۔ عبدالرحمٰن چغتائی کے پردادا نے استاد چراغ (ماہر کاریگر تعزیہ) کے ایک تعزیے کو دیکھ کر ٹوک دیا کہ گمٹی ٹھیک نہیں بیٹھی۔ استاد نے برس بھر محنت کی لیکن جب انہیں خبر ملی کہ ٹوکنے والے کا انتقال ہو گیا ہے تو تعزیہ پھر نہ بنایا کیونکہ صاحب نظر ہی انتقال کر گیا تھا۔

رنجیت سنگھ کے عہد حکومت میں پنجاب کے ہر بڑے شہر میں تعزیے نکلتے تھے۔ ۱۸۰۹ء امرتسر کے ایک جلوس کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر سیتارام کوہلی اپنی تحقیقی کتاب (مہاراجہ رنجیت سنگھ ص ۱۴۰ طبع زاو ہندوستانی اکادمی الہ آباد ۱۹۳۳ء)

۱۔ لاہور کی تاریخوں اور تذکروں میں واقعۂ کربلا کے متعلق ایک حیرت انگیز واقعہ درج ہے۔ روایت ہے کہ ۶۸۱ء بمطابق ۶۲ھ لاہور میں ایک ہندو راجا مہابرن کی حکومت تھی بستی میں ایک بڑا مندر تھا جس میں آگ کی پوجا ہوتی تھی۔ شہر کے گرد راوی کے کنارے دور ایک جنگل کا سلسلہ تھا جنگل میں ٹیلہ پر کچھ عورتیں اور اجنبی مرد ٹھہرے۔ اس دوران میں مندر کی مورتیاں گر گئیں اور آگ بجھ گئی۔ راجہ فکرمند تھا اسے جب اِن لوگوں کے آنے کی اطلاع ملی تو اس نے سپاہی بھیجے تو مرد ان کے مقابلے پر تلوار لے کر آ گئے۔ سپاہیوں نے راجہ کو مطلع کیا اُس نے مہاراجکمار بکرما سہائے کو بھیجا وہ اِن کے نورانی چہرے دیکھ کر حیرت میں تھا اس کے پوچھنے پر سپاہیوں نے سنسکرت میں جواب دیا: ہم کربلا کے بعد قید میں ڈال دیئے گئے جب جیل سے رہا ہوئے تو ہمیں مدینہ میں نہیں رہنے دیا اس لئے ہم مجبوراً یہاں آ گئے میں مسلم شہید کی بیوہ رقیہ بنت علی ہوں ابوالفضل عباس کی بہن ہوں دوسری پانچ اِن بیبیوں میں حضرت مسلم شہید کی بیوہ رقیہ بنت علی اور دیگر پانچ خواتین عقیل ابن ابی طالب کی بیٹیاں اور میری نندیں چھٹی خاتون حلیمہ ہیں۔ چار مرد ابوالفتح، ابوالفضل، ابوالمکارم اور عبداللہ ہیں جو محافظ کے طور پر اُن کے ساتھ ہیں۔ راجکمار نے کہا کہ آپ کو راجا کے پاس گرفتار کرکے لے جانا پڑے گا۔ اُس خاتون نے دعا مانگی زمین شق ہوئی اور جب یہ نیک بیبیاں زمین میں سما گئیں تو راجا مہابرن حاکم لاہور کا فرزند وکرم سہائے وہاں مجاور بن کر بیٹھ گیا اور مٹی کا چبوترا بنا دیا گیا یہ جگہ بیبیاں پاک دامناں کی زیارت کے نام سے مشہور ہوئی جہاں بعد میں ایاز نے بعہد غزنوی خانقاہ تعمیر کرا دی اور اکبر نے اِس زیارت گاہ کو نئے سرے سے تعمیر کرایا۔ (حکیم امتیاز حسین، عزاداری حضرت امام حسینؑ، ص ۱۹۰-۱۹۲)

میں رقمطراز ہیں کہ ابھی مہاراجہ رنجیت سنگھ اور انگریزوں میں معاہدے پر دستخط نہیں ہوئے تھے کہ محرم کا جلوس تعزیہ دربار صاحب کے پاس سے گزرا تو مسلمانوں اور اکالیوں میں جھگڑا ہو گیا۔ سردار پھولا سنگھ نے حملہ کیا کچھ لوگ مارے گئے۔ مسٹر مٹکاف نے انگریزی طرز کے مطابق فوج کی صف آرائی کرائی۔ تب تک مہاراجہ صاحب کو اطلاع مل گئی تھی انہوں نے گوبند گڑھ سے آکر جھگڑے کا تصفیہ کرا دیا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے زمانے میں فقیر خاندان کے ایک بزرگ سید عزیزالدین تعزیہ دار تھے جن کا چھٹی محرم کا جلوس الف شاہ کے امام باڑے سے اٹھ کر جاتا تھا اور آج تک یہ خاندان اسی شان سے عزاداری کرتا ہے۔

۱۸۴۹ء میں پنجاب انگریزوں کے ماتحت آگیا سید رجب علی گورنر کے میر منشی ہو کر لاہور آ گئے۔ آپ نے لاہور کے اہل تشیع کو سہارا دیا اسی طرح شیروانی قزلباش رضا علی خاں نے ۱۸۵۷ میں انگریزوں کی حمایت کی تھی انہیں لاہور اور بہرائچ میں جاگیر اور خطابات دیے گئے۔ اِن کے بیٹے نوازش علی خاں نواب آف لاہور اور بہرائچ کے تعلقہ دار ہوئے۔ اِنہوں نے بہرائچ میں امام باڑہ بنوایا اور لاہور میں مراسم عزاداری کے لئے بہت سی خدمات اور کار خیر انجام دیے۔ لاہور میں کربلا گامے خاں ہے۔ گامے خاں ایک ملنگ اور شیعہ عزادار تھا جو سر پر تعزیہ رکھ کر گھوما کرتا تھا۔ عاشور کے دن مائی آگیاں موچی دروازے سے سر پر تعزیہ رکھکر چلتی۔ نواب نوازش علی خاں نے گامے شاہ کی کربلا اور مسجد کی مرمت و تعمیر کرائی اور پیشاور میں ایک مسجد اور امام باڑہ بنوایا۔ حجت الاسلام علامہ ابوالقاسم حائری اور مولانا سید علی حائری کو لاہور میں بلا کر جمعہ و جماعت کا اہتمام کیا مولانا ابو القاسم نے نہ صرف نماز کی امامت فرمائی بلکہ صوبہ سرحد، پنجاب، سندھ اور بمبئی میں اپنے مناظروں، تقریروں اور تالیفوں کی وجہ سے عزاداری کی ترویج کی۔ آپ نے لاہور میں ایک مدرسہ، کتب خانہ اور اشاعت عقائد کا منصوبہ بنایا تقریباً ۵۰ کتابیں تالیف کیں جن میں "اثباتِ عزاداری" شامل ہے۔ "لوامع التنزیل" میں بارہ پاروں تک تفسیر تحریر کی۔ آپ کے فرزند رشید نے اِس سے آگے ۲۷ پاروں تک تفسیر لکھی[1]۔

راقم الحروف کے والد محترم عالی جناب گوپی ناتھ امن لکھنوی اور علامہ مولانا سید علی نقی النقوی صاحب قبلہ نے ۱۹۵۵ اور ۱۹۶۱ میں لاہور میں حضرت امام حسین علیہ السلام کی حیات و شہادت عظمیٰ پر گھنٹوں تقاریر کیں۔

لاہور میں ساتویں محرم کو جو مہندی کا عظیم الشان جلوس برآمد ہوتا تھا اُس غم انگیز ماحول میں مہندی کے آگے مشہور سوز خواں ناظم حسین مرحوم مہندی کے آگے یہ سوز پڑھتے تھے:

قاسم بنا باندھے سہرا سیس کناون جاوت ہے دلہن دکھیا بیٹھی تخت پہ نینا نیر بہاوت ہے

لاہور کا موجودہ جلوس عاشورہ اور اربعین کا پہلے سے ہی اسی شان سے نکل رہا ہے دس دن تخت پوشی، مرثیہ خوانی عام صبح سے شام تک جاری رہتا۔ صف ماتم بچھتی ہیں اور مجالس کا انعقاد ہوتا ہے۔ (نواب ناصر علی خاں اور نواب فتح علی خاں نے جگہ جگہ سے ذاکرین کو بلایا تھا)۔ لاہور میں ایرانی، افغانی، لکھنوی علماء واعظین، مرثیہ خواں، نوحہ خواں، سوز خواں جمع ہوتے۔ ساتویں محرم سے دسویں محرم کو رات ۱۱ بجے جلوس برآمد ہوتے ہیں۔ آج کل لاہور عزاداری کا بڑا مرکز ہے۔ پہلی محرم سے دس محرم تک چھ بجے صبح سے رات کے ایک بجے تک مجالس اور ماتم جاری رہتے ہیں۔ علامہ حافظ کفایت حسین، مولانا محمد بشیر صاحب، علامہ علاءالدین صاحب صدیقی کے بے شمار واعظین و ذاکرین واقعاتِ کربلا، فضائلِ اہل بیت اور حقائق اسلام بیان فرماتے ہیں[1]۔

بنگلادیش

محمد بختیار بن کاکی پہلا مسلم فاتح ہے جس نے ۴۹۹ھ میں بنگال جیت کر لکھنوتی کو دارالخلافہ بنایا۔ اِس کے بعد یہ صوبہ بہت مدت تک نیم مختار یا مکمل خود مختار رہا۔ پھر مغلوں کے ماتحت آ گیا۔ انگریزوں کے زمانے میں کلکتہ ہند میں حکومت انگلشیہ کا دارالسلطنت رہا۔ ۱۹۰۵ میں بنگال کی تقسیم ہوئی اور اِسے مشرقی اور مغربی حصوں میں منقسم کر دیا گیا لیکن عوام نے اس کی زبردست مخالفت کی اور نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تقسیم ۱۹۱۱ میں منسوخ کر دی گئی ۱۹۴۷ء میں حصول آزادی اور قیامِ پاکستان کے سبب بنگال کو پھر بانٹ دیا گیا۔ مغربی بنگال ہندوستان کی آزاد حکومت کے تحت آیا جبکہ مشرقی بنگال مشرقی پاکستان کہلایا۔ ۱۹۷۲ میں عوامی تحریکِ آزادی نے مشرقی پاکستان کے اِس حصہ کو بنگلادیش بنا دیا۔

ڈھاکہ میں میر مراد کا مشہور امام باڑہ حسینی دالان ہے یہ خواجہ ناظم الدین روڈ پر واقع ہے۔ میر مراد نظامت کے داروغہ صاحب ایماں رئیس تھے انہوں نے خواب میں امام حسینؑ کو دیکھا جنہوں نے فرمایا کہ میرے نام امام باڑہ تعمیر کرو چنانچہ میر صاحب نے بہت روپیہ خرچ کرکے یہ عمارت بنوائی۔ یہ ایک دو منزلہ عمارت ہے جس پر دو برجیاں بنی ہوئی ہیں۔ پشت پر ایک بڑا تالاب ہے مغربی سمت میں ایک بڑا میدان جس کے اختتام پر دو منزلہ ڈیوڑھی ہے جو پہلے نقار خانے کا کام دیتی تھی اب محرم کے زمانے میں یہاں شہنائی کی جوڑیاں بیٹھتی ہیں۔ اصل عمارت کے بڑے ہال کی طرح ہے جس میں تعزیے،

---

[1] [illegible]

علم، نشان، ڈھالیں اور تلواریں وغیرہ رکھی ہیں۔ عمارت کا اندرونی حصہ تارکول سے سیاہ کر دیا گیا ہے۔ ۱۸۵۸ کے زلزے میں اِس عمارت کو نقصان پہنچا تھا۔ لیکن نواب سر احسن اللہ خاں نے ایک لاکھ روپیہ خرچ کرکے اِس کی مکمل مرمت کرائی۔ مہاجرین فیض آباد لکھنؤ اور بہار نے ڈھاکہ میں عزاداری کو فروغ دیا اب یہاں محرم پہلے کے مقابلے میں مختلف شکل میں منایا جاتا ہے۔

جیسور سے تین میل کے فاصلے پر مرلی ڈاکخانہ راجو ہاٹ میں حاجی محمد محسن مرحوم نے امام باڑہ بنوایا جیسور کے تمام جلوس اسی امام باڑے میں آکر معمول ہوتے ہیں۔

بنگالی کلچر اور وہاں کی تہذیبی علامتیں ہماری رسموں سے الگ ہیں۔ محرم کے دن یہاں لوگ نئے کپڑے پہنتے ہیں طرح طرح کے کھانے پکاتے تھے۔ لیکن ۴۷ میں بھارت سے آئے مہاجرین نے عزاخانوں اور امام بارگاہوں کو منزل غم اور محرم کی علامتِ عزاداری قرار دیا۔ عزاخانے بنے۔ فرید پور، کھلنا، چٹ گاؤں، کرنا فلی وغیرہ میں ڈھاکہ کی طرح دس دن سوگ منایا جاتا ہے۔ مشرقی بنگال میں شیعہ نسبتاً کم ہیں پھر بھی عاشور اور اربعین ہر چھوٹے بڑے شہر میں منایا جاتا ہے۔ برہنہ سر ماتمی دستے، تعزیہ اور علم کے جلوس، سبیلیں جگہ جگہ نظر آتے ہیں۔ بنگالی زبان میں واقعہ کربلا پر بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ محمد خاں ذاکر حسین تھا (بنگالی زبان کے شاعر) اُس نے مقتل حسین کا منظوم ترجمہ "بانگلہ بھاشا" میں کیا ہے۔ یہ کتاب ۱۹۴۶ میں لکھی گئی تھی۔ اب تو بانگلہ بھاشا میں نوحے مرثیے کہے جا رہے ہیں۔ نظم و نثر میں واقعہ کربلا کی ترجمانی کی جا رہی ہے۔

برما

برما میں بھی عزاداری حضرت امام حسین منانے کی روایات ہیں۔ مانڈلے اور رنگون میں آج بھی مجالس ہوتی ہیں۔ برما سے دہلی آئے مہاجرین برما نے گڑگاؤں میں بستی بسائی ہے۔ یہاں بھی تعزیہ داری اور ماتم ہوتا ہے۔ مانڈلے میں سید علی اکبر ایرانی برابر مجالس کرتے تھے۔ رنگون میں منجانب انجمن حیدری، انجمن خواجہ مجالس علمداری حسینی، انجمن عباسیہ، ماتمی مجالس کی روایت ہے۔

سنگاپور

یہاں بھی ماتمی مجالس ہوتی ہیں۔ نمازی وقف کی طرف سے بپا ہونے والی مجالس مشہور ہیں۔ منے صاحب شگفتہ (مفتی گنج) کتاب خوانی کرتے تھے۔

باب ہفتم

ہندوستان میں عزاداری۔ابتداوفروغ

ہندوستان عقیدت و روحانیت کی سرزمین ہے اور حسینیت یہاں کے مزاج کے مطابق ہے۔ "سرداد نداد دست در دست یزید" یعنی ظالم کے آگے سر نہ جھکانا یہاں کے ماحول میں رچا بسا ہے۔ حامیان حق کو یہاں احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، روحانی ہستیوں کو دل میں جگہ دی جاتی ہے۔ امام حسینؑ کی قربانی اور پیغام ہندوستانی انداز فکر کے عین مطابق ہونے کی وجہ سے اہل ہند نے حضرت حسینؑ کو اپنا مانا اور خلوص و احترام کے ساتھ عزاداری کی جس میں مختلف فرقوں، مذاہب و عقائد کے لوگ شریک ہوتے رہے ہیں۔ ہندوستان کی آبادی میں شیعوں کی تعداد صرف پانچ فی صد ہے اِس کے باوجود یوم عاشور کو یہاں سرکاری تعطیل ہوتی ہے۔ سرکاری ذرائع ابلاغ و ترسیل میں محرم کا تذکرہ ہوتا ہے۔ عوام یہاں جوش و خروش کے ساتھ عزاداری امام حسینؑ میں شریک ہوتے ہیں۔ ہندو رجواڑوں میں بھی محرم منایا جاتا ہے۔ ریاستوں کے حکمراں بھی مراسم عزاداری میں شرکت کرتے ہیں۔ ہندوستان میں عزاداری کی انفرادیت اُس کا سیکولر مزاج ہے۔

سندھ میں اسلام، حسینی براہمن

ہندوستان میں شیعیت کا تعارف عہد خلافتِ امام نخستین حضرت علیؑ میں ہو چکا تھا۔ چنانچہ پہلا شیعی مسلمان جس نے سندھ فتح کیا تھا وہ حضرت علیؑ کے لشکر کا ایک جاں باز حارث بن مرہ العبدی تھا جس نے ۳۹ھ کے اوائل میں سندھ کو بحکم امیرالمومنین اسلامی مملکت میں شامل کیا تھا[1]۔ کربلا کے سانحہ کے بعد قاتلانِ حسین سے انتقام لینے کے لئے مختار بن ابی عبید

---

1. کامل تاریخ، ج ۲، ص ۴۵-۴۶، ۳۸۱۔

نے (۵۸۶ء) جو جنگ کی تھی اُس میں بصرہ کی بندرگاہ الحراء کے نزدیک رہنے والے ہندوستانی بھی شریک ہوئے جن کا سردار رکھب رائے تھا[1]۔ کوفہ پر قبضہ کرنے کے بعد قاتلانِ حسین کو جہنم رسید کیا گیا۔ اِس جنگ میں رکھب رائے کے ساتوں بیٹے شہید ہو گئے[2]۔ اِس فوج کے چند سپاہی عراق میں الحراء بندرگاہ کے پاس ہی بس گئے کچھ نے ہندوستان واپس آ کر مختلف جگہوں پر سکونت اختیار کی۔ اِس فوج کے سپاہیوں اور اُن کے خاندان والوں نے کربلا کے شہیدوں اور دت خاندان کے جانثاروں کی یاد میں مجالس ماتم برپا کیں۔ یہ لوگ حسینی براہمن کہلاتے ہیں جو آج بھی ماہ محرم میں سوگ مناتے ہیں۔ سرائیکی اور سندھی علاقوں میں چارن (عوامی موسیقار) اپنے کبت کے ذریعے اِن بہادروں کی قربانی کا ذکر کرتے ہیں[3]۔ عرب دیس میں "دیرِ ہندیہ" آج بھی اِن حسینی براہمنوں کی فوج کی یاد دلاتی ہے۔

امام حضرت جعفر صادقؑ کے حلقہ درس میں چند ہندوستانیوں کے نام بھی درج ہیں جو سندھ سے تعلق رکھتے تھے (فرخ سندھی، خلاد سندھی، ابان بن محمد سندھی، زید ابوالخرج ہندی وغیرہ) اور ائمہ کرام کی خدمت میں باریاب تھے[4]۔ صباح بن نصر ہندی امام رضا کے احکام و مسائل کی تبلیغ کرتے تھے۔ جو سندھی ائمہ کرام کے حلقہ درس میں شامل تھے اُنہوں نے عزاداریِ حسینؑ میں شرکت ضرور کی ہوگی۔ سندھ میں اہل تشیع کی بستیوں کا قائم ہونا، سندھ کے گورنروں کا بنی فاطمہ کی حکومت کے لئے جانیں قربان کرنا، سندھ کی نو شیعی آبادیوں کا فاطمین مصر سے براہ راست تعلق اور اسماعیلیوں کی تبلیغی کوشش اِن حقائق کی جانب ابھی مورخین نے زیادہ توجہ نہیں کی ہے۔ المقدسی کے بیان کے مطابق شیعیت کا اثر و رسوخ ہندوستان میں تیسری صدی ہجری کے اواخر اور چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں شروع ہو چکا تھا[5]۔

ہندوستان کی سرزمین کے کچھ علاقے پر آلِ شنسب (افغانستان) اسمٰعیلی اور غوری خاندان والوں کا راج تھا۔ تاریخ اِن خاندانوں کو شیعہ قرار دیتی ہے۔ بعض سیاحوں کے مطابق ملتان میں تمام عرب شیعہ تھے۔ سیدوں کے بہت سے گھرانے سلطان محمود غزنوی کے ہمراہ ہندوستان آئے اور یہیں آباد ہو گئے۔ یہ حضرات یقیناً ماہ محرم میں اپنے بزرگوں کو یاد کرتے

---

۱. ملاحظہ کیجئے فرہنگ اصطلاحات والفاظ (حسینی براہمن لفظ)۔

2. History of The Mohiyals - The Militant Brahmin Race of India, Compiled by The General Mohiyal Sabha, Lahore, 1911.

۳. ہندوستان میں عزاداری امام حسین کی روایت فروغ اور انحطاط (مقالہ) پروفیسر سید محمد عزیزالدین حسین ہمدانی، ص ۲۹ مشمولہ؛ ہندوستان میں سنت عزاداری محرم، خصوصی شمارہ، راہ اسلام جون ۲۰۰۷ء، خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی۔

۴. تاریخ فرشتہ (اردو) ج ا، ص ۲۷۔

۵. المقدسی: احسن التقاسیم، لیڈن ۱۹۰۶، ص ۴۸۵۔

ہوں گے۔ اِس دوران ایران سے جو صوفیائے کرام ہندوستان آئے اُن میں اکثریت سیدوں کی تھی۔ صوفیائے کرام (حضرت داتا گنج شکر، حضرت سید علی ہجویری، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، محبوب سلطانی نظام الدین اولیاء، حضرت گیسو دراز، سالار سید مسعود غازی، حضرت سید شاہ عالم) کو امام حسینؑ کے فضائل اور مصائب سے خصوصی دلچسپی تھی۔ اکثر صوفیہ عزاداری کرتے اور سوگوار رہتے تھے۔ جو شیعہ سپاہی ہندوستان میں آئے اُن کی انفرادی حیثیت سنی سلاطین کے ماتحت نہ بن سکی وہ عام مسلمانوں کی طرح رہتے تھے جو شیعہ علماء اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے وہ بھی سنی فقہ کی رو سے فیصلے کرتے تھے۔

ڈاکٹر سید مشیت حسین رضوی کے مطابق عزاداری کا آغاز ہندوستان میں ۱۱۹۵ء ہوا جب تاراگڑھ (نزد اجمیر) راجستھان میں حضرت میران خنگ سوار نے عزاداری شروع کی۔

چھٹی صدی ہجری میں شیعوں کا ایک تبلیغی مشن ہندوستان میں شیعی عقائد کی تبلیغ کر رہا تھا۔ اسی زمانے میں ملا علی نامی ایک فاضل شیعہ امامی عقیدے کی تبلیغ کرتے نظر آتے ہیں۔ اِس زمانے میں شیعہ سرگرمی کے ساتھ دوسرے مراسم عزاداری بجالاتے تھے۔ ۱۴ویں صدی عیسوی کے ایک عالم شہاب الدین دولت آبادی کی "ہدایت السعدا" میں اُن رسوم عزا کا ذکر ہے جو اُس زمانے میں ہندوستان میں رائج تھیں لیکن تعزیے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

پروفیسر سید جعفر رضا ملا منہاج الدین سراج جرجانی کو عزاداری کا اولین راوی بتاتے ہیں۔ سراج لکھتا ہے کہ وہ شعبان ۶۲۹ھ (مئی ۱۲۳۱ء) کو گوالیار پہنچا جہاں سلطان شمس الدین التتمش محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ محاصرے نے طول کھینچا۔ سلطان نے جرجانی کو فوجیوں کے مذہبی تبلیغ کے فرائض پر مامور کیا جسے اُس نے سات ماہ تک سرانجام دیا اِس طرح پورے رمضان المبارک میں ہفتہ میں تین بار، ذی الحجہ کے ابتدائی دس دنوں تک اور عشرۂ محرم تک جرجانی اِن تبلیغی مواعظ کو تذکیر کہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ عشرۂ محرم میں واقعات کربلا کے علاوہ دوسرا موضوع ہو ہی نہیں سکتا[1]۔ سلاطین خلجی کا ایک مصدقہ فرمان سادات پہر سر (بھرتپور) کے پاس محفوظ ہے جس کے ذریعے یہ موضع پہر سر عزاداری کے لئے وقف ہوا تھا (مغلیہ سلاطین تا عہد شاہ عالم اور راجگان بھرتپور عزاداری کے لئے سادات کی اِس دوامی معافی کو تسلیم کرتے رہے[2]۔

صوفیائے کرام اور عزاداری

صوفیائے کرام نے نذر و نیاز اور رسومات عزاداری قائم کیں۔ امام حسین کی عزاداری کا سلسلہ جو یکم محرم سے ۱۲ محرم تک ہوتا ہے وہ صوفیوں کی دین ہے (۸ ربیع الاول تک عزاداری جاری رکھنے کا اضافہ ۱۸ ویں صدی میں ہوا) عزاداری کے مرکز کا

---

۱. طبقات ناصری، ص ۷۵، ۱۷۴، ۲۴۹۔

۲. سید سبط حسن فاضل ہسوی: عزاداری کی تاریخ، نظامی پریس لکھنؤ ۱۹۴۱، ص ۳۱۔

نام امام باڑہ یعنی امام کا گھر ہندی الفاظ جوڑ کر ہندوستانی مزاج کے مطابق بنا دیا اور عزاداری کا نظام ایسا بنا دیا کہ فن کار، اہل حرفہ، مزدور پیشہ، مجاور، باجے والے سب کو ہی شامل کر لیا گیا۔ تیرہویں صدی سے سولہویں صدی عیسوی تک عزاداری گھروں یا امام باڑوں میں ہوتی تھی۔ جلوس کا رواج نہ تھا[1]۔ سلطانوں کے دور حکومت میں اعلانیہ طور پر عزاداری ممکن نہ تھی کچھ ایسے سلطان تھے جن کے عہد میں عزاداری خفیہ طور سے ہوئی[2]۔ دستاویزی ثبوت ساتویں صدی ہجری (۱۳ویں صدی عیسوی) میں امیر خسرو کے تذکرے میں ملتا ہے جو فرماتے ہیں کہ دلی میں بھی مجالس عزا ہوتی تھیں جن میں مقاتل حسین پڑھی جاتی تھی۔ پورے عشرے میں مخصوص دعاؤں کا ورد ہوتا تھا۔ ماتم اور سینہ زنی کا بھی رواج موجود تھا۔ شمالی ہند میں تبرکات عزا کے طور پر علم حسینی کا سلسلہ حضرت سید محمد اشرف جہاں گیر سمنانی سے شروع ہوتا ہے۔ آپ ۱۳۸۰ء میں ہندوستان آئے تھے[3]۔ سلاطین دلی بغداد کے موروثی ملوک کی سرپرستی میں ہندوستان میں سلطان کی حیثیت سے حکومت کر رہے تھے۔ ظاہر ہے جب اموی اور عباسی خلفائے بغداد شیعیان علی کے خلاف ہوں تو ایسی حکومت میں اعلانیہ طور پر عزاداری کیسے ممکن ہو سکتی ہے۔ محمد تغلق نے تو صوفی تحریک کے خلاف سختی برتی تھی[4]۔ سکندر لودی نے جونپور میں شرقی بادشاہوں

---

۱. ہندوستان میں عزاداری امام حسین روایت فروغ اور انحطاط: پروفیسر سید محمد عزیزالدین حسین ہمدانی۔ مذکورہ بالا ص ۳۳۔ ۱۳ ویں صدی عیسوی سے ۲۰ویں صدی کے اختتام تک رسوم عزاداری کے متعلق کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔ سید حسن کربلائی نے تحفۃ العوام لکھی جس پر آٹھ علمائے اثناعشری کے دستخط ہیں۔ دیگر علماء بھی اس کی توثیق کرتے ہیں اس کے ۲۰ویں باب میں اعمال محرم تحریر ہیں جو شب عاشور سے یوم عاشور تک ۵ گھنٹے میں ختم ہو جاتے ہیں۔

۲. حضرت سید محمد اشرف جہانگیر سمنانی (م ۱۴۰۵ء) نے تبرکات عزا کے طور پر علم برآمد کرنے کا سلسلہ شروع کیا۔ انہوں نے پہلی بار محرم پر علم حسینی برآمد کیا اور اسی کے نیچے قیام کیا۔ اُن کا دستور تھا کہ سبز دار کے طریق سے علم اور زنبیل تیار کرواتے تھے اور زنبیل کے ساتھ صحیح النسب سادات اور متقی لوگوں کو اطراف و جوانب میں بھیجتے تھے۔ (لطائف اشرفی ج ۲ ص ۳۶۸) آپ عشرہ محرم میں اچھا لباس نہیں پہنتے تھے۔ کسی تقریب مسرت میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ آٹھویں اور دسویں کے دوران آرام ترک کر دیتے تھے۔ خواہ سفر میں ہوں یا حضر میں غم حسین سے کبھی غافل نہیں ہوتے تھے۔

۳. محمد بن تغلق ابن تیمیہ کی فکر سے متاثر تھا اُس نے صوفی تحریک اور صوفیوں کے خلاف سخت اقدامات کئے۔ دہلی کے سلاطین تو بغداد کی اُس حکومت کی سرپرستی میں سلطان کی حیثیت سے کام کر رہے تھے جس میں ملوکیت موروثی تھی۔ حضرت امام حسینؑ کا احتجاج اسی موروثی ملوکیت کے خلاف تھا۔ غیاث الدین تغلق اور حضرت نظام الدین اولیا کے تعلقات کچھ کشیدہ ہو گئے تھے۔ استخوان دہلوی نے بساتین الانس میں دہلی میں اعلانیہ عزاداری کا تذکرہ کیا ہے ممکن ہے مجالس عزا برپا ہوتی ہوں لیکن جلوس نہیں نکلتے تھے۔

۴. سکندر لودھی نے جونپور کے آخری شرقی حکمراں حسین شاہ کو شکست دے کر اس سلطنت کی خود مختاری ختم کر دی اور جونپور کو دہلی سلطنت میں ملا لیا۔ جونپور میں اپنے چھ مہینے کے قیام میں اُس نے شرقی دور کے ہر طرح کے آثار مٹانے کی کوشش کی۔ سعید، میاں محمد، سیٹلمنٹ آف

کی یادگاروں کو ہی نہیں بلکہ خانقاہوں مدرسوں اور خاص طور پہ عزاخانوں کو اِس طرح مسمار کروادیا کہ دوبارہ تعمیر ناممکن ہو گئی لیکن یہی سکندر لودی دہلی میں یوم عاشور کو فقیروں اور درویشوں میں خیرات بانٹتا تھا۔ اِس کے دور میں مجلس و فاتحہ و خیرات کا سلسلہ کبھی ختم نہ ہوتا تھا۔

دکن میں عزاداری

آندھرا میں اسلامی اثرات اور ثقافتی پھیلاؤ ۱۳۲۳ء کے بعد اور نمایاں نظر آتا ہے یعنی دہلی کے سلطانوں کے ہاتھوں "کاکتیا" سلطنت کے زوال کے بعد تبدیلیاں دکھائی دیتی ہیں۔ شروع کے کتبوں اور ابتدائی دور کے ادبی اور تاریخی شواہد وغیرہ میں حکومت کی تصویر خوفناک نظر آتی ہے۔ اِن کے طرز عمل میں مذہبی زیادتیاں اور کلچرل تعصب جھلکتا ہے لیکن قطب شاہی دور یعنی ۱۵۱۸ء سے مذہبی اور ثقافتی امتزاج نمایاں ہوتا ہے۔ ۱۳۴۷ء میں ظفر خاں علاءالدین بہمن شاہ (ایرانی النسل سردار حسن گنگوہ) نے دکن میں خود مختار حکومت کا اعلان کر دیا جس کا دارالخلافہ دولت آباد قرار پایا لیکن بعد میں گلبرگہ منتقل کر دیا گیا۔ یہ بہمنی سلطنت تقریباً ۲۰۰ برس قائم رہی۔ حسن بہمنی نے تقریباً گیارہ سال حکومت کی۔ اِس کی سلطنت کی حدیں تنگ بھدرا سے گوا کے ساحل تک تھیں۔

دکن میں شیعیت کا فروغ ۱۳۷۵ء یعنی بہمنی سلطنت کے عروج سے ہوا۔ اِس کا بانی (جو دلی میں کانکوئی براہمنی کا ملازم تھا اور اُسے اپنا محسن سمجھتا تھا، جب بادشاہ ہوا تو اظہار تشکر کے طور پر حسن نے اپنے نام کے ساتھ بہمن منسلک کر لیا) اُس کی والدہ ملکہ جہاں مدینہ اور جناب فاطمہ زہرا ؑ کی قبر مطہر کی زیارت کے بعد کربلا بھی گئیں۔ اگرچہ بہمنی سلاطین شیعہ عقائد نہیں رکھتے تھے لیکن محب اہل بیت تھے۔ اِن کے دربار میں عرب اور ایران سے علماء آئے اُس نے سلطنت کی حفاظت کے لئے فوج رکھی اُس میں ایرانیوں کی تعداد بہت تھی۔ یہ لوگ شیعہ تھے نتیجتاً دکن میں شیعی اثرات بڑھے عزاداری کو فروغ ہوا۔ حسن بہمنی کا بیٹا محمد شاہ اول پر شیعیت کا گہرا اثر تھا اِس کے دور حکومت میں غزنین، کابل، ترکستان، عراق، ایران، عرب وغیرہ ممالک کے باشندے اِس علاقے میں آئے۔ محمد شاہ نے کربلائے معلیٰ (اپنا معتمد بھیج کر) خیرات کرائی۔ محمد شاہ ثانی کے دربار میں بھی ایرانی شعراء اور ادباء کی خاصی تعداد موجود تھی۔ محمد شاہ نے میر فضل اللہ انجو کو اپنا وکیل سلطنت مقرر کیا[۱]۔ اس کے دور

جونپور نامہ (مولوی محمد خیر الدین) میں حوالہ ۱۸۹۹، ص ۱۹-۲۰ میں بھی قیام جونپور کا ذکر ہے۔ نظام الدین اور نعمت خاں دونوں نے قیام لودھی کا تذکرہ تو کیا ہے لیکن شہر کی تباہی کا ذکر نہیں ہے۔ خیر الدین اور نیویل نے سکندر لودھی کے جونپور میں ۶ ماہ کے قیام اور شہر کی تباہی کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ ڈاکٹر جعفر رضا، دبستانِ عشق کی مرثیہ گوئی، ص ۲۲۔

میں بیدر میں شخصی سطح پر عزاداری شروع ہوئی۔ تاریخی اعتبار سے پہلا عاشور خانہ محمد شاہ بہمنی کے عہد میں ۱۳۹۲ء میں تعمیر ہوا[۱]۔ پروفیسر ہارون شیروانی فیروز شاہ کو سُنّی بتاتے ہوئے اِس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ تخت فیروزہ ملنے کے بعد اِس نے بہمن شاہ کا پرانا چاندی کا تخت گلوا کر مستحق سیدوں میں تقسیم کرنے کے لئے سمند پار بھجوا دیا تھا[۲]۔ سید علی بلگرامی نے فیروز شاہ کے متعلق تحریر کیا ہے کہ اِس نے اپنی بیٹیاں سیدوں کو دیں اور اُن کی بیٹیاں اپنے بیٹوں کے لئے لیں۔ اِس کے بیٹے احمد شاہ اول کے زمانے میں تو ایرانی اثرات اتنے بڑھ گئے کہ بادشاہ کی سرپرستی میں عزاداری ہونے لگی۔ سیدوں کی شان میں کوئی گستاخی برداشت نہیں کرتا تھا۔ (سید ناصرالدین کی ہتک کرنے پر اس نے شیر ملک کو ہاتھی سے کچلوا دیا تھا)[۳] سر ویزلی ہیگ کے مطابق احمد شاہ کو شیعیت کی طرف راغب کرانے والے حضرت خواجہ سید گیسو دراز اور اُن کے خاندانؒ والے تھے[۴]۔ احمد شاہ کے مقبرے پر شیعی اثرات نظر آتے ہیں۔ رسول اکرمؐ اور امام حسنینؑ کا نام سینکڑوں طرح سے خطوط اور طغروں میں لکھا ہوا ہے اور شیعوں کے طرز کا درود بھی لکھا ہوا ہے۔ اس میں بارہ اماموں کے نام لکھے ہوئے ہیں جبکہ تین ابتدائی خلفاء کے نام نہیں ہیں[۵]۔ احمد شاہ کے زمانے میں ایرانی بہت بڑی تعداد میں یہاں پہنچے مجالس عزا میں مرثیہ خوانی کا رواج تھا۔ مشہور ایرانی شاعر آذری اِس کے دربار میں ملازم تھا۔ احمد شاہ ثانی نے تو ایرانی سیدوں سے رشتہ داریاں قائم کیں۔ بیدر کی مشہور عمارت تخت کرمانی میں لکڑی کا منبر رکھا ہوا ہے جسے محرم میں شیعہ رسوم کے لئے استعمال کیا جاتا تھا[۶]۔ یہاں محرم کی عزاداری کی ابتدا ۱۵ صدی عیسوی میں ہوئی۔ بہمنیوں کی درباری اور سرکاری زبان فارسی تھی ایران سے آئے علماء کی قدر و منزلت ہوتی تھی۔ اُن کو دربار میں رسوخ حاصل ہوا اور اُن کے فضل و معتقدات کا اثر دربار اور عوام پر بھی ہوا۔

محمود گاواں اِس دور میں امیر سلطنت تھا یہ شیعہ مسلک رکھتا تھا۔ عزاداری اِس کے عقائد کا جزو تھی خراسان اور عراق کے اکثر علماء کو مدد بھیجتا تھا۔ اِس کی وجہ سے دکن میں ایرانی امراء کا اقتدار بڑھا۔ وہ اپنے مکتوب شیعوں کی طرح ختم کرتا تھا۔ اِس کے مشہور مدرسہ کی تعلیم میں شیعیت کی جھلک تھی۔ اِس کے ورثاء جو حیدر آباد میں مقیم ہیں شیعی مسلک رکھتے ہیں۔ محمود

---

۱. تاریخ دکن از سید علی بلگرامی، ص ۱۰۵ اور ۱۳۹۔
۲. پروفیسر ہارون خاں شروانی: اردو مرثیے کا ارتقاء، ص ۱۰۳۔
۳. تاریخ فرشتہ، ج سوم، ص ۱۳۸ (ترجمہ طالب)۔
۴. پروفیسر رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۲۵۱۔ Sir Wellesly Haig, Jars, 1924;
۵. ہارون خاں شروانی: اردو مرثیے کی روایت، ص ۱۵۔
۶. پروفیسر مسیح الزماں: اردو مرثیے کا ارتقاء، ص ۳۰۔ Prof Yazdan: Bidar Monuments P 100,Oxford 1948. John

گاواں کے قتل کے بعد بہمنی سلطنت کے ٹکڑے ہو گئے۔ پانچ خود مختار حکومتیں وجود میں آئیں (نظام شاہی، عادل شاہی، قطب شاہی، برید شاہی اور عماد شاہی)۔

عادل شاہی

اِس خاندان کے بانی عادل شاہ نے ۱۴۹۰ء میں خود مختاری کا اعلان کیا۔ نو بادشاہوں نے تقریباً ۲۰۰ سال حکومت کی۔ بیجاپور میں شروع سے ہی مجالس عزا برپا ہوتی تھیں۔ اِس خاندان کے بانی یوسف عادل شاہ جو جارجیا سے ایک غلام کی حیثیت سے لا کر محمود گاواں کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا اُسے محمود گاواں نے اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیا[1]۔ یوسف عادل نے تخت نشینی کے بعد ہی شیعہ مذہب کو حکومت بیجاپور کا مذہب قرار دیا اور اُس کی حکومت میں حضرت علی کا نام خلیفہ بلا فصل کے اذان میں شامل کیا گیا اور منبر پر ۱۲ اماموں کے نام پڑھے جانے لگے[2]۔ نعل مبارک کے علم کو عشرہ محرم میں بیجاپور میں استادہ کیا جانے لگا اور یوم عاشور کو نعل صاحب کی سواری کا جلوس نکلتا تھا[3]۔ (نعل مبارک کے متعلق معلومات کے لئے ملاحظہ کیجئے فرہنگ الفاظ و اصطلاحات)۔ عادل شاہ کے عہد میں باغ دوازدہم (۱۵۶۶ء) کا ذکر بھی ملتا ہے۔)[4]۔ مسجد غالب (حضرت علی کا اسم مبارک یعنی علی ابن ابی طالب اسد اللہ الغالب) بنائی گئی جس میں ۱۰۳۳ چراغ دان تھے جو بہ لحاظ ابجد غالب کے اعداد پر مبنی ہیں[5]۔ ابراہیم عادل شاہ ثانی سفر ہو یا حضر، جنگ کا میدان ہو یا محل، عزاداری کا خاص خیال رکھتا تھا۔ جب ابراہیم کی نظام شاہ کے ساتھ جنگ ہوئی تب بھی یہ عزاداری میں مشغول ہوا۔ وہ تعزیہ بھی رکھتا تھا۔ اس کا جانشین علی عادل شاہ ثانی نہ صرف عزاداری کرتا تھا بلکہ خود مرثیے بھی کہتا تھا۔ علی عادل شاہ نے حسینی محل بھی تعمیر کروایا تھا۔ رائچور کے علاقے میں پرگنور کے قلعہ کے پار دریائے کرشنا کے کنارے ایک عاشور خانہ تھا[6]۔ قلعہ بیجاپور میں آثار شریف کے پاس عاشور خانہ کی پختہ عمارت تھی۔ جس میں عادل شاہوں کے وقت کے علم تھے[7]۔ مشہور شاعر نصرتی نے علی نامہ میں اِس محل میں علم اور اُن پہ بندھے سہروں کے متعلق لکھا ہے۔ مرثیہ خوانی ہوتی تھی۔ نو دن نو رات عزاداری ہوتی تھی۔ شب عاشورہ کو بادشاہ کے حکم

۱. ڈاکٹر رشید موسوی: دکن میں مرثیہ اور عزاداری ص ۵۳؛ تاریخ فرشتہ، ج ۲، ص ۱۱۔
۲. واقعات مملکت بیجاپور، جلد سوم، ص ۵۴۵۔ ملاحظہ کیجئے فرہنگ اصطلاحات۔ (علم نعل مبارک)
۳. واقعات مملکت بیجاپور، جلد اول، ص ۱۵۴؛ نصیر الدین ہاشمی: دکن میں اردو ص ۲۸۷۔
۴. ڈاکٹر اعجاز حسین: اردو شاعری کا سماجی پس منظر ص ۹۴۔
۵. واقعات مملکت بیجاپور، جلد اول، ص ۱۶۵۔
۶. ایضاً؛ بیان قلعہ بیجاپور، ص ۳۱۳۔
۷. نصرتی: علی نامہ (برائے تفاصیل ملاحظہ کیجئے پروفیسر رفیعہ شبنم عابدی۔ ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۲۵۹)۔

سے شہر میں علم نکالے جاتے تھے۔ اِس میں بے شمار چراغ، علموں کے ساتھ جالیاں، شدوں کے اوپر چھتریاں رنگارنگ پھول ہوتے تھے۔

نظام شاہی

۱۴۹۰ء میں یہ سلطنت قائم ہوئی اور ۱۶۳۳ء تک رہی۔ تقریباً ۱۲ بادشاہ گزرے جنہوں نے شیعی عقائد کی تشریح، ترویج و ترقی میں حصہ لیا۔ برہان الدین نظام شاہ کا سب سے چھوٹا بیٹا عبدالقادر بیمار ہوا شیعوں کے عالم ملا طاہر نے بادشاہ سے کہا کہ ائمہ معصومین کی راہ میں خیرات کرے۔ بادشاہ نے اُس رات خواب میں آنخضرتؐ اور ائمہ اثنائے عشریؑ کو دیکھا۔ اگلے دن سے شہزادہ صحت یاب ہونا شروع ہوگیا۔ بادشاہ نے مذہب اثنا عشری قبول کرلیا اُس کے ۳ ہزار ملازمین نے بھی مذہب شیعہ اختیار کیا[1]۔ ملا طاہر نے عراق، خراسان، گجرات، آگرہ وغیرہ سے شیعہ علماء کو بلا لیا اس زمانے میں احمد نگر دوسرا ایران بن گیا۔ برہان شاہ نے اپنی بیٹی کی شادی سید حسن مولا (ایک شیعہ) سے کی کربلا اور نجف روپیہ بھیجا۔ زائرین کے لئے وظائف مقرر کئے۔ برہان نظام شاہ کا انتقال ۱۵۵۳ء میں ہوا تو اُس کی میت کربلا بھیجی گئی۔

قطب شاہی

سلطان قلی قطب شاہ نے خود مختاری کا اعلان کرکے گولکنڈہ کو دارالخلافہ بنایا۔ چار مینار کی عمارت تعمیر کراوائی۔ اِس خاندان کے ۸ بادشاہ ہوئے جو شیعی عقائد کے ماننے والے تھے۔ اِس دور میں عزاداری مختلف المذاہب اقوام کے میل جول کا ذریعہ بن گئی۔ شیعہ علماء ایران سے ہندوستان آئے۔ میر مومن استرآبادی ۲۵ سال وکیل السلطنت کے عہدے پر فائز رہے۔ میر نظام الدین احمد بن معصوم الحسینی شیرازی کی شادی عبداللہ قطب شاہ کی بیٹی سے ہوئی[2]۔ سلطان محمد قلی شاہ اور عبداللہ قطب شاہ نے عاشور خانے تعمیر کروائے ۹۳-۱۵۹۲ء میں پہلا عاشور خانہ بنا جو بادشاہی عاشور خانہ کے نام سے جانا جاتا ہے اور حیدرآباد کے دبیر پورہ محلہ میں واقع ہے۔ اِس میں حضرت مسلم کا تابوت رکھا ہے۔ اِن دونوں عزاخانوں کے وسیع صحنوں میں سیاہ اور سبز اونی قالینوں کا فرش تھا زرد رنگ کے مخمل کی چھت گیریاں تھیں۔ دیواروں پر کاشی کا کام تھا جن میں بڑی صنائی سے بارہ اماموں سے منقول دعائیں رقم تھیں۔ دونوں عزاخانوں میں چودہ چودہ علم چودہ معصومین کے نام لگے ہوئے

۱۔ تاریخ فرشتہ۔ شاہ طاہر شیعہ عالم کے ہاتھوں برہان شاہ نے مذہب امامیہ اثنا عشری قبول کیا/ ڈاکٹر رشید موسوی: دکن میں مرثیہ اور عزاداری، ص ۵۶، دہلی ۱۹۸۹ء۔

۲۔ ایضاً۔

تھے۔ یہ علم لوہے کے تھے۔ انہیں سونے چاندی سے مرقع کیا گیا تھا۔ اِن علموں کے پٹکے چودہ چودہ ہاتھ نے بے زربفت نے ہوتے تھے۔ اِن دونوں امام باڑوں میں چھوٹے چھوٹے طاقوں کی دس قطاریں تھیں۔ دوسری محرم کو دو قطاریں روشن کی جاتی تھیں۔ ہر روز ایک قطار بڑھائی جاتی تھی۔ اِس طرح دسویں محرم کو دسوں قطاریں روشن ہوتی تھیں۔ ان چراغوں کی تعداد دس ہزار سے زیادہ تھی۔ اِن میں بعض جھاڑ نما چراغ بھی تھے جن میں ایک سو بیس شمعیں روشن ہوتی تھیں۔ یہ بڑے شمعدان اور کافوری شمعیں ایوان کے برابر رکھی جاتی تھیں[1]۔ ایام عزا میں صبح و شام مجالس کا اہتمام ہوتا تھا۔ ذاکرین واقعات شہادت بیان کرتے تھے۔ سوز خواں اور مرثیہ خواں مرثیہ سناتے تھے۔ یہاں ہر لمحہ عزاداروں کا مجمع لگا رہتا تھا۔ محمد قلی قطب شاہ ہر سال نعل مبارک علم کو گولکنڈہ سے حیدرآباد لایا کرتا تھا[2]۔ عبداللہ قطب شاہ کے دور میں شیعیت عوام میں مقبول ہوئی۔

مرزا نظام الدین شیرازی نے عبداللہ قطب شاہ کے دور کی عزاداری کا ذکر "حدیقۃ السلاطین" میں کیا ہے۔ شاہی نقارخانوں اور جاگیرداروں کے محلوں میں محرم کے آغاز سے نوبت نوازی بند کر دی جاتی تھی۔ شہر میں نشہ کی چیزوں کی خرید و فروخت موقوف ہو جاتی تھی۔ شاہی مطبخ میں گوشت کے پکوان بند ہو جاتے تھے۔ عوام بھی حقہ پان اور گوشت کا استعمال ترک کر دیتے عام طور پر لوگ سیاہ پوش ہو جاتے تھے۔ محرم کا چاند دیکھ کر بادشاہ تخت سے نیچے اُتر آتا تھا اور دس دن تک تاج نہیں رکھتا تھا، برہنہ سر رہتا تھا۔ بادشاہ سوگواروں کا لباس پہنتا، گانا، بجانا، گوشت کھانا ممنوع، سامان عیش و نشاط بزم آرائیاں بند ہو جاتیں۔ شاہی ملازمین، مقربین، جاگیردار و امراء، ذاکروں اور مرثیہ خوانوں کو کالے اور نیلے رنگ کی خلعتیں عطا ہوتیں۔ شاہی عاشور خانے سجائے جاتے تھے۔

عصر کے وقت بادشاہ سوگوارانہ لباس میں قصر شاہی سے شاہی عاشور خانے کی طرف گھوڑے پر یا سیاہ اطلس کے سنگھاسن پر سوار ہو کر جاتا تھا۔ تمام وزراء و امراء ہمرکاب ہوتے تھے۔ راستے بھر مرثیہ خواں بادشاہ کے تصنیف کردہ مرثیے پڑھتے چلتے تھے۔ امام باڑے میں بادشاہ پا پیادہ ہو جاتا۔ علموں پر پھول چڑھاتا۔ اپنے ہاتھ سے کافوری شمع یا چراغ روشن کرتا۔ مغرب تک بادشاہ مجلس میں شرکت کرتا۔ ذاکر فضائل ائمہ و مصائب پڑھتے تھے۔ فاتحہ خوانی کے بعد بادشاہ کی درازیِ عمر اور استحکام حکومت کی دعا مانگی جاتی۔ بادشاہ تعظیمی سلام کرکے محل واپس آ جاتا۔ امراء و وزراء وہیں رک جاتے۔ ذکر اہل بیت جاری رہتا۔ اِس کے بعد عاشور خانے میں ہی پر تکلف سفرۂ عام بچھا دیا جاتا حاضرین سیر ہو کر کھاتے۔ کھانے کے بعد کیوڑہ، گلاب پڑا شربت اور گوٹا (ناریل سونف اور دھنیاں وغیرہ) پیش کیا جاتا۔ عزاداری کا سلسلہ نصف شب تک چلتا رہتا[3]۔

---

1. پروفیسر رفیعہ شبنم عابدی، ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۲۶۳۔
2. لنگر کا جلوس (ملاحظہ کیجئے فرہنگ اصطلاحات (لفظ۔ لنگر کا جلوس)۔
3. مرزا نظام الدین شیرازی: تاریخ حدیقۃ السلاطین (ملاحظہ کیجئے) پروفیسر رفیعہ شبنم عابدی، ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۲۶۳۔

۶ محرم کو دولت خانہ شاہی کے باہر والے امام باڑے سے علم نکالے جاتے۔ اِن کے ساتھ تابوت اور ضریحیں ہوتیں۔ راستوں بازاروں میں چراغاں کیا جاتا۔ ہر قوم ہر ملت کے لوگ شریک ہوتے۔ داد محل کے پاس پہنچ کر سینہ زنی کا ماتم ہوتا۔ جس میں بادشاہ بھی شریک ہوتا تھا۔ یہیں فاتحہ پر جلوس تمام ہوتا۔

۷ محرم کی شب کو حیات بخش بیگم کے مکانِ حیات آباد سے علم اٹھتے۔ ساتھ میں بے شمار فانوس اور مشعلیں ہوتیں۔ بادشاہ شاہی قصر میں بلندی سے کھڑے ہو کر ماتم داری کو دیکھتے پھر ان کے لئے خوان بھیجا جاتا تھا۔ سب سیاہ لباس میں ملبوس ہوتے تھے۔ سات محرم کی صبح نذری محل میں جاکر علم شہ نشین پر ایستادہ ہوتا۔ بادشاہ ایران اور ہندوستان کی مختلف ریاستوں کے سفراء کو مدعو کرتا۔ اہل دربار اور ملازمین سیاہ پوش ہوتے۔ بادشاہ مختلف امام باڑوں کے علموں کو دروازہ دوازدہم سے اندر طلب کرتا۔ بادشاہ علموں کے ساتھ ۵۰۰ قدم چلتا، ترتیب وار زیارت کرتا ہر علم پر ریشمی پھریرا چڑھا کر خادموں کو روپیوں کی تھیلی پیش کرتا، گریہ کرتا۔ تمام علم ظہر کے وقت واپس چلے جاتے۔

آٹھویں اور نویں محرم کو بھی بادشاہ علم آراستہ کرتا شمعیں تقسیم کرتا اِس کے بعد علم اٹھتے۔ پیچھے اہل دربار، اکابرین سلطنت شمعیں ہاتھوں میں لیتے۔ یہ جلوس دربار والے میدان تک جاتا۔ بادشاہ پانچ سو قدم علم کے ساتھ چل کر چار بلند محرابوں میں پہنچ کر واپس ہو جاتا۔ یوم عاشور کی صبح کو علم اٹھتے بادشاہ پاپیادہ سر برہنہ و برہنہ پا درباریوں کے ہمراہ چلتا۔ سب سیاہ پوش ہوتے۔ جلوس میں نوحہ خوانی ہوتی۔ بادشاہ تین ہزار قدم چل کر مسجد میں پاؤں رکھتا اور پورا دن یہیں زیارت عاشورہ اور عبادت و نماز میں مشغول رہتا۔ دو سو یتیم اور پسر سید زادوں کو نفیس پوشاک نقد رقم کی تھیلیاں دی جاتیں۔ محرم کے لنگر کا تاریخی جلوس نکلتا (دیکھئے اصطلاحات لنگر کا جلوس) ۱۲ سیر سونے کا لنگر شہزادے کی کمر میں باندھ کل جلوس کے ساتھ حسینی علم لے کر بادشاہ عاشور خانے جاتا۔ لنگر کا سونا مساکین اور فقراء میں تقسیم کر دیا جاتا[1]۔ سلطنت کے ہر شہر ہر قصبے میں اِسی طرح عزاداری ہوتی تھی۔ شاہی دفتر میں عزاداری کے حساب کرکے کل رقم عاملوں عہدہ داروں سے مجرا کر لی جاتی۔ گھر گھر عزاداری ہوتی۔ لوگ نہا دھو کر علم اٹھاتے[2]۔ عزاداری میں شیعہ سُنی ہندو سبھی شریک ہوتے تھے۔ حیات بخشی بیگم نے الاوہ سرطوق اور پنجا شاہ عاشور خانہ تعمیر کروایا۔ بادشاہی عاشور خانے کی مرمت اور تزئین کاری کروائی اور نیا ایک عاشور خانہ بنوایا جو آج کل بی بی کا علم عاشور خانہ کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۰ محرم کو لوگ اِس جلوس میں ہزاروں کی تعداد

۱۔ ملاحظہ کیجئے فرہنگ اصطلاحات، لفظ: لنگر کا جلوس۔

۲۔ پروفیسر رفیعہ شبنم عابدی، ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۲۶۵-۲۶۶؛ ملاحظہ کیجئے عہد قطب شاہی میں عزاداری اور مرثیہ کا فروغ، (مضمون) ڈاکٹر رشید موسوی، راشٹریہ سہارا، جنوری ۲۰۰۷ء، ص ۵۰۔

میں شریک ہوتے تھے۔ عبداللہ قطب شاہ نے محرم کی عزاداری کے قواعد و ضوابط بھی مرتب کئے۔

اِس موقع پر ہندو حضرات بھی شرکت کرتے تھے۔ اُن کی خواتین اور لڑکیاں، ہندو جوگی اور فقیر وغیرہ روزانہ اشنان کرکے نیا لباس پہنتے تھے۔ شاہی جلوس کی آمد پر علوہ میں شربت لے کر حاضر ہوتے تھے اور سوگواران میں تقسیم کرتے تھے۔ اِس موقع پر بادشاہ کو نذر بھی پیش کرتے تھے۔ اِس زمانے میں کسی منتی بچے کا جنم ہوتا تو اُس کے نام کے ساتھ حسین لگا دیتے تھے۔ اِن دس دنوں میں کوئی تفریحی کام نہیں ہوتا تھا۔ یہ روایت گولکنڈہ اور حیدرآباد کے زوال کے بعد بھی قائم رہی۔ اِس دور میں دکنی اردو کے اعلیٰ مرثیہ نگاروں نے مراثی لکھے۔

اِس دور میں تیلگو شعرا نے بھی حضرت علی اور حضرت حسین کی شان میں نظمیں لکھیں۔ ریال سیما اور آندھرا پردیش کے دیہی علاقے میں اِس یقین کے باوجود کہ یہ ہندوستانی ہیرو نہیں ہیں یہ اب بھی پڑھی اور گائی جاتی ہیں۔ دس محرم کو تیلگو میں پیرلا پانڈوگا کہا جاتا ہے حسن اور حسین کو (اِشانا، اُشانا) کے ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ پانچویں اور ساتویں محرم کو یہ لوگ واقعات کربلا کو تیلگو میں سنا کرتے تھے۔ ۱۰ محرم کو آواز کے ساتھ آہ و بکا کرتے تھے اور محرم کے جلوس میں پابرہنہ شامل ہوتے تھے۔ آندھرا پردیش میں آج تک بھی بہت سے عاشور خانوں کے انچارج ہندو ہی ہیں اور یہ لوگ حسن حسین کے نعرے لگا کر ننگے پیروں سے آگ پر چلتے ہیں۔ لنگر کی روایت ہندو اور سنی یکساں انداز میں پوری کرتے ہیں۔ محرم کی رسوم میں لوگوں نے بہت سے ہندوستانی عناصر کو اپنا لیا۔ مثال کے طور پر شیر کا روپ بھرنا، اپنے جسم کو مختلف رنگوں سے رنگنا، موسیقی کے ساز بجانا، بھنے چاول (مُرمرے) گڑ اور ناریل بانٹنا وغیرہ تیلگو کے علاوہ حسن حسین کی تعریف میں مراٹھی اور کنڑ زبانوں میں بھی گیت ہونے کا امکان ہے۔

قطب شاہی اور عادل شاہی سلطنتوں کے بعد مغل دکن پر قابض ہوگئے۔ اورنگ زیب نے اورنگ آباد کو اپنا مرکزی مقام بنایا۔ قطب شاہی دور کی تمام رسومات کو پوری طرح ختم نہیں کیا۔ مجلسوں اور علموں کے جلوس میں بادشاہ نہیں جاتا تھا۔ شاہی ذاکر اور مرثیہ خواں موقوف کردیے۔ حکومت کی طرف سے مجاوروں کو جو امداد دی جاتی تھی بند کر دی گئی۔ مغلیہ حکومت کے صوبیدار محرم کے مراسم میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ عوام البتہ علم ایستادہ کرتے تھے۔ لوگ عام طور پر سیاہ لباس پہنتے تھے۔ گوشت کی فروخت پر بھی پابندی باقی نہ رہی۔ پان اور دوسرے لوازم کی خوش باشی کی بندش بھی جاتی رہی۔ ۱۷۲۴ تک مغلوں کا دکن پر قبضہ رہا اِس کے بعد آصفجاہی سلطنت قائم ہوئی۔

عزاداری شمالی ہند میں

دور اول

صوفیائے کرام نے عزاداری کے مراسم کو فروغ دیا۔ حکمرانوں کی طرف سے شیعیان علی کو کوئی خاص حمایت حاصل نہیں تھی بلکہ سلاطین کے رویہ کے سبب شیعوں کو مراسم عزاداری انفرادی حیثیت سے اپنے اپنے گھروں میں ہی ادا کرنا ہوتے تھے۔ صوفیوں نے عزاداری کو تقویت پہنچائی عوام کو حوصلہ دیا۔ خواجہ معین الدین چشتی نے تو امام حسین علیہ السلام کو "بنائے لا الہ" کہا ہے[۱]۔

شاہ است حسینؑ و بادشاہ ہست حسینؑ　　دیں است حسینؑ دیں پناہ است حسینؑ
سر داد نداد دست در دست یزید　　حقا کہ بنائے لا الہ است حسینؑ

حضرت بندہ نواز گیسو دراز کی محفل میں سماع حسینی کا ذکر ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ آج ہر شخص کو عاشورہ محرم کی یاد منانا ہے۔ سماع حضرت حسین کی یاد میں ہوگی اور لوگوں کو گریہ کرنا ہوگا۔ شمالی ہند میں عزاداری کو شاہی سرپرستی حاصل نہ تھی۔ اہل تشیع اپنے گھروں پر مجلس برپا کرتے تھے۔ صوفیاء خانقاہوں میں علم ایستادہ کرتے تھے، محفل سماع میں غم انگیز کلام سننے اور فاتحہ خوانی کا رواج تھا۔

دوسرا دور

۱۵۲۶ تا ۱۷۵۷ء مغلیہ دور میں عزاداری پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کا بانی ظہیرالدین بابر پانچویں پشت میں تیمور لنگ سے نسبی تعلق رکھتا تھا۔ تیمور وہ شیعہ حکمراں ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ اُس نے ہندوستان میں تعزیہ داری کو رائج کیا۔ بابر نے فرغانہ کی اپنی چھنی ہوئی سلطنت فرغانہ دوبارہ حاصل کرنے اور ہندوستان میں اپنی حکومت کے قیام و استحکام کے لئے ایران کے شاہ اسماعیل صفوی سے مدد لی تھی۔ وہ جب شاہ ایران کے دربار میں حاضر ہوا تو شیعوں کا مخصوص لباس اور کلاہ (بارہ گوشے والی جو شیعوں کے عقیدتِ اثنا عشری کو ظاہر کرتی ہے) پہن رکھی تھی۔

۱۔ کچھ لوگوں نے اِس رباعی کو ملا معین مسکین ہروی کے نام سے منسوب کیا لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ خواجہ اجمیری کے مزار شریف درگاہ اجمیر میں قبر کے داہنے سرہانے اِس رباعی کا کتبہ موجود ہے۔ روضہ کے باہری دروازے پر بھی یہ رباعی درج ہے۔ خواجہ سید ہجویری داتا گنج بخش کے مزار کی غلام گردش میں بھی یہ رباعی درج ہے۔ جناب صولت حسین نے خواجہ معین الدین چشتی کا جو دیوان مرتب کیا ہے اس میں بھی یہ رباعی موجود ہے۔ مولانا معینی تو خواجہ صاحب کے ۲۰۰ برس بعد پیدا ہوئے تھے اِس لئے ممکن نہیں کہ یہ رباعی اُن کی ہو۔

اِس نے اپنے تمام سپاہیوں کو اِسی قسم کی ٹوپی پہننے کا حکم دیا تھا۔ ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی اِس کو سیاسی مصالح کا نام دیتے ہیں اور تحریر کرتے ہیں کہ: "ازبکوں کے مقابلے میں شاہ اسماعیل صفوی نے بابر کو گرانقدر مدد دی اِس کے نتیجے میں بھی مغلوں اور صفویوں کے تعلقات بہت مضبوط ہو گئے تھے۔ بابر یہ بھی جانتا تھا کہ عثمانی ترک ازبکوں کے حلیف ہیں۔ اس لئے وہ ترکی اور ہندوستان کے درمیان ایک طاقتور شیعی ایران قائم رکھنا چاہتا تھا تاکہ ترک ہمیشہ ایرانیوں سے اُلجھے رہیں اور ازبکوں اور ترکوں کا اتحاد مغلوں کے لئے خطرہ نہ بن سکے[۳]۔ بابر نے سلطان یا امیر کہلوانے کے بجائے بادشاہ کا لقب اختیار کیا تاکہ وہ خلافت اسلامی کا نائب نہ تصور کیا جائے۔ اِس طرح شیعہ اور سنی اتحاد مضبوط کرنے کی کوشش کی۔ اور مغل دربار میں چند شیعی روایات شروع ہوئیں۔ ہمایوں کے لئے بابر نے جو وصیت نامہ تحریر کیا اُس میں مرقوم ہے کہ تم مذہبی تعصب کو اپنے دل میں ہرگز جگہ نہ دینا اور لوگوں کے مذہبی جذبات و رسوم کا خیال رکھتے ہوئے سب قوموں کے ساتھ پورا انصاف کرنا۔ شیعہ سُنی اختلافات کو ہمیشہ نظر انداز کرتے رہنا کیونکہ اِس سے اسلام کمزور ہو جائے گا"۔ ہمایوں اور اکبر کی مائیں ایرانی النسل تھیں[۴]۔

ہمایوں نے بھی ہندوستان میں دوبارہ تختِ حکومت پر قبضہ کرنے کے لئے ایران کے بادشاہ شاہ طہماسپ صفوی کی مدد لی تھی۔ ہمایوں اور شاہ ایران کے مابین جو معاہدہ ہوا تھا اُس کی ایک شق یہ تھی کہ ہمایوں ہندوستان میں دوبارہ اقتدار حاصل کرنے کے بعد شیعی عقائد کی ترویج کی کوشش کرے گا اسی سلسلے میں ہمایوں کے ساتھ منعم خان ایرانی سردار بھی دلی بھیجا گیا تھا جس کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ وہ دیکھے کہ اِس شق معاہدہ پر کیا ہمایوں صحیح طریقے سے عمل کر رہا ہے۔؟ خود ہمایوں کی بیگم حمیدہ بانو شیعہ تھیں۔ ہمایوں کو افغانستان اور ہندوستان میں جو دوبارہ تسلط حاصل ہوا اُس میں بہت کچھ دخل ایرانی شیعہ سپاہیوں کی شجاعت کا تھا۔ لہٰذا دہلی میں شیعہ اقتدار کو فروغ ہوا۔ شیخ محمد اکرم رقمطراز ہیں "جب وہ (ہمایوں) ہندوستان واپس آیا تو شیعہ اعمال کا زیادہ عمل دخل ہو گیا اور اہل تشیع کو مذہبی معاملات میں زیادہ آزادی مل گئی۔ ہمایوں کا وزیر بیرم خاں خود ایک شیعہ تھا۔ حضرت علی کی تعریف میں جس کے قصیدہ کا مطلع ہے:

شہی کہ بگزرد از نہ سپہر افسر او　　اگر غلام علی نیست خاک بر سر او

ہمایوں نے ۱۵۵۱ء میں بیرم خاں کو کربلا بھیج کر ضریح بنوائی جو بیش قیمتی ہیروں سے جڑی ہوئی تھی جسے شاہی محل میں رکھا گیا۔

---

1. John Holster: Shias of India, P 212.

۲. ڈاکٹر ذاکر حسین فاروقی: دبستان دبیر، ص ۱۱۷۔
۳. شیخ محمد اکرام: رودِ کوثر، لاہور ۱۹۸۳ء، ص ۳۱۔
۴. ایضاً۔

ہمایوں کے عہد میں عزاداری کی آزادی ملی تو شیعیان علی کھل کر عزاداری ادا کرنے لگے۔ ہمایوں کے ساتھ آئے ایرانی شیعہ سپاہیوں نے بھی مجلسوں کا انعقاد کیا۔ ہمایوں کے بعد بھی شیعوں کی کثیر تعداد ایران سے ہندوستان آئی۔ (ایران میں شاہ اسماعیل بانی نے اہل سنت و الجماعت کا طریقہ اختیار کیا اور سنی عقائد کا عارضی فروغ ہوا تو بہت سے شیعہ علماء اور اکابرین ہندوستان آئے۔) خود ہمایون کے متعلق مشہور ہے کہ اُس نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا[1]۔ ہمایوں کے نام یہ رباعی منسوب ہے۔

مستیم ز جاں بندۂ اولاد علیؑ مستیم ہمیشہ شاد با یاد علیؑ

چوں سر ولایت ز علیؑ ظاہر شد کردیم مدام ورد خود ناد علیؑ

نواب نصیر حسین خیال دہلی میں مجالس عزا کا آغاز ہمایوں کے دور سے ہی مانتے ہیں[2]۔ پروفیسر مسیح الزماں عبدالقادر بدایونی کے حوالے سے عہد ہمایوں کے ایک مشہور شاعر حیدر تو تیائی کا ذکر کرتے ہیں جس کے مطلع میں عزاداری و تعزیہ داری کا اشارہ ہے[3]۔

ماہ محرم آمد و شد گریہ فرض عین گرییم خوں بہ یاد لب تشنہ حسینؑ

ایرانیوں کے ہندوستان میں زیادہ تعداد میں آمد سے عزاداری کی روایت و مراسم بھی ہندوستانی کلچر میں داخل ہوتے گئے۔ شاہ جلال الدین اکبر اپنی مذہبی رواداری کے لئے مشہور ہے اُس نے ۱۵۸۰ء میں صلح کل کی پالیسی کی بنیاد ڈالی۔ کمسن اکبر پر بیرم خاں، شیخ مبارک، ابوالفضل اور فیضی کا بہت اثر تھا۔ اکبر کی ماں ایرانی تھی۔ اس کے دور میں روضہ امام رضا پر علم نذر کیا گیا تھا۔ دربار اکبری میں خاصی تعداد میں شیعہ اکابر موجود تھے۔ مثلاً حکیم ابوالفتح گیلانی۔ ملا فتح اللہ شیرازی، ابوالفضل علامی، فیضی عبدالرحیم خانخاناں وغیرہ۔ اکبر کا صدرالصدور شیخ گدائی شیعہ تھا۔ شیعہ عالم نور اللہ شوستری کا بحیثیت قاضی تقرر ہوا تھا۔ جونپور میں ملا محمد یزدی جیسے مجتہد بھی موجود تھے۔ محرم میں عزاداری کرنا نہ صرف ایرانیوں کے عقیدے میں شامل ہے بلکہ ان کی تہذیبی زندگی کا بھی اہم جز ہے۔ اِس بناء پر جہاں بیرم خاں، شیخ مبارک، فیضی، ابوالفضل آصف خاں جیسے مقتدر ایرانی جگہ جگہ جمع ہو کر علوم و فنون کی شاخوں میں دخیل ہوں، اُن کے اثر سے عام لوگوں کا ذکر کیا امراء اور شاہی خاندان کے افراد تک عقائد میں اُن کے ہمنوا ہو گئے ہوں گے ... عہد اکبر اور عہد جہانگیر میں جونپور کے ملا محمد یزدی ایسے مجتہد اور آگرہ کے نور اللہ شوستری ایسے قاضی تھے جن کے عقائد اور ضمیر کو موت کی سزا بھی نہ دبا سکی تو ہم یہ

۱. پروفیسر رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۲۷۳-۲۷۴۔
۲. نواب نصیر حسین خیال: مغل اور اردو۔
۳. پروفیسر مسیح الزماں: اردو مرثیے کا ارتقاء، ص ۹۰-۹۲۔

نہیں کہہ سکتے کہ اِس عہد میں عزاداری ہوتی ہی نہیں تھی[۱]۔

اس دور میں بعد مجالس عزاانگاروں پر ماتم ہوتا تھا۔ تمام شمالی ہند میں عزاداریِ حسین مروج ہو چکی تھی لیکن تاریخ مغلیہ خاموش ہیں توزکِ جہانگیری میں بھی اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

عہد اکبری میں شیعہ امراء واکابرین کے اقتدار کے سبب اکبر کے تورانی اور افغان امراء میں ایک بے چینی پیدا ہونے لگی۔ بیرم خاں کو قتل کرا دیا گیا جس کی تلافی کے لئے سنی علماء کو حج کے بہانے دارالحکومت سے دور کر دیا اور بعض کو قتل کر دیا گیا۔ پایۂ تخت دہلی سے آگرہ منتقل کر دیا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سُنی علماء کا اثر حکومت پر ختم ہو گیا[۲]۔

جہانگیر پر بھی کچھ شیعی اثرات تھے اُس کی بیگم نور جہاں ایرانی النسل تھی اُس نے تعزیہ داری کے لئے چند مواضعات اجمیر کی درگاہ کو دیئے۔ جہانگیر عشرۂ محرم میں تائب ہو جاتا تھا، مئے نوشی ترک کر دیتا تھا۔ لیکن سُنی دنیا کی برافروختگی ختم کرنے کے لئے اُس نے حضرت مجدد الف ثانی کی مریدی اختیار کر لی۔ سُنیوں کی خوشنودی کے لئے اُس نے شیعہ عالم قاضی نوراللہ شوستری کو قتل کروا دیا لیکن دربار سے شیعی رسوخ پھر بھی ختم نہیں ہوا[۳]۔

شاہجہاں کی بیگم ارجمند بانو (ممتاز محل) شیعہ تھی۔ شاہی خاندان کے کئی افراد اور امراء شیعی عقائد کے ماننے والے تھے۔ شاہجہاں کے بیٹوں میں شجاع کٹر شیعہ تھا، داراشکوہ مذہب کے معاملے میں متعصب نہیں تھا۔ اورنگ زیب نے سیاست سے کام لیا اور سنیوں کی حمایت حاصل کی۔ تخت نشینی کے بعد شیعہ اثرات کم کرنے کی کوشش کی۔ پروفیسر مسیح الزماں تحریر فرماتے ہیں: "اورنگ زیب کی مذہبی سخت گیری مشہور ہے لیکن اُس وقت تک ایرانیوں کا اثر اتنا بڑھ چکا تھا کہ نہ صرف بہت سے درباری امراء اپنے محلوں میں عزاداری کرتے تھے بلکہ محرم کے ایسے جلوس نکالتے تھے جن میں ایک خلقت شریک ہوتی تھی"[۴]۔ بخارا کا ایک سیاح محمد بن امیر ولی جو ۳۶-۱۶۳۵ء میں شمالی ہند میں آیا تھا۔ وہ لاہور میں اہل سنت کی عزاداری کے سلسلے میں تختیوں کی جنگ کا ذکر کرتا ہے[۵]۔

---

۱. پروفیسر مسیح الزماں: اردو مرثیے کا ارتقاء، ص ۹۰ تا ۹۲۔
۲. پروفیسر رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۷۵-۲۔
۳. ایضاً۔
۴. پروفیسر مسیح الزماں: اردو مرثیے کا ارتقاء، ص ۹۰۔
۵. تختیوں کی جنگ کی تفاصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے فرہنگ اصطلاحات والفاظ۔ لفظ تختیوں کی جنگ)۔

اورنگ زیب شیعہ دشمنی کے لئے بدنام ہوا مگر وہ بھی شیعی اثرات سے یکسر خالی نہ تھا[1]۔ اِس کی بیوی دلرس بانو شیعہ تھی۔ معتمد خاص نعمت خاں عالی شیعہ تھا۔ اُس کا سپہ سالار میر جملہ شیعہ تھا۔ اُمرائے عالمگیر میں اکثریت شیعوں کی تھی۔ اورنگ زیب کے وزیر اعظم اسد خاں اور سپہ سالار ذوالفقار خاں کے متعلق بھی شبہ ہے۔ وزیر عمادالملک صفدر جنگ، امیر الامراء نجف خاں تو یقیناً شیعہ خیالات کے تھے[2]۔ اورنگ زیب کی بیٹی زیب النساء کا اتالیق ملا محمد سعید اشرف ماژندرانی ایک ممتاز شیعہ عالم تھا[3]۔ اکثر ممتاز شعراء اور علماء کا مذہب یہی تھا۔ اورنگ زیب شیعوں کی بہادری، علمیت، قابلیت کا معترف رہا۔ ایرانی سپاہیوں کی بہادری کے متعلق اِس کا خیال تھا کہ "از اہل ایران بہتر معتمدی نیست از عہد عرش آشیانی احدے از محاربات نگردانیدہ"[4]۔

اورنگ زیب سیاسی مصلحتوں سے کام لیتا تھا۔ وہ اپنے وصیت نامے، رقعات اور احکامات میں اہل بیت کی مودت کا تذکرہ کرتا ہے۔ صف شکن خاں نے سیدوں کے متعلق جو اہانت آمیز جملہ استعمال کیا تھا اُس کی وجہ سے عالمگیر نے اُسے برطرف کردیا[5]۔ لیکن اورنگ زیب کے دامن پر شیعوں کے خون کے دھبے بھی لگے ہیں۔ اُس کے دربار میں شیعوں کے خلاف زہر اگلنے والے اور بادشاہ کے کان بھرنے والے بھی موجود تھے۔ شیخ احمد سرہندی کے بیٹے شیخ محمد معصوم نقشبندی نے تو عالمگیر کو شیعیان علی کے قتل کی ترغیب دی تھی[6]۔ شیعہ سنی اختلافات و کشیدگی عہد عالمگیر کے اختتامیہ برسوں میں بڑھ گئی تھی۔ تفرقے بڑھے اور عزاداری کے نام پر ذاتی دشمنیاں نکالی جانے لگیں تو اورنگ زیب کو عزاداری پر پابندی لگانے کا قدم اٹھانا

---

۱. پروفیسر رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری ص ۲۷۵۔

۲. شیخ محمد اکرام: رودِ کوثر ص ۶۰۱-۶۰۲ لاہور ۱۹۸۳ء۔

۳. ایضاً۔

۴. سرفراز محرم، نمبر ۱۳۸۴ھ، ص ۶۳۔

۵. گولکنڈہ کا محاصرہ جاری تھا۔ کچھ لوگوں نے صف شکن خاں تورانی سپہ سالار سے کہا قلعہ تو فتح ہو ہی جائے گا وہ غذا اور پانی جانے میں زیادہ سختی نہ کریں کیونکہ قلعے کے اندر علماء اور سادات صحیح النسب موجود ہیں۔ صف شکن نے جواب دیا اگر امام حسینؑ بھی اس قلعے میں موجود ہوتے تو بھی میں سختی میں کوئی کمی نہ کرتا (خاکم بدہن) جب اِس بات کی اطلاع اورنگزیب کو ہوئی تو اُس نے صف شکن خاں کو منصب سے برطرف کرکے جیل میں ڈلوا دیا۔ محمد صادق: طبقات عالمگیری نیشنل میوزیم نئی دہلی ایف ۸۵؛ قاضی جاوید، ہندی مسلم تہذیب، لاہور ۱۹۹۸، ص ۲۴۰۔

۶. ڈاکٹر رشید موسوی: دکن میں مرثیہ اور عزاداری ص ۹۱۔

پڑا۔ ایسا ہی ایک قضیہ برہانپور میں ہوا تھا[1]۔ ۱۶۶۹ء میں عزاداری پر بندش لگانے کی وجہ سے اورنگ زیب مطعون ہوا لیکن اُس کے دربار میں ایرانی اُمراء نے اورنگ زیب کے اِس قدم کی کوئی مخالفت نہیں کی[2]۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عزاداری کا رواج اورنگ زیب کی فتح دکن کے بعد سے جنوبی ہند سے آیا۔ لیکن متعدد واقعات ایسے ملتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اورنگ زیب کے عہد میں باقاعدہ عزاداری ہوتی تھی۔ خود اُمرائے سلطنت بھی اس میں حصہ لیتے تھے۔ پروفیسر سُنیل چند نے تاریخ عالمگیر میں رقم کیا ہے کہ روز عاشورہ اورنگ زیب نے ایک ضعیفہ کو دیکھا جو سر پر تعزیہ رکھے قلعہ کی طرف جا رہی تھی دیکھنے کے ساتھ ہی بادشاہ پر جذب و استغراق کی کیفیت جو گشت و مشاہدہ سے حاصل ہوتی ہے، طاری ہو گئی جس سے وہ سر و پا برہنہ اِس ضعیفہ کے پیچھے دوڑا یہاں تک کہ تعزیہ لے کر اپنے سر پر رکھ لیا اور قلعہ میں داخل ہوا اُس وقت سے عزاداری کرنے لگا۔ (واضح ہو کہ عہد عالمگیری کے اسباب عزاداری ابھی تک آگرے کے قلعہ میں محفوظ تھے۔ جس کی حفاظت خود گورنمنٹ کرتی تھی۔ یہی نہیں بلکہ آگرہ کے قلعہ میں گورنمنٹ کی طرف سے مجالس عزا برپا ہوتی تھی[3])۔

سرفراز لکھنؤ محرم نمبر ۱۹۶۴ (ص ۱۴۷-۱۴۸) میں مشہور مورخ خافی خاں کی تاریخ سے ایک واقعہ کا تذکرہ کیا ہے کہ برہانپور میں سنیوں نے اعتراض کیا کہ شیعہ مجلس کے بعد تعزیہ اٹھاتے ہیں۔ جو معاملہ اورنگ زیب کے سامنے پہنچا تو اُس نے شیعوں کو تعزیہ اٹھانے کی اجازت دے دی۔ مولانا عبدالواحد فرنگی محل نے جواز تعزیہ داری کے سلسلے میں جو فتویٰ دیا ہے

---

۱. برہانپور میں ماتمی جلوس میں احدی پورہ اور فرخی پورہ کے باشندوں میں پرانی دشمنی تھی۔ بدلہ لینے کے لئے دونوں گروہوں نے یوم عاشور کے موقع کو استعمال کیا ۱۲۰۰ اسلحہ بند جنگجو اور بڑی تعداد میں بندوقچی احدی پورہ کے جلوس میں موجود تھے۔ خرخی پورہ والوں کے جلوس تابوت کا سامنا ہوتے ہی تصادم ہوا۔ اُحدی پورہ والوں کے خلاف جلوس کے عام شرکاء کی امداد کے لئے مقامی لوگ آ گئے۔ احدی پورہ والوں کے پچاس سے زیادہ لوگ ہلاک اور سو لوگ زخمی ہوئے۔ اُحدی پورہ کے تابوت اور علم پر آراستہ ۵۰ ہزار کے لعل و جواہر ضائع ہو گئے (منتخب اللباب از محمد ہاشم خافی خاں، ج ۲، ص ۲۱۳-۲۱۴)۔

برہانپور کا یہ قضیہ جب اورنگ زیب کے سامنے پیش ہوا تو اُس نے تعزیہ داروں کے حق میں فیصلہ دیا۔ برہانپور میں تعزیہ داروں کا یہ دستور تھ کہ مجلس کے بعد تعزیہ اٹھایا جائے جس پر وہاں کے متعصب سنیوں نے اعتراض کیا۔ جب معاملہ اورنگ زیب کی عدالت میں پہنچا تو اُس نے تعزیہ داروں کے حق میں فیصلہ دیا (سرفراز محرم نمبر ۱۹۶۴ ص ۱۴۷-۱۴۸)۔

۲. جب اِس طرح کے تنازعات بڑھنے لگے تو بادشاہ اورنگ زیب عالمگیر نے جلوس کے ۱۲ ویں سال ۱۶۶۹ء میں جلوسوں پر پابندی لگا دی جس کی وجہ سے اورنگ زیب مطعون کیا گیا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ دربار میں موجود شیعہ امراء و اکابرین نے اِس کے خلاف کچھ نہیں کہا۔ (سرفراز محرم نمبر ۱۹۶۴ ص ۱۴۷-۱۴۸)۔

۳. پروفیسر سُنیل چند: تاریخ عالمگیری، ص ۴۳۔

اُس میں سلاطین مغلیہ خاص طور سے اورنگ زیب کی روایات کے ذریعے استدلال قرار دیا[1]۔ ڈاکٹر جعفر رضا بھی عہد عالمگیر میں عزاداری کے رواج کو تسلیم کرتے ہیں[2]۔ اورنگ زیب نے قیام دکن سے وفات تک کسی بھی شیعہ امیر کے خلاف عزاداری کرنے کی وجہ سے تعزیری کاروائی نہیں کی۔ اہل تشیع اور صوفیاء اپنے ڈھنگ سے عزاداری کرتے رہے۔

اورنگ زیب کے بعد شاہ عالم بہادر شاہ اول تخت شاہی پر متمکن ہوا۔ اِس کے عہد حکومت میں شیعوں کا زور بڑھ گیا تھا۔ وہ خود زبردست شیعہ عقائد رکھتا تھا۔ اُس کی زوجہ شہر بانو بھی شیعہ تھی۔ اِس کے عہد میں سادات بارہہ (دو بھائی عبداللہ خاں اور حسین علی خاں) کا اقتدار بہت بڑھ گیا تھا۔ یہ دونوں بھائی شیعہ تھے۔ مشہور واقعہ ہے کہ عادل شاہی سلاطین کی طرح بہادر شاہ اول نے اپنی مملکت کی تمام مساجد میں خطبہ میں "علیاً ولی اللہ وصی رسول اللہ" کے اضافے کا فرمان جاری کیا اور اذان میں حضرت علی کے نام کے اضافہ کرنے کا حکم دیا۔ دہلی میں تو کوئی نمایاں آواز بلند نہ ہوئی لیکن آگرہ اور احمد آباد میں سنیوں نے صدائے احتجاج بلند کی۔ لاہور میں ایک بڑے طبقے نے حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ بادشاہ فوج لے کر پہنچے، حنفی علما سے مباحثہ و مناظرہ کیا۔ بالآخر حکم منوانے کے لئے توپیں چڑھانے کا حکم دیا۔ ہزاروں آدمی شاہی مسجد پر جمع ہو گئے۔ معاملہ اور بگڑنے سے پہلے ہی ایرانی امراء نے بادشاہ کو سمجھا بجھا کر حکم منسوخ کرا دیا[3]۔ بہادر شاہ اول خود قلعہ معلیٰ میں محرم کے مراسم پورے زور شور سے انجام دیتا تھا۔ منت کا جوڑا پہنتا، سقہ بنتا، شربت اور تبرک تقسیم کرتا اور خاص محل میں مجالس ہوتی تھی۔ بہادر شاہ اول اور فرخ سیر کے زمانے سے لال قلعہ میں عزاداری کا بہت فروغ ہوا[4]۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۷۳۸ء میں دہلی میں بیسیوں عاشور خانے، مرثیہ خانے، مرثیہ خواں اور سوز خواں موجود تھے۔

عزاداری کا یہ سلسلہ فرخ سیر کے دور تک یوں ہی جاری رہا۔ محمد شاہ کے زمانے میں سید برادران کا اقتدار ختم ہوا لیکن عمائدین سلطنت اکثر شیعہ تھے۔ (سعادت خاں، برہان الملک، عمدۃ الملک، امیر خاں، مؤتمن الدولہ نواب اسحاق خاں، نواب سعادت خاں، ذوالفقار جنگ، شاہنواز خاں ناظم پنجاب اور علی وردی خاں ناظم بنگالہ وغیرہ) اِس لئے عزاداری کو فروغ حاصل رہا۔ ڈاکٹر محمد حسن رقمطراز ہیں: "ایرانی اور تورانی امراء کی کشمکش میں ایرانی گروہ کے زیر اثر عزاداری اور تعزیہ داری کا رواج اور بڑھ گیا۔ مجالس میں عورتیں فارسی نہ جاننے کی وجہ سے ہندی قریب الفہم عامہ مومنین و مومنات میں ذکر شہادت سننے کی فرمائش کرنے لگیں اِس طرح آہستہ آہستہ عوام الناس کی فارسی سے بڑھی اجنبیت کے پیش نظر اور ریختہ کی

۱۔ عبدالواحد فرنگی محلی: ازالۃ الاوہام۔

۲۔ ڈاکٹر جعفر رضا: دبستان عشق کی مرثیہ گوئی، ص ۷۴۔

۳۔ پروفیسر مسیح الزماں: اردو مرثیے کا ارتقاء (حوالہ رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۲۷۹)۔

۴۔ سرفراز، محرم نمبر ۱۳۸۴ھ، ص ۶۳۔

مقبولیت کی بناپر اردو میں مرثیے اور نوحے لکھے جانے لگے"[1]۔ فضلی کی کربل کتھا (دہ مجلس) محمد شاہی عہد کی تصنیف ہے۔ مرقع دہلی (سفر نامہ درگاہ قلی خاں) میں محمد شاہی دور کے گیارہ مرثیہ خوانوں کا ذکر ہے۔ مرثیے، نوحے، سلام اردو میں بھے جانے لگے۔ اردو کی عوامی مقبولیت میں عزاداری کا بھی ہاتھ ہے۔

درگاہ قلی خاں سالار جنگ ۱۷۳۸ء میں دہلی پہنچے اور ۱۱۵۴ھ تک وہیں رہے۔ اُن کے سفر نامے مرقع دہلی میں اُس وقت کے متعدد عاشور خانوں، مرثیہ گویوں اور مرثیہ خوانوں کا تذکرہ ہے۔ انہوں نے میر عبداللہ مرثیہ خواں کا ذکر کیا ہے جو ندیمؔ اور حزیںؔ کے مرثیے پڑھتے تھے۔ اٹھارویں صدی میں ایام عاشورہ میں شہدائے کربلا کے منظوم حالات و واقعات مجلسوں میں پڑھے جاتے تھے[2]۔ درگاہ قلی خاں کے سفر نامے میں یہ معلومات بھی ملتی ہے کہ اُس دور میں بعض عمارتیں عزاخانوں اور امام باڑوں کا کام سرانجام دیتی تھیں۔

"محرم کی بارہویں حضرت خامس آل عبا کی زیارت کا دن ہے ارباب عزا محزون دل اور اشکبار آنکھوں سے اِس مکان (قدم گاہ امیر المؤمنین) میں جمع ہوتے ہیں اور زیارت کی شرطیں پوری کرتے ہیں۔ کوئی متنفس ایسا نہیں ہوتا جو اُس دن اِس سعادت سے متشرف نہ ہو۔ سواریوں کی کثرت اور ضریح شریف کی بھیڑ سے راستے چشم مور کی طرح تنگ ہو جاتے ہیں۔ اہل حرفہ اپنی دکانیں سجاتے ہیں اور منافع کماتے ہیں۔ چوکی خانے میں جو ارباب ایمان کا معین مکان ہے منقبت خواں بلند آہنگ سے قصائد عزا پڑھتے ہیں اور آنجناب سے نجات کا پروانہ حاصل کرتے ہیں"[3]۔

محمد شاہ رنگیلے کے دور میں شیعیت کی خصوصی ترقی ہوئی اُس کی ملکہ کو اہل بیت سے بہت عقیدت تھی۔ احمد شاہ کے دور میں نواب بہادر جاوید خاں مدار المہام شاہی محل کی وجہ سے بادشاہ اور اُس کی والدہ درگاہ شاہ مرداں سے جذباتی طور سے وابستہ ہو گئے تھے۔ عالمگیر ثانی نے عزاداری پر بندشیں لگا دیں لیکن قندہار سے محمد شاہ اول کی بیوہ ملکہ کے واپس آتے ہی عزاداری کو بہت فروغ ہوا۔

شاہ عالم اور اکبر شاہ ثانی کے زمانے میں بھی دہلی میں عزاداری ہوتی تھی۔ ۱۷۹۲ء میں نواب جاوید خاں کے محل میں تعزیوں کی تعداد چھ تھی جو اگلے سال بڑھ کر ۱۰۰ ہو گئی۔ منبر بھی پچاس ہو گئے۔ ۲۸ اکتوبر ۱۷۹۳ کو ۲۰ شہزادے اور دیگر

۱. ڈاکٹر محمد حسن: اردو شاعری کا تہذیبی اور فکری پس منظر، ص ۶۷۔
۲. ڈاکٹر محمد عمر: اٹھارہویں صدی میں ہندوستانی معاشرت، ص ۱۶۹۔
۳. درگاہ قلی خاں: مرقع دہلی (اردو ترجمہ)۔

افرادِ شاہی اور سات آٹھ سوزن و شوہر بہادر نواب کے محل میں زیارتِ تعزیہ کے لئے گئے تھے۔ ۱۸۰۱ء میں بادشاہ نے اکبر شاہ کو ۱۲۵ روپے اور بیگمات کو ۷۰۰ روپے محرم کے اخراجات کے لئے دیئے۔ اِس زمانے میں مجالس عزا کا اہتمام ہوتا تھا۔ دس دن تک امام باڑوں میں عزاداروں اور ماتم داروں کا مجمع لگا رہتا۔ شہدائے کربلا کے ذکر میں حدیثیں اور مرثیے پڑھے جاتے تھے۔ تعزیوں کے سامنے شربت، ریوڑی، الائچی دانے اور ملیدہ رکھ کر فاتحہ دی جاتی تھی۔ شبِ عاشور کو کونڈوں میں حلوا بھر کر علموں کے سامنے رکھا جاتا تھا۔ اور دوسری صبح کو وہ حلوا مفلسوں اور مستحقین میں تقسیم کر دیا جاتا تھا[۱]۔

مجالس عزا میں بادشاہ خود بھی دلچسپی لیتے تھے۔ اکبر شاہ ثانی نے شاہ مرداں کے قریب دہلی میں ایک امام باڑہ تعمیر کروایا تھا جہاں ہر سال ماہ محرم میں مسلمان جمع ہوتے اور مرثیہ خوانی کرتے تھے[۲]۔ آج بھی شیعہ وہاں مجالس عزا منعقد کرتے ہیں۔ اِن امام باڑوں کے علاوہ دہلی کے بازاروں میں خاص جگہیں تھیں جہاں منبروں پر کھڑے ہو کر مناقب شہدائے کربلا بیان کئے جاتے تھے[۳]۔ درگاہ قلی خاں نے چوک سعد اللہ کی مجلسوں کا منظر پیش کیا ہے۔ امام حسینؑ کی زیارت کے دن (۱۳ محرم کو) تمام سڑکوں پر عزاداروں کا مجمع لگا رہتا تھا۔ یہ تمام لوگ سر برہنہ اور پاپیادہ راستوں پر نکلتے تھے۔ قدم گاہ حضرت علیؑ میں بہت رونق ہوتی تھی۔ دکاندار اپنی دکانوں کو سجاتے تھے اور قدم گاہ کے متصل ایک چوکی خانہ تھا جہاں عزادار جمع ہوتے تھے اور بآواز بلند ذکر شہدائے کربلا کرتے تھے اور مرثیہ خوانی کرتے تھے[۴]۔ لال قلعہ میں عزاداری ہوتی تھی۔

مولانا حسن گیلانی ایک چشم دید گواہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"اکثر سلاطین شاہی خاندان والے قلعہ میں تعزیہ داری کرتے تھے۔ صغیر پیک بنتے، کوئی نشانچی بنتا، کوئی نقیب بنتا، کوئی تاشہ، ڈھول یا جھانجھ تعزیوں کے آگے بجاتا۔ کوئی مرثیے پڑھتا تھا۔ مرثیہ خوانوں کو چار چار طشتریاں، چکنی ڈلی، خربوزے کے بھنے ہوئے بیج اور دھنیا ملا کرتی تھیں۔ بڑی دھوم سے علم اٹھائے جاتے تھے۔ یہ حال تو مغل شہزادوں کا تھا باقی خود بادشاہ سلامت فقیر بنتے، سبز کپڑے پہنتے، گلے میں سبز کفنی جھولی ڈالتے۔ بادشاہ کے گلے میں زنجیر ڈال کر سید کھینچتے تھے۔ مغل بادشاہ حضرت عباس علمبردار کے سقے بنتے۔ لال کھاردے کی ایک لنگی باندھے، شربت سے بھری ایک مشک کاندھے پر رکھ کر معصوموں کو شربت پلایا کرتے تھے۔ الغرض شیعوں کے

---

۱. واقعات شاہ عالم، ص ۶۴۔
۲. مفتاح التواریخ، ص ۲۷۶۔
۳. پروفیسر ہارون خاں شیروانی: اردو مرثیے کی روایت، ص ۲۲۴۔
۴. درگاہ قلی خاں مرقع دہلی (اردو ترجمہ)۔

یہاں محرم میں جو ہوتا تھا قلعہ کے سنی بادشاہوں کے یہاں بھی ہر ایک کی نقل ہوتی تھی"[1]۔

دہلی کے آخری مغل بادشاہ ابوالمظفر سراج الدین بہادر شاہ ثانی المتخلص بہ ظفر کو امام حسینؑ اور دیگر اہل بیت اطہار سے خصوصی عقیدت تھی۔ اُس کے متعلق تو یہ مشہور ہو گیا تھا کہ اُس نے شیعہ مسلک اختیار کر لیا۔ جان ہالسٹر لکھتا ہے:

"مغلوں پر شیعی مسلک کا اثر ۱۸۵۴ء تک قائم رہا۔ بہادر شاہ ثانی نے ایران کے شاہ کے ساتھ رابطہ رکھا اور اپنے شیعہ ہونے کا خفیہ طور پر اظہار کر دیا تھا۔ دہلی میں سنی اثر بہت بڑھ گیا تھا۔ اصلاحی تحریکوں (شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی) نے اہل سنت کو اتنا بااثر بنا دیا تھا کہ بادشاہ ظفر اپنے شیعہ ہونے کا کھل کر اعلان نہیں کر سکتا تھا کیوں کہ بہادر شاہ اول کا انجام اُسے معلوم تھا"[2]۔

۱۸۵۰ کے بعد سے تو انگریز ہر ممکن کوشش کر رہے تھے کہ بہادر شاہ کو کیسے عوام سے دور کیا جائے۔ اِس لئے انہوں نے "پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو" کی پالیسی اپنائی، یعنی ظفر کو اگر شیعہ ثابت کر دیا جائے تو سنی عوام اس سے دور ہو جائیں گے۔

بادشاہ ظفر محرم میں مراسم عزاداری بڑے انہماک سے مناتا تھا[3]۔ سر طامس مٹکاف کی ڈائری میں بادشاہ دہلی کے محرم منانے کا بیان موجود ہے:

"آج کے دن جہاں پناہ کے محلات میں حضرت علیؑ کے دستر خوان کی نیاز کے ستو بڑے بڑے خوانوں میں چوٹی تک بھر کے دستر خوانوں پر رکھ دئے جاتے ہیں اور پردہ گرا دیا جاتا ہے۔ پھر باہر بیٹھ کر نیاز دی جاتی ہے۔ پھر پردے باندھ دئے جاتے ہیں اور شمع کی روشنی میں اُن ستوؤں کو دیکھا جاتا ہے۔ آج ایک خوان کے ستوؤں پر حضرت علیؑ کی تسبیح کے دانے کا ایک نشان نظر آیا۔ حضور جہاں پناہ نے اُس خوان کے ستوؤں کو خود بطور تبرک نوش فرمایا۔ پھر اپنے دست مبارک سے وہ ستو شہزادوں اور بیگمات کو تقسیم کیا۔ اس کے بعد سب نے بارگاہ جہاں پناہ میں نذریں پیش کیں۔ کہا جاتا ہے اگر خوانوں یا کھانوں پر کوئی خاص نشان نظر آ جاتا ہے تو سمجھتے ہیں کہ حضرت علی نے یہ نیاز قبول فرمائی اور اس پر اپنی انگلی کا نشان ثبت کر دیا۔ دستر خواں پر قسم قسم کے کھانے ہوتے اور جو کے ستو بھی لیکن حضرت علی کی تسبیح کا نشان صرف جو کے ستوؤں پر ظاہر ہوتا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ستوؤں کو اس طرح چوٹی دار بھرا جاتا تھا کہ کسی چھوٹے بڑے نشان کی گنجائش نہیں رہتی تھی۔ مگر جب تسبیح کا نشان اس میں نظر آیا تو سب کو

۱. پروفیسر سید جعفر رضا: ہندوستان میں تعزیہ داری، (مقالہ) راہ اسلام، خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی، ص ۸۱-۸۲۔

2. John Holster: Shias of India, P 88.

۳. پروفیسر رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۲۸۴۔

بے حد خوشی ہوئی کہ حضرت علی نے اِس ستو کو قبول فرمایا"[1]۔

منشی فیاض علی بزم آخر میں لکھتے ہیں:

"محرم میں بادشاہ فقیر بنتے، سبز کپڑے پہنتے اور گلے میں سبز جھولی ڈالتے تھے۔ چھٹی تاریخ کو تھوڑی دیر کے لئے شدے ہاتھ میں لے کر اور چاندی کی زنجیر کمر میں ڈال کر گشت کرتے تھے۔ ساتویں کی مہندی بڑی دھوم دھام سے اٹھتی اور بادشاہ بہ نفس نفیس اِس کی مشایعت کرتے تھے۔ آٹھویں محرم کو حضرت سقائے حرم کی یاد میں لال کھاردے کی لنگی باندھ کر بہشتی بنتے اور شربت کی بھری بھری مشک کو کندھے پر رکھ کر معصوموں کو شربت پلاتے تھے۔ دسویں تاریخ کو موتی مسجد میں عاشورے کی نماز پڑھ کر ظہر کے وقت حاضری کے دسترخوان پر نیاز دیتے تھے۔ دسترخوان پر شیرمالیں چنی ہوتی تھیں۔ شیرمال کے اوپر کباب، پنیر، پودینہ، ادرک اور مولی کتر کے رکھی جاتی تھیں"[2]۔

۲۳ جنوری ۱۸۴۷ عاشور کے دن بادشاہ درگاہ شریف کے آثار کی زیارت کو تشریف لے گئے۔ مرزا جہاں دار شاہ متولی کو خلعت قبائے خاص سہ رقم جواہر دستار سربستہ گوشوارۂ مرصع اور حافظ قطب الدین کو خلعت پارچہ معہ رقم اور اُن کے لڑکے کو سہ پارچہ اور دو رقم جواہر اور سادات عالی درجات کو پہننے کے کپڑے اور زرِ نقد اور فقرا و مساکین کو نیاز کا کھانا مرحمت فرمایا[3]۔

سید حسین نے دورِ آخر کی دلی کے محرم کی تصویر یوں کھینچی ہے[4]:

"محرم کی پہلی کو قلعہ میں بادشاہ اور عوام و خواص کے گھروں میں بچے حضرت حسنؑ اور حسینؑ کے فقیر بنتے، سبز کپڑے پہنتے اور گلے میں سبز کفنی اور جھولی ڈال دی جاتی۔ جھولی میں الائچی دانے، سونف اور خشخاش بھری جاتی۔ اس کے بعد یہ فقیر درگاہ میں جاکر سلام کرتے اور نیاز دلائی جاتی۔ کھاتے پیتے گھروں میں دس دن صبح کو اور شام کو شربت فقیروں کو تقسیم ہوتا تھا۔ چھٹی کو بادشاہ کے ہاتھ میں دو مرصع ڈنڈے دیئے جاتے تھے اور کمر میں سیمیں زنجیر ڈالی جاتی تھی۔ دو سید زادے رسی سے پکڑ کر بادشاہ کو کھینچتے تھے۔ دو چار قدم چلنے کے بعد زنجیر بادشاہ کے گلے ڈالدی جاتی تھی۔ محرم کی ساتویں کو شاہی جلوس امام باڑہ جاتا تھا۔ آگے آگے لال کاغذ سے منڈھی ہوئی بانس کی کھپچیاں اور ابرق کے کنول میں روشن شمعیں، میدے

۱۔ سرطامس منکاف کی ڈائری، ص ۱۰۹؛ رئیس احمد جعفری ندوی: بہادر شاہ ظفر اور ان کا عہد، مطبوعہ ۱۹۵۵ء۔ بحوالہ سرفراز، محرم نمبر ۱۹۶۴، ص ۱۴۳۔

۲۔ منشی فیاض علی: بزم آخر۔

۳۔ سرفراز محرم نمبر ۱۹۶۴ء، ص ۱۴۲۔

۴۔ سید وزیر حسن دہلوی: دلی کا آخری دیدار، مطبوعہ اردو اکادمی دہلی، ص ۳۷۔

اور مالیدہ کے خوان درگاہ میں چڑھائے جاتے تھے۔ محرم کی آٹھویں کو بادشاہ حضرت عباس کے سقے بنتے، سب بچوں کو شربت پلاتے تھے اِس کے بعد ملیدے پر نیاز دی جاتی تھی۔ محرم کی دسویں کو کوزوں میں شربت بھرا جاتا تھا، تازہ حلوہ کونڈوں میں بھرا جاتا تھا۔ ظہر کے وقت بادشاہ موتی مسجد میں عاشورہ کی نماز پڑھتے تھے۔ اِس کے بعد کھانے پر نیاز دی جاتی تھی۔ بادشاہ چکھ کر اسے تقسیم کرا دیتا تھا۔ اِس کے بعد تبرکات (جس میں حضرت محمدؐ کا جبّہ اور نعلین، حضرت علیؑ کا قرآن حضرت حسن حسین کی خاک ہوتی تھی) کی تعظیم و تکریم کرتا تھا۔ محل سرا کی خواتین بھی اس میں شریک ہوتی تھیں۔ اِس کے بعد یہ ڈلیاں، الائچیاں، کتری ہوئی چھالیہ، خربوزوں کے بیج، کترا ہوا کھوپرا اور دھنیا تقسیم ہوتا تھا۔ شہر میں دس دن کچھ ایسی ہی دھوم رہتی تھی۔ دسویں کے روز تعزیئے اٹھتے، سبیلیں رکھی جاتیں۔ ڈھول اور تاشے پیٹے جاتے، مرثیہ خوانی ہوتی۔ بڑی دھوم دھام سے علم اٹھتے، اکھاڑے جمتے تھے۔ ہندوؤں کی اچھی خاصی تعداد دسویں کے روز تعزیوں کے جلوس میں شریک ہوتی۔ جن محلوں سے تعزیئے گزرتے وہاں کے ہندو سبیل رکھتے تھے۔[1]

درگاہ عباس لکھنؤ میں نذر بہادر شاہ ظفر ایک دفعہ سخت بیمار ہوا۔ جب کسی علاج سے کوئی افاقہ نہیں ہوا تو درگاہ حضرت عباس لکھنؤ پر اُن کی طرف سے نذر گزاری گئی تو کچھ لوگوں نے مشہور کر دیا کہ بادشاہ شیعہ ہو گیا ہے۔ مخالفت کے خوف سے بادشاہ کو صفائی دینی پڑی۔ شیخ محمد اکرام رقمطراز ہیں:

"آخری مغل بادشاہ بہادر شاہ ثانی ظفر کی نسبت ایک زمانے میں لکھنؤ میں مشہور ہو گیا تھا کہ اُس نے شیعہ مذہب اختیار کر لیا۔ لیکن جب سنی علماء و اکابر نے اس پر مواخذہ کیا تو بادشاہ نے اس افواہ کی تردید کی"[1]۔

اُس زمانے میں بہادر شاہ ظفر کا بھتیجا مرزا حیدر شکوہ لکھنؤ میں تھا۔ ظفر نے کچھ روپے اور ایک خط کے ساتھ شاہی علم بھی لکھنؤ بھیجا۔ مرزا حیدر شکوہ نے مجتہد العصر سلطان العلماء مولانا سید محمد صاحب کو وہ خط پیش کیا اور اُن کے دست مبارک سے حضرت عباس کی درگاہ پر علم چڑھایا گیا[2]۔ سید سبط احمد جائسی تحریر کرتے ہیں:

"سلطان العلماء مولانا سید محمد صاحب طاب ثراہ (جائسی النصیر آبادی) نے ظفر کو شیعہ کیا تھا۔ چنانچہ بادشاہ نے ایک علالت کے سلسلہ میں امام باڑے کی تعمیر کی اور درگاہ حضرت عباس میں ایک علم مبارک کے چڑھاوے سے اپنے شیعہ ہونے کے اعلان کا وعدہ کیا۔ بعد صحت لکھنؤ میں شاہی علم آیا جسے بڑے تزک اور احتشام کے ساتھ

۱۔ شیخ محمد اکرام: رودِ کوثر، لاہور، ص ۶۰۰-۶۰۱۔

۲۔ پروفیسر رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۲۸۳۔

درگاہ حضرت عباس میں لے جاکر نصب کیا گیا۔ اِس خبر سے دہلی میں آگ لگ گئی اور بادشاہ کو تبدیل مذہب کے لئے مجبور کیا گیا۔ ظفر کے پاس سوائے تردیدِ واقعہ اور کوئی چارہ نہ تھا"[۱]۔

ڈاکٹر خلیق انجم نے "غالب اور شاہانِ تیموریہ" میں بہادر شاہ ظفر کی تبدیلی مذہب کا اقرار کیا ہے[۲]۔ مرزا عسکری کا بھی ظفر پر بہت اثر تھا[۳]۔

سنیوں کے یہاں شہادت نامے پڑھے جاتے تھے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے یہاں مجلس ہوتی تھی اور شاہ صاحب ہی شہادت نامہ پڑھتے تھے۔ شاہ عبدالخالق محدث دہلوی اخبار الاخبار میں تحریر کرتے ہیں:

"ہمارے دیار (دہلی اور اطراف دہلی) میں یہ قدیم دستور ہے کہ عورتیں بروز عاشورہ مجتمع ہو کر گھروں میں گریہ و زاری کرتی ہیں"[۴]۔

انگریزی حکومت نے تعزیوں پر پابندیاں عائد کر دی۔ متعدد مذہبی دور بدلتے ہوئے سیاسی حالات کی بناء پر دہلی کے محرم کا نقشہ ہی بدل گیا۔ فرقہ پرست دانشوروں نے ایرانی اور تورانی حوالوں کا سہارا لے کر جو بحثیں شروع کی اُس کا نتیجہ شیعہ سنی اختلافات کی شکل میں نمودار ہوا۔ شاہ ولی اللہ (جن کا سلسلہ نسب والدہ کی جانب سے حضرت امام موسیٰ کاظمؑ تک پہنچتا تھا[۵])۔ نے سب سے پہلے تورانی تصور کی تردید کی کہ شیعہ مشرک ہیں اِس لئے واجب القتل ہیں[۶]۔ شاہ صاحب نے مسلمانوں میں اتحاد قائم کرنے کے لئے تحریک شروع کر رکھی تھی۔ انہوں نے قرآن کا ترجمہ فارسی میں کیا تو اُس کی چند علماء نے مخالفت کی۔ شاہ ولی اللہ "فیوض الحرمین" میں لکھتے ہیں:

"میری طبیعت اور فکر کو جب اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو دونوں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو فضیلت دیں گے"[۷]۔

---

1. Syd. Athar Abbas Rizvi, A Socio – Intellectual History of Asna Ashree Shias In India, Vol.1, P 305.

۲. ڈاکٹر خلیق انجم: غالب اور شاہانِ تیموریہ۔

۳. دلی گیٹ کے نزدیک ایک شخص مرزا عسکری رہتا تھا جو روحانی قوتوں کے مالک ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ بادشاہ ظفر پر بھی اُس کی باتوں کا بہت اثر تھا۔ وہ ایران کے بادشاہ سے دلی کے بادشاہ کو جنگی امداد دلانے کی باتیں کرتا تھا۔ اُس نے اِس مقصد کے لئے ایک آدمی بھی ایران بھیجا تھا۔

۴. شاہ عبدالخالق محدث دہلوی بحوالہ سرفراز، محرم نمبر ۱۹۶۴، ص ۱۵۲۔

۵. شیخ محمد اکرام: رودِ کوثر، لاہور ۱۹۸۶، ص ۵۳۴۔

۶. قاضی جاوید: ہندی مسلم تہذیب، ص ۲۴۱۔

۷. شیخ محمد اکرام: رودِ کوثر لاہور ۱۹۸۶، ص ۵۷۵۔

شاہ عبدالعزیز نے "سیر الشہادتین" لکھی۔ اِس کتاب کی بنیاد پر لوگ شاہ صاحب کو شیعہ تصور کرنے لگے تھے لیکن اثنا عشریہ کی بڑھتی ہوئی شہرت کو دیکھ کر انہوں نے ۸۹-۱۷۸۰ء میں تحفۂ اثنا عشریہ لکھی جو شیعی عقائد کی رد تھی[1]۔ اس کے جواب میں مرزا محمد کامل نے نزہت اثنا عشریہ لکھی۔ مولوی سید دلدار علی شیعہ مجتہد اول نے ذوالفقار لکھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مناظرہ شروع ہو گیا اور سنی شیعہ تعلقات میں کشیدگی بڑھ گئی۔ اُس خلیج کو وسیع کرنے کے لئے کچھ من گھڑت روایات بھی لکھی گئیں[2]۔

برٹش راج جب پوری طرح مسلط ہو گیا تو حکمرانوں نے تقسیم کرو اور حکومت کرو، کی حکمت عملی اختیار کی۔ سامراجی حکومت کے قیام اور استحکام کے لئے تاریخ مسخ کرکے مفسدانہ کتابیں لکھوائی گئیں جن کو نصاب تعلیم میں داخل کر دیا گیا۔ فرقہ وارانہ کشیدگی بڑھنے کی وجہ سے محرم کا جلوس ایک مسئلہ بن گیا۔ شیعوں اور سنیوں کے بیچ خلیج وسیع کرنے کے لئے مدح صحابہ اور تبرّیٰ ایجی ٹیشن شروع ہو گئے۔ سنیوں اور شیعوں کے جلوس الگ الگ نکلنے شروع ہوئے تو غیر مسلموں نے اِن سے بہت کچھ حد تک کنارہ کشی شروع کر دی۔ صوفیاء کے بجائے عزاداری پر علماء کا اثر بڑھنا شروع ہو گیا۔ عہد عالمگیر میں (۱۶۹۴ء) میں علماء، صوفیا اور سادات کو دی جانے والی مدد معاش کو موروثی زمینداری میں بدل دیا گیا۔ امام باڑوں کی جائداد کو بھی لوگوں نے آپس میں تقسیم کر لیا۔ امام باڑوں کی عمارتیں عالیشان بنیں اور انہیں جھاڑ فانوس اور شیشوں سے سجایا گیا۔ سادگی جو عزاداری کی شان تھی دھیرے دھیرے کم ہوتی جا رہی تھی۔ زمینداروں کے امام باڑوں میں لوگوں کے لئے جو فرش بچھایا جاتا تھا اُس میں مساوات کے بجائے تفریق پر مبنی نشست کا انتظام کیا جانے لگا۔ سفید چاندنی پر اشراف اور دری پر مزدور چھوٹے اہل حرفہ بیٹھتے تھے۔ تقسیم وطن کے بعد شیعہ فرقے کی خاصی تعداد ہجرت کر کے پاکستان چلی گئی۔ بعض امام باڑوں پر کسٹوڈین کا قبضہ ہو گیا۔ خاتمہ زمینداری نے جو معاشی بحران پیدا کیا تھا اس کے سبب بے کار اور داد و دہش

---

۱. تحفہ اثنا عشریہ کے دیباچہ میں شاہ عبدالعزیز لکھتے ہیں کہ اِس کتاب کی تالیف غرض اور ضرورت اِس لئے محسوس کی گئی کہ جس دور سے ہم گذر رہے ہیں اور جس زمانے میں ہم زندگی گذار رہے ہیں اِس میں اثنا عشریہ کا غلبہ اور شہرہ اتنا بڑھ گیا ہے کہ بہ مشکل کوئی گھر ایسا ہوگا جس میں کوئی نہ کوئی شخص یہ مذہب اختیار نہ کر چکا ہو یا اِس سے متاثر نہ ہوا ہو (تحفہ اثنا عشریہ ص ۳۰۴)۔

۲. شاہ عبدالعزیز کے متعلق لکھا گیا کہ نجف خاں نے اُن کے ہاتھ کے پہونچے اتروا دئے تا کہ وہ کوئی کتاب نہ لکھ سکیں۔ شاہ ولی اللہ کو دلی سے نکلوا دیا گیا اور وہ پیدل جونپور تک گئے کیونکہ اُن کو سوار نہ ہونے کا حکم تھا۔ اِن حکایات کو مناظر احسن گیلانی، مولانا محمد میاں اور انتظام اللہ شہابی نے شاہ عبدالعزیز کی سوانح کے تحت اپنی کتابوں میں نقل کیا لیکن، غور طلب بات یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ کا انتقال ۱۷۶۲ میں نجف خاں کے برسراقتدار آنے (۱۷۷۲) سے دس سال قبل ہو چکا تھا اور شاہ عبدالعزیز نے اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ ۹۰-۱۷۸۹ء میں تصنیف کی تھی۔ شاہ عبدالعزیز کے جونپور پیدل جانے کا تذکرہ کسی معاصر نے نہیں کیا۔ اِس طرح کی بے بنیاد باتیں اختلافات کو مزید بڑھا رہی تھیں۔ ڈاکٹر ثریا ڈار: شاہ عبدالعزیز اور اُن کی قلمی خدمات، لاہور ۱۹۶۱، ص ۱۲۲۔

بھی ختم ہوئی، عزاداری پر بھی اثر پڑا۔ زبان و ادب کا مسئلہ بھی در پیش تھا۔ شیعوں میں بھی تفریق پیدا ہو گئی کہ یہ سیدوں کا امام باڑہ، یہ جولاہوں کا اور یہ فقیروں کا۔ لیکن یہ وقتی اور عارضی چیزیں ہیں عزاداری حسینؑ تو ہمیشہ قائم و دائم رہے گی۔

اودھ میں عزاداری

دہلی کے مغل شہنشاہ محمد شاہ کے عہد حکومت میں آگرہ کے صوبیدار سعادت خاں کو حسن خدمات کے صلہ میں اودھ کا علاقہ دیا گیا اور اُسے برہان الملک کے خطاب سے بھی نوازا گیا۔ دلی کے مغل شہنشاہ کا وزیر ہونے کی وجہ سے وہ نواب وزیر کہلایا۔ ایرانی النسل برہان الملک شیعی عقائد کا ماننے والا تھا۔ اودھ میں پہلے سے ہی جگہ جگہ شیعہ بستیاں تھیں جن میں سنی حکمرانوں کی فوج کے شیعہ سپاہی اور غیر ممالک سے آئے سادات مقیم ہو گئے۔ اودھ میں عزاداری کو فروغ دینے میں یہاں کے نوابین کا بڑا حصہ تھا۔ اِن کے عہد میں اودھ شیعیت کا مرکز بن گیا اور شیعی عقائد کی تبلیغ بھی ہوئی۔

برہان الملک سعادت خاں نے اجودھیا (ہندوؤں کا مقدس شہر) کے نزدیک سرجو ندی کے کنارے ایک اونچے ٹیلے پر اپنا خیمہ نصب کیا۔ برسات میں چھپر ڈلوا کر اس کے گرد کچی دیوار کا احاطہ کرا لیا۔ چاروں کونوں پر برج بنوائے اِس طرح فیض آباد آباد ہوا[1]۔ برہان الملک شاہی مہمات میں مصروف ہونے کے سبب مذہبی آدمی ہوتے ہوئے بھی اِس سلسلے میں کارہائے نمایاں انجام نہ دے سکے لیکن اودھ میں عزاداری کی ابتدا انہیں کے زمانے میں ہوئی جب قاضی محمد عاقل نے فیض آباد میں ایک مسجد کی مرمت کرائی اور نواب موصوف کی اجازت سے فقیر پاتی شاہ نے اُس کے چبوترے پر تعزیہ رکھا۔ یہ عشرۂ محرم کی عزاداری کی ابتدا تھی[2]۔ (حضرت مخدوم سید جہاں گیر اشرف سمنانی تو اکبر پور میں مستقلاً سکونت پذیر ہو چکے تھے)۔

سعادت خاں کے داماد اور جانشین منصور علی خاں صفدر جنگ نے فیض آباد کو اپنا پایہ تخت بنالیا۔ شیعہ عالموں کا احترام کیا گیا۔ تعزیہ داری کے لئے امام باڑے تعمیر ہوئے۔ صفدر جنگ کی شریک حیات نے ۱۷۶۴ء میں موتی باغ کے عقب میں ایک عالیشان امام بارگاہ اور مسجد تعمیر کرائی[3]۔

نواب جلال الدین حیدر ملقب بہ شجاع الدولہ تخت نشین ہوئے تو عزاداری کو اور فروغ ہوا۔ اُس نے اپنی بیوی بہو بیگم کے لئے فیض آباد میں حرم سرا موتی محل میں ایک شاندار امام باڑہ بنوایا۔ نواب بہو بیگم نہایت خلوص و احترام سے عزاداری کرتی تھیں۔ اپنے بھتیجوں کے گھر جا کر تعزیوں کی زیارت کر کے محل واپس آ جاتی تھیں۔ فیض آباد میں جب لوگوں نے دیکھا

---

۱. منشی فیض بخش: تاریخ فرح بخش جلد ۱۱، ص ۲۲۰۔
۲. حکیم امتیاز حسین: عزاداری حضرت امام حسینؑ، ص ۱۷۸؛ پروفیسر اکبر حیدری: ہندو مرثیہ گو شعراء، مقدمہ، ص ۱۲ تا ۱۴۔
۳. منشی فیض بخش: تاریخ فرح بخش، جلد ۱۱، ص ۲۲۱۔

کہ نواب اور اُس کی بیگم امام باڑے بنوارہے ہیں تو انہوں نے بھی یادگاریں قائم کرنا شروع کیں۔ نواب سرفراز الدولہ حسن رضا خاں نے ایک امام باڑہ بنوایا۔ نواب موصوف فیض آباد میں مجلسیں کیا کرتے تھے اور روزانہ نماز کے بعد امام باڑے میں ضریح کے سامنے زیارت پڑھا کرتے تھے۔ نواب بہو بیگم کے خواجہ سرا جواہر علی خاں بھی مذہبی آدمی تھے اور پنجگانہ نماز کے سخت پابند تھے۔ روزانہ بعد نماز قرآن حکیم کا ایک پارہ پڑھا کرتے تھے ائمہ معصومین کے مصائب سنتے تھے۔ دوپہر میں نماز اور تلاوت کے بعد مشقِ تیر اندازی کرتے تھے۔ انہیں آلِ رسول سے بے پناہ عقیدت تھی۔ یہ عزاداری پہ دل و جان سے قربان اور مرثیہ سننے کے دلدادہ تھے۔ سات محرم کو بہار علی خاں کے مکان میں جب مرثیہ خوانی ختم ہوتی تو یہ کھڑے ہو کر ماتم کرتے تھے۔ جواہر علی خاں نے فیض آباد میں شجاع الدولہ کی زندگی میں ہی کاٹھ کا ایک وسیع باڑہ بنوایا تھا جہاں عزاداری کی جاتی تھی اور مرثیہ خوانی ہوتی تھی۔ خواجہ سرا داراب علی خاں نے اِس میں توسیع کی اور اسے پختہ بنوادیا۔ اِس امام باڑے کے احاطے میں جواہر علی خاں اور داراب علی خاں کی قبریں ہیں۔ آج بھی یہاں تعزیہ داری ہوتی ہے۔ اس کی شہ نشین پر ایک بہت بڑی ضریح رکھی ہوئی ہے۔

فیض آباد میں مجالس بھی ہوتی تھیں اور ماتم کے ساتھ نوحہ خوانی و مرثیہ خوانی بھی۔ ایک زمانے میں فیض آباد میں بہت نامور مرثیہ گو شعرا ہوئے ہیں۔ مثلاً افسردہ، میر امانی، خلق، جراءت، خلیق، حسن، درخشاں، سودا، ضاحک، فغاں، گماں، مقبل، گدا وغیرہ جن کے سلام، نوحے اور مراثی اُس زمانے میں گونجتے رہتے تھے۔ یہ لوگ نہیں رہے، شاہی دور بھی ختم ہوا۔ اب وہ شان و شوکت نہیں ہے پھر بھی امام باڑوں میں آج بھی ماہ محرم کی عزاداری کی روایت قائم ہے۔ آج بھی مجالس ہوتی ہیں۔ مرثیہ خوانی اور نوحہ خوانی ہوتی ہے۔ علم کے جلوس برآمد ہوتے ہیں اور تعزیہ داری بھی ہوتی ہے۔

شجاع الدولہ نے سکونت کے لئے لکھنؤ کا انتخاب کیا۔ اِس کی مذہب پرستی کی وجہ سے لکھنؤ بھی عزاداری کا مرکز بھی بن گیا۔ شجاع الدولہ سیدوں کی بہت عزت کرتا تھا اور اُنہیں خوب نذرانے دیتا تھا۔ ایام محرم میں شجاع الدولہ سیاہ پوش ہو جاتا تھا۔ مراسم عزاداری بڑی تفصیل سے مناتا تھا۔ ہرچرنداس کے بیان کے مطابق نواب تعزیہ داری کا اتنا اہتمام کرتا تھا کہ بسا اوقات بذات خود تابوت اپنے کاندھے پر اٹھا کر امام باڑے تک لے جاتا تھا[1]۔ مولوی نجم الغنی (مصنف تاریخ اودھ) تحریر کرتے ہیں کہ بادشاہ سفر میں ہو یا حضر میں، عزاداری بڑی پابندی سے ادا کرتا تھا۔ اِس کا ثبوت یہ ہے کہ جب پانی پت کی تیسری جنگ ہوئی تو اِس موقع پر میدان جنگ میں بھی نواب نے تعزیہ داری امام حسینؑ ادا کی[2]۔ عماد السعادت میں اِس واقعہ کو اِس طرح تحریر کیا گیا ہے:

---

1. ہرچرن داس: چہار گلزار شجاعی، ص ۲۰۲ (بحوالہ ۱۸ویں صدی میں ہندوستانی معاشرت)۔ عماد السعادت، ص ۸۳۔
2. نجم الغنی: تاریخ اودھ جلد ۲ ص ۵۶۔

محرم کے زمانہ میں شجاع الدولہ سیاہ پوش ہوئے۔ اور سیہ پوش جماعت کے ساتھ گذرے جن کے سر و پا برہنہ تھے۔ ماتم کرتے ہوئے احمد شاہ کی فرودگاہ کے سامنے سے گذرے۔ اِن لوگوں کے کندھے پر علم تھے اور سینہ کوبی کرتے تھے اور اعلانیہ نوحہ کے الفاظ زبان سے نکالتے تھے۔ دُرانیوں کا ارادہ ہوا کہ اِن پر حملہ کریں مگر بادشاہ نے انہیں سمجھا دیا[1]۔ نواب شجاع الدولہ نے امام باڑوں کی تعمیر کے لئے لوگوں کو مالگزاری معافی والی زمینیں مفت عطا کیں۔

نواب شجاع الدولہ کے بعد اُن کے بیٹے آصف الدولہ ۲۷ برس کی عمر میں تختِ حکومت پر رونق افروز ہوئے۔ انہوں نے فیض آباد کی جگہ لکھنؤ کو دارالحکومت قرار دیا۔ نواب برہان الملک، منصور جنگ اور نواب شجاع الدولہ مغلیہ سلطنت کے دامن سے اتنا وابستہ تھے کہ وہ سپاہیانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ انہوں نے عزاداری کے لئے امام باڑے بنوائے۔ زمینیں دیں، وقف بنائے لیکن معاملات سلطنت دلی نے انہیں اتنا مصروف رکھا تھا کہ عزاداری کے لئے زیادہ موقعہ ہی نہیں ملا۔

لکھنؤ میں عزاداری کی ابتدا آصف الدولہ کے عہد سے پہلے (۱۷۷۲ء میں) ہو چکی تھی۔ دو امام باڑوں (امام باڑہ ابوطالب اور امام باڑہ آغا میر باقر خاں) کے وجود کا سراغ ملتا ہے، لیکن آصف الدولہ کے دور میں جو فروغ ہوا اِس کا عشر عشیر بھی اودھ کے دوسرے حکمرانوں کے عہد میں نہیں ہوا۔ آصف الدولہ خود ایرانی النسل اثنا عشری تھے۔ اِن کے والد (شجاع الدولہ) اور والدہ (بہو بیگم صاحب) اور اُن کی دادی قدر النساء بیگم مخلص عزادار تھے۔ مولانا دلدار علی کی تعلیمات کا بھی اِن پر گہرا اثر ہوا۔ نواب موصوف کے وزیر خاص سرفراز الدولہ مرزا حسن رضا خاں بھی شیدائی اہل بیتؑ تھے۔ اِن کے بارے میں مشہور ہے کہ انہوں نے آصف الدولہ کو آصفی امام باڑہ کی تعمیر کی طرف متوجہ کیا[2]۔ آصف الدولہ اپنی سخاوت اور فن تعمیرات میں دلچسپی کی وجہ سے مشہور تھے۔ مثل مشہور تھی: "جس کو نہ دے مولا اُس کو دے آصف الدولہ" ۱۷۸۴ء میں لکھنؤ میں قحط کی وجہ سے رعایا پریشان تھی تو یہ مشہور ہے نواب موصوف نے آصفی امام باڑے کی ایک دیوار کو مشعلوں کی روشنی میں رات کو تعمیر کرانے کا حکم دیا تاکہ اچھے گھرانے کے لوگ جو قحط کی وجہ سے پریشان ہیں رات کی تاریکی میں اِس کام میں مدد کریں اور کھانے کا انتظام کر سکیں دن میں اِس دیوار کو منہدم کر دیا جاتا تھا تاکہ نادار لوگ اس کو گرانے اور بنانے میں پیٹ بھرنے کے لئے کمائی کر سکیں[3]۔ یہ شہرہ آفاق امام باڑہ ۱۷۹۰ء میں ایک کروڑ کی لاگت سے تیار ہوا۔ اِس کا نقشہ حافظ کفایت اللہ مہندس نے تیار کیا تھا۔ اِس کا وسطی ہال ۳۰۳ فٹ لمبا ۵۳ فٹ چوڑا اور ۶۳ فٹ بلند ہے۔ اِس کی

۱۔ عماد السعادت، بحوالہ پروفیسر رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۲۹۱۔
۲۔ ایضاً، ص ۲۹۲۔
۳۔ شاہانِ اودھ کی خدمات عزاداری کے فروغ میں (مضمون) صادق حسین خنداں لکھنوی ص ۱۵۹۔ سرفراز محرم نمبر ۱۹۷۷ء۔

چھت دنیا کی اعلیٰ ترین چھتوں میں سے ہے جس میں لوہے لکڑی کے بغیر اتنی بڑی چھت کی ڈاٹ جوڑی گئی ہے۔ اس امام باڑے کو دیکھنے ہر سال ہزاروں سیاح آتے ہیں۔ اِس امام باڑے کی حدود میں ایک ضعیفہ کا مکان بھی تھا وہ کسی قیمت پر مکان دینے پر راضی نہ تھی۔ نواب اودھ رعایا پرور تھے۔ اِس ضعیفہ پر زور، ظلم، زبردستی نہیں کی گئی۔ اس بڑھیا نے شرط رکھی کہ اُس کو اور جگہ دوسرا مکان بنوا کر دیا جائے اور امام باڑے میں اُس کے نام کا تعزیہ رکھا جائے۔ آصف الدولہ نے یہ شرط منظور کیں اور اُس بڑھیا کا تعزیہ داہنی طرف کی صحنچی میں خود رکھوایا جو آج بھی اسی مقام پر رکھا جاتا ہے۔

امام باڑے کی تکمیل کے بعد نواب آصف الدولہ پانچ لاکھ روپیہ سالانہ اس کی آرائش پر خرچ کرتے تھے۔ سینکڑوں چھوٹے بڑے تعزیے چاندی اور سونے کے بنوائے، سفید اور رنگین جھاڑ فانوس بلا کنول اور کنول دار سے امام باڑے کو آراستہ کیا یہاں تک کہ دالانوں کی چھتیں اور فرش شیشہ آلات سے پٹی پڑی ہیں۔ ڈاکٹر بلین جب ولایت جانے گئے تو نواب صاحب نے ایک سبز اور سرخ تعزیہ جھاڑوں اور دیگر شیشہ آلات کی فرمائش کی تھی۔ قیمت ایک لاکھ روپے طے ہوئی مگر ایک تعزیہ ملا دوسرے تعزیہ کے آنے سے قبل ۱۷۹۷ء میں نواب موصوف کا انتقال ہو گیا[2]۔

۱۸۲۲ میں شاہ غازی الدین حیدر کے عہد میں پادری ہیبر بسلسلہ سیاحت لکھنؤ آئے تھے انھوں نے امام باڑہ آصفی کے بابت لکھا ہے:

"اِس پاک و طاہر عمارت میں بکثرت جھاڑ لٹک رہے تھے جن کی چمک دمک سے آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں اور جو جھاڑ بہت وزنی لٹکانے کے لائق نہیں تھے وہ فرش پر رکھے ہوئے تھے۔ اِن جگمگاتے فرشی جھاڑوں کے نیچے کا حصہ بہت گھیر دار تھا اور اوپر کی جانب گاؤدم ہوتے چلے گئے تھے اِن کے بیچ بیچ میں نقرئی مرصع کار روضے تعزیے جو ۸، ۱۰ فٹ بلند ہوں گے رکھے گئے تھے، ہیبر بشپ نے اِس امام باڑے کے وضع کو مشرقی گوتھک کا قطع قرار دیا ہے"[3]۔

اِس کے علاوہ نوابان اودھ کے زمانے میں زردوزی پٹکے جن پر آیاتِ قرآنی کڑھی ہوئی تھیں، بڑے بڑے نقرئی پنجے جن پر بخطِ طغرا اسماء پنجتن پاک وغیرہ کندہ تھے، مقدس ڈھالیں جن پر اسماء باری تعالیٰ نقش تھے اور اُن پر مرصع کاری کی گئی تھی خراسانی تلواریں، نیزے اور بھالے، مشہور زمانہ سپہ سالاروں کے عمامے اور چند مخصوص طور کے متبرکات بھی امام باڑہ کی زیب و زینت تھے۔ آصف الدولہ نے ۱۷۹۷ میں انتقال کیا اور آصفی امام باڑے میں ہی سپرد خاک کئے گئے۔

---

۱. آصفی امام باڑہ (مضمون) اکبر حیدری ص ۸ ماہنامہ آج کل جولائی ۱۹۷۵ء۔

۲. عبدالحلیم شرر لکھنوی: گذشتہ لکھنؤ ص ۱۷۱/ لکھنؤ گزٹیر ایچ آر نیویل ص ۲۰۲۔

3. Narratives of The Journey Through Upper Provinces of India: Bishop W. Heber Vol. 1, P 386 London, 1928.

آصف الدولہ تعزیہ داری بہت عقیدت سے کرتے تھے۔ محرم میں پیادہ گشت کرتے اور شہر کے تعزیوں پر نذر (کم سے کم پانچ روپے اور زیادہ سے زیادہ ایک ہزار روپے) چڑھاتے تھے[۱]۔ اِس کا اثر یہ ہوا کہ شہر کا کوئی گلی کوچہ ایسا نہ تھا تعزیہ نہ رکھا گیا ہو اور کوئی فرقہ ایسا نہ تھا جو تعزیہ نہ رکھتا ہو۔ دولت مند ہندوؤں نے بھی عالیشان امام باڑے بنوائے۔ مہاراجہ جھاؤلال[۲]۔ راجہ ٹکیت رائے[۳]۔ راجہ بلاس رائے رنگین[۴]۔ راجہ مہرا، راجہ میوارام[۵]۔ کے امام باڑے بہت مشہور ہیں۔ راجہ میوارام کے امام باڑے کا خرچ ۳ لاکھ روپے سالانہ تھا۔ آصفی امام باڑے میں آج بھی عزاداری ہوتی ہے۔ ۶ محرم کو آگ کا ماتم دیکھنے کے لئے غیر مسلمین بھی بڑی تعداد میں آتے ہیں۔ آج تک ہر سال یکم محرم کو اِس امام باڑے سے ضریح مبارک کا جلوس نکالا جاتا ہے جو گول دروازے ہوتے حسین آباد کے شاہی امام باڑے پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ اِسی طرح ہندوؤں نے لکھنو میں کربلائیں بھی بنوائیں۔ شرف الدولہ لالہ جگن ناتھ اگروال بعہد امجد علی شاہ داروغہ عمارات تھے انہوں نے منصور نگر کے قریب امام موسیٰ کاظمؑ کے روضے کی شبیہ لاکھوں روپے خرچ کرکے بنوائی۔ اُس محلہ کو آج بھی کاظمین کہتے ہیں۔ آج بھی وہاں مجلسیں ہوتی ہیں یہاں راجہ محمود آباد نو تصنیف مرثیے بھی پڑھتے ہیں۔ ۸ ربیع الاول کو چپ تعزیہ یہیں ٹھنڈا کیا جاتا ہے۔ عشرے کے دن حسین آباد شاہی امام باڑے کی ضریح یہیں بڑھائی جاتی ہے۔ ۱۶ صفر کو یہاں زنانی مجلس ہوتی ہے مجلس کے بعد شبیہیں نکالی جاتی ہیں۔ شرف الدولہ جگن ناتھ اگروال کا امام باڑہ گھڑیالی میں تھا جہاں ۸ محرم کو حضرت عباس کی حاضری ہوتی تھی اِس امام باڑے میں میر انیس اور مرزا دبیر مرثیے پڑھتے تھے[۶]۔ اِسی زمانے میں دلا رام نے بعہد واجد علی شاہ ایک امام باڑہ تعمیر کروایا یہ خود بھی عزاداری شان و شوکت سے کرتے تھے۔

۱۔ نجم الغنی: تاریخ اودھ، جلد سوم، ص ۲۷۹۔

۲۔ ایضاً، ص ۲۷۴۔ راجہ جھاؤلال نے ٹھاکر گنج میں ایک شاندار امام باڑہ بنوایا جس کے آثار اب تک موجود ہیں۔

۳۔ راجہ ٹکیت رائے نے حیدر گنج (حالیہ ٹکیت گنج) میں ایک مسجد اور ایک امام باڑہ بنوایا تھا۔ امام باڑہ کھُد گیا مسجد ابھی موجود ہے۔ قیصر التواریخ، جلد اول، ص ۱۵۴۔

۴۔ راجہ بلاس رائے رنگین راجہ ٹکیت رائے کے عزیزوں میں سے تھے۔ راجہ ٹکیت رائے کے کئی عزیزوں نے لکھنؤ میں امام باڑے بنوائے۔

۵۔ راجہ میوارام۔ راجہ جھاؤلال کے عزیز تھے۔ انہوں نے بعہد نصیرالدین حیدر شاہ کا امام باڑہ تعمیر کروایا جس میں میر انیس اور میرزا دبیر مرثیہ پڑھتے تھے۔ راجا صاحب تعزیہ داری پابندی سے کرتے تھے۔ دو تین لاکھ روپے سالانہ محرم اور ائمہ کرام کی وفات کی ماتمی مجالس پر خرچ کرتے تھے۔ زائرین کربلا کی مدد کرتے تھے۔ آخر میں کربلائے معلی گئے وہاں کے کلید بردار بنے اور وہیں انتقال کیا۔

۶۔ مولانا محمد حسین آزاد، آب حیات، ص ۵۳۷۔

نواب آصف الدولہ بہ نفس نفیس ایام عزا میں امام باڑے کی مجلسوں میں شرکت کرتے تھے جو ہر جمعرات کو ہوتی
۔ عشرہ محرم میں ملا محمد خطا مرثیہ پڑھتے تھے۔ نواب صاحب بڑے شد و مد کے ساتھ تعزیہ داری کرتے تھے۔ بعض
سینہ کوبی کی وجہ سے لہولہان ہو جاتا تھا[1]۔ آصف الدولہ کے انہماک کو دیکھ کر دور دراز سے شیعہ العلماء لکھنؤ آنے گے۔
دلدار علی جائسی (ایران اور عراق سے سندھ اجتہاد کرکے آئے تھے۔ سرفراز الدولہ نے انہیں اپنے بیٹے کا اتالیق مقرر
امام جمعہ و جماعت (آصفی امام باڑہ مسجد) مقرر کیا گیا۔ باقاعدہ اہل تشیع کی نماز ہونے لگی[2]۔ مولوی دلدار علی پہلے مجتہد
کئے جاتے ہیں اِنہوں نے اپنی پوری زندگی تصنیف وتالیف کے کام اور اشاعت و تنظیم کے لئے وقف کر دی[3]۔
واب آصف الدولہ ہر سال عزاداری پر لاکھوں روپے خرچ کرتے[4]۔ بہو بیگم صاحب سالانہ تعزیہ داری کی مجالس میں
ہوتیں، فاتحہ پڑھتی تھیں[5]۔ نواب صاحب بذات خود مجلس عزا کا اہتمام کرتے تھے اور لوگوں کو شرکت کے لئے
کرتے تھے[6]۔ نواب صاحب کی عزاداری کے اہتمام کو دیکھ کر لکھنؤ کے بڑے بڑے امراء بھی مجالس کا انعقاد کرنے
تعزیے رکھتے اور جلوس نکالتے تھے۔ مولوی دلدار علی نے ۱۷۹۵ میں امام باڑہ بنوایا۔ سرفراز الدولہ حسن خطا نے
میں روضہ حضرت عباس کے لئے کربلائے معلیٰ ایک علم بھیجا تھا اور اس کی یادگار کے طور پر لکھنؤ میں روضہ
عباس کی شبیہ بنوائی جو درگاہ حضرت عباس کے نام سے مشہور ہوئی[7]۔ ساتویں محرم کو یہاں علم چڑھائے جاتے تھے
جمعرات خصوصاً نوچندی کو یہاں عورتوں کا مجمع ہونے لگا۔ علاوہ ازیں سال بھر مجلسیں ہوتی ہی رہتی تھی خاص خاص
پر جلوس عزا بھی نکالے جاتے تھے۔ شیعہ سنی اور ہندو سبھی مل کر عزاداری کرتے اور یہ عوام و خواص کی مذہبی
ایک جز بن گئی[8]۔

نداس: چہار گلزار شجاعی، ص ۲۵۴۔
ی عبدالحیٔ، مولف گل رعنا (بحوالہ پروفیسر رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری ص ۲۹۴) مولوی دلدار علی کی امامت
پہلی نماز ۱۳ رجب ۱۲۰۰ھ کو ہوئی۔
اکرام، رود کوثر، ص ۴۱۹۔ آپ کی مشہور تصانیف میں مراۃ العقول (ملقب بہ عماد الاسلام پانچ جلدیں) اساس الاصول تحفۂ اثنائے عشریہ
لف ابواب و بیانات کی تردید، چھ کتابیں اور رسالے شہاب ثاقب، رسالہ زنبیہ وغیرہ ہیں (رود کوثر ص ۵۱۹)۔
ی، تاریخ اودھ، ص ا؛ تفضیح الغافلین، ص ۱۱۵۔
فرح بخش، تاریخ فرح بخش، ص ۲۹۳۔
یں صدی میں ہندوستانی معاشرت، ص ۲۶۶۔
ر مسیح الزماں، اردو مرثیے کا ارتقاء، ص ۱۴۳۔
جعفر رضا: دبستان عشق کی مرثیہ گوئی، ص ۴۹۔

نواب آصف الدولہ کے بعد نواب یمین الدولہ سعادت علی خاں تخت نشین ہوئے وہ مسند نشینی سے ۵ برس بعد ہی سرطان کے مرض میں مبتلا ہو گئے تھے۔ غسل صحت کے بعد ایک شاندار جلوس کے ساتھ درگاہ حضرت عباسؑ گئے یہ درگاہ مرزا فقیر بیگ کے خام مکان میں تھی جس کو خواب میں بشارت ہوئی تھی کہ دریا کے کنارے فلاں جگہ کھودو۔ کھدائی کرنے پر وہاں کچھ علم برآمد ہوئے مرزا نے ایک خام مکان بنوا کر علم نصب کر دیئے اِس امام باڑے میں لوگوں کی حاجتیں برآنے لگیں۔ چنانچہ جب نواب سعادت علی خاں بعد صحت یہاں سلام کرنے آئے تو یہاں شاندار درگاہ بنوادی جس کا گنبد طلائی تھا وسیع صحن کو پختہ دیواروں سے گھیرا گیا۔ نواب صاحب کے مقبرے پر عشرہ محرم میں روزانہ مجالس ہوتی ہیں۔ روایت ہے کہ نواب سعادت علی خاں کے (۱۸۱۴-۱۷۹۴) میں عزاداری چہلم تک بڑھادی گئی یعنی اب ۵۰ دن ہونے لگی۔

نواب سعادت علی خاں کے بیٹے غازی الدین حیدر (۱۸۲۷-۱۸۱۴) نے امام باڑہ نجف اشرف (روضہ امیر المومنین کی نقل) حضرت گنج کے قریب تعمیر کرایا۔ زمانہ محرم میں اس کی زیبائش دیکھنے سے ہی تعلق رکھتی ہے۔ سو سو موم بتیوں کے جھاڑ بیچ میں مختلف رنگوں کی شیشے کی ہانڈیاں عمارت کے بیچ میں سبز بلوری تعزیہ جس کے چاروں طرف موم بتیاں روشن کی جاتی تھیں۔

اِس کے دائیں جانب ایک بڑے قد و قامت کا شیر اور بائیں جانب ایک مچھلی (نشان فرمانروائی اودھ) تھی جو تعزیے کے ہم رنگ تھے۔ پٹکے نفیس، بیش قیمت اور کثیر تعداد میں تھے۔ علم بھی انہیں کے مطابق شاندار و بیش بہا تھے، روضہ اقدس کی نقل، خیمہ گاہ حضرت حسینؑ اور پھاٹک تینوں چیزیں نقرئی تھیں اور چاندی کی میز پر رکھی تھیں۔ اِس کے علاوہ مختلف زبانوں کے اسلحے، ڈھالیں، زرہ بکتر اور نیزے سلیقہ سے سجائے گئے تھے۔ غازی الدین حیدر نے ایک کروڑ روپیہ ایسٹ کمپنی کو قرض بہ تقرر ایک روپیہ فی صد سالانہ جمع کر دیئے۔ اِس رقم سے مصارف نجف مقرر کیئے۔ اِن کے زمانے میں ولایت سے آیا شاہی تعزیہ سبز بلور کا بنا ہوا تھا۔ اِس پر سنہری میناکاری تھی۔ (۱۸۲۸) میں عزاداری کا اہتمام ۸ ربیع الاول تک عزاداری کرنے کا فرمان جاری ہوا۔ ۲۸ ذی الحجہ کو شہر میں منادی ہوتی تھی کہ رقص و سرود کی تمام محفلیں کل سے برخاست۔ لوگ غم امام مظلوم میں سیاہ پوش رہیں گے اور سینہ زنی کریں گے عزاداری ۲ ماہ اور ۸ دن تک ہونے لگی۔ ایام عزا میں مجالس میں نفیس تبرک تقسیم ہوتا تھا (جو آج بھی کسی نہ کسی شکل میں رائج ہے۔) مجالس عزا میں شاہ ماتمی لباس میں مور کے پروں کا تاج پہن کر واقعہ خواں کے روبرو بیٹھتے تھے۔ اِن کے پیچھے ملازمین سلطنت دو، دو کی قطاروں میں سوگواروں کی صورت میں بیٹھتے تھے۔ بیگمات شاہی کے امام باڑے محلات کے اندر علاحدہ علاحدہ تھے وہاں عورتیں حدیث خوانی اور مرثیہ خوانی کرتی تھی۔ نصیر الدین حیدر کے زمانے میں سیدوں کی بارہ حسین ناکتخدا لڑکیاں انتخاب کرکے دوازدہ ائمہ سے منسوب کی گئیں۔ جو اچھوتیاں کہلاتی تھیں۔ یہ ابتدا میں کشمیری محلہ میں رہتی تھی بعد میں اِن کے لئے درگاہ بارہ امام متصل پھتر منزل عقب شیر دروازہ تعمیر کرائی گئی جہاں وہ منتقل کر دی گئی تھیں۔

اِس زمانے میں ہر شخص اپنا تعزیہ شاندار جلوس میں اٹھانے کے لئے کوشاں تھا۔ بادشاہ کی منھ چڑھی کریمن ڈومنی نے بھی تعزیہ داری کی۔ اِس کا تعزیہ محرم کی تیرہویں کو اُس وقت اٹھایا جاتا تھا جب سڑکیں سنسان ہو جاتی تھیں۔ جلوس میں صرف عورتیں ہی شریک ہوتی تھیں جن کی تعداد شروع میں دس بارہ ہوتی تھی آگے پیچھے شاہی گارد کے سپاہی ہوتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ عورتوں کی تعداد دس بارہ ہزار تک ہو گئی اِس جلوس میں علم اور تعزیہ بردار بھی عورتیں ہوتی تھیں۔ کریمن یہ تعزیہ واجد علی شاہ کے عہد تک اٹھاتی رہی۔ یہ تعزیہ مصری کی بغیا تک جاتا تھا۔ ایک تعزیہ دائی "بر" کا تھا جو مفتی گنج سے کربلائے میر بخش کو جاتا تھا تقریباً ڈھائی یا تین سو عورتیں ساتھ ہوتی تھیں۔ رات کو ساڑھے تین بجے یہ تعزیہ کربلا پہنچ جاتا تھا۔ عورتیں نوحہ خوانی کرتی چلتی تھیں۔ بعد میں یہ تعزیہ بند ہو گیا۔ البتہ ۲۸، ۲۹ صفر کو ڈیڑھ بجے شب کو عورتیں احاطہ مرزا علی خاں سے تابوت لے جانے لگیں۔ یہ مستورات سیاہ پوش ہوتی تھیں۔ تابوت پہلے مصری کی بغیا تک جاتا تھا پھر نجف واقع نواز گنج جانے لگا[1]۔ اُس زمانے میں ایک نائی نے بھی تعزیہ نکالا تھا۔

یکم محرم سے تمام مومنین مع بادشاہ سلامت سوگوار نظر آتے تھے۔ گلی کوچے سنسان ہو جاتے تھے۔ جو کی روٹی، اُبالے ہوئے چاول وغیرہ پر دس دن بسر اوقات کی جاتی مزے دار کھانے پکنے موقوف ہو جاتے۔ عورتیں اپنے زیور بڑھا دیتی تھیں آرائش سے ہاتھ اٹھا لیتی تھیں۔ خود بادشاہ کا یہ عالم تھا بقول رجب علی بیگ سرور:

"تا اربعین دن رات رونا۔ زمین پر سونا۔ لباس آبی وسیاہ، لب پر نالہ و آہ، بھولے سے نہ مسکرانا، ہزاروں روپیہ مرثیہ خوان اور سادات محتاج آب و نان کو دینا۔ حسنات لینا، دوازدہ امام کی درگاہ، صاحب الامر کا غار بنوانا۔ لاکھوں روپے کا اسباب وہاں چڑھانا"[2]۔

۲ محرم کو گلیوں میں پھر بھیڑ نظر آتی اور لوگ سیاہ ماتمی لباس پہنے تعزیوں کے جلوس کے ساتھ چلتے پھرتے دکھائی دیتے تھے۔ بادشاہ سلامت کا جو تعزیہ انگلستان سے بن کر آیا تھا سبز بلور کا ڈھلا ہوا تھا اور اِس پر مینا کیا ہوا تھا۔ سب لوگ بڑے احترام سے اِس کی زیارت کرتے۔ تمام شاہی تعزیے محرم کے زمانے میں قبلہ رو رکھے جاتے تھے۔ شاہی تعزیے کے اوپر ایک سبز مخمل کا کارچوبی شامیانہ تنا ہوتا تھا۔ سامنے کی طرف ایک منبر رکھا جاتا تھا۔ جہاں مرثیہ خواں یا ذاکر ہوتا تھا جو بیٹھ کر واقعہ شہادت بیان کرتا تھا[3]۔ اِس زمانے کے تعزیوں کے نیچے اکثر نشانات شاہی ملک عرب کے جیسے زرتار عمامہ و دستار آفتاب کا

---

۱. لکھنؤ میں اربعین تک عزاداری کا سلسلہ (مضمون) شیخ تصدق حسین، سرفراز محرم نمبر ۱۳۵۵ھ۔
۲. مرزا رجب علی بیگ سرور، فسانہ عبرت بحوالہ شباب لکھنؤ ص ۱۸۱۔
۳. پروفیسر رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۳۰۰۔۳۰۱۔

نقشہ اور جواہر نگار اسلحہ رکھے نظر آتے تھے[1]۔

پانچویں محرم کو درگاہ حضرت عباس میں تمام لکھنؤ کے علم چڑھائے جاتے تھے۔ عشرہ محرم کو ایک شاندار جلوس نکلتا تھا جس میں سب سے آگے چھ سات ہاتھی ہوتے تھے جن پر خوبصورت جھولیں پڑی ہوئی نقرئی طلائی ہودے، عماریاں کسی اور گلے میں نقرئی گھنٹے اور ہیکلیں ہوتی تھیں۔ ہر ایک ہاتھی پر کچھ لوگ جواہر نگار علم ہاتھوں میں لئے سوار ہوتے تھے اور ان کے ہمراہ سپاہیوں کا ایک گارد ہوتا تھا۔ ہاتھیوں کے پیچھے ایک شخص خاص طور پر سوگوار بنا ہوتا تھا۔ اس کے ہاتھ میں بانس کی ایک چھڑ سیاہ کپڑے سے منڈھی ہوتی تھی۔ اس چھڑ کے اوپر ایک بالٹی کمان میں دو ننگی تلواریں لٹکی ہوتی تھیں۔ اس کے پیچھے خود بادشاہ سلامت ہوتے تھے۔ اِن کے گرد و پیش خاندان شاہی کے لوگ اور مقرب علمائے مذہب ہوتے تھے۔ اِن کے پیچھے ایک گھوڑا جسے دُلدُل کہتے ہیں ہوتا تھا۔ اِس گھوڑے کے پیچھے ملازمان شاہی کی ایک جماعت اور پھر فوج کے سواروں، پیدلوں کی اور تماشائی خلقت کا انبوہ کثیر ہوتا تھا[2]۔

نصیر الدین حیدر کے بعد ثریا جاہ نصیر الدولہ محمد علی شاہ ۶۱ برس کی عمر ۱۸۳۷ء میں بادشاہ ہوئے۔ یہ بوڑھے اور تجربہ کار مذہبی رجحان والے حکمراں تھے۔ تخت نشینی کے دوسرے ہی برس اُنہوں نے چھوٹا امام باڑہ (حسین آباد مبارک) تعمیر کروایا وہ ابھی اتنے بڑے پیمانے پر کام شروع کیا کہ شہر کی اور تعمیرات بند ہو گئیں۔ کیپٹن ویلکوکس جو تاروں والی کوٹھی کی تعمیر میں مشغول تھا اس نے ریزیڈنٹ کو خط لکھا کہ بادشاہ اودھ نے تاروں والی کوٹھی کی پاڑ وغیرہ کھلوا کر جمنیا باغ بھیجنے کا حکم دے دیا ہے۔ جمنیا باغ جامن کا باغ تھا اور فیض آباد میں بادشاہ عصر کا جہاں دِہال وہ بھی جمنیا باغ کہلاتا تھا۔ فیض آباد میں یکم محرم سے مجالس میں مرثیہ خوانی ہوتی تھی۔ لکھنؤ میں بعہد محمد علی شاہ میاں شوری نے سوز خوانی کو مروج کیا اور یہ مجالس کا حصہ بن گئی۔ یہ امام باڑہ اپنے حسن و جمال اور صنعت گری کے لئے مشہور ہے (حسین آباد جمنیا باغ میں اِن کی بیٹی مدفون تھی) لڑکی کی قبر پر تاج محل کی نقل خشت و چونے کی بنوائی سامنے جوابی عمارت تعمیر کی گئی جو مقبرہ اعتماد الدولہ کی نقل ہے۔ داخلہ کا پھاٹک درگاہ حضرت عباس کے صدر دروازے سے مشابہ ہے۔ امام باڑے کی سجاوٹ گراں بہا شیشہ آلات اور پر تکلف اسباب طلائی اور نقرئی سے کی گئی۔ تعزیہ داری پر ۲۴ ہزار ایک سو پنتالیس روپے سالانہ خرچ ہوتے تھے[3]۔

۱۔ مرزا رجب علی بیگ سرور، فسانہ عبرت، ص ۱۴۶۔
۲۔ شاب لکھنؤ مذکورہ بالا، ص ۱۴۹-۱۵۰۔
۳۔ منشی رام سہائے تمنا: افضل التواریخ۔

محمد علی شاہ نے ۱۸۳۹ میں تقریباً ۳۶ لاکھ روپیہ پانچ روپیہ فیصد سالانہ سود پر ایسٹ انڈیا کمپنی کو قرض دیا جس سے ۱۲ ہزار روپیہ سالانہ مصارف امام باڑہ حسین آباد کو مل جاتے تھے۔ اِس امام باڑے سے یکم محرم کو جلوس ضریح برآمد ہوا جسے دیکھنے لاکھوں لوگ آتے ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ آصف الدولہ کے فرزند نواب وزیر علی نے اپنی ولیعہدی میں استقبال عزا کے لئے پہلی محرم کو جلوس نکالا تھا اسی بنا پر محمد علی شاہ نے بھی یکم محرم کو جلوس ضریح نکالنے کا حکم دیا۔ محمد علی شاہ کی بیٹی زینت آرا زینت عالیہ نے خواہش ظاہر کی تھی کہ پہلی محرم کو بادشاہ اودھ کی طرف سے استقبال عزا کا باقاعدہ اہتمام کیا جائے بادشاہ کو یہ بات پسند آگئی اور شاہی حکم دیا گیا کہ محرم کی پہلی تاریخ کو ضریح اقدس کا جلوس شہر کے مختلف علاقوں میں گشت کرے گا جس میں شاہی فوجی دستے اور قوائدین کی شرکت لازمی ہے۔

پہلی محرم کا جلوس جو محمد علی شاہ کے عہدِ حکومت میں برآمد ہوا تھا جس کی ترتیب ولیعہدِ سلطنت امجد علی خاں نے دی تھی۔ اِس کی جھلک پیش ہے:

جلوس میں سب سے آگے ایک منادی جلوس کے آنے کا اعلان کرتا ہوا اس کے پیچھے شاہی فیل خانہ کے ہاتھی اور اونٹ، اس کے پیچھے شاہی گھڑ سوار، نجیب پلٹن پھر روشن چوکی پھر شاہی عمائدین کا سلسلہ سیاہ لباس پہنے گورے گورے نورانی چہرے چمکتے ہوئے ان کے ساتھ میاں شوری اور ان کے شاگرد اپنے سوز خوانی کا اظہار کرتے ہوئے پھر ہر محل اور شاہی خاندانوں کی نمائندگی کرتے جھنڈے بردار اور آخر میں موم کی ضریح اتنی اونچی جیسے رومی دروازہ اسی خوبصورتی کے ساتھ سرکاری عملہ دار گھیرے ہوئے اور سب سے آخر میں شمشیر بردار شاہی فوج کا دستہ زری پوش قدم سے قدم ملاتے ہوئے۔ یہ جلوس پہلی محرم کو دن کے تیسرے پہر امام باڑہ آصفی سے برآمد ہوا۔ الماس خاں کے امام باڑے پر قیام کیا اور کچھ دیر ہی امام باڑہ محمد علی شاہ کی حدود میں داخل ہوگیا (یہ جلوس آج بھی کچھ رد و بدل کے ساتھ برآمد ہوتا ہے) امام باڑہ محمد علی شاہ میں قمقموں اور روشنی کا اتنا اچھا انتظام رہتا تھا کہ باہر سے آنے والوں نے اِس روشنی کا محل نام دے دیا، جھاڑ و فانوس، قندیل و فرشی اور آئینہ دار سجاوٹ اتنی تھی کہ شمار مشکل تھا۔

پہلی محرم کا جلوس امام باڑے میں آتے ہی مجالس کا آغاز ہوگیا اور تبرک کی تقسیم شروع ہوگئی۔ ذاکرین حسینؑ کا وہ مرتبہ بڑھا کہ لوگ ہاتھ چومنے لگے تمام شاہی خاندان کے افراد سرکاری اہلکاروں اور ذاکر کا تبرک ان کے گھر بھیجا جانے لگا۔ کیونکہ کھانے کا سامان یا تبرک کو سر پر رکھنا اور بار بار اتارنا معیوب سمجھا جاتا تھا اِس لئے تبرک جس میں خمیری روٹی اور چنے کی دال ہوتی تھی ایک شخص بہنگی میں لئے لئے گھر گھر پہنچاتا تھا[1]۔

[1] اودھ کے بادشاہ محمد علی شاہ کے عہد میں محرم، مضمون روشن تقی، مشمولہ راشٹریہ ہت، محرم نمبر، ۲۵ دسمبر ۲۰۱۲ء، ص ۱۴۔

روزانہ صبح مجالس ہوتی ہیں جن میں پخت تقسیم کی جاتی ہے ساتویں کو مہندی کا جلوس اُٹھتا ہے پہلی محرم کو ضریح جلوس کے ساتھ حسین آباد لائی جاتی ہے یہ موم سے بنائی جاتی ہے اور کاظمین میں دفن کی جاتی ہے۔

یہاں کی روشنی بیحد جاذب نظر ہے۔ یکم محرم کو موی ضریح کا جلوس ایام عزا کا نقیب ہوتا ہے[۱]۔ محمد علی شاہ کے دور میں نواب آصف الدولہ کی روایت کا احیاء ہوا[۲]۔ امجد علی شاہ کو بچپن سے ہی علماء فضلاء کی صحبت میں رکھا گیا۔ لہٰذا تخت نشین ہوتے ہی انہوں نے حکومت کو شرعی اساس پر چلانے کی ایک باضابطہ اور محکم کوشش کی۔ تاج حکومت سلطان العلماء سید محمد صاحب مجتہد العصر (فرزند غفراں مآب سید دلدار علی صاحب) کو سونپنے کی تجویز رکھی لیکن سلطان العلماء نے اپنے ہاتھ سے وہ تاج امجد علی شاہ کے سر پر رکھا[۳]۔ مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی نے امجد علی شاہؒ کو بجائے ایک بادشاہ کے ایک "ثقہ مولوی" قرار دیا ہے۔ وہ رقمطراز ہیں کہ عنان حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد اِن (امجد علی شاہ) کا جو کچھ حوصلہ تھا یہ تھا کہ وہ اور ان کے ساتھ ساری رعایا جناب قبلہ و کعبہ کی حلقہ بگوش ارادت بن جائے[۴]۔ امجد علی شاہ سلطان العلماء سے پوچھے بغیر کوئی کام نہ کرتے تھے۔ مملکت کے تمام شرعی اور مذہبی امور آپ کی رائے سے طے پاتے۔ محکمہ افتاد آپ کے سپرد تھا۔ آپ کی سفارش پر ہی مفتی اور اس محکمہ کے دیگر ملازم مقرر ہوتے[۵]۔ سلطان العلماء عوام کے اخلاق کی اصلاح کا فرض انجام دیتے۔ اُن کی تلقین و موعظت سے بہت سی زنان بازاری تائب ہو کر عقد کر کے گھریلو زندگی بسر کرنے لگیں۔ شراب خانے منہدم کر دئے گئے۔ بھنگ کی دکانیں تاراج، چرس کی چلمیں پامال، تاڑ کے پیڑ قطع و مستاہل کر دئے گئے[۶]۔

حکومت کے کاموں میں علماء کا دخل ہو گیا تھا۔ محکمہ مرافعۂ شرعیہ سلطان العلماء سے وابستہ ہو گیا (شاہی خزانے سے زکوٰۃ ہر سال نکالی جانے لگی جس کی رقم تین لاکھ روپے سالانہ کی تھی) محکمہ آبکاری مولوی محمد باقر کو سونپا گیا۔ محکمہ صدر شریعۃ مولوی محمد ہادی اور مدرسہ شاہی مولوی سید تقی کے سپرد ہوا۔ زکوٰۃ اور خیرات کی تقسیم کا محکمہ سید علی نقی کی زیر نگرانی کام کرتا تھا۔ امجد علی شاہ کا سب سے اہم کارنامہ علمی اور ادبی سرگرمیوں کی سرپرستی ہے۔ مدرسہ سلطانیہ قائم ہوا۔ ایک کتب خانہ

---

۱. قدیم لکھنؤ کی عزاداری (مضمون) جعفر حسین ماہنامہ آج کل ص ۴ دہلی جنوری ۱۹۷۸۔
۲. امجد علی شاہ، ص ۴۷۔
۳. حکیم مرزا کاظم، تاریخ سلطان العلماء، ص ۴۴۔
۴. عبدالحلیم شرر لکھنوی: گذشتہ لکھنؤ، ص ۹۵۔
۵. شیخ محمد اکرام: رود کوثر، ص ۳۶۲۔
۶. حکیم مرزا کاظم سوانح عمری سلطان العلماء، ص ۳۲۔

بنایا گیا۔ اِس عہد میں بے شمار کتابیں تصنیف ہوئیں۔ اسی عہد میں میر انیس لکھنوی نے لکھنؤ میں مستقلاً سکونت اختیار کی۔ دیانت الدولہ نے ایک امام باڑہ اور ایک محلسرا میر صاحب کو نذر کر دی۔ مرزا دبیر تو عہد غازی الدین حیدر سے ہی لکھنؤ میں مقیم تھے۔ دریاپور میں ایک امام باڑہ بنوایا گیا جس کا سنگ بنیاد سلطان العلماء نے رکھا۔ بادشاہ اودھ نے [illegible] روپیہ نہر آصفی کی تعمیر کے لئے عراق و عرب بھیجا۔ پندرہ ہزار تعمیر روضہ حضرت مسلم و ہانی، ۲۰ ہزار حضرت عباس کے حرم کے دروازوں کی نقرہ کاری اور ایوان کی طلا کاری کے واسطے بھجوایا تھا۔ پندرہ ہزار روپیہ امام عسکری اور تقریباً دس ہزار روپے روضہ حُر کی تعمیر کے لئے روانہ کئے گئے۔

امجد علی شاہ کے بعد واجد علی شاہ تخت نشین ہوئے۔ کچھ مورخین نے انھیں ہدف ملامت بنایا ہے۔ عیاش اور نکما ثابت کرنے کی کوشش کی گئی لیکن یہ انگریزوں کی سمجھی بوجھی سازش کے تحت تھا۔ بادشاہ اودھ واجد علی شاہ بھی شرع کے سختی سے پابند تھے۔ جتنی عورتیں محل میں تھیں وہ یا تو منکوحہ تھیں یا ممتوعہ۔ جو عورت بادشاہ کے نکاح یا متعہ میں آ جاتی تھی انہیں باقاعدہ خطاب دیا جاتا تھا وظیفہ مقرر ہوتا الگ محل دیا جاتا۔ واجد علی شاہ نے موسیقی کو فن کا درجہ دیا۔ اسی دور میں عزاداری کی بھی خاصی ترقی ہوئی۔ فن سوز خوانی کا عروج ہوا۔

نواب واجد علی شاہ محرم میں فقیر بنتے، سبز کپڑے پہنتے، گلے میں سبز جھولی ڈالتے، چھٹی تاریخ کو شدے ہاتھ میں لے کر اور طلائی زنجیر کمر میں ڈال کر گشت کرتے۔ ساتویں کو مہندی بڑی دھوم دھام سے اٹھتی۔ شاہ اودھ بہ نفس نفیس اس کا گشت کرتے۔ اِس کی مشایعت کرتے۔ آٹھویں کو سقائے حرم کی یاد میں لال کھاروے کی لنگی باندھ کر بہشتی بنتے اور شربت کی بھری ہوئی مشک کاندھے پر رکھ کر حاضرین کو پلاتے، دسویں تاریخ کو جامع آصفی میں عاشورہ کی نماز پڑھ کر ظہر کے وقت حاضری کے دستر خوان پر نیاز دیتے۔ شیر مالیں چنی جاتیں اور شیر مالوں پر کباب پودینہ، ادرک اور مولی کتر کر رکھی جاتی تھی نجف اشرف، قدم رسول، امام باڑہ آصفی کے آثار متبرکہ کی زیارت کے لئے جاتے۔ سادات کو پہننے کے کپڑے اور زر نقد فقراء و مساکین کو نیاز کا کھانا مرحمت ہوتا[1]۔

واجد علی شاہ نے اپنے والد کی قبر پر (حضرت گنج میں) لاکھوں روپیہ صرف کرکے ایک مقبرہ بنوایا جو حسین آباد کی نقل ہے جس کا نام سبطین آباد رکھا گیا۔ زمانہ شاہی میں اس میں قیمتی قالین اور شیشہ آلات تھے جو ۱۸۵۷ کے غدر کی نذر ہو گئے۔ واجد علی شاہ یہاں اپنا نو تصنیف مرثیہ پڑھتے تھے۔ قیصر باغ کی بارہ دری (جو دراصل امام باڑہ ہے) میں اہتمام سے عزاداری ہوتی تھی۔ یہاں چار تعزیے چاندی کے تھے ایک ضریح خاک کی بھی تھی۔ میر انیس اور مرزا دبیر یکجا اپنے اپنے

۱۔ لکھنؤ میں عزاداری (مضمون) مشیر احمد علوی، ص ۱۵، سرفراز، محرم نمبر ۱۳۵۷ھ۔

مراثی پڑھتے تھے۔ ۴ محرم کو بادشاہ اودھ اپنا نو تصنیف مرثیہ پڑھتے تھے۔ مجالس عزا اہتمام سے کراتے تھے۔ ایام عزا میں تاج نہیں پہنتے تھے۔ محرم کے زمانے میں نقرئی اوٹوں پر سیاہ کپڑا لپیٹ کر اس کی کھونٹیوں پر نقرئی اور طلائی علم، جواہر نگار پنجے، آبدار خنجر اور مرصع قبضوں کی تلواریں زیارت کے لئے سجادی جاتی تھیں۔ زبردست روشنی ہوتی تھی اور چالیس دن عزاداری ہوتی تھی۔ نویں محرم کو روشنی کی جاتی تھی۔ ماہ محرم میں غرباء کو شربت اور کھانے کے حصے، ۶ محرم سے نفیس اور پر تکلف کھانوں کے حصے، تورہ بندی کے طور پر وسیع پیمانے پر تقسیم کئے جاتے تھے۔ ۷ محرم کو مہندی کے تاریخی جلوس نکلتے تھے۔ آٹھویں کی سہ پہر کو غرباء میں شربت تقسیم ہوتا تھا اور رات میں حضرت عباسؑ کی نذر ہوتی تھی۔ نویں محرم کو دن بھر مجالس کا سلسلہ جاری رہتا رات کو روساء، شرفاء اور دیگر تعزیہ دار رعایا کے گھر روشنی ہوتی تھی۔ ایام عزا اکثر امراء، روساء، اور شرفا کے جلوس ہائے علم و تعزیہ نکلتے تھے۔ دولت سرائے سلطانی میں درجنوں تعزیئے جلوس کے ساتھ گشت کرتے۔ اِن جلوسوں میں نوبت خانہ، متعدد ہاتھی جن پر پر تکلف جھولیں پڑی ہوتی تھیں ماہی مراتب اور اونٹوں کی قطار جن پر علم بردار ہوتے، پیادوں کی پلٹنیں، برقنداز، بلم بردار، بینڈ باجے جو رزمیہ دھن بجاتے چلتے۔ اِس کے بعد علم بردار، دلدل، تابوت، ماتمی دستے، نوحہ خواں اور عصا برداروں کے غول ہوتے تھے جن پر روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا تھا۔

عہد واجد علی شاہ میں فاقہ شکنی کا رواج شروع ہوا۔ سہ پہر جب تک تعزیے دفن نہ ہوتے تھے کوئی نہ ایک لقمہ کھانا کھاتا نہ پانی پیتا حتیٰ کہ مائیں بھی اپنے بچوں کو دودھ نہ پلاتی تھیں۔ سہ پہر کو فاقہ شکنی ہوتی۔

اربعین میں بخشو کاریگر نے ۲۱ صفر کو اپنی ضریح اُٹھانی شروع کی۔ واجد علی شاہ نے مچھلی والی بارہ دری گول دروازہ سے اِس کی زیارت کی اور بخشو کو بلا کر مالی اعانت کا خیال ظاہر کیا مگر اُس نے مؤدبانہ انکار کیا البتہ شاہی جلوس ماہی مراتب وغیرہ کے لئے درخواست کی جو بادشاہ نے منظور کی۔ اِس کے بعد سے بخشو کا تعزیہ شاہی جلوس کے ساتھ برابر اٹھتا رہا۔ بخشو اِس ضریح کا ڈھانچہ خود ہی بناتا تھا۔ یہ ضریح دفن نہیں کی جاتی تھی گشت کرکے واپس لائی جاتی تھی۔ اِس کے بعد آگے تاریخوں میں اضافہ ہونا شروع ہوا رؤساء اور امراء نے اپنے تعزیے اہتمام اور جلوس سے اٹھانا شروع کئے۔ غدر کے بعد نواب آغن صاحب کے والد محترم نے ۸ ربیع الاول کو چپ تعزیہ جلوس کے ساتھ اٹھوایا جو وکٹوریا اسٹریٹ سے برآمد ہو کر کاظمین میں دفن ہوتا تھا۔ آج بھی یہ تعزیہ اُٹھتا ہے۔ اس میں نقیب کوئی نوحہ پڑھتا تھا اور سامعین کے گریہ کا شور اٹھتا تھا پھر سب پر سکوت طاری ہو جاتا۔ جب واجد علی شاہ کو مٹیا برج کلکتہ لے جاکر قید کر دیا گیا تب وہاں بھی اُنہوں نے عزاداری کا سلسلہ جاری رکھا۔

لکھنؤ میں جگہ جگہ ائمہ کرام کے مقدس روضے اور شہدائے کربلا کی قبور مطہر موجود ہیں جو شاہی دور کی ہیں[۱]۔ ان کے علاوہ بیسیوں امام باڑے اچھی حالت میں موجود ہیں[۲]۔ لیکن چند ایسے بھی ہیں جو بے توجہی کا شکار ہیں[۳]۔

عزاداری کی منتیں، مرادیں، شہیدوں کی منتیں اودھ میں عورتوں کی روزمرہ کی زندگی کا حصہ بن گئی جب کوئی سفر پہ جاتا تو امام ضامن کا روپیہ اُس کے بازو پر باندھتی۔ رجب علی بیگ سرور ایک موقعہ پہ عورتوں کے عقائد پہ نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

"کوئی کہتی ہمارا لشکر اِس بلا سے نکل گیا تو مشکلکشا کا کھڑا دونا دوں گی، کوئی بولی: میں سہ ماہی روزہ رکھوں گی کونڈے بھروں گی۔ صحنک کھلاؤں گی۔ دودھ کے کوزے بچوں کو پلاؤں گی۔ کسی نے کہا: اگر جیتی چھٹی تو حضرت عباس کی درگاہ جاؤں گی۔ سقائے سکینہ کا علم چڑھاؤں گی۔ چہل منبر کرکے نذر حسین کی سبیل پلاؤں گی"[۴]۔

فرمان روان اودھ نے اپنی مذہبی عقیدت مندی کے باعث لکھنؤ کو نہ صرف شیعیت اور عزاداری کا مرکز بنادیا بلکہ یہاں کی تہذیب و تمدن کو سنوارا، عوام الناس نے بھی اِس میں حصہ لیا اور عزاداری ہر باشندے کا جزو حیات بن گئی۔ اِس کا اثر معاشرت معیشت، فنون، لطیفہ، آداب نشست و برخاست، پکوان، لباس، ادب اور مختلف قسم کے ہنروں پر پڑا جس کے نتیجے پہ لکھنؤ معاشرتی اور معاشی طور پہ مالامال ہو گیا[۵]۔

لباس اور وضع قطع میں تبدیلی آئی لکھنؤ کے اکثر ثقہ لوگوں نے ایرانی علماء کا لباس پہننا شروع کیا۔ پنج گوشیہ ٹوپی عام ہو گئی، محرم میں عورتوں نے خاص قسم کا زیور (چاندی کے طوق نما کڑے یا علی بند) پہننا شروع کیا سارا آرائشی زیور بڑھا دیا

---

۱. کربلائے میر خدا بخش (تال کٹورا) کربلائے شاہ نصیرالدین حیدر (ڈالی گنج) روضہ حضرت زینب (ٹکیت گنج) کربلائے امین الدولہ (آواس وکاس کالونی)، کربلائے دیانت الدولہ (کاپٹن روڈ) کربلائے نواب شرف الدولہ کاظمین (کاظمین روڈ) کربلائے ملکہ جہاں (عیش باغ)، کربلائے نواب سعید الدولہ وکٹوریہ گنج، روضہ پسران حضرت مسلم (وکٹوریہ گنج) روضۂ فاطمہ (درگاہ حضرت عباس روڈ) مسجد کوفہ (کربلائے عباس باغ) سرفراز گنج اور کربلائے نواب ملکہ آفاق (گومتی پار) یہ سب شاہی دور کی نشانیاں ہیں۔

۲. آغا باقر کا امام باڑہ (ترکاری منڈی) الماس علی خاں کا امام باڑہ (مالی کی سرائے) آصف الدولہ کا امام باڑہ، غفران مآب کا امام باڑہ (ترکاری منڈی) جھاؤلال کا امام باڑہ (ٹھاکر گنج) کالا امام باڑہ (پیر گنج) امام باڑہ محمد علی شاہ (حسین آباد) امام باڑہ تحسین علی خاں (نزد مسجد تحسین علی خاں چوک) میر باقر سودا کا امام باڑہ (چوک) میر واجد علی تسخیر کا امام باڑہ (گولہ گنج) مغل صاحبہ کا امام باڑہ (وزیر گنج) امیر محل کا امام باڑہ (رسی بٹان) امام باڑہ سید علی نقی مجتہد (ڈور والی گلی) نیا محل کا امام باڑہ (منصور نگر) میاں داراب علی کا امام باڑہ (مولوی گنج)، قصر حسینی (بلوچ پورہ) ناظم صاحب کا امام باڑہ (بزازہ) ڈپٹی عظیم کا امام باڑہ (گولہ گنج) سید تقی صاحب قبلہ کا امام باڑہ (عقب مسجد تحسین اور امام باڑہ مرزا ذکی (پل فرنگی محل)۔

۳. راجا ٹکیت رائے کا امام باڑہ (ٹکیت گنج) زین العابدین کا امام باڑہ (سرائے معالی خاں)، اکرام علی خاں کا امام باڑہ (نخاس) لاڈو خانم کا امام باڑہ (نخاس)۔

۴. رجب علی بیگ لکھنؤ فسانہ عجائب، ص ۲۷۔

۵. پروفیسر رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۳۱۴۔

گیا۔ مجلس میں گوٹہ پیش کیا جاتا تھا۔ مجلسوں کے تبرک نے ایام عزا میں غریبوں، محتاجوں کی پریشانی دور کی۔ فنون لطیفہ
ہنر کو ترقی ملی۔ شیرینی فروش بتاشے اور شکر، بھُرجی جو اور مٹر کے، درزی کٹاؤ کے، چکن ساز چکن کے، منیہار چوڑیوں
کمہار مٹی کے، نداف روئی کے اور نجار لکڑی کے نہایت دیدہ زیب تعزیے تیار کرتے تھے۔ اِن پیشے والوں کے علاوہ اور
حرفہ نے نفیس تعزیے بنائے جسے رانگہ کا تعزیہ، میناکاری تعزیہ، چٹائی کا تعزیہ وغیرہ۔

چٹائی کے تعزیے محمد بخش (صدر گنج میں) رجب (سرائے معالی خاں میں) رمضانی (فیشن والی گلی) اور خدا بخش اکرام
خاں کے امام باڑے کے پھاٹک میں رکھا کرتے تھے۔ اِن تعزیوں کو بنانے میں کاریگر کھجور کی پتیوں اور مختلف رنگوں
تعزیوں کا استعمال کرتے تھے۔ موم کی بنی ضریح حسین آباد کے امام باڑے میں رکھی ہے۔ روئی کے تعزیے میاں سلار و سبز
منڈی میں اور میاں رجب سعادت گنج میں رکھا کرتے تھے۔ میناکار تعزیہ ٹاٹ پٹی میں غلام رنگ ساز کا، دوسرا راجہ بازار
سرفراز علی کا، تیسرا حسین آباد میں پگلے سبزی فروش کا بے حد مشہور تھا۔ (سرفراز علی کا تعزیہ محمد علی شاہ کے زمانے سے ر
جاتا ہے) محلّہ پاٹا نالہ کے رہنے والے ایک شخص حکیم نامی چوڑیوں کا تعزیہ بناتا تھا۔ محلّہ چوپٹیاں میں رہنے والا کمہار ٹیکا
مٹی کا تعزیہ بناتا تھا۔ ایک ہندو دہر کالال تعزیہ بناتا تھا۔ اِس کے علاوہ جمنا کمہار، گومتی کمہار اور منشی سرجو پرشاد نگم وغیرہ نے
لال تعزیہ رکھنا شروع کیا ایک لال تعزیہ کسی دوسرے محلے سے اُٹھتا تھا جس میں راجہ مہرا کے خاندان کے ایک شخص
ہرپرشاد دو (۲) خاص مرثیے پڑھتے تھے:

۱۔ جب مشک بھر کے نہر سے عباس غازی گھر چلے۔

۲۔ یارب کسی کا باغ تمنا خزاں نہ ہو۔

پیتل کا تعزیہ امین آباد کی طرف سے اٹھایا جاتا تھا۔ شہر میں سفید تعزیوں کی بھرمار تھی۔ ایک مسلمان دائی چھندن
دوسرا بھووِن ٹولہ متصل پھول والی گلی میں ہندو دائی گنیشیہ کا تھا۔ گرزماروں کی جماعت نے عہد امجد علی شاہ میں ایک
تعزیہ رکھنا شروع کیا جو تعزیوں کے جلوس میں آخر میں ہوتا ہے۔ بیسویں صدی میں یہ تعزیہ ایک رنگریز حسن کے پاس آ
پھر بقر عیدی سبزی فروش نے گول دروازے میں رکھنا شروع کر دیا۔ ایک اور تعزیہ موولے کی مسجد کے قریب ایک کھلے مق
میں سجا دیا جاتا تھا۔ یہ تعزیہ نو گز بلند ضریح کی شکل کا ہوتا تھا۔ لہٰذا نو گزا تعزیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ ایک تعزیہ چھلبدار
کا ہوتا تھا۔ آغا عبد الکریم خاں انگریزی فوج میں رسالدار تھے وہ لکھنؤ میں ہی مقیم ہو گئے اُن کا تعزیہ رسالدار کا تعزیہ کہلاتا تھ
یوم عاشور میں محمد علی شاہ کی ضریح کے بعد سب سے پہلا تعزیہ انہیں کا ہوتا تھا[1]

۱۔ یہ معلومات پروفیسر رفیعہ شبنم عابدی کی کتاب ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری سے حاصل کی گئی ہے ص ۳۱۴-۳۱۶؛ ملاحظہ کیجئے لکھنؤ کی تعزیہ داری (مضمون) جعفر حسین، ماہنامہ آج کل جنوری ۱۹۷۸/ سرفراز محرم نمبر ۱۳۸۶ھ ص ۲۱؛ عہد ماضی کے چند نامی تعزیے مضمون شیخ تصدق حسین۔

عزاداری نے شعر و ادب پر بھی اثر ڈالا۔ مجالس عزا کی وجہ سے واقعہ خوانی، حدیث خوانی، سوز خوانی، نوحہ خوانی وغیرہ جیسے فن ایجاد ہوئے۔ ذاکرین کی فصاحت و بلاغت، تحت اللفظ میں مرثیہ خوانوں کی فنکاری جو اشاروں اور آواز کے زیر و بم سے واقعات کی کامیاب منظر کشی کرتے تھے۔ سوز خوانوں کا موسیقی کا استعمال جو سازوں کی غیر موجودگی میں بھی لحن کے ذریعے سامعین میں رقت پیدا کر دیتے تھے. عقیدہ اور فن کا نہایت کامیاب مظاہرہ ہوتا تھا۔ رثائی ادب میں معیاری شاعری کا اضافہ ہوا۔ سلام، قطعات، رباعی، نوحہ، مخمس، مثلث اور مرثیہ کا فروغ اسی عزاداری کا نتیجہ ہے۔ فنون سپہ گری نے بھی شہرت پائی، تلوار بازی، چھری، گتکہ، بانا، لکڑی چلانے کے فن، ڈھول. تاشہ نقارہ بجانے کے فن نے ترقی کی۔ امام باڑوں کی تعمیر اور آرائش و زیبائش نے دستکاروں اور کاریگروں کو اپنا فن نکھارنے کے مواقع فراہم کئے۔ علم، تابوت، پٹکے، نشان، ضریح، تعزیے، ذوالجناح اور اُن کے متعلقات پر توجہ ہوئی۔ اظہار فن کے نئے انداز تلاش کئے گئے۔ علم نہ صرف سونے چاندی کے بنتے تھے بلکہ اُن میں نقاشیاں، طغرے، کٹاؤ کے کام ہونے شروع ہوئے۔ پٹکوں میں زردوزی، گوٹا، کناری، بنت، جالی، کرن اور گوکھرو کے استعمال سے نشانوں میں جدتیں پیدا کی گئیں۔

فن تعمیر میں برجیوں اور گنبدوں میں ندرت پیدا کی گئی۔ جھاڑ، فانوس، کنول امام باڑوں میں سجنے لگے جس کی وجہ سے شیشہ گری کی صنعت کو فروغ حاصل ہوا۔ مجالس میں تبرکات کی تقسیم ہونے سے حلوائیوں، نان بائیوں کو اپنا فن دکھانے کا موقعہ ملا۔ مختلف قسم کی مٹھائیاں، شیرمالیں، پراٹھے اور کباب وغیرہ تیار کئے جانے لگے۔ غرض اودھ میں عزاداری کو جو فروغ ہوا وہ شمالی ہند میں اور کہیں نظر نہیں آتا۔ عزاداری سے اودھ کی معاشرتی اور معاشی ترقی ہوئی۔

حیدرآباد دکن

آصفجاہی دور میں عزاداری

اورنگ زیب کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت کا اقتدار کم ہونے لگا۔ نادر شاہ کے حملے نے دہلی کے مغل بادشاہوں کی سلطنت پر گرفت کو اتنا کمزور کر دیا کہ علاقائی طاقتوں نے سر اٹھایا۔ سید برادروں (حسن علی خاں اور حسین علی خاں) کی سیاست سے ناراض ہو کر نظام الملک آصفجاہ نے دکن میں اپنی سلطنت قایم کی۔ آصفجاہی عہد میں حیدرآباد دکن میں مغلیہ دور حکومت کی بندشوں کو ختم کیا گیا۔ عزاداری اور مرثیہ خوانی کو فروغ ہوا۔ سابقہ روایات پھر شروع ہوئیں۔ محرم کی مجالس میں بادشاہ خود شریک ہونے لگے۔ محرم کی نیاز عام ہو گئی۔ نیاز کے خاص پکوان کھچڑا، شربت، روٹ، چونگے اور بٹی تھے جن پر امام کی فاتحہ پڑھی جاتی تھی۔ مراسم عزاداری جو عہد قطب شاہی میں رائج تھے پھر شروع ہوئے۔ لنگر کی رسم پھر سے جاری ہوئی۔

شاہی امام باڑوں اور عزا خانوں کا انتظام حکومت نے پھر سنبھالا۔ مجاوروں کے وظیفے پھر سے جاری ہوئے۔ سوانگ اور محرم کے جلوس پھر شروع ہوئے۔ نئی رسموں کا بھی اضافہ ہوا۔

آصفجاہ اول کے زمانے میں مجالس عزا میں فارسی کی روضۃ الشہداء بھی اتنی ہی مقبول تھی جتنی تیلگو کے مرثیے۔ نہایۃ السئول (سوانح عمریِ حضرت امام حسینؑ جسے عبد الوہاب آرکاٹی نے ۱۷۹۵ میں کرناٹک کے نواب والا جاہ کے لئے مرتب کیا تھا) بہت پسند کی جاتی تھی۔ جب مغلوں نے میسور پر قبضہ کیا تھا تو وہاں سارا کے نواب نے ایک امام باڑہ ۱۷۱۹ء میں تعمیر کروایا تھا۔ کرناٹک کے چند نوابوں اور ٹیپو سلطان نے سری رنگا پٹنم میں امام باڑے تعمیر کرائے۔

آصفجاہ دوم نے جب عنان حکومت سنبھالی اور اپنا دار الخلافہ حیدرآباد منتقل کیا تو تمام شاہی عاشور خانوں کو دوبارہ کھولا گیا اور ان کے انچارج مقرر کئے گئے۔ ایرانی النسل شیعہ سردار ارسطو جاہ دیوان مقرر ہوا وہ ایک باذوق مذہبی آدمی تھا۔ ارسطو جاہ اور نوازش علی شیدا نے مل کر حیدرآباد کی تہذیبی زندگی میں نئی روح پھونکی۔ سلامی مارچ دوبارہ شروع ہوا۔ چراغاں محرم کی دوسری مد ہو گیا۔ ارسطو جاہ کے بعد میر عالم صدر المہام مقرر ہوئے یہ بھی شیعہ اور سید تھے۔ لہٰذا عزاداری کی اور توسیع و تشہیر ہوئی۔ نواب ناصر الدولہ آصفجاہ رابع کے زمانے میں محرم کے جلوسوں کو اور وسعت ملی۔ دبیر پورہ کے حسینیہ میں رکھا حضرت مسلم کا تابوت جلوس کے ساتھ چادر گھاٹ تک لایا جاتا تھا اور نواب ناصر الدولہ پرانی حویلی سے زیارت کرتے تھے۔ اِس تابوت کے متعلق مشہور ہے کہ حاجت مند مٹی کا کوئی کوزہ یا کُلیا لے کر وہاں ضریح کے نیچے سے کنکری اٹھا کر اس میں ڈال دیتے تھے اور سال بھر بعد اپنے پاس حفاظت سے رکھے اور مراد بر آنے پر شیر کا کونڈا یا پنج میل مٹھائی۔ کچھ نقدی رکھ کر نذر کرتے تھے۔ اُس عہد کے شاعر عقلان کی ایک نظم سے محرم کے مراسم عزاداری کا پتہ چلتا ہے جس میں محرم کے جلوس میں نکلنے والے فقیروں کے گروہوں کا تذکرہ ہے[1]۔ یہ جلوس شہر میں گشت کرتا ہوا قطب شاہی دور کے عاشورہ خانہ حسینی علم پر فاتحہ پڑھتا اور اختتام پذیر ہوتا[2]۔

آصفجاہ ششم عزاداری کا بہت حامی تھا۔ حیدرآباد کے امراء نے اپنے گھروں میں عزاداری کی مجالس شروع کی۔ نظام اُن میں شریک ہوتا تھا۔ آصفجاہ ہفتم کے دور میں نواب تہور جنگ کی دعوت پر ۱۸۷۱ء میں میر انیس لکھنوی حیدرآباد تشریف لائے۔ شمالی ہند کے مرثیہ گویوں کا یہ سلسلہ ۱۹۳۵ء تک جاری رہا جن میں پیارے صاحب رشید، دولہا صاحب عروج، مہذب لکھنوی، مؤدب لکھنوی کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سوز خوانی تو پہلے سے ہی شروع ہو چکی تھی۔ جناب

---

۱. مخطوطہ ۱۸۷۳، ادبیات اردو۔

۲. ایضاً۔

عابد علی صاحب، منجھو صاحب، جناب ولی حیدر، بندہ حسن صاحب اور اچھے صاحب وغیرہ مشہور سوز خوانوں نے محرم میں سوز خوانی کی[1]۔ اِس دور میں ایک گروہ حیدری مچھلی بندر کا ماتمی گروہ کے نام سے سینہ زنی کرتا تھا۔ ان کے لئے مشاہرہ مقرر کر دیا تھا۔ اسی دور میں سوانگ بہت مقبول تھا۔

محرم کے جلوس میں فوج نے شرکت کرنا شروع کی۔ مختلف رنگوں اور نیزوں کے علموں کو عزاداری کی آرائش میں استعمال کیا جانے لگا (جو ہندوؤں کی روایت ہے) حیدرآباد، میسور، مدراس، بمبئی کے شعراء نے فارسی اور اردو میں مرثیے اور سلام مجالس میں پیش کئے۔ اِس دور میں فاتحہ اور بی بی کی صحنک کا رواج عام ہوا۔ مدراس میں بھی بیت بڑا عاشور خانہ، عباسی یا "بڑا نقشہ" کے نام سے موجود تھا۔

مہاراجہ چندولال اِس زمانے کا حال یوں بیان کرتے ہیں:

"عشرۂ محرم میں لوگ خلوص اور عقیدت سے لنگر نکالتے ہیں اور حسینی علم، نعل مبارک اور الاوہ بی بی میں نیاز چڑھاتے ہیں۔ اکثر مقامات میں تابوت و علم بھی اِستاد کئے جاتے ہیں اور روشنی کی جاتی ہے[2]۔ خود اپنے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ عقیدت سے آبدار خانہ اور ٹٹی میں قسم قسم کی روشنی کرتے، بلوریں جھاڑ اور قندیلوں کے علاوہ چالیس زجاجی چراغ رنگارنگ آویزاں کرتے تھے۔ نعل مبارک کی سواری کے ساتھ ساتھ عظیم الشان جلوس میں کئی لاکھ آدمی ہاتھوں میں مشعلیں اور تلواریں لئے شامل رہتے تھے۔ روز عاشورہ موسیٰ ندی کے کنارے لاکھوں کی تعداد میں لوگ جمع ہوتے۔ دکاندار اپنی دکانیں آراستہ کرتے تھے۔ غرض ہر جگہ ہر گھر میں روضہ خوانی اور تعزیہ داری کا اہتمام ہوتا تھا"[3]۔

نظام محبوب علی خاں آصفجاہ شیعیت کی طرف گہرا میلان رکھتے تھے یہ خود اور اِن کے امراء عزاداری کی سرپرستی کرتے تھے۔ آصفجاہ ہفتم نے آخری شاہی عاشور خانہ موسوم بہ عزاخانہ زہرا تعمیر کروایا۔ فوجوں میں تعزیے تیار ہوتے تھے اور دسویں کو فوجی جلوس کے ساتھ شہر میں گشت کرتے تھے اور مہاراجہ کی ڈیوڑھی تک نعرے لگائے جاتے تھے۔ مجالس عزا میں بھی اضافہ ہوا تھا۔

---

۱. ڈاکٹر رشید موسوی: دکن میں مرثیہ اور عزاداری۔
۲. مہاراجہ چندولال: عشرت کدہ آفاق (خود نوشت سوانح عمری)۔
۳. ایضاً۔

میر عثمان علی آصفجاہ خود ایک اچھے شاعر اور عالم تھے وہ مذہبی آدمی تھے اُنہوں نے مراسم عزاداری کو خوب رونق بخشی اِس دور کے شاعر مرزا جعفر علی جعفرؔ عید الاضحیٰ کے بعد سے روزانہ شب کو "مجلس ربط" منعقد کرتے اور محلے کے نوجوانوں کو جمع کر کے سینہ زنی کی مشق کراتے تھے۔ خود نوحہ بھی پڑھتے تھے اور ماتم میں شریک ہوتے تھے اور ایام عزا کے عشرۂ اول میں محلے کے اکثر گھروں میں روزانہ صبح و شام مجلس ہوا کرتی تھی اور بلا تفریق مذہب و ملت، دولت و مال سب اس میں شریک ہوا کرتے تھے[۱]۔

۱۔ نصیر الدین ہاشمی: دکن میں اردو، ص ۲۳۹۔

باب ہشتم

شمالی ہند — ۱

دلی، ہریانہ، راجستھان، کشمیر، جموں، ہماچل پردیش، اُتراکھنڈ

دہلی (شہر اور قرب وجوار)

دلی مشترکہ تہذیب کی امین ہے۔ یہاں عزاداری کی روایت بہت قدیم ہے۔ مغل بادشاہ سنی تھے لیکن محرم کے مراسم میں انہماک سے حصہ لیتے تھے۔ برٹش سامراجی حکومت نے فرقہ واریت کو جان بوجھ کر بڑھاوا دیا۔ ہندو مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کیا گیا۔ شیعہ سنیوں کے تعلقات خراب کرانے کی کوششیں کی گئیں۔ تعزیہ داری پر بندش لگائی گئیں۔ راستے مخصوص کئے گئے۔ نیا تعزیہ نکالنے کے لئے پولیس کی اجازت ضروری تھی۔ شاہی سرپرستی ختم ہو گئی اور معاشی پریشانیاں بھی بڑھ گئی تھیں۔ تعزیہ داری میں اب وہ تزک واحتشام نہیں رہا۔

۱۹۴۷ء سے قبل کی دلی کے محرم کا ذکر ملا واحدی یوں تحریر کرتے ہیں:

"محرم کا چاند دکھائی دیا اور ماتمی باجوں کی آوازیں اُٹھنے لگیں۔ خوشی کی تقریبیں بند ہو گئیں۔ مستورات نے پُر تکلف لباس پہننا ترک کر دیا۔ طوائفیں تک سوگ مناتی تھیں۔ کوئی عورت بناؤ سنگار کر لیتی تو دوسری عورتیں نام دھرتیں اور کہتیں: بوا! محرم ہے۔ محرم میں شیعہ پان نہیں کھاتے تھے۔ گلی کوچوں سے لے کر بڑے بڑے بازاروں تک تخت اور چوکیاں، سبیلیں لگانے کے واسطے بچھائی جاتی تھیں۔ اور ہر شخص اس کوشش میں لگا رہتا تھا کہ میری سبیل سب سبیلوں سے بازی لے جائے۔ سبیلوں کو سجایا جاتا تھا اور روشنی اتنی کی جاتی کہ سوئی گرے تو اٹھا لو۔ بیرقیں جھاڑ، فانوس، ہنڈیاں۔ لگنے، دوشاخے روشن کرکے رات کو دن بنایا جاتا تھا۔ دودھ کا شربت اور سادہ شربت بنایا جا رہا ہے اور آواز الگ لگ رہی ہے۔

پانی پیو تو یاد کرو پیاس امام کی — پیاسو سبیل ہے یہ شہیدوں کے نام کی

شیعہ حضرات کے یہاں مجالس عزا برپا ہیں۔ میر انیس اور مرزا دبیر کے مرثیے پڑھے جا رہے ہیں۔ صفِ ماتم بچھی ہوئی ہے۔ خاتمہ مجلس پر کہیں الائچی دانے اور چنے بٹ رہے ہیں کہیں خمیری روٹیاں اور چنے کی دال کا بھرتہ، کہیں شیر مال اور فرنی کے پیالے"[1]۔

مہیشور دیال اپنی کتاب "عالم میں انتخاب دہلی" میں لکھتے ہیں:

"کربلا کے پیاسے شہیدوں کی یاد میں ہندو اور مسلمان جگہ جگہ پانی کی سبیلیں لگاتے تھے۔ دسویں روز تعزیے اُٹھتے بہت سے ہندو تعزیوں کے جلوس میں شریک ہوتے۔ ہندو محلوں سے تعزیے گزرتے وہاں کے ہندو سبیلیں لگاتے تھے۔ دہلی کے بڑے تعزیے مشہور ہیں اُس زمانے میں جو تعزیے بنتے تھے اُس کا جواب نہ تھا۔ کئی کئی منزلوں کے تعزیے بنتے تھے اور کچھ تعزیے تو اتنے اونچے تھے کہ اونچی عمارت کو چھو لیتے تھے۔ الگ الگ فرقوں اور محلوں، کوچوں کے الگ الگ تعزیے نکلتے تھے۔ اِن کا نام بھی ویسا پڑ جاتا تھا جیسے جولاہوں کا تعزیہ، منہاروں کا تعزیہ، بارہ ٹوٹی کا تعزیہ وغیرہ وغیرہ"[2]۔

شب عاشور شہر کے دور دراز علاقوں کے تعزیے نکل نکل کر جامع مسجد کے نیچے اکٹھے ہو جاتے تھے۔ اِن تعزیوں کے مختلف نام تھے مثلاً نو گزہ، اونٹنی والا تعزیہ وغیرہ۔

۱۹۳۵ تا ۱۹۶۰: دلی کے کشمیری پنڈت بھی عزاداری میں تعاون کرتے تھے۔ پنڈت تربھون ناتھ زتشی زارؔ، پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفیؔ، پنڈت امر ناتھ مدن ساحرؔ وغیرہ مجالس عزا کا بھی اہتمام کرتے تھے اور چوک حوض قاضی پر سبیلیں لگاتے تھے جس میں شربت، ٹھنڈائی، لسی، پانی وغیرہ تقسیم کیا جاتا تھا اور لنگر بنتا تھا۔ پانچ کشمیری پنڈتوں (ساکنان بازار سیتا رام اور محلہ چوڑی والان) کی طرف سے ایک تعزیہ نکالا جاتا تھا جس کا خرچ یہ لوگ خود برداشت کرتے تھے۔ ۱۹۶۰ میں جب اِن بزرگوں میں سے کوئی زندہ نہیں رہ گیا تو تعزیہ برآمد ہونا بند ہو گیا۔ عشاء کے بعد ۹ دن تک متواتر چوڑی والان میں پنڈت امر ناتھ ساحرؔ کی بزم سخن کے زیر اہتمام حمد، نعت، سلام منقبت اور مرثیے پڑھے جاتے تھے جس میں ۱۹۳۵-۱۹۵۵ تک دلی اور قرب و جوار کے ہندو مسلمان شعراکلام پیش کرتے تھے۔ دلی میں ایک زمانے تک حضرت حسینؑ کی یاد میں غالب اکادمی، ایوان غالب، امامیہ ہال، دلی کالج، جامعہ ملیہ اسلامیہ، حویلی حسام الدین حیدر اور اردو بازار میں جلسے ہوتے رہتے تھے

---

۱. واحدی: کاروان حیات، ص ۶۲، دلی کا محرم۔

۲. مہیشور دیال: عالم میں انتخاب دلی، ص ۲۶۶ تا ۲۶۸۔

یہ باتیں ۱۹۳۵تا ۱۹۴۷اور ۱۹۴۸تا ۱۹۸۲تک کی ہیں[1]۔ دہلی (شاہجہان آباد) میں پنجہ شریف کی مجالس کے علاوہ گلی قاسم جان (سید حسین احمد خاں صاحب) فراش خانہ (نواب سید احسن مرزا موسوی)، سوئیوالان (آغا مقصود مرزا صاحب) میں مجالس محرم منعقد ہوتی تھیں۔ سید عاشق عباس بزمانہ اربعین مجالس کا اہتمام کرتے تھے۔

راقم الحروف بچپن میں والد محترم جناب گوپی ناتھ صاحب امنؔ لکھنوی کے ساتھ مجالس اور جلوسوں میں جاتا تھا۔ محرم ذوالجناح کا جلوس (امامیہ ہال) اور یوم عاشور کے تعزیوں کے جلوس کے نقوش اب تک دل و دماغ میں محفوظ ہیں۔ جلوس تعزیہ کے ساتھ لاؤڈ اسپیکر پر سواری پڑھی جاتی تھی۔

سواری ہے شہید کربلا کی کہ جس کی شمر نے گردن جدا کی

ایک بات عرض کرنا چاہوں گا جب ۱۹۴۷ء میں فرقہ وارانہ فسادات کے باعث تعزیوں کے جلوس نکالنے پر پابندی لگا دی گئی تھی تو جناب امن لکھنوی (والد محترم) بیرسٹر دیاس دیو مصرا (جو ہماچل پردیش ہائی کورٹ کے چیف جسٹس بنے) اور سید حسین علی جعفری نے چیف کمشنر سے ملاقات کی اور امن وامان برقرار رکھنے کی ذمہ داری اپنے اوپر لی۔ چیف کمشنر نے اجازت دے دی (اسی طرح جناب ویاس دیو مصرا نے برسوں مقدمہ لڑ کر درگاہ شاہ مرداں اور امامیہ ہال شیعیان علی کو واپس دلوایا ایک روپیہ بھی نہیں لیا بلکہ اپنی جیب سے رقم خرچ کی) مصرا جی کے خاندان والے تو مجالس میں آج بھی شریک ہوتے ہیں۔

مصرا جی، امن صاحب اور جعفری صاحب مقاصدوں، مسالموں، جلسے، جلوسوں میں شریک ہوتے تھے۔ یہ لوگ مجالس کو خطاب کرتے تھے۔ نظم و نثر میں امام حسینؑ اور اہل بیتؑ کو خراج عقیدت پیش کرتے تھے۔ یہ دلی کی مشترکہ تہذیب کی ایک جھلک ہے۔ آج بھی ہندو، سنی مسلمان، سکھ حضرات شیعوں کے تعزیوں کے جلوس میں شرکت و تعاون کرتے ہیں۔

دلی کی عزاداری کا ایک خاص پہلو یہ بھی ہے کہ عاشور کے دن تعزیے اہل سنت حضرات کی طرف سے نکالے جاتے ہیں (ابھی دو سال سے شیعہ حضرات کے علم کا جلوس یوم عاشور کو درگاہ شاہ مرداں سے برآمد ہونے لگا ہے۔ شیعہ حضرات چہلم اور ۷ ربیع الاول کو تعزیہ اٹھاتے ہیں) جو کربلا علی گنج میں دفن کئے جاتے ہیں۔ یوم عاشور کو کربلا جور باغ میں آنے والے تعزیوں کی تعداد تقریباً ۷۰ ہوتی ہے جو سبھی اہل سنت حضرات کی طرف سے ہوتے ہیں (دلی میں تعزیے سنی حضرات ہی بناتے ہیں) لیکن اُن کے دفن کا انتظام انجمن حیدری کرتی ہے[2]۔ اِن کے علاوہ جعفر آباد سیلم پور، ویلکم، خوریجی، اوکھلا، دکشن پوری سے بھی بڑی تعداد میں تعزیے برآمد ہوتے ہیں[3]۔

۱. پنڈت آنند موہن زتشی گلزار دہلوی کا خط ایڈیٹر کے نام، ص ۹، راشٹریہ ہفت سا پتاہک لکھنؤ محرم نمبر ۷ اد سمبر ۲۰۱۰ء۔
۲. مشترکہ تہذیب کی امین دہلی کی عزاداری، (مضمون) سید محمود نقوی، مشمولہ راشٹریہ سہارا، محرم نمبر، ۳۰ جنوری ۲۰۰۷، ص ۶۳۔
۳. ایضاً۔

شیعہ جامع مسجد کشمیری گیٹ[1]، درگاہ پنجہ شریف[2]، درگاہ شاہ مرداں[3]، کربلا جور باغ[4]، مسجد باب العلم اوکھلا[5] شیعہ مراکز ہیں۔ شیعہ حضرات کی طرف سے علم و تابوت کا جلوس شیعہ جامع مسجد سے برآمد ہو کر درگاہ پنجہ شریف میں تمام ہوتا ہے۔ بعد مغرب مجلس شام غریباں برپا ہوتی ہے۔ سہ پہر کو اسی طرح کے جلوس جعفرآباد، رشید مارکیٹ کے شیعہ حضرات بھی نکالنے لگے ہیں[6]۔

عاشور کے دن شیعہ حضرات کا سب سے بڑا اجتماع کشمیری گیٹ پر ہوتا ہے جہاں ایرانی اور کشمیری حضرات نوحہ خوانی اور سینہ زنی کرتے ہیں۔ ۱۹۴۷ء میں آزادی حاصل ہونے کے پہلے سے ہی یہ علاقہ مراسم عزاداری کے لئے اہمیت اور شہرت رکھتا ہے۔ چہلم اور ربیع الاول کو جو تعزیے نکلتے ہیں یہ دونوں جلوس گلی سیداں پہاڑی بھوجلہ، جامع مسجد سے برآمد ہوتے ہیں۔ ایک تعزیہ کالا ہوتا ہے ایک سفید رنگ کا ہوتا ہے جو معصوم کا تعزیہ کہلاتا ہے۔ خوریجی میں کچھ برس پہلے تک بنجاروں کا گروہ ماتم کرتا گزرتا تھا جن کے سینے ماتم سے لہولہان ہوتے تھے[7]۔

---

۱. شیعہ جامع مسجد پرانی دہلی ریلوے اسٹیشن کے عقب میں ہملٹن روڈ پر واقع ہے جہاں نماز کے علاوہ مجالس بھی ہوتی ہیں اور تعزیے بھی برآمد ہوتے ہیں۔

۲. کشمیری گیٹ چھوٹے بازار میں واقع یہ درگاہ شیعہ مراکز میں سے ہے۔ یہاں مولائے کائنات کے دست مبارک کا نقش بھی موجود ہے۔ یہاں مجالس بھی ہوتی ہیں اور تعزیہ داری بھی۔

۳. درگاہ شاہ مرداں منصور علی خاں صفدر جنگ کے مقبرے کے سامنے جور باغ میں واقع ہے۔ اودھم بائی زوجہ محمد شاہ بادشاہ (رنگیلے) جس کو احمد شاہ کی سرکار میں نواب بائی پھر نواب قدسیہ الزمانی کا خطاب ملا، شیعی عقائد کی تھیں انہیں ۱۷۲۴ء (۱۱۳۷ھ) میں ایک پتھر دیا گیا جس پر نقش قدم تھا اور یہ بیان کیا گیا کہ یہ حضرت علی کا نقش قدم ہے۔ اسے اِس مقام پر حوض میں جما دیا گیا اور اِس کے نیچے سنگ مرمر کا فرش بنا دیا گیا۔ اِس کے کنارے یہ شعر کندہ کروا دیا گیا:

بر زمینی کہ نشانِ کف پائے تو بود   سجدہ گاہِ ہمہ صاحب نظراں خواہد بود

نواب قدسیہ زمانی کے عہد میں ۱۱۶۲ھ (۱۷۴۸ء) جاوید خواجہ سرائے نے چار دیوار، مجلس خانہ، مسجد اور حوض بنوا دیا ۱۲۲۳ھ (۱۸۰۸ء) میں صادق خاں نے نقار خانہ بنوا دیا۔ اب درگاہ میں نئی تعمیرات ہو گئی ہیں۔ اِس درگاہ کے ساتھ کربلا بھی ہے جہاں شیعہ تعزیہ داروں کے تعزیے دفن ہوتے ہیں۔ اِس درگاہ میں اربعین پر بڑی مجلس عزا منعقد ہوتی ہے۔ مجالس نوحہ خوانی و ماتم بہت شان سے ادا ہوتے ہیں۔

۴. پنچکوئیاں روڈ نئی دہلی پر واقع یہ ہال مجالس، جلسوں کے لئے مشہور ہے۔ یہاں عزاداری بھی ہوتی ہے۔ یہیں سے پہلے ذوالجناح کا جلوس برآمد ہوتا تھا۔

۵. اوکھلا میں واقع یہ مسجد شیعہ مجالس، جلسے، سیمنار وغیرہ کے لئے مشہور ہے۔ یہاں مسجد سے ملحقہ ایک ہال ہے جس میں مجالس اور نشستیں ہوتی ہیں۔

۶. مشترکہ تہذیب کی امین دلی کی عزاداری (مضمون) سید محمود نقوی، مشمولہ راشٹریہ سہارا محرم نمبر جنوری ۲۰۰۷ء، ص ۶۳۔

۷. ایضاً۔

دلی میں انجمن تعزیہ داران (تعزیہ دار تنظیموں کی کنفیڈریشن) شب عاشور کو رات ۹ بجے سے جلوس کا اہتمام کرتی ہے۔ کلاں محل، سوئی والان، پہاڑی املی، چتلی قبر، بستی نبی کریم، صدر بازار اور باڑہ ہندو راؤ کے تعزیے آکر صبح ۴ بجے حوض قاضی چوک پر مل جاتے ہیں۔ وہاں سے جامع مسجد چوک جاکر ۶ بجے (یوم عاشور) صبح یہ جلوس ختم ہوتا ہے۔

یوم عاشور کو ہی دوسرا جلوس شروع ہوتا ہے مختلف جگہوں کے تعزیے دس بجے حوض قاضی پر جمع ہوتے ہیں جہاں سے دو بجے جلوس جامع مسجد چوک ہوتا ہوا جور باغ کربلا کے لئے روانہ ہوتا ہے[۲]۔

عشرہ محرم کے بعد سے ۸ ربیع الاول تک ہر اتوار کو علاقائی انجمنوں کے زیر اہتمام علم و تابوت و ذوالجناح کے جلوس مختلف علاقوں (جیسے سیلم پور، جعفرآباد، خوریجی، دیلکم، قرول باغ، دکشن پوری وغیرہ) میں برآمد ہوتے ہیں۔

مجالس عزا کا سلسلہ بعض علاقوں میں یکم محرم سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔ نقوی منزل خوریجی (صبح)، امامیہ ہال پنجکوئیاں روڈ (شام) درگاہ پنجہ شریف، شیعہ جامع مسجد، درگاہ شاہ مرداں، باب العلم (اوکھلا) مسجد امام علی نقی جعفرآباد، خوریجی اور رشید مارکیٹ کے امام باڑوں میں روزانہ مجلسیں منعقد ہوتی رہتی ہیں[۳]۔ دلی کے مختلف علاقوں میں مقامی جلوس ۸ ربیع الاول تک نکلتے ہیں۔ یہ جلوس زیادہ تر یک شنبہ (اتوار) کو برآمد ہوتے ہیں اور علاقہ میں گشت لگا کر امام باڑہ یا کربلا پر اختتام پذیر ہوتے ہیں۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن کے مختلف چینلوں پر محرم کے متعلق پروگرام نشر کئے جاتے ہیں۔

ہریانہ میں عزاداری

فرید آباد

دلی کے نزدیک یہ ایک پرانی بستی تھی لیکن ۱۹۴۷ کے بعد یہاں پاکستان سے آنے والے مہاجرین کی وجہ سے اس کی آبادی بہت بڑھ گئی۔ اب یہ ایک انڈسٹریل شہر ہے۔ حصول آزادی کے وقت حالات ایسے تھے کہ یہاں کی مسلم آبادی بہت کم ہو گئی۔ سادات حضرات بھی یا تو پاکستان چلے گئے یا دوسرے شہروں میں جاکر مقیم ہوگئے۔ اِس وقت فرید آباد میں اندازاً سو، سوا سو گھر اہل تشیع حضرات کے ہوں گے۔ اِن کی آبادی ۴۰۰ کے قریب ہوگی جو یہاں کے مختلف سیکٹروں میں رہائش پذیر ہیں۔

یہاں دو امام باڑے ہیں اور دو انجمنیں ہیں۔ انجمن تنظیم المومنین کے صدر جناب نقی حسین زیدی اور فعال شخصیتوں میں جناب اشتیاق حیدر جعفری، جناب مہدی صفدر نقوی، جناب آزاد حسین زیدی وغیرہ ہیں۔ اِس انجمن کا عالیشان امام باڑہ

---

۱. ٹائمز آف انڈیا (ڈیلی) مورخہ ۵ دسمبر ۲۰۱۱، ص ۴۔
۲. ایضاً۔
۳. مشترکہ تہذیب کی امین دلی کی عزاداری (مضمون) سید محمود نقوی مذکورہ بالا، ص ۶۳۔

مرکز حسینی الحفزاء کے نام سے مشہور ہے۔ اِس میں مجالس کا اہتمام ہوتا ہے دیگر مراسم عزاداری، جلوس علم و شبیہوں کو نکالنا، ماتم وغیرہ اسی امام باڑے کے احاطے میں سرانجام دئے جاتے ہیں۔ ۱۹۸۱ء سے ۲۸ صفر کو تابوت و علم کا جلوس نکالا جاتا ہے جس کے لئے سرکاری منظوری حاصل ہے اور یہ شہر کے طے شدہ راستوں سے گشت کرتا ہے۔ اِس میں قرب و جوار کے مؤمنین حضرات شریک ہوتے ہیں ماتم بھی ہوتا ہے۔ دیگر مذہب کے لوگ بھی حصہ لیتے ہیں۔ شرکائے جلوس کی تعداد ۹۰۰ یا ۱۰۰۰ ہوتی ہے۔ اِس امام باڑے میں ائمہ کرام سے متعلق مجالس، مسالموں، جلسوں وغیرہ کا انعقاد بھی ہوتا رہتا ہے۔

فریدآباد میں دوسرا امام باڑہ مذکورہ بالا امام باڑے کے نزدیک ہی انجمن حیدری کے زیر اہتمام تعمیر کیا گیا ہے۔ اِس میں مجالس مسالمے وغیرہ منعقد ہوتے رہتے ہیں۔

گڑگاؤں

یہاں شیعہ آبادی شہر میں بہت کم ہے۔ لیکن بنگال اور بہار سے مسلمانوں کے یہاں آ جانے کی وجہ سے اِن بستیوں میں ماتمی مجلسوں کا اہتمام ہوتا ہے۔ تین چار سال سے تعزیے بھی نکالے جانے لگے ہیں لیکن امام بارگاہ نہیں ہے۔

میوات کے میووں میں محرم کی رسمیں[۱]

میووں کا علاقہ میوات، راجستھان کے الور اور بھرتپور کے ضلعوں کے بڑے حصوں اور ہریانہ میں گڑگاؤں اور فریدآباد اور اترپردیش میں متھرا اور آگرہ ضلعوں کے کچھ حصوں پر مشتمل ہے اب حکومت ہریانہ نے اِس خطہ میں ایک الگ ضلع بھی بنادیا ہے جس کا صدر مقام "نوح" ہے۔ روایات کے اعتبار سے میو لوگ راجپوت نسل سے تعلق رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یہ لوگ مذہباً مسلمان ضرور ہیں لیکن اپنی تمام ثقافتی اور مذہبی قدیم روایات کو اپنائے ہوئے ہیں۔ قرون وسطیٰ میں یہ ترکوں اور مغلوں دونوں سے الجھے رہے۔ پھر بھی مغلوں کے تحت انہوں نے شاہی خدمات بھی انجام دیں۔ سالار مسعود غازی کی وجہ سے یا صوفیوں کے زیر اثر انہوں نے تبدیلیٔ مذہب کی لیکن رسم و روایات کے لحاظ سے وہ ہندؤں کے قریب رہے۔ یہ مخلوط کلچر کی ایک مثال ہیں۔ میووں کی بارہ پالیں اور لگ بھگ باون گوتروں میں تقسیم سے بھی اِن کے راجپوت سلسلے سے تعلق رکھنے کی نشان دہی ہوئی یعنی یادو، تومر، کچھواہا وغیرہ۔ ہر گوتر اور پال اپنی الگ شناخت رکھتا ہے اور میوات میں کئی کئی گاؤں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اب میو آبادی ملک کی چار ریاستوں ہریانہ، راجستھان، اترپردیش اور مدھیہ پردیش میں پھیلی ہوئی

۱۔ میوات کے میووں میں محرم کی رسمیں (مقالہ) ڈاکٹر جی ذی گلانی، ص ۱۸۸، دو روزہ سمینار ہندوستان میں سنت عزاداری محرم، راہ اسلام شمارہ نمبر ۲۰۳۔۲۰۴، جنوری تا جون ۲۰۰۷ء، خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی۔

ہے۔ میوات کا جاگیر دار اعلیٰ طبقہ "خان زادے" میووں کے مقابلے میں اسلامیت کے زیادہ حامل تھا۔ جدید تعلیم نے اشاعت، تبلیغی جماعت کے پرچار، ۱۹۴۷ء کی تقسیم کے بعد کے فسادات اور مہاجرین کا اِن کی زمینوں پہ قبضہ، معاشی اور سماجی دباؤ نے میووں کو ایک علاحدہ مذہبی گروہ کی شکل دے دی ہے اِن میں اسلامی شناخت اور دیگر مسلمانوں کے ساتھ اتحاد و یکجہتی کا احساس بڑھ رہا ہے۔ ہندو تیوہار منانے کا رواج میووں میں ختم ہوتا جا رہا ہے پھر بھی ایسے موقعوں پہ یہ اپنے ہندو دوستوں کو مبارکباد دے کر اور مٹھائی کھا کر خوش ہو لیتے ہیں۔

مغل دورِ حکومت میں مخلوط کلچر کو فروغ ہوا۔ ہمایوں اور بیرم خاں دونوں نے میونی لڑکیوں سے شادی کی۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ عبدالرحیم خانخاناں کی ماں ایک میونی تھی[1]۔ میو لوگ ہندو اور مسلم تیوہاروں کو ساتھ مل کر مناتے تھے۔ ماہ محرم کو یہ مبارک مہینہ سمجھتے تھے۔ گاؤں میں ٹھنڈا شربت تقسیم ہوتا تھا مقامی لوگ تعزیہ کے نیچے سے نکلنے کو ایک مقدس عمل سمجھتے تھے۔ ضلع الور کی تجارہ تحصیل میں چاونڈی کلاں نامی گاؤں میں محرم منانے کا منظر درج ہے۔

چاونڈی کلاں میں محرم کی رسومات کے سلسلے میں سب سے پہلے گھروں میں ایک میٹھی چیز پکائی جاتی ہے۔ نوجوان لوگ پیک کا سا لباس پہنتے ہیں اور آس پاس کے گاؤں میں جاتے ہیں۔ ۱۹۶۴ء میں اِس ٹولی میں چار میو اور ایک سقہ شامل ہوتے تھے۔ اِس وقت اِن کا مخصوص لباس جسے وہ عام کپڑوں پر ہی پہن لیتے ہیں ایک سرخ لنگی ایک سبز الفی (مستطیل کپڑا جس میں بیچ میں ایک سوراخ یا شگاف سا ہوتا ہے اِسے سر پر ڈال لیا جاتا ہے) ایک لال اور سفید دھاگوں سے بٹی لمبی ڈوری جسے پگڑی، سینے، پیٹھ اور کمر کے چاروں طرف لپیٹا جاتا ہے چمڑے کی یا دھاگوں کی ایک لمبی پٹی جس میں چھوٹی چھوٹی گھنٹیاں لگی ہوتی ہیں اور ہاتھ میں ایک تلوار یا لاٹھی۔ پیکوں کو جوتا پہننا منع ہے۔ انہیں چارپائی پر سونے اور پہیے والی گاڑی پر سوار ہونے کی بھی ممانعت ہے[2]۔

یکم محرم کو دن دوپہر کے وقت یہ پیک گاؤں کے میدان میں جمع ہوتے ہیں ایک نوجوان ڈکوت براہمن جو اِن کا سردار ہوتا ہے ایک لال دھاگا (کلاوہ یا مولی جو ہندو لوگ اپنی مذہبی رسومات ادا کرتے وقت استعمال کرتے ہیں) اِن کی کلائیوں پر باندھتا ہے اور مرثیہ خوانی کرکے اِن کی سربراہی کرتا ہے۔ گاؤں کے میدان میں ایک بڑا نقارہ رکھ دیا جاتا ہے جسے دو آدمی ایک ساتھ بجاتے ہیں اور پھر گاؤں کے دورے پر نکل جاتے ہیں۔ یہ لگ بھگ ہر گاؤں میں جاتے ہیں۔ پہلے اِس گاؤں کے میدان میں ناچتے ہیں پھر گھر گھر جا کر ناچتے اور پیسہ جمع کرتے ہیں۔ اِس طرح جو رقم جمع ہوتی ہے اُسے کسی مذہبی عام

---

1. میوات کے میووں میں محرم کی رسمیں (مقالہ) ڈاکٹر جی ڈی گلاٹی، مذکورہ بالا، ص ۱۹۳۔
2. پرتاپ سی اگروال، کاسٹ ریلیجن اینڈ پاور۔ این انڈین کیس سٹڈی نئی دہلی ۱۹۷۱ء، ص ۱۶۱۔۱۶۵۔

منصوبے (جیسے نقارے کی مرمت) پر خرچ کر دیا جاتا ہے۔ یہ لوگ رات کو کسی گاؤں میں صرف زمین پر فرش بچھا کر آرام کرتے ہیں۔ اگلی صبح پھر اپنا دورہ شروع کرتے ہیں۔ روزانہ پانچ چھ گاؤں پورے کر لیتے ہیں۔ محرم کے ساتویں دن اپنے گاؤں واپس آ جاتے ہیں۔ گاؤں کے زیادہ تر مرد جوانی میں ایک مرتبہ پیک ضرور بنتے ہیں۔ پچھلے کئی سال سے ہندو اور سکھ لڑکے بھی حسینؑ کے سپاہی بنے نظر آئے۔ جن ماں باپ کے بچے نہیں ہوتے یا ہوتے تو ہیں پر جیتے نہیں وہ منت مان لیتے ہیں اور جب اولاد نرینہ زندہ رہ جاتی ہے تو اُس لڑکے کو پیک بنا دیتے ہیں۔

سات محرم کی شام کو بہت سے خاندان مہندی کی رسم مناتے ہیں۔ پیکوں کی واپسی پر اُن کا استقبال کرنے گاؤں کے لوگ گاؤں کے میدان میں جمع ہو جاتے ہیں۔ اِس موقع پر لوگ دس بارہ روشن دیئے، شربت کا ایک گلاس، ایک پیالی کھیر اور پسی مہندی رکھ کر ایک تھالی سجاتے ہیں۔ اگر ساتویں تک یہ پیک واپس نہیں آتے تو مہندی کی یہ رسم اگلی رات پوری کی جاتی ہے۔

تقریباً دوپہر کے وقت ایک بار پھر پیک پھر کچھ آس پاس کا دورہ کرنے چلے جاتے ہیں اور رات کو ۹ بجے واپس آتے ہیں۔ پیکوں کی کمر میں لپٹی گھنٹیوں کی آواز پر گاؤں کے میدان میں مہندی کی تھالیاں پہنچنی شروع ہو جاتی ہیں۔ پانچ خاندان بلا ناغہ مہندی لاتے ہیں۔ ویسے جو بھی چاہے مہندی لا سکتا ہے۔ گاؤں کے مختلف حصوں میں ناچتے ہوئے پیک پھر پکی مسجد کی طرف بڑھتے ہیں۔ مہندی کی تھالیاں اٹھانے والے ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ رات ۲ بجے مہندی کا یہ جلوس (جس میں کافی بڑی تعداد میں لوگ شامل تھے) مسجد پہنچتا ہے یہاں کچھ دیر پیک ناچتے رہتے ہیں پھر انہیں مہندی کی تھالیوں سے شربت اور کھانا دے دیا جاتا ہے۔ چھوٹے چھوٹے چراغوں کو مسجد کے طاقوں میں رکھ دیا جاتا ہے۔ خالی تھالیاں لے کر لوگ گھر لوٹ جاتے ہیں۔ اِن میں مہندی اب بھی لگی ہوتی ہے جسے بعد میں دھو دیا جاتا ہے۔

نویں محرم کو پیک پھر ناچنا شروع کرتے ہیں۔ پورے گاؤں میں گھوم کر ہر گھر سے پیسہ جمع کرتے ہیں۔ اِس میں سے آدھی رقم اخراجات کے لئے اِس کے علاوہ کچھ روپیہ دوسری رسموں کے لئے رکھ لیا جاتا ہے۔ یوم عاشور کو کسی گاؤں میں ایک میلہ لگایا جاتا ہے۔ بانسوں اور رنگین کاغذوں کا بنا ایک تعزیہ لایا جاتا ہے۔ تعزیے کے اخراجات کے لئے سات گاؤں والے چندہ دیتے ہیں۔ یہ لگ بھگ چھ میٹر اونچا ہوتا ہے تعزیے کے نیچے دو موٹے بانس کافی بڑھا کر لگائے جاتے ہیں تاکہ لوگ اِس کو کندھے پر اٹھا سکیں۔ تعزیے کے آگے ایک نقارہ رکھا جاتا ہے جسے ہندو اور مسلمان دن بھر بجاتے رہتے ہیں۔ تعزیے کے آگے سقے پانی پلاتے ہیں۔ کچھ لوگ سقوں کو پیسے دے کر تعزیوں کے آگے چھڑکاؤ کراتے ہیں۔ جو ثواب مانا جاتا ہے۔ کچھ لوگ پکے ہوئے کھانے بھی چڑھاتے ہیں۔ جو تعزیے کے کسی خدمتگار کو دے دئے جاتے ہیں۔ پہلے ہندو بھی تعزیے کے خدمتگار کو میٹھے چاول دیا کرتے تھے لیکن جب سے میوؤں کے رخ میں تبدیلی آئی دونوں فرقوں میں دوریاں بڑھنے لگیں۔ میلے بھی لگتے ہیں۔ سینکڑوں میو عورتیں، مرد بچے اپنے بہترین لباس پہنے میلے میں آتے ہیں، جہاں کھانے پینے کا سامان،

ملکے زیور، کھلونے وغیرہ بکتے ہیں۔ چار بجے تعزیہ اٹھایا جاتا ہے۔ اُسے غروب آفتاب کے وقت عیدگاہ کے پاس تالاب تک پہنچا ہوتا ہے جہاں اُسے ٹھنڈا کیا جاتا ہے۔ (یعنی توڑ کر غرقاب کر دیا جاتا ہے) جب تعزیہ آگے بڑھتا ہے جو میدان کے میلے میں کھیل تماشے، کشتی دنگل وغیرہ شروع ہو جاتے ہیں۔

چہلم پر پھر میلے لگتے ہیں لیکن گاؤں کے لوگ کسی میلے میں شریک نہیں ہوتے لیکن زیادہ تر گھروں میں میٹھا ضرور پکتا ہے۔ ہریانہ میں محرم کچھ ہی گاؤں میں منایا جاتا ہے۔ جبکہ راجستھان میں یہ روایت اب بھی بہت سے شہروں اور گاؤں میں باقی ہے۔ الور میں اب بھی میو بورڈنگ ہاؤس سے تعزیے کا جلوس نکلتا ہے اور ایک جگہ (جسے ابھی تک کربلا کہا جاتا ہے) لے جاکر دفن کر دیا جاتا ہے۔ پہلے یہ جگہ قبرستان میں تھی مگر اب یہاں عمارتیں تعمیر ہو گئیں ہیں پھر بھی حکومت نے اس کے ایک حصے کو تعزیے دفن کرنے کے لئے مختص کر دیا ہے۔ اسے کربلا ہی کہا جاتا ہے۔ (تاریخ میوات: عبدالشکور میواتی)

ماتمی جلوسوں کے دوران میونیاں حسینؑ کی یاد میں جو کچھ گاتی ہیں وہ ان کی مادری زبان میواتی میں ہوتا ہے جو برج بھاشا اور راجستھانی سے ملی جلی زبان ہے۔ حضرت میراں جی خنگ سوار (تاراگڑھ) میوات میں بہت مقبول تھے۔ مختلف قصبات و دیہات میں تعزیے برآمد ہوتے ہیں۔

راجستھان

راجستھان کے مختلف شہروں اور قصبات میں ۲۹ ذی الحجہ سے ہی عزاداری شروع ہو جاتی ہے۔ امام باڑوں میں قلعی کی جاتی ہے۔ علموں کو گلاب جل سے پاک کرنے کے بعد امام باڑوں میں سجایا جاتا ہے۔ دودھ کے شربت پر امام حسینؑ کی نذر دی جاتی ہے۔ مستورات چوڑیاں بڑھا دیتی ہیں، زیورات اتار دیتی ہیں۔ نیا کپڑا نہیں پہنا جاتا۔ لڑکیاں نوحے اور سلام یاد کرتی ہیں۔ نوجوان خواتین ذاکری کی کتابیں مرثیے اور سلاموں کی کتابوں کی ورق گردانی کرنے لگتی ہیں۔

تاراگڑھ (اجمیر)[1]

یہ خطہ شہدا کا مرکز اور مسکن رہا ہے۔ تاراگڑھ پہاڑ پر (گنج شہیداں و سید میران حسین شہید خنگ سوار کا مزار) اور آس پاس کی پہاڑیوں پر لاتعداد شہیدوں کے مزارات اور دامن کوہ میں اڑھائی دن کا جھونپڑا ہے جو تقریباً ۸۰۰ سال قبل یہاں سید حسین نوراللہ مرقدہ تشریف لائے تھے تب سے ہی عزاداری جاری ہے۔ یہاں کی عزاداری مشہور ہے جو ۲۹ ذی الحجہ سے ہی شروع ہو جاتی ہے۔

---

[1] تاراگڑھ (اجمیر) کی عزاداری، (مضمون) نمکخوار حسین جعفری، راشٹریہ سہارا، محرم نمبر، ۳۰ جنوری ۲۰۰۷ء۔

شب میں ۸ بجے مزار حضرت حسین اصغر بن امیر سید حسین میں مجلس ہوتی ہے۔ یہ سلسلہ ۶ محرم تک جاری رہتا ہے۔ ۷ محرم کو سید مقبول حسین مرحوم کے مکان سے چند علم (جنہیں یہاں مہندیاں کہا جاتا ہے) اُن کے ساتھ مؤمنین اپنی نذر یا مہندی لے کر جلوس کے ساتھ رات ۱۱ بجے امام بارگاہ پہنچتے ہیں۔ سلام پڑھتے ہیں اور ضریح مبارک پر پھول پیش کرتے ہیں۔ اِس کے بعد ضریح مبارک سینہ زنی کے ساتھ تہائی چوک میں لائی جاتی ہے کچھ دیر بعد اسے واپس امام بارگاہ لے آتے ہیں پھر مجلس ہوتی ہے۔

۸ محرم کو چھدن علی صاحب کے یہاں سے حضرت عباس کا علم گشت لگا کر امام بارگاہ لاتے ہیں جو منتی ہے۔ شب بھر ہر مومن کے گھر حاضری کی نیاز ہوتی ہے جو سب لوگ بڑے احترام سے نوش کرتے ہیں۔ پھر امام بارگاہ میں شب میں ایک مجلس ہوتی ہے جو ۱۲ بجے ختم ہوتی ہے۔ پھر ۴ بجے کے درمیان حضرت عباس علمبردار کے علم کی زیارت ہوتی ہے۔ ہر ایک جوان بچہ بوڑھا، عورتیں و مرد بین کرتے ہیں۔ ۹ محرم کو رات میں مومنین کے مکان پر مجالس ہوتی رہتی ہیں ضریح تہائی چوک پر رکھ دی جاتی ہے وہیں صبح ۴ اور ۵ بجے کے درمیان جھولے شریف کی زیارت ہوتی ہے۔ اِدھر سے گہوارہ علی اصغر اُدھر سے علم حضرت عباس جب لایا جاتا ہے پھر سینہ زنی ہوتی ہے۔ اِس کے بعد ایک مرثیہ پڑھا جاتا ہے۔ یہاں شرکت کے لئے اجمیر سے حضرات آتے ہیں۔ اِس مرثیہ میں بہت کہرام ہوتا ہے اِس کے بعد مومنین اعمال پڑھنے چلے جاتے ہیں۔ ۱ بجے پھر چوک تہائی پر مجلس ہوتی ہے۔ اِس میں مقامی شاعر احسان علی کے مراثی پڑھے جاتے ہیں:

جس دم عباس نے میدان شہادت دیکھا

اِس کے بعد ماتم کا کہرام ہوتا ہے پھر سوز خوانی ہوتی ہے۔ مقامی ذاکرین حدیث خوانی اور تقریر کرتے ہیں پھر ۱.۳۰ بجے سب لوگ امام بارگاہ آجاتے ہیں جہاں سے حضرت عباس کا علم برآمد کیا جاتا ہے جس میں باہر کے زائرین بھی شریک ہوتے ہیں۔ علم اور دلدل کو لے کر نوحہ و ماتم کے ساتھ یہ جلوس ۵ بجے کربلا شریف پہنچتا ہے۔ پھر مومنین اپنے اپنے گھروں سے جو نذریں لاتے ہیں سلام کے ساتھ شہیدوں کی فاتحہ دے کر ضریح مبارک کو دفن کرتے ہیں اور امام بارگاہ درگاہ شریف میں پھر سر کا ماتم کرکے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں۔ امام باڑے میں کھچڑے کی نیاز بھی ہوتی ہے۔ پھر شام کو شام غریباں کی مجلس ہوتی ہے۔ ۱۲ محرم کو سیوم کی مجلس ہوتی ہے۔ ۴۰ دن تک برابر مجالس ہوتی رہتی ہیں۔ صابر صاحب مرحوم کے گھر پر نوجوان مجالس کرتے ہیں جو چہلم ۱۰ صفر سے ۲۰ صفر تک عشرہ ثانی ہوتی ہے۔ اِن دونوں عشروں کا خرچ درگاہ شریف کی جانب سے کیا جاتا ہے۔ اِس درگاہ شریف کے خرچ کے لئے ۳ گاؤں جاگیر کے تھے لیکن حکومت نے یہ لے لئے اور دس ہزار پانچ سو کچھ روپیے سالانہ مقرر کر دیا جو بہت کم ہے۔ اِس کے لئے عرس خواجہ صاحب اور محرم میں دکانیں لگانے کے لئے ٹھیکہ دیا جاتا ہے تاکہ خرچ پورا ہو سکے۔ احسان علی صاحب یہاں کے عمدہ شاعر تھے لیکن اُن کا کلام شایع نہ ہو سکا۔ اجمیر شریف کے

خدام بھی ۱۲ دن تک بڑی دھوم دھام سے عزاداری کرتے ہیں۔ باہر سے ذاکرین کو بلاتے ہیں۔ ضریح مبارک بنوانے پر خاصی رقم خرچ کرتے ہیں۔ چہلم کو تاراگڑھ میں ۱۰ ہزار کے قریب زائرین آتے ہیں۔ تاراگڑھ میں ۲۸ صفر کی شب میں خندق کا ماتم ہوتا ہے اور تین دن تک مجلسیں ہوتی ہیں۔ باہر سے مولوی کا انتظام کیا جاتا ہے ان مجالس میں ہر قوم و ملت کے افراد شریک ہوتے ہیں۔

اِس کے علاوہ اندر کوٹ میں بھی ایک پرانا امام باڑہ ہے جس کے پاس ایک خاندان آباد ہے اور یہ لوگ بہت عقیدت سے مجالس کرتے ہیں، مرثیہ خوانی اور تقریریں بھی کراتے ہیں۔

اجمیر[1]

یوم و شب عاشورہ کی تاریخی اہمیت تو اسلام میں واقعہ کربلا سے قبل بھی تھی۔ انہیں روز و شب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اکثر انبیائے کرام کو آفات و بلیات سے نجات دی تھی۔ اداگی نوافل، روزہ، تبدیلی غلاف کعبہ کے مراسم انہیں روز و شب میں انجام پذیر ہوتے ہیں۔ واقعہ کربلا نے اِس دن کی اہمیت کو اور بڑھادیا۔ اسی لئے صوفیوں خاص کر ہندوستان میں چشتیوں کے آستانوں اور خانقاہوں میں دونوں اعتبار سے اِس دن کو اہمیت دی جاتی ہے۔

اجمیر میں عزاداری کی رسم بہت پرانی ہے۔ خواجۂ خواجگان سید نا معین الدین چشتی اجمیری المعروف بہ غریب نواز ۱۱۹۰ء کے آس پاس اجمیر تشریف لائے اور عام روایت کے مطابق آپ نے یہاں دس محرم روزِ عاشورہ کو نزول فرمایا تھا۔ آپ کی عقیدت حضرت امام حسینؑ اِس رباعی سے ظاہر ہے۔

شاہ است حسینؑ و بادشاہ ہست حسینؑ — دیں است حسینؑ دیں پناہ است حسینؑ
سر داد نداد دست در دست یزید — حقا کہ بنائے لاالہ است حسینؑ

علاوہ ازیں آپ کی پہلی شادی شہر کے مشہور ساداتؑ گھرانے میں (سید وجیہہ الدین جو کہ سید میران حسین شہید خنگ سوار کے عم محترم تھے) کی دختر نیک اختر سے ہوئی تھی۔ اس طرح آپ کی اہل بیت سے محبت اور نسبت دونوں ہی تھا)۔

تاریخی شواہد کے اعتبار سے اجمیر میں محرم الحرام سے متعلق حوالہ پندرہویں صدی کے آخر نصف کا ہے۔ ۱۴۵۵ء میں محمود خلجی نے اجمیر کو فتح کیا۔ اُس زمانے میں شیخ حسین ناگوری (اولاد صوفی حمیدالدین ناگوری) نے یہاں آستانۂ عالیہ اور خدام خواجہ کی خدمت کی۔ اُن کے ایک خلیفہ شیخ احمد مجد شیبانی نے لکھا ہے:

---

[1] سادات گردیزی خدام و گدی نشینان حضرت سید نا خواجہ معین الدین چشتیؒ کے معمولات عزاداری محرم الحرام، (مضمون) صاحبزادہ لیاقت حسین معینی، ص ۲۸۸، مشمولہ راہ اسلام، جنوری تا جون ۲۰۰۷۔

"بروز عاشورہ یہ رنج و غم کا پیکر نظر آتے تھے اور یاد شہدائے کربلا میں شربت تیار کرکے مٹکے میں بھر کر اپنے سر پر رکھ کر "سادات" (خدام) کے محلے میں لے جاتے تھے جہاں نوحہ خوانی شروع ہوتی تھی۔ لگتا ہے کہ سادات گرویزی اور خدام خواجہ صاحب اپنے جد حضرت خواجہ سید فخر الدین گرویزی کے زمانے سے ہی جو خادم خاص اور عم زاد برادر خواجہ کے تھے اور اُن کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے تھے۔ ان کے زمانے سے ہی یہ معمولات ادا کرتے رہے ہیں"۔

مغلیہ عہد حکومت میں مغل بادشاہوں نے آستانہ عالیہ پر ہونے والی تقاریب و مجالس کے لئے جو روزینہ مقرر کیا تھا اُس میں محرم کے لئے بھی ایک رقم مخصوص ہوتی تھی۔ اورنگ زیب کے قیام اجمیر کے دوران میں ایک "تَصدمہ" کا جلوسِ علم و نشان نکلا تھا (جو آج بھی ۷ویں محرم کو نکلتا ہے)۔

تقسیم ہند (۱۹۴۷ء) سے قبل اجمیر میں مختلف ذاتوں کے تعزیے یوم عاشورہ پر نکلتے تھے۔ محلوں میں عزاداری اور امام باڑوں میں سوز خوانی ہوتی تھی۔ شہر میں گندیول شیخ زادوں، کمہاروں، لوہاروں، گھوسیوں، بنجاروں وغیرہ کے تعزیے نکلتے تھے۔ اِن محلوں کے اپنے امام باڑے بھی تھے۔ تازہ گراج پر آج جہاں شیعہ حضرات آباد ہیں وہاں ماہ محرم میں عزاداری اب بھی ہوتی ہے مگر اِن سب میں نمایاں عزاداری سادات گرویزی خدام خواجہ کے محلے کے نزد درگاہ میں ہوتی تھی جو آج بھی ہوتی ہے بلکہ اب تو صرف یہی ایک جلوس تعزیہ محرم میں نکلتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ تعزیہ داری کا سلسلہ اجمیر میں ۱۸ویں صدی کے اواخر میں جب گوالیار کے مبارز خاں المعروف سندھیا مراٹھا سردار نے جب اِس شہر پر قبضہ کیا تو یہ روایت قائم ہوئی کیونکہ وہ خود تعزیہ داری میں شریک ہوتا تھا۔ میر عظیم اللہ متولی درگاہ مقرر ہوئے جو خود بھی ایک خادم خاندان سے تھے انہوں نے موجودہ تعزیے کی بنیاد ڈالی اور چند سال اس کو ذاتی رکھ کر اسے اُس وقت کے خدام کی پنچایت کے حوالے کر دیا[1]۔

تعزیہ تین حصوں پر مشتمل ہوتا ہے اول تخت شریف (چوکور کھلا ہوا) جس کے چار طرف لمبے منارے ہوتے ہیں۔ دوسرا حصہ بنگلہ شریف جو کعبہ کی شکل کا ہوتا ہے لیکن اوپر سے کھلا ہوا جس کے چار جانب چھوٹے مینار ہوتے ہیں۔ آخر حصہ گنبد شریف جو گنبد خضرا کی عکاسی کرتا ہے۔ تینوں حصے اندرونی بند سے باندھے جاتے ہیں۔ تخت شریف کے نیچے لمبے موٹے بانس لگے ہوتے ہیں تاکہ زیادہ لوگ کندھا دینے میں شریک ہو سکیں۔ تعزیے میں بانس کی کھپچیاں، ابرک، رنگ برنگی پنی

۱۔ سادات گرویزی خدام و گدی نشینان حضرت سیدنا خواجہ معین الدین چشتی کے معمولات عزاداری محرم الحرام (مضمون) صاحبزادہ سید لیاقت حسین معینی، راہ اسلام، جنوری تا جون ۲۰۰۷ء، ص ۲۸۸۔

کا استعمال ہوتا ہے۔ ماہ ذی الحجہ سے محمود خلجی کے بنائے دروازے کے نیچے دالان اور صحن میں تعزیہ بنانا شروع ہوتا ہے۔ جلوس کے بعد تعزیے کو جھالرہ کے کنارے آستانے کے جنوب میں واقع مقبرے (جس کو شاہ قلی امیر عہد اکبری نے اپنی تدفین کے لئے بنوایا تھا مگر وہاں دفن نہ ہو سکا بعد میں اِس میں نوابان رام پور نے حجروں کی توسیع کی) میں لے آتے ہیں۔

معمولات محرم الحرام[1] ۲۹ ذی الحجہ (یعنی چاند رات) کو چوکی ڈھلائی کی رسم ہوتی ہے۔ ایک چوکی اور شمع (سفید غلاف مبارک مزار) کو اناساگر یا دیگر باؤلی میں دھو کر بعد نماز عصر لنگر خانے میں رکھ دیا جاتا ہے۔ پھر یہاں مرثیہ اور سلام ادا کرنے کے بعد اِس پر نیاز و نذر شربت اور مٹھائی کی ہوتی ہے۔

یکم محرم سے ۷ محرم تک روزانہ بعد نماز عشاء مزار مبارک معمول پورے ہونے کے بعد چھتری دروازے کے باہر دالان، راستہ اور نعل اکبری کے سامنے مجالس کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں سوز، منقبت، سلام اور شہدائے کربلا کے ہدیہ کے بعد خطیب اپنی تقریریں تاریخ اسلام اور شہدائے کربلا کے واقعات بیان کرتے ہیں۔ یہ سلسلہ ڈیڑھ بجے رات تک رہتا ہے۔ اِس مجالس کے جملہ اخراجات روشنی، شیرینی وغیرہ انجمن خدام سید زادگان کی زیر نگرانی ہوتے ہیں۔ مرثیہ خدام خواجہ کے ہی لوگوں کی پارٹیاں پڑھتی ہیں۔ چھتری دروازے کے اندرونی حصے میں پردہ لگا کر خواتین کے لئے خصوصی انتظام ہوتا ہے۔

احاطہ نور کے روبرو درگاہ شریف میں ۷ اور ۸ محرم کو بعد نماز ظہر محفل و مجلس شہادت منعقد ہوتی ہے جس میں سلام اور مناقب پیش کئے جاتے ہیں۔

ماہ محرم کی اول جمعرات کو نوچندی کہا جاتا ہے اِس دن سید صاحب کے گھر مٹی کے نئے کونڈوں میں مٹھائی، میوہ وغیرہ بھر کر حضرت عباس کی نذر فاتحہ ہوتی ہے اور شربت پر امام عالی مقام کی نذر منجملہ اہل بیت و شہدائے کربلا کو ایصال ثواب ہوتا ہے۔ عطر، ہری پتی، پھول، موم بتی وغیرہ دستہ پر رکھی جاتی ہیں۔

۵ محرم الحرام کو، چھوٹی ریوڑی، اور ساتھ میں ہرے رنگ کے کپڑے سکہ باندھ کر رنگین کھمبے (نشانی علم) پر نذر سیدالشہدا کی جاتی ہے۔ اِس ہرے کپڑے کو امام ضامن کہتے ہیں۔ اِس دن حضرت بابا فرید گنج شکر خلیفہ بختیار کاکی (خلیفہ اعظم حضرت خواجہ اجمیری) کا عرس ہوتا ہے لیکن بوجہ احترام شہدائے کربلا قوالی نہیں ہوتی صرف میٹھی کھچڑی پر بابا کی فاتحہ دے کر درگاہ میں اُن کے چلّے کو کھول کر زیارت کرادی جاتی ہے۔

[1] سادات گروہ زی خدام و گدی نشینان حضرت سیدنا خواجہ معین الدین چشتی کے معمولات عزاداری محرم الحرام (مضمون) صاحبزادہ سید لیاقت حسین معینی، راہ اسلام، جنوری تا جون ۲۰۰۷، ص ۲۹۱ تا ۲۹۴۔

۶ محرم کو صبح ۹ بجے بیگی دروازے دروازہ احاطہ نور میں حسب دستور ماہانہ چھٹی شریف رسم شجرہ خوانی ہوتی ہے جس کے بعد تبرک تقسیم ہوتا ہے۔

۷ محرم کو (صدے) "الم نشان" کا جلوس کئی حضرات نکالتے ہیں اسی دن بعد نماز عصر خدام سادات چھتری گیٹ سے نشان لے کر ڈھول تاشہ جھانجھ کے ساتھ امام باڑہ (اندرون محلّہ) نصب کرتے ہیں اور مختصر ہدیہ سلام و مرثیہ پیش کرتے ہیں۔

اسی رات بعد نماز مغرب تعزیے پر مہندی چڑھائی جاتی ہے۔ دراصل اِس رات تعزیے کو مکمل کرکے مقبرے میں رکھ دیا جاتا ہے اور رسم مہندی بیاد حضرت قاسم ابنِ حسن ادا کی جاتی ہے۔ ہر گھر سے خدام سادات کی تیار کردہ مہندی میں مالیدہ مہندی، موم بتی وغیرہ رکھ کر تعزیے کے سامنے نذر کرکے دعا ہوتی ہے، منت ادا کی جاتی ہے۔ یہ سلسلہ دیر شب تک چلتا ہے۔

۸ محرم کو تعزیے کے تینوں حصوں کو علاحدہ کرکے بعد ظہر مقبرے سے بلند دروازے کے پاس لے جایا جاتا ہے جہاں بعد عصر اسے دوبارہ یکجا کرکے آخری شکل دے کر بعد مغرب سہروں، ہار اور پھولوں سے آراستہ کرآستانہ عالیہ پر رکھ دیا جاتا ہے۔

اسی شب بعد معمول آستانہ ۱۰ بجے گرمیوں میں اور سردیوں میں ۵/۳۰ بجے، پہلی سواری تعزیہ کی اسی جگہ سے نکلتی ہے (آنے والی تینوں راتوں کو اسی وقت جلوس نکلتا ہے) سواری کے ساتھ ہی سوز خوانی کا سلسلہ ہوتا ہے۔ ایک مقامی بزرگ کا سلام پڑھا جاتا ہے (جو منکر تعزیہ تھے مگر ایک کرامت سے معتقد ہو گئے)۔

تری جناب میں کیوں کر سلام ہو یا شاہ کٹا کے سر کو لکھے لا الہ الااللہ

اس کے بعد خواجہ اجمیری کی رباعی کچھ مرثیے اور آخر میں مرثیہ: "رخصت کا زمانہ ہے حرم میں ہے سواری" پڑھا جاتا ہے۔ قریب ۱۲ بجے تک جلوس لنگر خانہ گلی سے ہوتا ہوا چھتری گیٹ پر لے جایا جاتا ہے۔ ماتم سے قبل "دیکھو تو کربلا میں عجب زلزلہ پڑا" نظم پڑھی جاتی ہے۔ ماتم ڈھول نقارہ بجا کر کیا جاتا ہے اور خادموں کی یہ جماعت "حویلی متولی" کی جانب کی جاتی ہے۔

۹ محرم محل کے چبوترے پر ہی بعد عصر اطراف کے گھروں سے گھی، روٹی، شکر، شربت لایا جاتا ہے اور فاتحہ نذر ہوتی ہے۔ اسی شب کو تعزیے کو چھتری دروازے سے امام باڑہ لے جایا جاتا ہے اور نصف شب ماتم کے ساتھ رکھ دیا جاتا ہے۔ جنازہ شریف یا کربلا چھتری دروازے پر ہی رہتا ہے۔ اسی شب امام باڑے میں ماتم، پیڑوں پر نذر ہوتی ہے۔ سیدوں اور کچھ دیگر لوگوں کو منت کے تحت پھلوں اور سکوں میں تولا جاتا ہے۔ پاؤں اور ہاتھوں میں سونے چاندی کی بیڑی اور ہتھکڑی بیاد حضرت امام زین العابدینؑ پہنائی جاتی ہے۔ اور منت بھی ادا ہوتی ہے۔

اسی شب ڈھائی دن کے جھونپڑے کے پاس ڈولہ نکلتا ہے۔ آس پاس ماتمی مجالس ہوتی ہیں۔ اسی شب خدام درگاہ میں نوافل عاشورہ ادا کرتے ہیں اور دیگر عبادات کرتے ہیں۔

یوم عاشورہ: دس محرم علی الصباح ساڑھے آٹھ بجے احاطہ نور میں نزد جنازہ و کربلا شریف شہادت نامہ پڑھا جاتا ہے۔ مجلس میں گریہ زاری ہوتی ہے۔ ساڑھے بارہ بجے نزد جنازہ شریف چھتری گیٹ پہ "بشر" مرثیہ پڑھا جاتا ہے جس میں شہادت حضرت علی اکبر اور دردِ حضرت امام حسینؑ کا ذکر ہوتا ہے۔

آستانۂ عالیہ پہ مجلس، قُل و عُرس مجالس سبھی کا خاتمہ دن میں ایک ڈیڑھ بجے ہوتا ہے۔ یہ مخصوص رسم اس درگاہ کی ہے اِس طرح یوم عاشورہ کا بھی خاتمہ ہوتا ہے۔ رات میں تعزیے کی سواری امام باڑے سے ہو کر خادم محلہ لنگر خانہ گلی سے گزر کر مین گیٹ پر ۴ بجے پہنچتی ہے۔ اِس سے قبل یہ جلوس قبرستان جاتا ہے جہاں تعزیہ صبح سیراب کر دیا جاتا ہے مگر اب یہ جلوس اندرون محلہ ہی رہتا ہے۔ تعزیہ جب چھتری گیٹ پہنچتا ہے تب جنازہ شریف کی سواری اس کے آگے کرکے نوحہ پڑھا جاتا ہے۔ "کربلا کے مسافر نہ آئے" بعد اِس کے دیگر مراثی پڑھے جاتے ہیں۔ مین گیٹ پہ ماتم کیا جاتا ہے اور منزل (چاروں طرف سے تین مرتبہ طواف) تعزیہ و کربلا شریف کو دی جاتی ہے۔ اس کے بعد یہ جلوس سولہ کھمبا پہنچتا ہے جہاں تعزیے کو آخری سلام کرکے دو حصوں میں کر دیا جاتا ہے اور قبل از صبح جھالرہ میں سیراب کر دیا جاتا ہے۔ جنازہ شریف کو ڈھانک کر واپس حویلی لاتے ہیں اور آئندہ سال کے لئے رکھ دیتے ہیں۔ اس وقت توشہ کی روٹی (ایک خاص بسکٹ جو اس موقع پہ بنتا ہے) نذر کرکے تقسیم کی جاتی ہے۔

تیجہ (سیوم) تیسرے دن ۱۲ محرم کو کھیر اور توشہ کی روٹی کی نذر کے بعد رشتہ داروں میں تقسیم کی جاتی ہے۔ اسی شب آخری محفل چھتری دروازے پر ہوتی ہے جس کے بعد کربلا کے واقعات کا بیان دیر شب تک ہوتا ہے اِس کے بعد سلام و نذر کے بعد فاتحہ ہوتی ہے۔ حال ہی میں گیارہ اور بارہ محرم کی شب میں بزم منقبت ہونے لگی ہے۔

خصوصیات محرم سید زادگان[1] تیرہ دن (یکم محرم سے تیرہ محرم تک) قوالی موقوف رہتی ہے تاکہ چہلم تک ہونے والی مجالس و سوز خوانی ہوتی رہیں اور میلاد شریف بھی نہیں کیا جاتا۔ حج سے آنے والے حضرات کو ہار بھی نہیں پیش کئے جاتے بس عطر پیش کر دیا جاتا ہے۔ دسویں اور ۲۰ ویں کے موقع پر مجالس کا اہتمام اور نذر نیاز کی جاتی ہے۔

تعزیے کی سواری میں از حد ادب خشوع و خضوع ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ کندھا یا سواری دینے والے خدام خواجگان ہی ہوتے ہیں۔ برہنہ سر و برہنہ پا، باوضو۔ آس پاس کوئی بے ادبی یا گستاخی نہیں۔ مرثیہ خواں مرثیہ پڑھتے چلتے ہیں۔ تبرکاً لوگ کندھا دیتے ہیں اور مرثیہ خواں حضرات کو نذر پیش کرتے ہیں۔

۱. سادات گرویزی خدام و گدی نشینان حضرت سیدنا خواجہ معین الدین چشتی کے معمولات عزاداری محرم الحرام (مضمون) صاحبزادہ سید لیاقت حسین معینی، راہ اسلام، جنوری تا جون ۲۰۰۷، ص ۲۹۰۔

تعزیے کو آثار شریف کہا جاتا ہے اِس پر چاروں طرف سے پھول، میوے، نوٹ، سنہری کاغذوں کے سہرے یا ہار ڈالے جاتے ہیں۔ سواری کے راستے میں جگہ جگہ چائے شربت وغیرہ تقسیم ہوتا ہے۔ اہل ہنود تعزیے کے نیچے سے نکلتے ہیں اور کندھا دیتے ہیں، ہار پھول پیش کرتے ہیں۔ چہلم تک اکثر گھروں میں مجالس ہوتی ہیں اور حلیم متواتر پکائی جاتی ہے۔ عام دعوت ہوتی ہے۔

نئی نسل کے بچے بھی تعزیے بناتے اور جلوس نکالتے ہیں۔ لنگر خانے سے ایک باورچی کا تعزیہ (چاندی کا تعزیہ) نکالا جاتا ہے۔ سوز و سلام پیش ہوتے ہیں۔ چہلم پر چھوٹے پیالوں میں بارہ اماموں کی نذر کھیر پر ہوتی ہے۔ اسی روز "پھول پیالہ" چوکور شکل کا نکالا جاتا ہے اور شب میں مراثی و سوز خوانی کے بعد سیراب کر دیا جاتا ہے۔ ہرے کُرتے پہننے کا اور یوم عاشورہ تک زمین پر سونے کا عام رواج ہے۔

بھرت پور

ایک زمانے میں بیانہ، ڈیگ، پہر سر وغیرہ قصبوں میں سادات اثنائے عشری آباد تھے جو تقسیم وطن کے وقت فسادات کے سبب یا تو ہندوستان کے دوسرے شہروں میں چلے گئے یا پاکستان ہجرت کر گئے۔ یہاں عشرہ محرم میں عزاداری خلوص اور احترام سے ہوتی تھی۔ مجالس منعقد ہوتی تھیں سید شبیر حسین نسیم اپنا تصنیف مرثیہ تحت میں پڑھتے تھے۔ ۸ محرم کو علائی امام باڑے میں بڑی مجلس ہوتی تھی۔

جے پور

۱۷۲۷ء میں جے پور کا سنگ بنیاد رکھا گیا۔ آمبیر سے کچھ خاندانِ سادات جے پور آ گئے کیونکہ یہ لوگ راجہ سوائی جے سنگھ کے سرکاری ملازم تھے۔ اِنہوں نے عزاداری شروع کی۔ پہلے زنانی مجالس ہوئیں بعد میں مردانی مجالس شروع ہوئیں۔ احمد تاجدار خاں (محلہ حکیماں) سید شاہ کشتواڑی (دریبہ پان) چاندی کی ٹکسال، نواب ہمدانی احمدی بیگم (ہانڈی پورہ مسجد ملتانیان) میں اہتمام ہوتا تھا۔ سید شاہ کشت واڑی کے یہاں مہندی کی رسم منانے کا طریقہ الگ تھا۔ مہندی کو فرش عزا پر رکھ دیا جاتا تھا۔ مستورات حلقہ باندھ کر چاروں طرف طواف کرتی تھی اور ماتم کرتی جاتی تھیں۔

مہاراجہ رام سنگھ دوم (۸۰-۱۸۳۵) کے زمانے میں عزاداری کی اور ترویج ہوئی۔ محرم کی رات ناہر گڑھ کے قلعہ سے علم ڈھول تاشوں کے ساتھ نیچے اتر کر شہر کا گشت کرتے تھے اور شہر میں ایام عزا کی رسومات کا آغاز ہو جاتا تھا۔ ۱۹۴۰ء میں شہر میں پندرہ مردانی اور پندرہ زنانی مجالس ہوتی تھیں لیکن تقسیم وطن کے بعد اِن کی تعداد گھٹ کر نو، نو رہ گئی۔ ۶ محرم کا

جلوس غالباً ۱۹۳۷ سے برآمد ہوتا آرہا ہے جس میں چھریوں کا ماتم ہوتا ہے اور مجلس پر اختتام ہوتا تھا۔ ۱۹۴۸ء سے یہ علم میر یاد علی کی رہائش گاہ مسجد ملتانیان سے برآمد ہو کر چار دروازہ امام باڑہ سید شرافت علی زیدی تک جاتا ہے اب اس علم نے قومی جلوس کی شکل اختیار کر لی ہے۔ ڈاگر بندھو سوز خوانی کرتے ہیں انوار خاں صاحب سلام اور سید طاہر حسین اور ان کے بھتیجے مرثیہ خوانی کرتے ہیں ذاکری قیصر عباس عرف عابد علی کرتے ہیں۔ ۹ محرم کو شب بیداری ہوتی ہے۔ نوعمر عزادار امام باڑوں کی زیارت کرتے ہیں۔ محل کی چوپڑ پر شہر کے تمام تعزیے جمع ہوتے ہیں۔ امام باڑوں میں مجالس ہوتی ہیں۔ سوز خوانی؛ مرثیہ خوانی کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ فجر کی نماز کے بعد تعزیے امام باڑوں سے نکال لئے جاتے ہیں۔ احمد خاں تاجدار کے امام باڑے میں مجلس کے بعد علم برآمد ہوتا ہے جو جلوس کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور ضریح امام باڑہ میں رکھی رہتی ہے۔ جلوس امام باڑہ پنچی گراں سے روانہ ہو کر باندری ناسک اور کھنڈار کے چوراہے پر قیام کرتا ہے وہاں سے چار دروازہ پہنچتا ہے۔ ایک مختصر سا جلوس مرزا اسماعیل روڈ سے شروع ہو کر اجمیری گیٹ، کوتوالی کی چوپڑ، ترپولیہ بازار، ہوا محل ہوتا ہوا چاندی کی ٹکسال پر قیام کرتا اور بڑے جلوس میں شامل ہو جاتا۔ چار دروازہ سے مولوی فیاض حسین مرحوم کے امام باڑے سے ایک بڑا علم اور تعزیہ اس میں شامل ہو جاتا ہے نوحے پڑھے جاتے ہیں مختصر تقریر بھی ہوتی ہے۔ یہ جلوس گنگا پول سے ہوتا ہوا کربلا جاتا ہے۔ چاندی کی ٹکسال کا تعزیہ اب شیعوں کے جلوس کے ساتھ جاتا ہے۔ کپتان شیر علی کے امام باڑے کا تعزیہ صبح ہی کربلا میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ راجا سوائی جے سنگھ کی طرف سے بارہ بڑے تعزیے بنتے ہیں۔ ذوالفقار علیؑ کے علم کا جلوس ڈھول تاشوں کے ساتھ گشت کرتا تھا جس کا خرچ راجہ کی طرف سے ہوتا تھا۔ اب چار دروازہ پر فاقہ شکنی کرائی جاتی ہے۔ دس محرم کی شام کو مجلس کچا بندہ میں شام غریباں ہوتی ہے جو ٹی وی پر بھی دکھائی جاتی ہے۔

۱۹۴۷ سے قبل موسیقاروں (ڈھرپدیوں، بین کاروں، فتح پوریوں،) اور سنیوں کے تعزیے الگ الگ کربلا جاتے تھے۔ شاہراہوں میں مقررہ مقامات پر مرثیہ خوانی اور ماتم ہوتا تھا (پڑھنے والوں میں عاشق علی خاں، کرامت حسین، فدا حسین، اور اصغر حسین عرف اچھو میاں مشہور ہیں) سوئم کی مردانی مجلس انوار خاں صاحب کے گھر پر (گھر کا امام باڑہ ہے) اور ماہ صفر میں چند سادات کے گھر پر مجالس ہوتی ہیں۔ ۲۵ محرم کو امام چہارم کے تابوت کی مجلس میر یاد علی جعفری صاحب کے مکان پر محلہ ہانڈی پور میں ہوتی ہے یہ مجلس ۱۹۸۵ء میں شروع ہوئی۔ چہلم کے چار مردانہ عشرے (کربلائی انجمن، انجمن پنجتن، انجمن رضاکاران، سید عشرت حسین زیدی) اور چار زنانہ عشرے (انجمن فاطمہ، انجمن زینبیہ، انجمن سکینہ، انجمن صغریٰ) ہوتے ہیں۔ ذوالجناح کا جلوس بروز چہلم ۱۹۵۰ء سے شروع ہوا۔ کچھ سال بعد دو جلوس نکلنے لگے (گنگا پول اور دوسرا دروازہ زورآور سنگھ) لیکن ماسٹر سید اطہر حسین کی کوششوں سے دونوں جلوس ایک ہو گئے۔ یہ جلوس قومی امام باڑے سے مہروں

کی حویلی، محلہ کمہاران، محلہ طویلہ، ہانڈی پورہ ہوتا ہوا چار دروازہ پہنچتا ہے وہاں سے علم برآمد ہوتا ہے۔ سبھاش چوک پر زنجیروں کا ماتم ہوتا ہے۔ آخری مقام منزل آمیر روڈ، اس کے بعد زورآور سنگھ دروازہ سے کربلا پہنچتا ہے۔

مسالموں کی بنیاد سید ضیا حسین نے ۱۹۲۸ء میں چار دروازہ میں ڈالی۔ لیکن پابندی سے نہ ہو سکے۔ پھر مولوی سید ظفر حسین نے اور آغا حسن سررشتہ دار نے تقوی منزل میں شروع کیا۔ ۱۹۴۸ تک مسالمہ ہوتے رہے۔ لیکن ۱۹۴۸ء میں سادات کی ہجرت کے سبب سلسلہ منقطع ہوا۔ ۲۰۰۱ء سے سرور پنجتن اور سید منصور حسین زیدی نے قومی امام باڑہ پنی گران میں سلسلہ پھر شروع کیا۔ حسین ڈے کا اہتمام ۱۹۴۲ء، تیسرا اور آخری ۱۹۸۵ء میں ہوا[1]۔

اودے پور[1]

ماہ محرم کے دوران مسلم محلوں میں رات کو مجلسیں ہوتی ہیں۔ اِس میں بیان شہادت، مرثیے اور نوحہ خوانی ہوتی ہے۔ مذہبی رہنما اور مولوی حضرات، امام حسینؑ کے علاوہ اُن کے متعلقین کی زندگی اور اُن کی تعلیم کے بارے میں تقریریں کرتے ہیں۔ اخلاقی تعلیم پر زور دیا جاتا ہے۔

یوم عاشورہ کو میواڑ میں حضرت امام حسینؑ کی درگاہ کی شبیہ کی شکل کے تعزیے نکالے جاتے ہیں۔ ریاستی زمانے سے ہی اودے پور میں نکالے جانے والے تعزیے دیگر شہروں کے مقابلے میں دستکاری اور صنعت کی وجہ سے اپنی الگ پہچان رکھتے ہیں۔

ہجری سال کے شروع ہوتے ہی اودے پور شہر کے مسلم علاقوں سیواٹ واڑی، خیرادی واڑہ، خان جی پیر، مہاوت باڑی، کلے ساز، چوڑی گروں کا محلہ، چمن پورہ جامع مسجد جیسی جگہوں پر کاریگر تعزیے بنانے کا کام شروع کر دیتے ہیں۔ میواڑ کے دوسرے شہروں، قصبوں، اور گاؤں میں بھی اسی وقت تعزیہ بنانے کا کام شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن وہاں کے تعزیے سادے ہوتے ہیں۔ بانس کی کھپچیوں کی چرائی پھر اُن کو مربع، شش پہل یا ہشت پہل شکل دینے کے لئے پتلے تاروں سے کسائی، پھر لال رنگ کرکے اُس پر اخباری کاغذ وغیرہ چپکانا، گنبدوں پر لال ہرا کپڑا باندھنا، محراب، جالیوں وغیرہ پر مختلف ڈیزائنوں میں رنگ برنگے کاغذ یا پنی چپکانے کا کام کیا جاتا ہے۔ عام طور پر تعزیوں میں مخملی کاغذ، گنگا، پاٹھاکے کاغذ اور پنی کا استعمال ہوتا ہے۔

اودے پور شہر کا سب سے بڑا تعزیہ بڑی پلٹن کے تعزیے کے نام سے مشہور ہے۔ یہ تعزیہ ہشت پہل ہوتا ہے۔ اِس کی تیاری میں لوہے کا گھڑا بنا کر پھر چھوٹا روضہ، گنبد، کلش، پھرکی لگا کر چھتری سے جوڑا جاتا ہے۔ ریاستی دور حکومت میں بڑی

۱۔ میر یاد علی: راجستھان میں عزاداری، جے پور۔

۲۔ میواڑ میں عزاداری کی روایت (مقالہ) ڈاکٹر گریش ناتھ ماتھر، ص ۲۴۰، راہ اسلام، جنوری تا جون ۲۰۰۷، خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی۔، ص ۲۹۱۔۲۹۴۔

پلٹن کا تعزیہ میواڑ کے مہاراجا کی جانب سے بنایا جاتا تھا۔ اُس مہارانا کی فوج کے ملازمین ہی تعزیہ بناتے تھے۔ دسویں محرم سے روز جب تک کہ تعزیہ پچولہ جھیل میں ٹھنڈا نہ کر دیا جائے مہارانا خود فاقہ کرتے تھے۔

آزادی کے بعد سے تعزیے بنانے کا کام ۱۹۵۰ء میں مسلم فرقہ کے ذریعے بنائی گئی ایک کمیٹی کی زیر نگرانی دیا جانے لگا۔[۱] کمیٹی میں ۲۰ سے ۳۰ ممبر ہوتے ہیں۔ اِس میں ہر محلے کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اِس کے علاوہ ہر محلہ میں بھی تعزیہ بنانے کے لئے اپنی الگ کمیٹی بنالی جاتی ہے۔ تعزیہ بنانے والے کاریگر ہر سال نئے نئے ڈیزائن بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان میں پھول پتیوں کے ساتھ ساتھ جھاڑ، فانوس، بیل بوٹے، قرآن کی آیات اور پنجتن پاک کے نام نقش کئے جاتے ہیں۔ بڑی پلٹن کے تعزیے کے بعد دھولی باوڑی اور علی پورہ کے تعزیوں کا مقام ہے۔

بڑے سائز کے تعزیوں کی اونچائی ۳۲ سے ۳۴ فٹ ہوتی ہے۔ انہیں بنانے میں ۹ سے دس دن کا وقت لگتا ہے۔ ایک تعزیے کی لاگت تقریباً ۲۰ سے ۲۵ ہزار آتی ہے۔ دوسرے تعزیوں کی اونچائی ۱۰ سے ۱۲ فٹ ہوتی ہے۔ ان کی لاگت پانچ سے سات ہزار بیٹھتی ہے۔ چھوٹے سائز کے تعزیے منتیوں کے ہوتے ہیں جنہیں مہندی کہا جاتا ہے۔

تعزیہ بنانے کے لئے شہر کا مسلم فرقہ کمیٹی کو ایک رقم دیتا ہے۔ محرم کی ساتویں کو شہر میں چھڑی نکالنے کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ شہر کے الگ الگ محلوں کو ملا کر کل ۱۴ چھڑیاں ہوتی ہیں۔ انہیں نشان کہا جاتا ہے۔ یہ عموماً بانس کے آٹھ فٹ تک لمبے ہوتے ہیں۔ اِن کے آگے پنجہ یا علم ہوتا ہے جس پر روپہلے رنگ کی پالش کی جاتی ہے اور نشانوں پر ہرا رنگ کیا جاتا ہے۔ بڑی پلٹن کی چھڑی لوہے کی بنی ہوتی ہے۔ اس کی لمبائی ۱۵۔۲۰ فٹ ہوتی ہے۔ اِس پر علم لگا ہوتا ہے۔ یہ چھڑی شہر کی سب چھڑیوں سے بڑی ہوتی ہے۔ منت والی اِن چھڑیوں کو چمن پورہ جامع مسجد میں رکھا جاتا ہے۔ محرم کی ساتویں کو اِن تمام چھڑیوں پر عقیدت مند ناریل، لیموں کے سہرے باندھتے ہیں۔ سبھی چھڑیاں چمن پورہ کی جامع مسجد سے علی پورہ موچی دروازہ، شاستری سرکل، دھولی باوڑی، ناٹرہ، کھاڑہ، سورج پجن، خیرادی واڑہ جملہ بائی کا تکیہ، چوڑی گھر، کوٹھیوں کی گواری، میوہ فروش محلہ، چلے کی مسجد، گھنٹہ گھر، ناؤگھاٹ، پانڈو واڑی مسجد، چاند پول، ناگا نگری، کلے ساز، مہاوت واڑی، کارواڑی، سلاوٹ واڑی، ہاتھی پول، سوہن لوک سنیما سے ہوتی ہوئی شام سات بجے پھر چمن پورہ کی جامع مسجد میں رکھی جاتی ہے۔ شب عاشور (قتل کی رات) کو شہر بھر کے محلوں اور میواڑ کے سبھی قصبوں اور گاؤں میں تیار کئے گئے تعزیوں کو کسا جاتا ہے۔ بڑی پلٹن کے تعزیوں کو چیتک سرکل کی پلٹن مسجد کے باہر کسا جاتا ہے۔ عقیدت مند اُس وقت وہاں موجود رہتے ہیں۔ رات کو دو بجے بھڑبھونجا گھاٹی پر میوہ فروش کے ۴ تعزیوں کی سندھیوں کی چھڑی سے سلامی کرائی جاتی ہے۔ یہ سندھی

---

[۱] ۱۹۵۰ء میں فیض حسین کمیٹی کی تشکیل ہوئی تھی جس کا دائرۂ عمل تعزیہ بنوانے اور تعزیہ داری سے متعلق معاملوں تک تھا۔

مسلمان ہیں رانا اودے سنگھ کی حکومت کے دوران مراٹھا حملہ آوروں کے خلاف میواڑ کی جانب سے لڑے تھے۔ اِس طرح پوری رات جاگ کر بتائی جاتی ہے۔ اِس دوران لوگ تعزیوں پر ناریل، جلیبی، چھوہارے، پھول وغیرہ چڑھا کر اپنی منتیں پوری کرتے ہیں۔ عقیدت مندوں کی طرف سے یادِ حسین میں پانی اور شربت تقسیم کیا جاتا ہے۔

محرم کی دس تاریخ کو صبح ۹ بجے شہر کی سلاوٹ واڑی سے گھنٹا گھر اور گنگور گھاٹ تک تعزیوں کا جلوس نکالا جاتا ہے۔ شام ۵ بجے تیج چوک سے بھڑ بھونجا گھاٹی، بڑا بازار، جگدیش چوک ہوتے ہوئے برہم پور پول تک تعزیوں کا جلوس نکالا جاتا ہے۔ اِس جلوس میں شہر کے ہر مذہب اور فرقے کے لوگ بڑی تعداد میں تعزیوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔ عقیدت مند شیشہ کی بوتلوں میں پانی بھر کر تعزیوں کے اِرد گرد گھما کر اپنے گھر لے جاتے ہیں۔ اُن کا یقین ہے کہ اِس پانی کو پینے سے مختلف جسمانی اور نفسیاتی بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ عقیدت مند تعزیوں کے آس پاس ناریل، جلیبی، طرح طرح کی مٹھائیاں، گیہوں کی بنی لپسی وغیرہ تبرک کے طور پر بانٹتے ہیں۔ تعزیوں کے جلوس میں پہلوان اور اکھاڑے والے اپنے کرتب دکھاتے چلتے ہیں۔ کچھ پہلوان تیر یا بھالے کو اپنے گالوں سے آر پار کر لیتے ہیں۔ کچھ بڑی کیل کو زبان سے آر پار کرکے اپنے فن کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اِس دوران نقارے پر عربی تال اور ڈھول بجائے جاتے ہیں۔ یا علی، یا حسین کہہ کر ماتم کیا جاتا ہے۔ سنی حضرات سینہ زنی یا زور زور سے گریہ زاری کو مناسب نہیں سمجھتے۔

شام کو ۷ بجے سبھی تعزیے بچولہ جھیل میں ٹھنڈے کر دیئے جاتے ہیں۔ اِنہیں ٹھنڈا کرنے سے پہلے سونے چاندی کے چڑھاوے گلے میں ڈالے گئے پیسے، کلش، پھرکی اور چڑھاوے کی دیگر چیزیں اُتار لی جاتی ہیں۔

داؤدی بوہرہ فرقہ کی جنوبی راجستھان میں عزاداری[1]

(میواڑ اور باگڑ علاقہ) اہل اسلام کے اسماعیلی شیعہ فرقہ میں داؤدی بوہرہ مسلک کا ایک اہم مقام ہے۔ اِس کی ابتدا گجرات صوبہ میں ہوئی۔ یہ محرم میں عزاداری خلوص کے ساتھ کرتے ہیں۔ راجستھان کے جنوبی حصہ میں میواڑ، باگڑ علاقہ (جس میں اودے پور، چتوڑ گڑھ، راج سمند، بانسواڑہ، ڈونگر پور، سلمبر وغیرہ آتے ہیں) میں بھی غم حسین کے ساتھ محرم منایا جاتا ہے۔ عام مسلمان ہجری کلینڈر میں چاند کے مطابق رمضان کے روزے رکھتے ہیں اور عید مناتے ہیں لیکن داؤدی بوہرہ ہجری کلینڈر میں درج تاریخ کے مطابق سارے تیوہار مناتے ہیں۔ محرم ہجری سال کا پہلا مہینہ ہے یعنی یکم محرم سے نئے اسلامی سال کا آغاز ہوتا ہے۔ اسے بوہرہ فرقہ جوش و خروش کے ساتھ مناتا ہے۔ ذی الحجہ کی ۲۹ تاریخ (جو اِن حضرات کے حساب سے ذی

۱۔ جنوبی راجستھان میں داؤدی بوہرہ فرقے میں عزاداریِ محرم (مقالہ) ڈاکٹر ملکہ بوہرہ، سہ ماہی راہ اسلام، جنوری۔جون ۲۰۰۷ء، خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران نئی دہلی۔

الحجہ کی آخری تاریخ ہے) کو عشاء کی نماز کے بعد خدا کی حمد و شکر ادا کرکے آنے والے سال کے لئے خوشی اور کامیابی کی دعا کی جاتی ہے۔ اِس فرقے کے لوگ اپنے اپنے گھروں میں پڑوسیوں، رشتہ داروں، اور جاننے والوں کو مدعو کرتے ہیں۔ ایک بڑے تھال میں ۲۱، ۲۷، ۵۲، ۱۰۱، طرح کے پکوان تھال میں سجا کر پیش کرتے ہیں۔ تھال میں نمک، خاک شفاء، قرآن شریف، چاندی کا سکہ (جس پر اللہ یا پنج تن پاک میں کسی کا نام نقش ہو) ناریل، دہی، مٹھائیاں، پھل، تلے ہوئے، بھنے ہوئے گوشت کے پکوان، بھنے یا پکے ہوئے مچھلی کے قتلے، میٹھا پان، دغیرہ رکھتے ہیں۔ اسلامی سنت کے مطابق کھانے سے قبل بسم اللہ کہہ کر نمک چکھتے ہیں۔ کھانے میں کم از کم پانچ چیزیں ہونا ضروری ہیں۔ مچھلی، دہی، سدانا، (گھی اور شکر سے بنا) پیکا اور تھولی اِس دن مچھلی کھانا مبارک سمجھتے ہیں۔

دوسری محرم سے ماہ محرم کی عزاداری شروع ہو جاتی ہے۔ ۲ محرم سے ۱۰ محرم تک مسجدوں میں وعظ ہوتے ہیں۔ غم منانے، تبرک بانٹنے اور نیاز کی تیاریاں دس دن پہلے سے ہی شروع ہو جاتی ہیں۔ مسجدوں کی صفائی، رنگ روغن کا کام کیا جاتا ہے۔ رنگ برنگی پنیوں اور روشنیوں سے مسجد کو سجایا جاتا ہے۔ دس دنوں کے لئے عامل صاحب کے لئے تخت کا انتظام کیا جاتا ہے۔ مسجد میں قالینیں جانمازیں بچھائی جاتی ہیں۔ محرم میں دس دنوں تک تبرک کی صورت میں شربت دودھ وغیرہ بانٹنے اور شام کو نیاز کے کھانے کے لئے جماعت خانوں میں اناج اور دوسری چیزیں جمع کرکے رکھی جاتی ہیں۔ محلّہ میں جگہ جگہ سبیلیں رکھی جاتی ہیں۔

ماہ محرم کی دوسری تاریخ سے مساجد میں حضرت امام حسینؑ کی یاد میں وعظ کے سلسلے کی شروعات ہوتی ہے۔ وعظ کرنے کے لئے سیدنا صاحب کی طرف سے بھیجے نمائندے (بھائی صاحب، عامل صاحب یا میاں صاحب) آتے ہیں۔ داؤدی فرقہ حضرت امام حسینؑ کی یاد میں، مرد سادگی کے ساتھ اپنے روایتی لباس میں جُبہ، پائجامہ، لمبا جامہ پہن کر سر پر صافہ یا ٹوپی پہنتے ہیں جبکہ عورتیں برقع پہن کر مسجدوں میں جاتی ہیں۔ وعظ میں اللہ تعالیٰ اُس کے ایک لاکھ ۲۴ ہزار انبیا، اولیا و ائمہ (حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، آنحضرتؐ، پنج تن پاک، سیدناؤں، سیدوں) کے حالات بیان کئے جاتے ہیں۔ اِن کی ولادت طرز زندگی، حسن اخلاق، ایمانداری اور اسلام کے لئے کی گئی قربانیوں کا تذکرہ ہوتا ہے۔ بیچ بیچ میں نوحے، مرثیے پڑھے جاتے ہیں، ساتھ ہی یا علی یا حسن یا حسین کہہ کر ماتم کیا جاتا ہے۔ اِن کے مصائب یاد کرکے روتے ہیں اس کے بعد دوپہر کی نماز ظہر اور سہ پہر کی نماز عصر ایک ساتھ ادا کرتے ہیں اور اپنے گھروں کو جاتے ہیں۔ مسجد سے باہر اور محلے میں لگی سبیلوں میں شربت، دودھ وغیرہ کا تبرک تقسیم کیا جاتا ہے۔ شام ۵ بجے سے رات ۸ بجے کے بیچ داؤدی بوہروں کی جانب سے جماعت خانوں میں نیاز (دعوت) کا انتظام ہوتا ہے۔ اِس موقع پر پنجتن پاک اور امام سید الشہداء پر درود و صلوات پڑھی جاتی ہے۔ اور کھانے کی شروعات ہوتی ہے۔ نیاز میں پہلے عورتوں اور بچوں کو کھلایا جاتا ہے۔ مرد

بعد میں نیاز لیتے ہیں۔ اِس کے بعد مغرب اور عشا کی نمازیں مسجدوں میں ایک ساتھ ادا کی جاتی ہیں۔ رات ۸ بجے کے بعد مسجدوں میں پھر مجالس منعقد ہوتی ہیں نوحہ خوانی ہوتی ہے۔ سبھی عزاداروں کو اس میں شریک ہونے اور رونے کی ترغیب دی جاتی ہے اِس کے بعد تبرک کی شکل میں ناریل، شربت، دودھ، ملک شیک وغیرہ تقسیم کئے جاتے ہیں۔

۷ محرم سے ۱۰ محرم کو داؤدی بوہرہ خاص غم مناتے ہیں۔ اِن دنوں کی مجالس میں امام حسینؑ کی شہادت کو خاص اہمیت دی جاتی ہی وعظ کے دوران پنج تن پاک کے قافلے کے ایک ایک شہید کی شہادت پہلے پڑھی جاتی ہے۔ جس میں حضرت علی اکبر کی شہادت دوپہر کو دو بجے سے ۲.۳۰ بجے تک بعدہ حضرت محمدؐ کی وفات کا ذکر ہوتا ہے۔ ۷ محرم کو بوہرے سادگی سے رہتے ہیں۔ پہلے وعظ میں عباس علمدار کی شہادت، دوسرے وعظ میں حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی شہادت پڑھی جاتی ہے۔ ۸ محرم کو وعظ میں پہلے حضرت علی اصغر کی شہادت اور بعد میں حضرت علی مشکل کشا کی شہادت پڑھی جاتی ہے۔ ۹ تاریخ کے وعظ میں حضرت قاسم کی شہادت اور بعدہ، حضرت حسن کی شہادت پڑھی جاتی ہے۔ نوحہ خوانی اور مرثیہ خوانی بیچ بیچ میں ہوتی رہتی ہے۔ مصائب پر زور زور سے گریہ زاری کی جاتی ہے۔ وعظ ختم ہونے پر ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی جاتی ہے۔ مسجد سے باہر آکر محلّہ میں سبیلوں سے کافی، گرم دودھ، ملک شیک شربت وغیرہ تبرک کے طور پر تقسیم ہوتا ہے۔ سبیلوں کو بانس کے ڈنڈوں سے بنایا جاتا ہے اور لال ہرے کپڑے لپیٹ کر جھالروں، پتیوں، روشنیوں اور پنجتن پاک کی تختیوں سے سجایا جاتا ہے۔ وہاں گولک بھی رکھی جاتی ہے جس میں عزاداری کرنے والے اپنی حیثیت کے مطابق رقم ڈالتے ہیں۔ انہیں پیسوں سے تبرک بانٹا جاتا ہے۔

سات آٹھ سال قبل جنوبی راجستھان کے میواڑ باگڑ علاقے کے ضلعوں میں بوہرہ عورتیں شام چار بجے (جگہ جگہ وقت الگ ہوتا ہے) گھروں میں مجلسیں پڑھتی تھیں۔ خصوصاً جس گھر میں کوئی عورت حال میں ہی بیوہ ہوئی ہو اور ساڑھے چار ماہ کی عدت میں بیٹھی ہو اسی کے گھر میں مجلس کی جاتی تھی۔ پہلے یہ مجالس ۲ محرم سے ۲۰ صفر (چہلم) تک ہوتی تھیں اب ۱۱ محرم سے ۲۰ صفر چہلم تک ہوتی ہیں۔ ۲ محرم سے ۹ محرم تک شام کے ۵ بجے کے قریب مغرب کی نماز تک جنوبی راجستھان کے اودے پور، ڈونگر پور، چتوڑ گڑھ، بانس واڑہ، سلمبر وغیرہ میں حضرت حسینؑ اور اُن کے ۷۲ ساتھیوں کی یاد میں "نیاز حسین" ہوتی ہے جس میں گوشت سے بنے کھانوں کے علاوہ مٹھائیاں آئس کریم وغیرہ پیش کی جاتی ہیں۔ اِن پر صلوات پڑھی جاتی ہے۔ اِس عوامی کھانے میں مردوں اور عورتوں کے لئے قومی لباس پہن کر آنا ضروری ہے۔ عورتوں بچوں کو کھانا کھلانے کے بعد مرد کھاتے ہیں۔ دونوں نمازیں (مغرب اور عشاء) ایک ساتھ ادا کی جاتی ہے۔ نماز کے بعد ۸ یا ۹ بجے پھر مجلسیں ہوتی ہیں جن میں بوہرہ مرد، عورتیں اور بچے ایک ساتھ اپنے مخصوص لباس میں ادب کے ساتھ بیٹھ کر ماتم کرتے ہیں۔

نوحے اور مرثیے پڑھتے ہیں۔ دس محرم کی رات کو سبیلوں پر سیدنا کا نمائندہ (عامل صاحب ؛ میاں صاحب) بسم اللہ کہتے ہیں تبرک میں دودھ اور شربت بانٹا جاتا ہے۔

یوم عاشورہ کو ماتم دار فاقہ کرتے ہیں۔ صبح ۱۰ بجے سے ایک بجے تک وعظ ہوتے ہیں جس میں کربلائے شہیدوں کے ساتھ سیدنا قطب الدین شہید (جن کی درگاہ احمد آباد میں ہے) کا بھی ماتم منایا جاتا ہے اور اُن کے ساتھیوں کے بارے میں تقاریر ہوتی ہیں۔ سید فخر الدین شہید (جن کی درگاہ گلیا کوٹ ضلع ڈونگر پور راجستھان میں ہے) کی شہادت پڑھ کر ماتم منایا جاتا ہے۔ اِس موقع پر زیارت حضرت حسین کی خاص نماز پڑھی جاتی ہے۔ اِس کے علاوہ سیدنا طاہر سیف الدین، ڈاکٹر سیدنا برہان الدین کی بھی دو دو رکعت نماز پڑھی جاتی ہے۔ ساتھ ہی "وصیلے" اور ماتم کئے جاتے ہیں۔ عصر کی نماز سے پہلے انبیاء، اولیا اور ائمہ کو یاد کیا جاتا ہے۔ دعوت الحق کے دشمنوں پر لعنت بولی جاتی ہے جس میں سبھی عزادار ساتھ دیتے ہیں۔

شام کے ۴ بجے پھر دوسرا وعظ منعقد کیا جاتا ہے۔ مرثیہ پڑھنے والے مرد عامل صاحب کے گھر جمع ہوتے ہیں وہاں سے وہ انہیں مسجد لے جاتے ہیں۔ پورے راستے مرثیہ پڑھ کر ماتم کرتے جاتے ہیں۔ اودے پور میں داؤدی فرقے کے یوتھ گروپ والے ایک جلوس نکالتے ہیں اس میں وہ کالے کپڑے پہنتے ہیں۔ اِن کی سبیلیں بھی کالے کپڑوں سے بنی ہوتی ہیں۔ یہ لوگ اونٹ گھوڑے وغیرہ کی سواریاں نکالتے ہیں جن میں مرد تلوار، ڈھال، چھری، برچھی وغیرہ ہاتھ میں لے کر چلتے ہیں۔ اِن کے ماتھے پر لگی ٹوپی زری زردوزی کے ورق سے یا حسین، یا عباس، یا علی، یا حسن وغیرہ لکھا ہوتا ہے۔ یہ مرثیہ پڑھتے ہوئے مسجد تک جاتے ہیں۔

مسجد میں وعظ شام چار بجے سے مغرب تک جاری رہتا ہے۔ عامل صاحب کربلا کے شہیدوں پر تقریر کرتے ہیں ساتھ میں حضرت مسلم اُن کے صاحبزادوں اور اُن کے دوست ہانی بن عروہ، حضرت حُر اُن کے فرزند اور بھائی اور دیگر شہدائے کربلا اور حضرت حسین کی شہادتیں پڑھی جاتی ہیں ساتھ ہی مرثیے اور نوحے پڑھے جاتے ہیں۔ اس درمیان عزادار یا علی، یا حسین کہہ کر زور سے گریہ کرتے ہیں۔ مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد فاقہ شکنی خاک شفا (بھاجی) سے کی جاتی ہے اور پالک روٹی کھائی جاتی ہے۔ مسجد میں پالک کی سبزی اور روٹی پیش کی جاتی ہے۔

محرم کے اِن دنوں میں داؤدی بوہرہ فرقے کے لوگ سادگی اختیار کرتے ہیں۔ تڑک بھڑک کے کپڑے نہیں پہنتے، عورتیں میک اپ نہیں کرتیں، زیورات نہیں پہنتی۔ تمام لوگ دنیاداری اور فضولیات سے دور رہتے ہیں۔ کئی گھروں میں ریڈیو، ٹی وی بھی بند رہتا ہے۔ گانے اور فلم پر بھی پابندی لگی رہتی ہے۔ یہ بوہرہ لوگ تعزیے نہیں نکالتے لیکن تعزیوں سے پوری عقیدت رکھتے ہیں۔ حضرت حسین کے نام پر چندہ دیتے ہیں۔ منوتی دینے والے اپنے خرچ سے تعزیہ بنواتے اور نکالتے ہیں۔

چہلم کے روز داؤدی بوہرہ فرقے کی مسجدوں میں صبح ۱۰ بجے سے دوپہر ۲ بجے تک وعظ ہوتا ہے۔ شام چار بجے خواتین کی مجلس ہوتی ہے۔ اِس کے بعد چہلم کی نیاز کی جاتی ہے۔ محرم کے موقع پر ہونے والے تمام وعظوں میں بیان شہادت کے علاوہ، اصولی زندگی، بھائی چارہ، انسانیت اور وطن کے تئیں وفاداری کی تعلیم دی جاتی ہے ساتھ ہی امن عالم کے لئے بھی دعائیں مانگی جاتی ہیں۔

پنجاب[1]

غیر منقسم ہندوستان میں پنجاب کی عزاداری بہت مشہور تھی۔ حصول آزادی کے بعد پنجاب کے بہت سے شیعہ خاندان یا تو دوسرے شہروں میں منتقل ہوگئے یا پاکستان ہجرت کر گئے۔ آج بھی پنجاب میں عزاداری کی روایت قائم ہے۔

مالیر کوٹلہ

مالیر کوٹلہ میں چار امام باڑے ہیں۔ عزاخانہ خوجیان، عزاخانہ سیدان، عزاخانہ سرکاری (نواب مالیر کوٹلہ کا تعمیر کروایا عزاخانہ) عزاخانہ احسان علی خاں۔ یہاں کربلائیں بھی دو ہیں۔ (بڑی کربلا بس اسٹینڈ کے پاس اور چھوٹی کربلا لدھیانہ بائی پاس پر) تعزیے اور علم بڑی کربلا میں ٹھنڈے کئے جاتے ہیں وہیں رسومات تدفین ہوتی ہیں۔

تعزیے عزاخانہ خوجیان سے صبح دس بجے بروز عاشور نکلتے ہیں اور سبھی عزاخانوں سے ہوتے ہوئے شام کو بڑی کربلا میں دفن ہوتے ہیں۔ وہیں علم ٹھنڈے ہوتے ہیں۔ یہاں علم پر پھول اور سہرے چڑھانے کی رسم نہیں ہے۔ مجالس سبھی عزاخانوں میں ہوتی ہے۔ عشرۂ محرم اور چہلم پر اِن کا اہتمام بعد نماز مغرب دیر رات تک ہوتا ہے۔

شیروانی کوٹ

یہ کوٹلہ کے نزدیک ہی ایک گاؤں ہے۔ تقسیم وطن سے پہلے یہاں بہت شیعہ رہتے تھے۔ اب کوئی گھر نہیں لیکن ایک عزاخانہ اور کربلا آج بھی موجود ہیں جہاں مالیر کوٹلہ والے ۱۱ محرم کو جاکر تعزیہ اور علم کا جلوس برآمد کرتے ہیں۔ اور کربلا میں علم اور تعزیے ٹھنڈے کرتے ہیں۔

لدھیانہ

لدھیانہ میں بھی عزاداری ہوتی ہے۔ اب تو جالندھر بائی پاس پر ایک عزاخانہ بھی تعمیر ہوگیا ہے۔ سید مظفر عالم چہلم اور ۱۹ صفر کو جلوس نکالتے ہیں۔ عشرہ بھی کرتے ہیں۔

---

[1] پنجاب میں عزاداری کے متعلق یہ معلومات جناب شیخ شبیر حسین (مالیر کوٹلہ پنجاب) نے فراہم کی، مؤلف ممنون ہے۔

جالندھر

نکودر چوک کے قریب سید یعقوب حسین نقوی اپنے گھر میں عزاداری عشرۂ محرم کرتے ہیں جس میں سنی حضرات، شیعہ مومنین ہندو اور سکھ حضرات شرکت کرتے ہیں۔

موہالی اور چنڈی گڑھ

یہاں بھی عزاداری ہوتی ہے۔ یہاں ایک حسینی ایسو سی ایشن ہے جس میں ملازمت پیشہ حضرات اور طلباء شامل ہیں۔ یو۔پی، بہار، لداخ وغیرہ جگہوں سے آئے لوگوں کے اِس ایسو سی ایشن کو دئے گئے تعاون سے عزاداری کا اہتمام ہوتا ہے۔ اِس انجمن کے صدر محمد انیس حیدر صاحب ہیں۔

سمانہ شہر

یہ کبھی شیعوں کا گڑھ تھا آج کل وہاں شیعوں کی تعداد بہت کم ہے۔ یہاں روضۂ حضرت مشہد علی بن حضرت علی بن موسیٰ رضا ہے (جسے اجرالدین خاں بن بخش اللہ خاں مغل سردار نے رمضان المبارک ۹۶۷ھ میں تعمیر کرایا تھا)۔ اِس روضہ کی ہندوؤں اور سکھوں نے فسادات کے زمانے میں حفاظت کی ہے۔ اب یہاں بھی عزاداری شروع ہو گئی ہے۔

جموں کشمیر[۱]

یہ ریاست ہندوستان کی پیشانی کا جھومر ہے اور تین کلچرل حصوں پر مشتمل ہے۔ کشمیر کا عام مذہب اسلام ہے۔ لداخ اور کشمیر میں مسلمان اپنی تعداد کے اعتبار سے با اثر حیثیت کے حامل ہیں۔ کشمیر میں راجہ سنگرام کے عہد حکومت سے ہی مسلمان موجود ہیں۔ ایک عرب مسلمان حلیم شاہی بعہد راجہ جردتیا یہاں آیا تھا جو سندھ پر عرب افواج کے قبضہ کے بعد ایک ہندو دوست کے ہمراہ یہاں پہنچا تھا۔ ۱۰۱۵ء میں محمود غزنوی نے بھی کشمیر پر بار بار حملہ کیا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ البتہ غزنوی لشکر کے کئی فوجی وادئ کشمیر کے نشیبی علاقہ تک پہنچ کر یہیں رہ گئے جنہیں ہندو راجاؤں نے اپنی فوج میں ملازم رکھ لیا۔

کشمیر میں ابتدا و فروغ شیعیت

اسلام صحیح معنوں میں کشمیر میں اُس وقت منظر عام پر آیا جب ۱۳۲۰ء میں حضرت سید شرف الدین رح (بلبل شاہ) کشمیر آئے تو یہاں کے بودھ بادشاہ رینچن نے اسلام قبول کیا۔ حضرت بلبل شاہؒ اثنا عشری سلسلۂ امامت کے ساتویں امام حضرت موسیٰ کاظمؑ

۱۔ جون ہالسٹر: شیعیاز اِن انڈیا (انگلش)، ص ۳۳۵۔

کی ذریت میں تھے اور مشہور عالم دین حضرت امین الدین کی چوتھی پشت سے تھے۔ حضرت بلبل شاہ کے زمانے سے ہی کشمیر میں عزاداری کی ابتدا ہوئی۔

ایران کا ایک شہزادہ جو اپنے آپ کو حضرت علی کے خاندان سے منسوب کرتا تھا تاجر کی حیثیت سے ۱۳۲۳ء میں کشمیر آیا اور ۱۳۴۶ء میں شاہ مرزا شمس الدین کے نام سے اعلانِ بادشاہت کیا۔ یہ سلاطین خاندان کا پہلا بادشاہ تھا۔ اِس خاندان کے چوتھے فرمانروا ہندال (۱۳۷۲ء) کے عہد میں امیر کبیر سید علی ہمدانی کشمیر تشریف لائے۔ آپ کے ساتھ تقریباً سات سو سادات تھے جو مختلف گاؤں اور قصبوں میں تبلیغ دین کرتے رہے۔ ۱۳۹۳ء میں سید علی ہمدانی کے فرزند سید محمد ہمدانی تین سو سادات کے ہمراہ کشمیر پہنچے۔ بعض مورخ انہیں شیعہ مسلک کا مانتے ہیں بعض شافعی لیکن مسلک چاہے جو بھی ہو یہ حضرات محبت آل رسول کو اپنا فریضہ و ایمان سمجھتے تھے۔ مدرسۃ الواعظین لکھنؤ کی دریافت کردہ کتاب المودت القربی (جو سید علی ہمدانی کی تصنیف ہے) سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ حضرات شیعہ تھے۔ سید محمد ہمدانی کے ساتھ مولانا سعید الدین کشمیر آئے تو یہاں کے شیعوں کو احکام دینی کی تعلیم دینا شروع کی۔ عزاداری کو بہت فروغ ہوا۔

حضرت سید علی ہمدانی اپنے ساتھ آنحضرتؐ کے ذاتی علم شریف اور خیمے کا ایک ستون دو بیش بہا تبرکات لائے تھے جو آپ نے اپنی خانقاہ سرینگر میں زیارت کے لئے رکھے تھے۔ (یہ دونوں تبرکات حضرت حسینؑ اپنے ساتھ مدینے سے لائے تھے لیکن کربلا کے سانحے کے بعد یزیدی لشکر نے اِن تبرکات کو لوٹ لیا تھا۔ دمشق پر قبضہ کے بعد ۸۰۳ھ میں امیر تیمور نے دونوں تبرکات حاصل کئے تھے)۔ اِن دونوں تبرکات کو عشرۂ محرم الحرام کی مجالس میں زیارت کے لئے حجرہ خاص سے باہر لایا جاتا تھا۔ مجلس اور جلوس کا سلسلہ اِس دور کے ساتھ جڑا ہوا ہے[1]۔

کشمیر میں تعزیہ داری کی ابتدا پندرہویں صدی کے اواخر یا سولہویں صدی کے ابتدائی حصے میں شروع ہونے کا امکان ہے۔ ابوالقاسم فرشتہ ہندال کے جانشین سکندر شاہ کو کٹر قسم کا شیعہ بتایا ہے۔ کشمیر کا بادشاہ زین العابدین بھی شیعہ تھا۔ یہ خود بھی عالم تھا اور عالموں کی قدر کرتا تھا۔ اِس کے دور میں ایران سے بہت سے علماء و فضلاء ہندوستان آئے۔ جن میں سید حسین قمی تھے۔ جنھوں نے کشمیر میں زبردست تبلیغ کی۔ اسی عہد میں چک قبیلہ نے اقتدار حاصل کیا جو غالباً شیعہ اسمٰعیل مسلک رکھتے تھے۔

حسین شاہ کے زمانہ میں کشمیر میں شیعیت کو اور عروج حاصل ہوا۔ اِس کی ملکہ سید زادی تھی۔ اِس زمانے میں مرزا حسین والی خراسان نے صوفی میر شمس الدین عراقی کو ۸۸۸ھ میں کشمیر روانہ کیا۔ جنھوں نے وہاں نور بخشی مسلک (جو

---

۱. کشمیر میں حضرت امام حسینؑ کی عزاداری۔ تاریخی تناظر میں (مضمون) شاہد بڈگامی۔ راشٹریہ سہارا، دہلی، محرم نمبر، ۳۰ جنوری ۲۰۰۷؛ ملاحظہ کیجئے: کشمیر میں عزاداری ائمۂ اطہار: (مضمون) عرفان ترابی، مشمولہ راشٹریہ ہت، محرم نمبر، نومبر ۲۰۱۲، ص ۱۵۔

شیعیت کے بہت قریب خیال کیا جاتا ہے) کی تبلیغ کی۔ (مرزا حیدر دغلات نے نور بخشی سلسلے کی رسوم و روایات و عقائد قائم کئے جو شیعہ یا سنی کسی بھی فرقہ کے عقاید اور رسوم سے مختلف تھے)۔ نور بخشی کے سلسلے والے محرم کا سوگ مناتے ہیں اور غم حسین میں سیاہ لباس پہنتے ہیں۔ شمس الدین عراقی مشہد میں مدفون امام رضا کے بہت معتقد تھے۔ جب انہوں نے ۱۵۰۱ء میں کشمیر کے لئے اپنا دوسرا سفر شروع کیا تو پہلے امام رضا کے روضہ پر گئے۔ اِن کا انتقال کشمیر میں ۱۵۲۶ء میں ہوا اور انہیں "زادی بل" میں دفن کیا گیا۔ زبانی روایات کے مطابق شمس الدین عراقی کے مزار کے علاقے میں پہلا امام باڑہ سترہویں صدی میں بنا۔ اِن کے زیر اثر چک قبیلے والے مسلمان بنے اور خود کو شیعہ کہا۔

چک خاندان کے عہد میں گو بادشاہ حنفی مسلک کے تھے لیکن فوج میں اکثریت شیعوں کی تھی کاجی چک نے چڈی بل میں ایک امام باڑہ بھی بنوایا۔ ۱۵۵۴ء میں کاجی چک کا بیٹا غازی شاہ راج گدی پر بیٹھا۔ وہ شیعہ مسلک کا ماننے والا تھا اِس کے دور حکومت میں شیعیت نے فروغ پایا۔ شاہان کشمیر خود شیعی مسلک کے پیرو تھے اِس لئے اِن کے بہت سے امراو صوبیدار بھی شیعہ تھے مثلاً مرزا حیدر ملک چغتائی، علی مردان خاں، برہان الدین (فاضل خاں)، کفایت خاں موسوی اور امیر خاں جوان شیر جس نے تندو پورہ میں ایک، باغ بنایا جہاں ایام محرم میں وسیع خیمہ نصب کرایا جس میں شیعہ مسلمان ماتم کرتے تھے۔ یہ باغ امیر آباد کے نام سے مشہور ہے۔ ابوالفضل نے آئین اکبری میں نور بخشیوں اور امامیوں کو کشمیر میں اہم سماجی طبقے مانا ہے اور اُن کے ایران اور ترکستان سے آنے کا ذکر کیا ہے۔

شیعہ شعراء ادبا بھی مشہور و معروف ہیں شاہ ابوالفتح ملا مظہری، اوجی، حاجی محمد خاں قدسی، کلیم ہمدانی، جویا، گویا، حاجی حیدر مفتی، سامع لامع حکیم حبیب اللہ حبیب وغیرہ۔ شیعہ علماء میں عبدالرشید، مُلا محمد صادق، ملا غالب، محمد عبدالغنی، مُلا محمد جواد، مُلا عالم انصاری، آغا سید مہدی، آغا سید محمد حجت الاسلام آقا شیخ علی اصغر وغیرہ نے بہت شہرت حاصل کی۔ شیعوں کی خانقاہیں خانقاہ سید محمد مدنی، خانقاہ میر شمس الدین عراقی (خانقاہ نور بخشیہ) خانقاہ حسن آباد، خانقاہ بابا خلیل اللہ شاہی مقبرہ وغیرہ اور شیعہ مسجدوں میں پتھر مسجد (نور جہاں کی تعمیر کردہ) مسجد حسن آباد، مسجد حاجی عیدی اور چڈی بل مشہور ہیں[1]۔

کشمیر میں عزاداری کے مراسم اگرچہ تقریباً وہی ہیں جو عالمی سطح پر ہیں لیکن مقامی ماحول اور موسموں کا اثر ان پر نمایاں ہے۔ عشرہ محرم الحرام اور ایام عزا کے علاوہ بھی سال بھر حسینی مجالس کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ یکم محرم سے ۱۴ محرم تک دن

۱۔ کشمیر میں حضرت امام حسینؑ کی عزاداری۔ تاریخی تناظر میں (مضمون) شاہد بڈگامی، راشٹریہ سہارا، دہلی، محرم نمبر، ۲۰ جنوری ۲۰۰۷؛ ملاحظہ کیجئے: کشمیر میں عزاداری ائمۂ اطہار: (مضمون) عرفان ترابی، مشمولہ راشٹریہ ہت، محرم نمبر، نومبر ۲۰۱۲، ص ۱۵؛ ملاحظہ کیجئے: رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۳۳۵۔

میں نذر و نیاز اور ضیافتوں کا سلسلہ رہتا تھا اور شب میں مرثیہ خوانی ہوتی تھی اب دن میں بھی ہوتی ہے۔ کشمیر کے چار مرکزی امام باڑوں (سلطان محمد شاہ کے وزیر کاجی چک نے ۹۳۴ھ (مطابق ۱۵۳۷ء) میں جڈی بل سرینگر میں عالیشان امام باڑہ تعمیر کروایا تھا اس کے بعد امام باڑہ حسن آباد، امام باڑہ بڈگام اور امام باڑہ احمد پورہ مشہور ہوئے) میں بڑی بڑی مجالس کا اہتمام ہوتا ہے[1]۔ اب لستہ بڈگام میں عالیشان امام باڑہ تعمیر ہو رہا ہے۔ کشمیر میں امامیہ آبادی کے تقریباً ہر گاؤں میں امام باڑہ ہوتا ہے۔ نئے امام باڑے تعمیر ہو رہے ہیں مثلاً امام باڑہ میرہ گنڈ، امام باڑہ مرچمرا، امام باڑہ ڈب، امام باڑہ سلطان پورہ، امام باڑہ شادی پورہ سری نگر جموں کے راستے پر واحد امام باڑہ چندر کوٹ واقع ہے۔ جن میں نامور ذاکرین اور ہزاروں معتقدین شرکت کرتے ہیں۔ کشمیری زبان میں مراثی پڑھے جاتے ہیں اور بیک وقت ہزاروں ماتمداران حسین خاص آہنگ میں مرثیہ پڑھتے ہیں جس کی پیشوائی ذاکر کرتا ہے۔ ان مرثیہ خوانوں میں جذب و خلوص، سوز و گداز بالکل جداگانہ ہوتا ہے۔ گھروں اور عزاخانوں میں نذرِ امام حسین کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ شدید سردی میں بھی جب نقطہ حرارت انجماد سے بھی نیچے ہوتا ہے وادی کشمیر اور کرگل میں مرثیہ خوانی جوش اور عقیدت کے ساتھ ہوتی ہے۔ کلاسیکی مرثیے کے علاوہ اب جدید نوحے، سلام، عزائی نظمیں تصنیف کی جا رہی ہیں جن میں پروفیسر رحمان راہی، پیتامبر ناتھ، دینا ناتھ نادم کشمیری رثائی ادب میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

علم ذوالجناح اور تعزیے کے جلوس کا سلسلہ چک عہد حکومت (۱۴۴۴ء تا ۱۵۸۸ء) میں شروع ہوا اور چک سلاطین حسین شاہ، علی شاہ، یوسف شاہ کے دور میں پوری وادی میں خلوص و احترام سے جاری رہا۔ عزاداری کو سرکاری سرپرستی حاصل تھی۔ لیکن کشمیر پر مغلیہ اور افغان حکمرانوں نے سیاسی مقاصد برآری کے لئے اسے محدود کر دیا۔ افغان دور میں صوبیدار امیر خاں جواں شیر نے کئی تعمیرات کرائیں اسی کے دور میں شیعہ گڑھ بنایا گیا۔ سکھ دور حکومت کے آغاز (۱۸۱۹ء) میں کشمیر میں عزاداری پھر بحال ہو گئی تب سے یہ وسیع تر ہوتی گئی۔ امام باڑوں کی تعمیر و تزئین، علم و ذوالجناح کے جلوس ہر طرف نظر آتے ہیں لیکن ان میں سنی حضرات شرکت نہیں کرتے وہ اپنے گھروں میں ہی رہتے ہیں۔

۱

۱۔ کشمیر میں حضرت امام حسینؑ کی عزاداری۔ تاریخی تناظر میں (مضمون) شاہد بڈگامی، راشٹریہ سہارا، دہلی، محرم نمبر، ۳۰ جنوری ۲۰۰۷؛ ملاحظہ کیجئے: کشمیر میں عزاداری ائمۂ اطہار: (مضمون) عرفان تُرابی، مشمولہ راشٹریہ ہت، محرم نمبر، نومبر ۲۰۱۲، ص ۱۵؛ ملاحظہ کیجئے: رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۳۳۵۔

کشمیر میں مراسم عزاداری

سرینگر، پلوامہ، بڈگام، سوناواڑی

یوں تو ہر علاقے میں عزاداری ہوتی ہے اور ۲ محرم سے چھوٹے چھوٹے جلوس برآمد ہونے لگتے ہیں۔ ۷ محرم سے ۱۲ بڑے جلوس نکلتے ہیں جس میں بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوتے ہیں۔ ۷ محرم تک جلوسوں میں علم شریف ہوتا ہے۔ ۱۰ اور ۱۱ محرم کو جلوس نکلتے ہیں اس میں ذوالجناح شریف بھی ہوتا ہے۔ سری نگر میں ایک جلوس بادی پر بت سے نکل کر حسن آباد سری نگر میں اختتام پذیر ہوتا ہے۔ دوسرا ۱۰ دس محرم کو باغبان پور سے برآمد ہوتا ہے۔ ۷ محرم کو لال بازار سے جلوس شروع ہو کر امام باڑہ جڈی میں اختتام پذیر ہوتا ہے۔ سرحدی علاقہ اوڑی میں بھی محرم کے جلوس نکلتے ہیں لیکن حسن آباد، بڈگام، سوناواڑی، اور اس کے ملحقہ علاقہ جات میں نہایت زور شور سے عزاداری ہوتی ہے۔ یوم عاشورہ کو دو بڑے عظیم جلوسوں میں لاکھوں کی شرکت ہوتی ہے۔ ایک جلوس سرینگر میں لویہ کدل سے برآمد ہو کر زڈی بل کے امام باڑے پر مجلس شام غریباں کے ساتھ تمام ہوتا ہے۔ دوسرا جلوس امام باڑہ ببر گنڈ بڈگام سے برآمد ہو کر ۴ کلومیٹر لمبا علمدار روڈ طے کر کے شام کو امام باڑہ بڈگام میں اختتام پذیر ہوتا ہے۔ یوم عاشورہ پر سرینگر میں کل ریاستی جلوس ذوالجناح حبیب گل قدیم آبی گزر لال چوک سے نکل کر ڈاؤن ٹاؤن شہر کے علاقے سے گزرتا ہوا زڈی بل میں ختم ہوتا تھا اسی طرح ۸ محرم کا جلوس گرو بازار سرینگر سے براستہ مولانا آزاد روڈ امام بارگاہ ڈل جھیل گیٹ پر تمام ہوتا تھا۔ (نامساعد حالات کی وجہ سے ۱۹۹۰ء کے بعد سے نکالنا ممکن نہیں تھا اِس لئے بند کر دیا گیا ہے[1]۔ سرینگر میں اب بھی روایتی جلوس اندرون کاٹھی بازار دروازہ، گرو بازار، تاول گیٹ وغیرہ سے برآمد کرتے ہیں۔ پہلے عشرہ محرم میں شیعہ سینہ کوبی، چھریوں کا اور آگ پر بھی ماتم کیا کرتے ہیں۔ تعزیے کا جلوس کشمیر میں صرف شیعہ مسلمان نکالتے ہیں۔ ذوالجناح کے ساتھ روضۂ امام حسین کا چھوٹا ماڈل ہوتا ہے۔ تعزیے لکڑی اور کاغذ کے بنتے ہیں۔

کشمیر میں امام بارگاہوں، عزاخانوں اور گھروں میں موجود اربوں روپے مالیت کے پنجے، چھتریاں وغیرہ کئی سو سال پرانے ہیں جو حفاظت سے رکھے ہوئے ہیں اور عشرہ محرم میں عزاداری جلوسوں میں ذوالجناح اور علم کی تزئین کے ساتھ عقیدت سے نکالے جاتے ہیں۔ ایام محرم میں بالخصوص عاشورہ کی شب میں کشمیر میں کتنے ہی جلوس مقامی طور پر برآمد کئے جاتے ہیں۔ قصبہ بڈگام میں عاشورہ کی شب میں حسب عمل قدیم عزاداری کی خاص مجلس برپا کی جاتی ہے سحری کے وقت ذوالجناح کا مشعل بردار جلوس نکالا جاتا ہے۔ غیر شیعہ مسلمان، ہندو، سکھ بھی جلوسوں اور مجالس میں شریک ہوتے ہیں۔

۱۔ کشمیر میں حضرت حسین کی عزاداری۔ تاریخ تناظر میں، شاہد بڈگامی، مذکورہ بالا مضمون۔

کشمیری پنڈت عورتیں بھی شب بیداری کرتی ہیں اور امام باڑوں میں نذر و نیاز کرتی ہیں۔ کشمیری برہمنوں نے کشمیری مرثیے کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

محرم کی تعزیہ داری کشمیر میں وسیع پیمانے پر پھیلا ہوا عمل اور تہوار ہے۔ کشمیر کے لگ بھگ تمام ضلعوں خاص طور سے سری نگر، بڈگام، بارہ مولا، اننت ناگ، پلواما وغیرہ میں شیعہ مسلمان خلوص و احترام سے محرم مناتے ہیں۔ سری نگر میں قدیم ترین امام باڑہ زین واڑی حسن آباد کے زاوی بل محلے میں ہے۔ سرینگر شہر میں ہی مادین صاحب میں بھی بڑے بڑے امام باڑے بنائے گئے۔ سونا واڑی، احمد پور، اندرلوک، پتیم پورہ میں بھی بڑے امام باڑے ہیں۔ پلواما میں کونگو کا امام باڑہ مشہور ہے ضلع اننت ناگ میں چھتر گل کا امام باڑہ بہت بڑا ہے۔ بڈگام ضلع میں ایک بہت بڑا امام باڑہ واقع ہے۔

عزاداری کی روایت برقرار رکھنے کے انتظام میں بہت سی شیعہ و سنی تنظیمیں معاون ہیں۔ فرقہ قدیم، اتحاد المسلمین، انجمن شرعِ شیعہ وغیرہ بہت متحرک اور فعال تنظیمیں ہیں۔ یہ عام لوگوں کے لئے فلاحی کام بھی کرتی ہیں اور تعلیمی ادارے جیسے جامعہ امام رضا، تنظیم المکاتب، ایجوکیشنل ٹرسٹ آف کشمیر وغیرہ چلاتی ہیں۔

لداخ، دراس، کرگل[1]

علاقے میں کشمیر کے دوسرے علاقوں کے مقابلے میں محرم زیادہ وسیع پیمانے پر منایا جاتا ہے۔ لداخ کی تین ذیلی تہذیبی اکائیاں ہیں۔ بلتستان (جو اب پاکستان کے قبضے میں ہے) کرگل اور پورگ۔ لداخ کی مسلم آبادی میں شیعہ اکثریت میں ہیں۔ یہاں پندرہویں صدی کے ابتدائی حصے میں عزاداری شروع ہوگئی تھی اور ایک امام باڑہ تعمیر کردیا گیا تھا۔ ۹ محرم کو ضلع لیہ کے کچھ لوگ ذوالجناح کا جلوس نکالنے کے لئے گھوڑا لینے کے لئے چوشوٹ گاؤں جاتے ہیں۔ اِس گھوڑے کو انجمن امامیہ نامی وقف پالتا ہے۔ یہی عاشورہ کے جلوسوں کی تنظیم اعلیٰ ہے۔ ذوالجناح کے جلوس کی قیادت ایک مجاور کرتا ہے۔ شیعہ لوگ اِس جلوس میں سینہ زنی اور زنجیری ماتم کرتے ہیں۔ اِس زنجیر میں چھریاں لگی ہوتی ہیں۔ ہاتھ کا ماتم مختلف طریقوں سے کیا جاتا ہے۔ مثلاً بلتستانی اسلوب، ماتم دستۂ انصار حسینی اور خمینی دستہ۔ لیہ کے مختلف دیہات میں اِسی طرح سے ماتم کیا جاتا ہے۔ ذوالجناح یا عاشورہ کے جلوس میں صرف مرد چلتے ہیں۔ عورتیں دور سے زیارت کرتی ہیں۔ یہ اپنے بچوں کو لے کر آتی ہیں اور ذوالجناح کے سامنے بچوں کی سلامتی کی دعائیں مانگتی ہیں اور خادموں کو پیسے دیتی ہیں۔ سنی لوگ نہ ماتم کرتے ہیں نہ مرثیہ پڑھتے ہیں صرف اللہ اکبر اور لا الہ الا اللہ کے نعرے لگاتے ہیں۔ جلوس میں شریک عزاداروں پر گلاب جل چھڑکتے ہیں۔

۱۔ جموں و کشمیر کی عزاداری کی روایت (مقالہ) پروفیسر جگر محمد، ص ۲۳۵۔۲۳۹، راہ اسلام جون ۲۰۰۷ مذکورہ بالا۔

زخمیوں کو طبّی امداد پہنچاتے ہیں، سبیلیں لگاتے ہیں اور جلوس میں شریک ہونے والوں کے لئے چائے، چلوس نے رپ تقسیم کرنے کے لئے اسٹینڈ لگاتے ہیں۔ بدھ مت والے بھی جلوس دیکھنے کے لئے آتے ہیں۔

لداخ کے علاقے میں بہت سے امام باڑے ہیں۔ چوشوٹ یوگما گاؤں کا امام باڑہ قدیم ترین ہے یہ بالتستانی مہاجرین نے ۱۳۳۰یا ۱۳۰۷ء تعمیر کروایا تھا۔ لیہہ شہر میں تقریباً دس امام باڑے ہیں۔ کارگل ضلع کے کم و بیش ہر گاؤں میں ایک امام باڑہ ہے کیونکہ یہاں شیعوں کی خاصی آبادی ہے۔ کرگل ضلع میں کشکو اور کامبو مشہور اور قدیمی امام باڑے ہیں۔ سورد وادی اور دراس میں بھی جگہ جگہ امام باڑے ہیں۔ عزاداری یہاں کی سماجی زندگی میں اہمیت رکھتی ہے۔ کرگل کے ادب کا بڑا حصہ مذہبی شاعری، قصیدوں، مرثیوں پر مشتمل ہے۔

جموں

جموں میں عزاداری کا سلسلہ کشمیر اور لداخ کے بعد شروع ہوا۔ زبانی روایات کے مطابق محرم کا جلوس اُنیسویں صدی میں شروع ہوا۔ مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے زمانے میں شیعوں نے انجمن امامیہ نامی کمیٹی کی تشکیل کی جسے جلوس کے تمام امور کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اِس کمیٹی کے بانی ممبران میں سید فتح حسین کاظمی، سید نور شاہ نقیب او بی ای بہادر اور کرنل ظہور حسن شامل تھے۔ جموں کے علاقے کے شیعہ محرم میں سیاہ اور سفید لباس پہنتے ہیں۔ ایام عزا میں شادی کی تقریبات نہیں ہوتی۔ مجالس رات کو ہوتی ہیں ۴۰ روز تک مجلس حسین ہوتی ہیں۔ زنانی الگ مردانی الگ۔ عورتیں نوحہ کرتی ہے اور پردہ کرتی ہیں۔ ۷ محرم کو جو جلوس نکلتا ہے وہ ڈولی، کہلاتا ہے اور تعزیے کے جلوس کو پالکی۔ شام کو شروع ہو کر رات گئے ختم ہوتا ہے۔ یہ مہندی کا جلوس پرانا راستہ استاد محلّہ سے کربلا میدان تک جاتا ہے۔ آج کل یہ جانی پور استاد محلہ سے پیر میٹھا گزرتا ہے۔ دس محرم کو ذوالجناح کا جلوس برآمد ہوتا ہے۔ جلوس صوفی شاہ امام باڑے سے شروع ہو کر کربلا تک جاتا ہے۔ اِس میں ہاتھ کا اور زنجیری دونوں ماتم ہوتا ہے۔ کربلا میں شیعہ آگ کا ماتم کرتے ہیں۔ اِس میں ہندو مسلم شریک ہوتے ہیں۔ راستے میں پانی، پھولوں کا رس اور طبّی امداد فراہم کرتے ہیں۔ جموں میں صوفی شاہ کے امام باڑے کے علاوہ اور کئی امام باڑے ہیں جیسے تینو پلاٹ اور بھنڈی۔ جموں میں سنی اور شیعہ اوقاف کی ایک ہی تنظیم ہے۔ اِس لئے امام باڑوں کی دیکھ بھال وقف بورڈ کرتا ہے اور پالیسی کے معاملات انجمن اسلامیہ طے کرتی ہے[1]۔

۱۔ جموں و کشمیر کی عزاداری کی روایت (مقالہ) پروفیسر جگر محمد، ص ۳۳۵-۳۳۹، مشمولہ سہ ماہی راہ اسلام مئی - جون ۲۰۰۷ مذکورہ بالا، ص ۲۳۸۔

ہماچل پردیش
شملہ

(ہماچل پردیش) پہاڑی علاقوں میں سڑکیں بنانے کے کام کے لئے بلتستانی اور لداخی مزدوروں کو کام پر رکھا جاتا تھا۔ یہ لوگ اترا کھنڈ یوپی کے علاقے میں بھی موجود ہیں۔ اور شملہ ہماچل پردیش میں بھی انہوں نے بستی بسائی ہے۔ شدید سردی میں بھی یہ لوگ انہماک سے عزاداری کرتے ہیں۔ لداخی محلے سے شبیہیں اور علم نکالی جاتی تھیں خاصی تعداد میں لوگ شریک ہوتے ہیں۔ نویں محرم کے جلوس میں کیتھی، مشوبرہ، کفری، سنجوہی، ہجراری، تارادیوی اور دیگر پہاڑی مقامات کے لوگ بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ جلوس کی لمبائی آدھ کیلومٹر سے کم نہیں ہوتی اِس میں مذہبی عقیدت سے شریک ہوتے ہیں۔ امر چند جی کا بیان ہے: ”محرم کا سب سے پہلا جلوس میں نے سپاٹوں میں دیکھا۔ سپاٹوں شملہ سے تقریباً ۲۰ میل کے فاصلے پر ہے یہ پرانی راجدھانی ہے۔ اور میرا وطن عزیز ہے۔ مجھے فخر ہے کہ اِس چھوٹے سے شہر میں بھی امام مظلوم کا تعزیہ برآمد ہوتا ہے۔ سینہ زنی ہوتی ہے اور جلوس کمپنی باغ کی کربلا میں جا کر ختم ہوتا ہے۔ کمپنی باغ اِس حقیر کی میراث ہے اور کربلا اس کے اندر ہی واقع ہے۔ میں اب بھی ہر سال اس کی صفائی کراتا ہوں اس کی دیکھ بھال کرتا ہوں اور اکثر تنہائی کے عالم میں اپنی جبین اِس بارگاہ عالی میں جھکا دیتا ہوں جس کا تمام عالم انسانیت پر احسان ہے[1]۔“

اترا کھنڈ
پتھورا گڑھ

اترا کھنڈ جیسے پہاڑی علاقوں میں بھی کئی جگہ عزاداری ہوتی ہے۔ پتھورا گڑھ میں بلتستانی مزدور ہیں، وہاں بھی محرم کی مجالس ہوتی ہیں۔ اسمٰعیل خانصاحب کی کوششوں سے علم کا جلوس نکلنے لگا ہے۔ زنجیروں کے ماتم کو دیکھنے مسلمانوں کے علاوہ ہندو حضرات بھی آتے ہیں۔ کچھ منتیں مان کر چڑھاوا بھی چڑھاتے ہیں[2]۔

کالسی (ضلع دہرہ دون)

ضلع دہرہ دون میں بھی بلتستانی حضرات خاصی تعداد میں مقیم ہیں وہاں مسجد بھی ہے امام باڑے بھی۔ دونوں کی زمین حسین علی صاحب نے اپنی حیات میں ہی وقف کر دی تھی۔ مسجد میں پنجگانہ نماز ہوتی ہے محافل و مجالس امام باڑے میں منعقد

۱۔ شملہ کا محرم (مضمون) امر چند شرما، ص ۱۸۰، سرفراز محرم نمبر ۱۳۸۴ھ لکھنؤ۔

۲۔ کمایوں کے پہاڑی علاقوں میں عزاداری امام مظلوم (مضمون) سید حسن زیدی، ص ۱۵۵۔۱۵۶، سرفراز لکھنؤ محرم نمبر ۱۲ اپریل ۱۹۶۸ء۔

ہوتی ہیں۔ کالسی سے ۴ میل کے فاصلے پر مولانا علی رضوان نے ایک مسجد تعمیر کرادی ہے[1]۔

نینی تال[2]

میں مسلم آبادی کم ہی ہے۔ شہر کے باہر موٹا پانی کے پاس کشمیر کے لداخی باشندوں کی ایک چھوٹی سی آبادی ہے جو تقریباً ڈھائی سو افراد پر مشتمل ہے یہ دراصل کشمیر کے شمالی علاقے مثلاً اسکارڈو، کرگل، گلگت اور لیہہ کے پرانے باشندے ہیں اور پہاڑوں کو کاٹ کر سڑکیں بنانا اِن کا آبائی پیشہ ہے۔ انگریزوں کے زمانے میں یہ شملہ، مسوری، چکراتا، نینی تال، کالسی، الموڑا، چھولی، پتھوراگڑھ میں مقیم ہوئے تھے اب بھی یہاں کچھ گھر ہیں۔ یہ لوگ کٹر شیعہ ہیں ہر جمعرات اور ہر امام کی پیدائش و وفات کی تاریخ پر مجلس منعقد کرتے ہیں۔ اِن کا عزاداری کا انداز مختلف ہے۔ اِن کے چھوٹے چھوٹے خیموں میں ماتم اور یا حسین کی صدا کئی گھنٹوں تک سنائی دیتی ہے۔ اپنی زبان میں کربلا کے واقعات پڑھ پڑھ کر گریہ کرتے ہیں۔ پہلے تو نواب ساجد علی خاں کی کوٹھی (گورنمنٹ ہاؤس کے نزدیک) میں یکم محرم سے ۹ محرم تک ایک مخصوص مجلس ہوتی تھی اُن کی بیگم اپنے عزاخانے کو اہتمام سے سجاتی تھیں لیکن اُن کی وفات کے بعد یہ سلسلہ بند ہو گیا اُن کے ورثاء اور جگہوں پر قیام پذیر ہو گئے۔ موٹا پانی میں اِن لداخیوں کے مقامی رہنما عبدالرحمٰن نے ایک اچھا مکان بنوالیا ہے جس میں ایک ہال امام باڑے کے لئے ہے۔ جہاں عزاداری کا طریقہ یہ ہے کہ یہ لوگ دو رویہ قطاروں میں بیٹھ جاتے ہیں بیچ میں ایک چوکی رہتی ہے جس پر لوبان اور اگر بتی جلا دیتے ہیں اور ایک گلاس پانی رکھ دیتے ہیں۔ پھر ایک شخص لداخی زبان میں سوز خوانی شروع کرتا ہے پھر جتنے لوگ وہاں بیٹھے ہیں اُسے دہراتے ہیں۔ اِس کے بعد اگر وہاں کوئی ہندوستانی موجود ہوتا ہے تو اُس سے ذاکری کے لئے درخواست کرتے ہیں۔ اگر کوئی سید ہو تو اُس کے لئے کرسی رکھ دیتے تھے۔ اُس کے بعد فوراً ہٹا دیتے ہیں۔ (انھوں نے بتایا کہ وہ غیر سید ہیں منبر رسول پر نہیں بیٹھ سکتے) اِس کے بعد اُن کی حدیث خوانی شروع ہوتی ہے جو کم از کم ایک گھنٹہ ہوتی ہے اِس کے بعد نوحہ خوانی کرتے ہیں۔ زنجیروں سے ماتم بھی کرتے ہیں۔ ان کی مستورات برابر دوسرے خیمے میں بیٹھی درد انگیز طریقہ سے گریہ کرتی ہیں۔ مجلس کے بعد یہ کئی ائمہ کی زیارتیں پڑھتے ہیں۔ اپنے یا کسی مستند مسلمان کے ہاتھ کا بنا ہوا حصہ تقسیم کرتے ہیں۔ ایک مجلس میں کئی کئی لوگ شامل ہو جاتے ہیں اِس لئے کئی حصے تقسیم ہوتے ہیں۔

ابھی نینی تال میں شیعوں کی کوئی مسجد یا بارگاہ امام نہیں بنی ہے۔ اے آر جعفری صاحب نے ایک شیعہ بلتستان ویلفیئر کمیٹی بنوادی ہے اب ایک مسجد اور امام بارگاہ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ یہ جگہ بس اڈے سے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔

---

۱. کمایوں کے پہاڑی علاقوں میں عزاداری امام مظلوم (مضمون) سید حسن زیدی، ص ۱۵۵-۱۵۶، سرفراز لکھنؤ محرم نمبر ۲ اپریل ۱۹۶۸ء۔

۲. نینی تال میں عزاداری، (مضمون) نثار علی جعفری، ص ۶۵، راشٹریہ سہارا، دہلی، محرم نمبر، جنوری ۲۰۰۷ء۔

میونسپل چنگی یا دھرم شالہ سے تو موتا پانی اور نزدیک ہے۔ محرم کی مجالس اور مذہبی تقریبات اسی بارگاہ میں ہوتی ہیں[1]۔

منگلور[2]

منگلور ضلع ہردوار کا مسلم اکثریتی حلقہ ہے جو ہردوار سے ۳۲ اور کلیر شریف سے ۱۶ کیلومٹر پر ہے۔ یہاں کی عزاداری کی خصوصیت یہ ہے کہ ہندو مسلم سنی و شیعہ سبھی اس میں تعاون کرتے ہیں۔ یہاں ائمہ طاہرین کی ولادت اور شہادت کے خصوصی پروگرام ہوتے رہتے ہیں۔ منگلور میں سات امام بارگاہیں ہیں اور ۸ ماتمی انجمنیں ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتی ہیں۔

محرم کا چاند دکھائی دینے سے پہلے ہی استقبال عزا کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ چاند دکھائی دینے کے بعد شہر کے امام باڑوں میں مجالس شروع ہو جاتی ہیں اور امام باڑہ دربار حسین سے پہلا جلوس عزا برآمد ہوتا ہے جو محلّہ پٹھان پورہ کے امام باڑہ زینبیہ امام باڑہ باب المراد ہوتا ہوا بڑے امام باڑے پر تمام ہوتا ہے۔ منگلور کی ساتوں امام بارگاہوں میں روزانہ مجلسیں ہوتی ہیں محلّہ حیدری چوک کے عزاداران بہت جوش و خروش کے ساتھ عزاداری اور جلوس عزا برپا کرتے ہیں۔ اِس کے علاوہ محلّہ بندر ٹول کے امام باڑے میں عباسی حضرات روایتی انداز میں عزاداری کرتے ہیں۔ محلّہ پٹھان پورہ میں چار امام بارگاہیں ہیں۔ دربار حسین، بارگاہ زینبیہ، باب المراد اور بڑا امام باڑہ اِن میں بالترتیب مجالس ہوتی ہیں۔ مختلف ماتمی جلوس برآمد ہوتے ہیں۔ خواتین کی مجالس تقریباً سبھی امام باڑوں میں ہوتی ہیں۔

محرم کا دوسرا جلوس ۵ تاریخ کو جناب عون اور جناب محمد کی شہادت سے منسوب ہے۔ یہ جلوس بعد نماز عشاء مجلس عزا کے بعد برآمد ہوتا ہے جو بارگاہ باب المراد پر تمام ہوتا ہے۔

تیسرا جلوس ۷ محرم کو امام حسنؑ کے فرزند جناب قاسم سے منسوب ہے عزادار جناب قاسم کے نام کی مہندی اٹھا کر امام باڑوں کو سجاتے ہیں۔ اِس رات بڑے امام باڑے سے ایک ماتمی جلوس عزا برآمد ہو شہر کے محلوں میں گشت کرتا ہوا پٹھان پورہ کی چاروں بارگاہوں میں حاضری دیتا ہوا اذان فجر سے پہلے بڑے امام باڑے پر ختم ہو جاتا ہے۔

چوتھا جلوس عزا شب عاشور بڑے امام باڑے میں ماتمی انجمنیں آگ پر ماتم کرتی ہیں اور ماتمی جلوس شروع ہو کر باب المراد بارگاہ زینبیہ ہوتا ہوا اذان فجر سے پہلے دربار حسین امام باڑے پر ختم ہوتا ہے۔

۱۔ نینی تال میں عزاداری، (مضمون) نثار علی جعفری، راشٹریہ سہارا، دہلی، محرم نمبر، جنوری ۲۰۰۷، ص ۶۵-۶۶۔
۲۔ منگلور (اترا کھنڈ) کی عزاداری (مضمون) ڈاکٹر فیروز اختر، ص ۴۹، راشٹریہ سہارا دہلی محرم نمبر ۲۰۰۷۔

یوم عاشور

صبح ۹ بجے اعمال عاشورہ ادا کرنے کے بعد بڑے امام باڑے میں مجلس ہوتی ہے جس کے بعد علم اور ذوالجناح برآمد ہوتے ہیں۔ باب المراد پہنچتے ہی وہاں کے عزادار شامل ہو جاتے ہیں اور حسینی چوک پر دوسرے جلوسوں کا انتظار کرتے ہیں۔ دربار حسین امام باڑے سے آنے والے جلوس کے عزادار بھی اِس جلوس میں مل جاتے ہیں۔ یہاں سے یہ بڑا جلوس محلہ ٹولی ہوتا ہوا تھانہ روڈ کے پاس کربلا پہنچتا ہے وہاں سے بڑے امام باڑے پر آکر ختم ہو جاتا ہے۔ یہاں مجلس عزا برپا ہوتی ہے۔ حیدر چوک کے عزادار اپنا جلوس اپنے محلّہ کی کربلا سے متصل کربلا میں جاکر ختم کر دیتے ہیں۔ بعد مغرب شام غریباں کی مجلس برپا کرتے ہیں۔ بندر ٹول سے عباسی عزادار علم اور ذوالجناح برآمد کرکے جی ٹی روڈ ہوتے ہوئے محلّہ اسلام نگر میں واقع کربلا میں ختم کرتے ہیں۔ محرم کے بعد یہ سلسلہ ۲ ماہ اور دس دن تک جاری رہتا ہے خصوصاً عشرہ، اربعین اور مختلف تاریخوں میں جلوس عزا نکلتے ہیں۔ سنی حضرات بھی جلوس کے راستے میں نذر و نیاز کا انتظام کرتے ہیں۔ اور عزاداری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔

باب نہم

شمالی ہند — ۲

اتر پردیش

عزاداری مغربی اتر پردیش میں

آگرہ

زمانہ قدیم سے آگرہ شہر میں عزاداری اہتمام سے ہوتی ہے۔ نئی بستی کے امام باڑے میں سنی حضرات کی طرف سے پھولوں کا تعزیہ رکھا جاتا ہے۔ عاشورہ کی صبح یہ تعزیہ امام باڑے سے جلوس کی شکل میں مرثیہ خوانی کے ساتھ کربلا جاتا ہے۔ روز عاشورہ شہید ثالث (قاضی نور اللہ شوستری) کے مزار پر جلوس تعزیہ و ذوالجناح، علم حضرت عباس نوحہ اور ماتم کے ساتھ نکلتا ہے۔ آگرے میں شیعوں کے ساتھ اہل سنت بھی عزاداری میں حصہ لیتے ہیں۔ مشہور شاعر سیماب اکبر آبادی کے مکان پر تعزیہ داری ہوتی تھی جس میں وہ خود سلام پڑھتے تھے۔ شب عاشور ہندوستان کے نامور سخنور عالم فتح پوری اپنے مکان پر بزم مسالمہ کا اہتمام کرتے تھے[1]۔

نوئیڈا

خطہ قومی راجدھانی دلی سے ملحقہ اِس شہر کے سیکٹر ۱۲ میں بہت خوبصورت امام باڑہ بنا ہوا ہے جہاں مجالس کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مسالمے، اور ماتم یہیں ہوتے ہیں۔ سامنے وسیع پارک ہے جس میں بڑی تعداد میں لوگ جمع ہوتے ہیں۔ ایک نیا امام باڑہ سیکٹر ۵۰ میں بن رہا ہے۔ یوم عاشور کو جلوس سیکٹر ۱۲ سے شروع ہو کر سیکٹر ۵۰ تک جاتا ہے[2]۔

---

۱. کاروان حیات شہید اعظم نمبر؛ رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۳۳۲۔

۲. جناب ڈاکٹر عراق رضا زیدی صاحب نے کرم فرما کر یہ معلومات فراہم کی۔

جارچہ[1]

یوپی کے گوتم بدھ نگر ضلع میں واقع یہ سادات کی بستی ہے جن کے مورث اعلیٰ سید محمود رومی سبزوار (ایران) سے بعہد غیاث الدین تغلق دہلی آئے اور دربار شاہی سے منسلک ہو گئے۔ آپ کے کارہائے نمایاں سے خوش ہو کر دربار شاہی سے باون ہزار بیگھہ اراضی دی گئی جس پر یہ بستی آباد ہوئی۔ یہاں کے کتنے ہی ذی علم، با عمل صاحب تقویٰ بزرگان دین نے شہرت حاصل کی۔ عالمی شہرت یافتہ حافظ و قاری مولانا جعفر علی، شمس العلماء قاری عباس حسین، (ڈین شعبۂ دینیات علی گڑھ) حافظ و قاری مولانا احمد ظہیر عباس (پروفیسر علی گڑھ یونیورسٹی) علامہ ابن حسن جارچوی، (ڈین شعبۂ اسلامیات کراچی یونیورسٹی)، میر محمد مرتضیٰ بیانؔ یزدانی، علامہ ظہور جارچوی، مولانا رئیس جارچوی اور مولانا قمر سلطان وغیرہ حضرت کو کون نہیں جانتا۔ شعراء میں تخشب جارچوی وغیرہ نے میدان شاعری میں نام پیدا کیا۔ جناب نظیر رہبر صاحب رہبرؔ جارچوی آج بھی اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ فرماتے ہیں۔ ماہنامہ "نظارہ" لکھنؤ میں ۵۳ء سے ۵۶ء تک جارچہ کے مداحین اہل بیت پر سات قسطوں میں مضامین شائع ہو چکے ہیں[2]۔

مجالس

چاندرات سے ہی مجالس کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ یہاں گھر گھر عزاداری ہوتی ہے۔ عشرۂ محرم میں روزانہ بارہ مجالس ہوتی ہیں جو صبح ساڑھے سات بجے سے آدھی رات تک جاری رہتی ہیں۔ امام بارگاہ نقالان (صبح ساڑھے آٹھ بجے) چوپال جناب بو علی عرف "بولا" (۹ بجے) امام بارگاہ شہید اعظم (ساڑھے دس بجے) بدر العزا (۱۲ بجے دن) امام باڑہ ننھے نداف مرحوم (ڈیڑھ بجے دوپہر) عزاخانہ مولوی محمد الیاس مرحوم (ساڑھے تین بجے) امام باڑہ مسماۃ کلیا والا (۵ بجے) امام باڑہ چوپال کلاں (رات ۸ بجے) امام باڑہ سکندر علی (ساڑھے نو بجے شب) بعدہٗ بر مکان مولانا ظہیر العباس، امام باڑہ چوپال کاٹھا اور امام باڑہ پوست خانے میں مجالس بپا ہوتی رہتی ہیں جن میں مقامی اور بیرونی ذاکرین، سوز خواں، مرثیہ خواں اور شعراء شہدائے کربلا کو نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

---

۱. مولانا قمر حسنین جارچوی صاحب سے یہ معلومات حاصل ہوئی۔ مؤلف کتاب ہٰذا شکر گذار ہے۔

۲. جارچہ کی عزاداری کی تفاصیل کی رپورٹ جناب سید محمد اکبر جارچوی نے بھیجی۔ زبانی معلومات جناب نظیر رہبر جارچوی نے فراہم کی۔ مؤلف ممنون ہے۔

زیارات و جلوس

۵ محرم کو امام باڑہ چوپال کاٹھا سے گہوارۂ علی اصغر کا جلوس برآمد ہو کر چوپال کلاں پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔

۶ محرم کو چوپال کاٹھا سے جلوس شبیہ تابوت جناب علی اکبر برآمد ہو کر چوپال کلاں پر ختم ہوتا ہے۔

۷ محرم کو امام باڑہ پوست خانہ سے جلوس علم و گہوارہ امام باڑہ چوپال کلاں پہنچتا ہے جہاں یہاں کے علم باہر سے آئے علم گلے ملتے ہیں زور کا ماتم ہوتا ہے ماحول جذباتی ہو جاتا ہے۔

۸ محرم کو چوپال کلاں سے علموں کا جلوس اور جناب قاسم کا تابوت امام باڑہ پوست خانہ پہنچتا ہے علموں کی ملنی ہوتی ہے۔

۷، ۸، ۹ محرم کو امام باڑہ کلیا والا میں جناب عون و محمد کے تابوتوں، علم حضرت عباس اور تابوت حضرت علی اکبر کی زیارت کرائی جاتی ہے۔ تعزیے کا جلوس نکلتا ہے۔

۱۰ محرم کو امام باڑہ پوست خانہ میں مجلس کے بعد جلوس تعزیہ و علم برآمد ہوتا ہے جو چوپال کلاں میں ختم ہوتا ہے۔ راستے میں سبھی امام باڑوں کے تعزیے اور علم جلوس میں شامل ہوتے جاتے ہیں۔ اِس کے بعد ا بجے (دن) امام باڑہ نقالان سے جلوس تعزیہ نکلتا ہے جو غیر مسلم علاقوں سے گزرتا ہوا تقریباً ۳ گھنٹے میں چوپال کلاں پہنچتا ہے۔ راستے میں دو جگہ جلوس رکتا ہے دس دس منٹ کی تقاریر ہوتی ہیں۔ چوپال کلاں میں الوداعی مجلس ہوتی ہے اِس کے بعد تعزیے کربلا کے لئے روانہ ہو جاتے ہیں۔ عزادار بغیر ماتم کے صرف مرثیہ پڑھتے ہوئے تعزیوں کو کربلا پہنچاتے ہیں۔

جارچہ کے محرم میں علموں کی ملنی کا منظر بہت جذباتی ہوتا ہے۔ علموں کی اونچائی ۴۰ فٹ ہوتی ہے۔ چوپال کلاں سے بالوں نامی گھاس کا تعزیہ قابل دید ہوتا ہے۔ انجمن پرچم عباس کے نوجوانوں کا مراسم میں انہماک اور انتظام میں تعاون، غیر مسلم علاقوں سے جلوس تعزیہ کا گزرنا، اہل سنت حضرات کا ماتم داروں کی حفاظت کے لئے گھیرا، غیر مسلم حضرات کا انتظام جلوس میں ہاتھ بٹانا، ماتم داروں پر گلاب جل اور کیوڑہ چھڑکنا اور مجالس میں بلا تفریق مذہب و ملت خلوص و احترام کے ساتھ شرکت جارچہ کے محرم کی اہم خصوصیات ہیں۔

چھولس[1]

قصبہ چھولس دلی سے ۴۵ کلومیٹر کے فاصلے پر ضلع گوتم بدھ نگر میں دادری اور سکندرآباد کے بیچ میں واقع ہے۔ یہاں تقریباً سات ہزار (۷۰۰۰) سادات آباد ہیں جن کا سلسلہ نسب سید محمود روحی برقع پوش سید جلال بیہقی (ایران کے سبزوار شہر کا قدیم

۱۔ چھولس کی عزاداری کی معلومات جناب مولانا قمر حسنین جارچوی سے حاصل ہوئی۔ مؤلف متشکر ہے۔

نام بیہق ہے) سے ہوتا ہوا امام علی رضاؑ سے ملتا ہے۔ یہ سادات تیمور لنگ کے زمانے میں ایران سے ہجرت کرکے ہندوستان آکر چھولس میں بس گئے تھے۔ اِس قصبہ میں عزاداری اور تعزیہ داری انتہائی خلوص و عقیدت اور شان و شوکت کے ساتھ ہوتی ہے۔ قصبہ میں ۱۲ امام بارگاہیں ہیں۔ علاوہ ازیں لوگوں نے اپنے گھروں میں عزاخانے بنا رکھے ہیں۔ امام باڑوں کے نام یہ ہیں۔ امام باڑہ دیوانخانہ، امام باڑہ پیر کی پٹی، امام باڑہ پنجدرہ، امام باڑہ پٹواریاں، حاجی جی کا امام باڑہ، بڑا امام باڑہ، حضور صاحب کا امام باڑہ، امام بارگاہ بیت الشہید، بڑا امام باڑہ (محلہ عباس نگر) امام باڑہ شاکر حسین، محل والا امام باڑہ، آغائی والا امام باڑہ۔ ان تمام امام بارگاہوں میں محرم کی پہلی تاریخ سے لیکر دس تاریخ تک روزانہ صبح ۸ بجے سے رات دو بجے تک مجالس ہوتی رہتی ہیں۔ اِن مجالس کا سلسلہ بزرگوں کے زمانے سے ایک خاص نظام الاوقات کے تحت شروع ہوتا ہے جن کی ابتدا چاند رات کو محل والے امام باڑے سے ہوتی اور ۸ ربیع الاول کو اختتامی مجلس امام بارگاہ دیوانخانہ میں برپا ہوتی ہے۔ ایک خاص بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ کسی مجلس کا وقت نماز کے وقت سے تزاحم تو نہیں کرتا۔ عزادار نماز کو بھی بہت اہمیت دیتے ہیں۔

چھولس میں بھی مجالس کی ابتدا سوزخوانی سے ہوتی ہے۔ اِس قصبہ میں جناب سید ضیغم عباس رضوی، سید تنویر حسن رضوی، سید اشفاق حسین رضوی جیسے مشہور و معروف سوزخواں ہوئے ہیں جنہوں نے ہندوستان کی مختلف جگہوں پر اپنے فن کے جوہر دکھائے ہیں۔ الحمد اللہ آج بھی یہاں ماہران فن سوزخوانی موجود ہیں۔ چھولس میں مرثیہ خوانی کا رواج بہت قدیم زمانے سے ہے جناب سید علی، سید محمد شفیع اور مولانا سید جرار حسین چھولسی کے نام بہت نمایاں ہیں۔

یہاں آٹھویں محرم کو عزاداری میں نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ نماز ظہر کے بعد امام بارگاہ محل والا میں ایک مجلس عزا کا اہتمام ہوتا ہے جس کے آخر میں حضرت عباس کے علم کے ساتھ کمسن بچے ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے کوزے لئے بصورت زیارت آتے ہیں، یہ منظر بہت مصائب آمیز کیفیت کا حامل ہوتا ہے۔ نماز کے بعد امام باڑہ شاکر حسین سے جلوس عزا برآمد ہوتا ہے اور حاجی جی والے امام باڑے سے ہوتا ہوا بڑے امام باڑے پر آتا ہے جہاں سے بڑا علم برآمد ہوتا ہے۔ اِس کے بعد یہ جلوس قصبے کی اپنی قدیم شاہراہوں سے گشت کرتا ہوا بڑے امام باڑے عباس نگر پہنچتا ہے۔ درمیان میں تمام امام بارگاہوں کے علم جلوس میں شامل ہوتے جاتے ہیں۔ یہاں تاریخی نوحہ پڑھا جاتا ہے۔

نشانِ فوجِ پیمبر سجایا جاتا ہے سکینہ بی بی کا سقہ بنایا جاتا ہے

اِس کے بعد عباس نگر کے اِس امام باڑے سے حضرت عباس کے نام سے منسوب علم نکالا جاتا ہے۔ دوسری طرف سے امام حسینؑ کے علم والا جلوس آتا ہے۔ دونوں علموں کی ملنی کا منظر پیش کیا جاتا ہے۔ بہت دیر تک گریہ زاری، اور ماتم کے بعد جلوس آگے بڑھتا ہے اور محل والے امام باڑے سے ہوتا ہوا پھر بڑے امام باڑے واپس آجاتا ہے۔ واپسی کے وقت یہ تاریخی نوحہ پڑھا جاتا ہے: "خون میں ڈوبا ہوا دریا سے آتا ہے علم"۔ ۱۷ اور ۲۱ صفر المظفر کو دو عظیم شب بیداریاں ہوتی ہیں جس

میں ملک کی مشہور و معروف ماتمی انجمنوں کو دعوت دی جاتی ہے۔ ۷ محرم سے ۲۰ محرم الحرام تک مرحوم سید اکرام رضا کے گھر پر عشرہ کی مجالس کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں ہندوستان کے مشہور علمائے کرام اور خطبائے عظام کو دعوت دی جاتی ہے۔ ہر ذاکر کو ایک خاص موضوع دیا جاتا ہے جس پر یہ حضرات تقاریر فرماتے ہیں۔

چھولس میں متعدد انجمن ہائے ماتمی ہیں جن میں سب سے قدیمی انجمن اصغری ہے جس کو بزرگوں کی رہنمائی حاصل ہے۔ یہ انجمن ایک طرح سے دوسری انجمنوں کی سرپرستی کرتی ہے۔ دوسری انجمنوں میں انجمن حیدری، انجمن عباسیہ، انجمن پیغام حسینی کے نام قابل ذکر ہیں۔ اِن سب انجمنوں میں باہمی اتحاد ہے اور یہ عزاداری کے علاوہ دوسرے ثقافتی اُمور میں بھی سرگرم رہتی ہیں۔

اِس قصبے میں خواتین کی مجالس بھی صبح سے شام تک کثیر تعداد میں ہوتی ہیں۔ یہ مجالس عموماً گھروں پر ہوتی ہے یا امام بارگاہوں میں اُس وقت ہوتی ہیں جب مردانی مجلسیں نہیں ہوتیں۔ اِن زنانی مجلسوں میں مرثیہ خوانی ہوتی ہے۔ اہم مجالس میں ذاکرہ خطاب کرتی ہیں۔

نورپور[1]

چھولس سے ڈیڑھ کلومیٹر کے فاصلے پر نورپور اہل سنت کی بستی ہے صرف ۲۲ شیعہ خانوادے ہیں۔ لیکن شیعہ اور سنی دونوں ہی حضرات خلوص و عقیدت کے ساتھ عزاداری حضرت حسین کرتے ہیں۔ یہاں ۱۹ صفر المظفر کو جلوس نہایت اہتمام کے ساتھ برآمد کیا جاتا ہے۔

جلالی[2]

جلالی (ضلع علی گڑھ) تعزیہ داری کے لئے مشہور ہے۔ شاہان تیموریہ کے ابتدائی دور میں میر کمال الدین حسین ہمدانی نبیرہ میر سید علی ہمدانی جلالی تشریف لائے اور یہاں عزاداری کی بنیاد ڈالی۔ قطب العارفین حکیم سید شاہ خیرات علی ہمدانی کے زمانے میں نواب شجاع الدولہ جلالی آئے اور عشرہ محرم تک عزاداری کی۔ اِسی موقع پر فرخ آباد کے نواب مظہر جنگ نے جلالی میں باقاعدہ شیعہ مسلک اختیار کیا[3]۔

---

۱. نورپور کی عزاداری کی معلومات جناب مولانا قمر حسنین صاحب جارچوی نے دستیاب کرائی ہے مؤلف متشکر ہے۔

۲. رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۳۲۹۔

۳. مفتی ولی اللہ فرخ آبادی: عہد بنگش بحوالہ کاروان حیات شہید اعظم نمبر، ص ۷۹۔

جلالی میں متعدد امام باڑے اور دو کربلائیں ہیں۔ بڑی کربلا سید اوسط علی نے تعمیر کرائی تھی۔ یہاں حضرت علی کا تابوت و سہرا ہر سال شہادت کے موقع پر دفن کیا جاتا ہے۔ چھوٹی کربلا قدیم ہے یہاں تعزیوں کو عشرہ محرم اور چہلم کے موقع پر دفن کیا جاتا ہے۔ جلالی کے محرم کی عزاداری میں خاص چیز یہاں کی مجالس عزا ہیں جن میں روضہ خوانی کو خاص اہمیت حاصل ہے اور وہ تمام قدیم کلام جو عشرہ محرم کے دوران جلالی کے تمام امام باڑوں میں پڑھا جاتا ہے وہ درج ذیل ہے۔

۱۔ روضہ خوانی یازدہ مجلس معہ مرثیہ ملا محتشم کاشی بزبان فارسی

۲۔ الوداع مصنفہ کانب تصنیف ۱۱۵۹ء جو عشرہ محرم کے آخر دن صبح عاشور تعزیہ ضریح کے سامنے ہر امام باڑے میں پڑھی جاتی ہے۔

رن کو حسین جب چلے، رو رو کہا ہے الوداع

۳۔ ممتحن کا تصنیف کردہ سلام جو مہندی کے سامنے پڑھا جاتا ہے

اُن پر سلام رن میں جو دولہا دلہن بنے

۴۔ مولوی سید حیدر بخش حیدری کا سلام جو ۸ محرم کو امام باڑہ مسجد جامع میں صبح کے وقت پڑھا جاتا ہے جس کے مطلع کا مصرعۂ اولی ہے۔

ہے سلام اِس پر جو بے کس، بے پدر، بے یار تھا

سانکھنی کی عزاداری[1]

ضلع بلند شہر میں کئی جگہ سادات کی بستیاں ہیں۔ شکارپور، اورنگ آباد، سکندرآباد، بلند شہر، سانکھنی وغیرہ جہاں عزاداری خلوص واحترام سے ہوتی ہے۔

قصبہ سانکھنی اترپردیش کے ضلع بلند شہر میں جہانگیرآباد-اہار شاہراہ پر واقع ایک مشہور بستی ہے۔ جس کی آبادی ۱۵-۱۶ ہزار نفوس پر مشتمل ہے۔ یہاں کے ۹۵% باشندے کاشتکار ہیں۔ ۹۰% آبادی شیعہ افراد کی ہے۔ یہاں درگاہ شاہ نجف، درگاہ باب المراد، درگاہ بیت المراد، درگاہ باب زہرا، شیعہ جامع مسجد اور مغل مسجد جیسی قابل دید عمارات ہیں۔ سانکھنی کی چاروں درگاہیں محافل، مسالموں، مقاصدوں، سیمناروں، مجالس عزا وغیرہ کے لئے استعمال ہوتی ہیں۔ سانکھنی میں کچھ ایرانی النسل حضرات بھی ہیں۔ بیشتر آبادی نو مسلموں پر مشتمل ہے۔ اہل سنت کی تعداد ۲ یا ۳ فی صد ہے جو عقیدت رسول وآل رسول

۱۔ سانکھنی کی عزاداری کی معلومات جناب ریاضت علی شائق سانکھنوی سے دستیاب ہوئی، مولفِ کتاب ہذا شکرگذار ہے۔

اور عزاداری میں کسی سے کم نہیں۔ یہ خود بھی اپنی مجالس عزا اور علم برآمد کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ محرم شروع ہونے سے چند روز قبل جو سانکھنی والے دوسرے شہر میں مقیم ہیں وہ اپنے وطن سانکھنی آجاتے ہیں اور سوئم کی رسومات کے بعد واپس لوٹتے ہیں (سانکھنی کے تقریباً ۵-۶ ہزار باشندے ملازمت اور روزگار کے سلسلے میں دہلی میں آباد ہیں)۔

چاند رات سے ۱۲ محرم تک صبح سے رات تک کسی نہ کسی عزاخانے میں اہتمام مجلس ہوتا رہتا ہے جس میں سوز خوانی، پیش خوانی، تقریر، نوحہ خوانی و ماتم ہوتا ہے اور ہر شب کو شبیہ تابوت برآمد کیا جاتا ہے جو کربلا میں دفن کیا جاتا ہے۔ چھ محرم سے دس محرم تک خصوصیت کے ساتھ ماتم و نوحہ خوانی کا اہتمام ہوتا ہے۔

۶ محرم: باب المراد سے حضرت علی اکبرؑ کا شبیہ تابوت اور ذوالجناح برآمد ہوتا ہے۔ انجمن آل اطہر ماتم و نوحہ خوان کرتی ہے۔ زنجیر، شمشیر اور آگ پر بھی ماتم ہوتا ہے۔

۷ محرم: حضرت قاسم کا شبیہ تابوت و ذوالجناح کا جلوس قاضیوں کے محلے سے نکل کر جامع مسجد تک جاتا ہے۔ جلوس میں زنجیر و شمشیر اور آگ کا ماتم ہوتا ہے۔ نوحہ خوانی و ماتم انجمن حیدری کرتی ہے۔

۸ محرم: بعد نماز مغربین بستی کے ہر مکان سے علم حضرت عباس برآمد ہوتا ہے اور جلوس کی شکل میں مرثیہ، نوحے، ماتم کے ساتھ الگ الگ عزاخانوں میں جاتا ہے۔ درگاہ بیت المراد سے شبیہ گہوارۂ حضرت علی اصغر کا جلوس برآمد ہو کر کربلا تک جاتا ہے۔ انجمن حیدری ماتم و نوحہ خوانی کرتی ہے۔

شب عاشور: سانکھنی میں نو محرم کا دن حضرت عباس سے منسوب ہے۔ چاروں درگاہوں میں تعزیے رکھے جاتے ہیں۔ نذریں پیش کی جاتی ہیں۔ درگاہ شاہ نجف سے شبیہ تابوت حضرت عباس، درگاہ بیت المراد سے شبیہ تابوت حضرت عباس، حضرت عون و محمد برآمد ہوتا ہے۔ کچھ گھروں میں علم مبارک کی زیارت کا اہتمام ہوتا ہے۔ (خصوصاً تمام اہل سنت عزادار اپنے گھروں میں علم مبارک سجاتے ہیں اور اسے روز عاشورہ کی شام کو کربلا لے جاتے ہیں۔) رات کو تقریباً ایک بجے درگاہ شاہ نجف سے حضرت ابوالفضل عباس کا (شبیہ) تابوت برآمد ہو کر بستی میں گشت کرکے مسجد بارہ بھائیاں پہنچتا ہے۔ پھر تابوت کو کربلا میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ اِس جلوس میں سینکڑوں حضرات ہاتھوں میں خالی کوزے لئے ہوئے ماتم کرتے چلتے ہیں۔ اور نعرہ بلند کرتے ہیں "یا علی عباس سکینہ پیاسی ہے"۔ اِس جلوس کے فوراً بعد بازار میں درگاہ بیت المراد سے حضرت عباس اور حضرت عون و محمد کے تابوتوں کی شبیہیں برآمد کی جاتی ہیں۔ اِس میں بھی نوحہ خوانی نہیں ہوتی۔ پہلے جلوس کی طرح مومنین خالی کوزے لئے "یا علی عباس سکینہ پیاسی ہے" کی صدا بلند کرتے سر اور سینہ پیٹتے نکلتے ہیں۔ مشعلوں کی روشنی میں جلوس منظر بہت جذباتی ہوتا ہے۔ اِن جلوسوں میں شرکت کرنے ہزاروں کی تعداد میں لوگ سانکھنی آتے ہیں۔

لالہ کے پرشاد کی سالانہ مجلس عزا

شب عاشور کے جلوس کے بعد اور نماز فجر سے پہلے درگاہ بیت المراد میں لالہ کے پرشاد کے خاندان کے وارثین مجلس عزا کرتے ہیں۔ گذشتہ ۵۰ سال سے یہ سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔ زیادہ تر ویش خاندان والے کاروبار اور ملازمت کے سبب بستی چھوڑ کر دوسری جگہوں پر مقیم ہو گئے ہیں۔ (صرف ایک ویش خاندان باقی رہ گیا ہے) لیکن محرم کی عزاداری میں پابندی سے شرکت کرتے ہیں۔

روز عاشور

دسویں محرم کو صبح سے ہی مومنین کے مکانوں سے علم برآمد ہونے اور ماتم و نوحہ خوانی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ صبح ۹ بجے بستی والے گاؤں سے باہر "ستی" پر جمع ہو جاتے ہیں۔ اعمال روز عاشورہ انجام دئے جاتے ہیں۔ مجالس منعقد ہوتی ہیں۔ سانکھنی کی عیدگاہ میں بھی یہی اعمال عاشورہ انجام دیۓ جاتے ہیں۔ دوپہر دو بجے ہر عزاخانے سے تعزیے کا جلوس نکلتا ہے اور کربلا تک جاتا ہے۔ گاؤں کی سرحد پر ذوالجناح کا جلوس برآمد ہوتا ہے اور ماتم کا سلسلہ کربلا تک جاری رہتا ہے۔ زنجیر، چھریوں اور آگ کا ماتم ہوتا ہے۔

تعزیوں کے جلوس قصبہ سے دو سمتوں سے روانہ ہوتے ہیں۔ ایک طرف انجمن آل اطہر درگاہ شاہ نجف، درگاہ باب المراد، درگاہ باب زہرا سے جلوس عاشورہ برآمد کرتی ہے تو دوسری طرف انجمن حیدری درگاہ بیت المراد سے جلوس برآمد کرتی ہے۔ دونوں جلوس الگ الگ راستوں سے کربلا جاتے ہیں جو بستی سے تقریباً دو فرلانگ کے فاصلے پر ہے۔

قبیلہ بنی اسد کا شہداء کے لاشے اٹھانے کا منظر

تقریباً ۴۶ سال سے انجمن آل اطہر اِس روایت کا شاندار منظر پیش کرتی ہے۔ انجمن کے چند افراد سیاہ عربی لباس پہنے ہاتھوں میں برہنہ شمشیریں اور نیزے لئے ہوئے شہدائے کربلا کی لاشوں کی شبیہیں اٹھاتے ہیں جن میں خنجر اور تیر پیوست ہوتے ہیں۔ قبیلہ بنی اسد کے چھوٹے چھوٹے بچے دامن میں خاک لے کر لاشوں کو ڈھانپنے کی کوشش کرتے ہیں یا کچھ بچے حضرت علی اصغر کا گہوارہ اٹھائے سینہ زنی کرتے گزرتے ہیں تو دیکھنے والوں پر رقت طاری ہو جاتی ہے۔ حالانکہ بستی کی آبادی پندرہ بیس ہزار ہے لیکن اِس دن ہزاروں لوگ باہر سے آتے ہیں اور تعداد لاکھ سے زائد ہو جاتی ہے۔

شکار پور[1]

شکار پور (ضلع بلند شہر) میں شیعیت اور عزاداری کا آغاز حضرت سید شہاب الدین عبداللہ قطب العالم بخاری کی آمد سے ہوا۔ آپ کے جد امجد حضرت قطب الاقطاب مخدوم سید جلال الدین سرخ جہانیان جہاں گشت بخارہ سے سلطان التمش کے عہد حکومت میں ہندوستان آئے تھے۔ شکار پور (قدیم نام انی پور) میں حضرت سید عبداللہ بخاری ۸۹۴ھ مطابق ۱۴۸۸ء میں تشریف لائے۔ بادشاہ دہلی سلطان سکندر لودھی نے اِن کی رہائش کے احکام جاری کئے اور انی پور کا نام بدل کر گلشن آباد رکھا۔ مغل حکمراں بابر نے اِس جائداد کی توثیق کر دی۔ مغل شہزادوں کو یہ جگہ بہت پسند آئی وہ یہاں شکار کھیلنے آتے تھے اِس وجہ سے اِس جگہ کا نام شکار پور پڑ گیا (بحوالہ محور شائع کردہ تنظیم ارباب ولا شکار پور پاکستان ستمبر ۱۶۶۸ ص ۸، ۲۲) حضرت سید عبداللہ بخاری (جنھیں لوگ دادا عبداللہ کے نام سے پکارتے ہیں) کے مزار مقدس پر سال میں ایک بار قمری ماہ ذی الحجہ کی گیارہویں تاریخ کو عرس (قل شریف) منعقد ہوتا ہے جس میں بلا لحاظ مذہب و ملت لوگ شریک ہوتے ہیں۔

عزاداری کے ابتدائی دور میں جلوس و علم و تعزیہ کے آغاز میں ایک مخصوص متعین جگہ تک مرثیہ خوانی ہوتی تھی اور اِس کے بعد دو رویہ آمنے سامنے صف بنا کر سینہ زنی شروع ہوتی تھی۔ محرم روز عاشور اور چہلم کے جلوسوں میں آج بھی یہی طریقہ رائج ہے۔ آقائے ناصر الملت کے دور میں شہید ثالث (حضرت قاضی نور اللہ شوستری (آگرہ) کے مزار مقدس پر سالانہ مجالس شروع ہوئیں تو وہاں پورے ہندوستان سے شیعہ جمع ہونے لگے۔ وہاں لکھنؤ کی ماتمی انجمنیں بھی آتی تھیں اور نوحہ خوانی اور سینہ زنی کرتی تھیں۔ اِن مجالس میں اہل شکار پور بھی بڑی تعداد میں شریک ہوتے تھے۔ چنانچہ شکار پور والوں نے انجمن اصغری (بانی شیخ امام الدین حیدر) قائم کی جس سے سینہ زنی، نوحہ خوانی کا سلسلہ شروع ہوا اور زنجیر و قمع اور آگ پر ماتم کی بنیاد پڑی۔ اِس کے بعد انجمن اکبری، انجمن معین العزا وجود میں آئیں۔ اب تو اِن کے علاوہ انجمن خدام عزا، علی ایسو سی ایشن، انجمن پروانہ عزا وغیرہ کئی اور انجمنیں قائم ہوئیں۔ شکار پور میں عزاداری کے نگراں اور روح رواں رئیس شکار پور جناب ممتاز حسین نقوی تھے۔ آج بھی ان کے خاندان والے ترویج و فروغ عزاداری میں برابر تعاون کر رہے ہیں۔

محرم کی چاند رات سے ہی زنانی و مردانی مجالس و ماتم کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ (ان میں دورے کی مجلسیں بھی شامل ہیں) جو ۸ ربیع الاول تک جاری رہتا ہے۔ اِن کے علاوہ جلوس ہائے شبیہ تابوت محرم و صفر کی خاص تاریخوں میں برآمد ہوتے ہیں۔ رمضان میں مولا علی کی شہادت پر مجلسیں و شبیہ تابوت مولا علی برآمد ہوتے ہیں۔ یہ مجالس عزاخانوں اور فرداً فرداً لوگوں کے یہاں بھی بپا ہوتی ہیں۔ اِن تمام مصروفیات کے علاوہ بھی پورے سال تاریخ ہائے شہادت رسولؐ آل رسولؐ،

۱۔ شکار پور کی عزاداری کی تفصیلات جناب احسن شکار پوری نے مرحمت فرمائیں مؤلف ممنون ہے۔

مجالس اور جلوس کا اہتمام ہوتا ہے۔
ہر قمری ماہ کی پہلی جمعرات کو جلوس علم برآمد ہوتا ہے جس میں نوحہ خوانی و سینہ زنی ہوتی ہے۔ شیعہ حضرات اپنے تعزیے وقف کربلا میں دفن کرتے ہیں جو دادا عبداللہ کے مزار اقدس کے عقب میں بنی مسجد کے برابر واقع ہے۔
قصبہ شکارپور کی آبادی تقریباً ایک لاکھ افراد پر مشتمل ہے اس میں اہل سنت حضرات کی تعداد تقریباً ۲۵ ہزار جبکہ شیعہ آبادی تقریباً ۱۲ ہزار ہے۔ شیعہ حضرات کاروباری سلسلہ میں زیادہ تر دلی میں مقیم ہیں محرم میں یہ شکارپور آجاتے ہیں اور عزاداری کا فرداً فرداً اور بطور انجمن اہتمام کرتے ہیں۔ سنی حضرات بھی ماہ محرم میں اپنے جلوس علم و تعزیہ برآمد کرتے ہیں اور کربلا میں دفن کرتے ہیں۔ ہندو حضرات بھی عزاداری میں شرکت و تعاون کرتے ہیں۔ جناب لچھمن پرشاد اپنا شعری و نثری نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ سابق چیئرمین اور ایم۔ایل۔اے چودھری رگھوراج سنگھ عزاداری میں برابر شرکت فرماتے تھے۔

جلوس عماری

۸ ربیع الاول کو گذشتہ تقریباً بیس برس سے انجمن حیدری جلوس عماری برآمد کر رہی ہے۔ قبل ازیں انجمن آل اطہر کے زیر اہتمام بھی جلوس عماری منعقد ہوتا ہے۔ اِس میں شرکت کے لئے دور دراز سے ماتمی انجمنیں آتی ہیں اور نوحہ خوانی و ماتم میں حصہ لیتی ہیں۔ ۷ ربیع الاول کو شب بیداری کا پروگرام ہوتا ہے۔ ۸ ربیع الاول کی صبح درگاہ بیت المراد سے عماری کا جلوس برآمد ہوتا ہے جس میں مقامی اور بیرونی ماتمی انجمنیں ماتم و نوحہ خوانی کرتی ہیں۔ راستے میں نامور علماء اور مقررین خطاب فرماتے ہیں۔ تاریخی مناظر پیش کئے جاتے ہیں۔

غازی آباد[1]

یہ ایک تاریخی بستی ہے جو اب صنعتی اور تجارتی شہر بن گیا ہے۔ اِس میں شیعہ حضرات کی تعداد کم ہے۔ پھر بھی یہاں تین امام باڑے ہیں۔ محرم میں ماتمی مجالس کا اہتمام ہوتا ہے۔ نوحے اور سلام بھی پڑھے جاتے ہیں۔ یوم عاشور کو یہاں تعزیوں کا جلوس برآمد ہوتا ہے جو اسلام نگر سے بہو نجہ کی کربلا تک جاتا ہے۔ چہلم سے پہلے والے اتوار کو بھی ماتمی جلوس نکالا جاتا ہے۔

رسول پور دھولڑی[2]

یہ قصبہ اتر پردیش کے ضلع غازی آباد میں صنعتی شہر مودی نگر سے تقریباً ۹.۸ کلومیٹر دور واقع ہے یہاں سادات کی خاصی تعداد ہے جن کے مورث اعلیٰ سید شہاب الدین تھے۔ عزاداری پورے خلوص اور جوش کے ساتھ ہوتی ہے۔ ۷ محرم تک

---

[1]. غازی آباد کی عزاداری مولانا علی عباس صاحب سے بذریعہ ٹیلی فون حاصل ہوئی۔ مؤلف متشکر ہے۔
[2]. رسول پور دھولڑی کی عزاداری کی تفصیلات جناب ڈاکٹر طاہر حسین کاظمی صاحب نے فراہم کیں۔ مؤلف شکرگذار ہے۔

ایک دن میں کئی کئی مجالس ہوتی ہیں (پہلی مجلس ۸ بجے صبح اختیار حسین مرحوم کی امام بارگاہ، دوسری مجلس مظہر حسین مرحوم، تیسری مجلس محل امام بارگاہ سید بدر حسن مرحوم، چوتھی مجلس بعد ظہرین امام بارگاہ منشی سید اکبر علی مرحوم، پانچویں مجلس شام کو ۴ بجے امام بارگاہ کوٹھی سید حسن مرتضٰی مرحوم، شبر حسین۔ شب میں پہلی مجلس امام بارگاہ عمدہ بیگم مرحومہ بعد مغربین دوسری ۹ بجے امام بارگاہ سید عادل حسین مرحوم، تیسری مجلس ساڑھے گیارہ بجے رات دیوانخانہ عارف حسین مرحوم) مندرجہ بالا مجالس کا سلسلہ ۷ محرم تک جاری۔ رہتا ہے جن میں ملک کے مختلف مقامات سے تعلق رکھنے والے جید علماء خطاب کرتے ہیں۔ ۸ محرم کو مجالس میں اضافہ ہوتا ہے (ایک مجلس عون و محمد امام بارگاہ جاوید عرف بو میں، ایک مجلس امام بارگاہ سید علی قنبر ایک مجلس امام بارگاہ سید علی صغیر مرحوم، ایک مجلس امام بارگاہ سید غلام عباس مرحوم) ۹ محرم کو ایک مجلس امام بارگاہ سید ابرار حسین مرحوم، ایک مجلس دیوانخانہ انتظار حسین مرحوم منعقد ہوتی ہیں۔ ۵ ویں اور ۶ محرم کو امام بارگاہ سید حسین احمد میں نذر اور طعام کا معقول انتظام ہوتا ہے۔ مستورات کی مجالس کا اسی دوران میں الگ انتظام ہوتا ہے۔

۷ محرم کو جلوس علم ۳ بجے دن میں برآمد ہو کر قصبہ کا گشت کرکے قبل از مغرب دیوان خانہ پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ اِس میں انجمن اکبری اور انجمن اصغری کے دستے زنجیری ماتم کرتے ہیں۔ جلوس میں تقریباً ۵ ہزار لوگ شریک ہوتے ہیں۔ یوم عاشورہ کو صبح ۹ بجے امام بارگاہ منشی سید علی کبیر میں مجلس برپا ہوتی ہے۔ اِس کے فوراً بعد تمام افراد تقریباً ۵ سو میٹر کی دوری پر کربلا بمقام عیدگاہ نمازِ روز عاشورہ ادا کرتے ہیں۔ تقریباً ۳ بجے امام بارگاہ محل سید بدر حسن میں مجلس برپا ہوتی ہے۔ تقریباً ڈھائی بجے دیوان خانہ میں مجلس منعقد ہوتی ہے۔ جس میں ذوالجناح برآمد ہوتا ہے۔ وہاں سے امام بارگاہ حاجی غفور حسین مرحوم میں مستورات کے مابین جاتا ہے بعدہ محل میں جاکر یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے۔ اِس کے فوراً بعد دیوان خانہ سے جلوس کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ پہلا تعزیہ محل سے دیوان خانہ پہنچ کر اِرد گرد سے آئے تعزیوں کے جلوس میں شامل ہو جاتا ہے۔ جلوس جیسے جیسے آگے بڑھتا ہے دیگر جلوس تعزیہ اِس میں شامل ہوتے جاتے ہیں۔ تقریباً ۱۴ تعزیے ہوتے ہیں جس کی اونچائی دس بارہ فٹ ہوتی ہے۔ مغرب تک کربلا میں جاکر یہ جلوس ختم ہو جاتا ہے۔ لوگ تدفین کربلا کے بعد واپس لوٹتے ہیں۔ شام غریباں کی پہلی مجلس محل میں، دوسری امام بارگاہ سید ظہیر حیدر مرحوم اور تیسری دیوان خانہ میں برپا ہوتی ہے۔

میرٹھ[1]

راجدھانی دہلی سے تقریباً ۶۵ کلومیٹر دور شمال میں واقع میرٹھ مغربی اترپردیش کا اہم شہر ہے۔ یہاں حضرت امام حسینؑ اور شہدائے کربلا کے تئیں دلی خراج عقیدت پیش کرنے کی قدیم روایت ہے۔ عزاداری نہایت احترام اور خلوص کے ساتھ ہوتی ہے جس میں شیعہ، اہل سنت اور غیر مسلم حضرات بھی شرکت کرتے ہیں۔

ماہ محرم میں عزاخانوں اور گھروں میں خصوصی مجالس کا اہتمام ہوتا ہے۔ جگہ جگہ سبیلیں لگائی جاتی ہیں۔ شہر میں کئی امام باڑے ہیں جن میں مشہور اور قدیم بارگاہوں کے نام ہیں۔ امام باڑہ وقف زاہدیان، امام باڑہ وقف تقی حسین، امام باڑہ وقف محمد علی، امام باڑہ وقف منصبیہ اور چھوٹی کربلا۔ عشرۂ محرم میں اِن عزاخانوں میں مجالس اور جلوسوں کا سلسلہ رہتا ہے۔ اِس دوران میں بہت سے گھروں میں بھی درگاہیں نصب کر لی جاتی ہیں اور مجالس و ماتم ہوتے ہیں۔ اِن میں جرجیاں، خیرنگر میں اقتدار حسین، چروہ فیاض علی میں شاہ عباس کے گھر شامل ہیں۔

جلوسوں کا سلسلہ ۲ محرم سے ۱۰ محرم تک جاری رہتا ہے۔ ۴ محرم کو پورہ فیاض علی سے جلوس علم اور ۵ محرم کو امام باڑہ محمد علی سے جلوس ذوالجناح برآمد ہوتا ہے۔ سب سے بڑا جلوس شبیہ ذوالجناح امام باڑہ وقف تقی حسین سے ۶ محرم کو برآمد ہوتا ہے۔ ۱۰ محرم کو چھوٹی کربلا چودھری اوصاف علی کے عزاخانے سے بہت بڑا (چاندی کا پترا چڑھا) تعزیہ برآمد ہوتا ہے۔

شہر میرٹھ کی عزاداری کی ایک خصوصیت حسینی براہمن بھان لال کی تعزیہ داری ہے۔ انہوں نے لال کرتی میرٹھ چھاونی میں ایک امام بارگاہ بھی تعمیر کروائی ہے۔ جہاں سے گذشتہ ۲۰ برسوں سے جلوس برآمد ہو کر میرٹھ شہر آتا ہے جس میں لال بھان صاحب اور اُن کے صاحب زادے اپنے کندھے پر تعزیہ لاتے ہیں۔

میرٹھ کے گرد و نواح میں قصبوں، دیہاتوں میں باقاعدہ عزاداری کی روایت ہے۔ میرٹھ کی تحصیل موانہ میں چار امام باڑے ہیں۔ علاوہ ازیں کئی گاؤں میں بھی امام باڑے ہیں۔ جہاں عزاداری ہوتی ہے جن میں ٹگلا چاند، عبداللہ پور اور سیف پور شامل ہیں۔

ضلع مظفر نگر[2]

اترپردیش کے مغربی حصے کے اِس اہم ضلع میں "بارہہ سیدوں کا خاندان" بہت مشہور ہے۔ اِن میں سے جانسٹھ کے سیّد حسن علی خاں، اور سید حسین علی خاں تو مغلیہ دور میں "بادشاہ گر" کے نام سے مشہور تھے۔ بارہہ سیدوں نے مظفر نگر کے تمدن کو

---

۱. میرٹھ کی عزاداری کی معلومات ڈاکٹر محمد سجاد رضوی صاحب نے فراہم کی۔ مؤلف ممنون ہے۔
۲. ضلع مظفر نگر میں محرم کی عزاداری کی روایت (مقالہ) ڈاکٹر مسز عابد رضا زیدی، راہ اسلام، ہندوستان میں سنت عزاداری محرم سیمنار نمبر جون ۲۰۰۷ص ۱۷۰ تا ۱۷۹۔

بہت کچھ دیا اور اِس علاقے کی تاریخ بنیادی طور پر سیدوں کی تاریخ ہے۔ مسجد میں عزاداری نہیں ہوتی یہ صرف امام باڑوں میں ہی ہوتی ہے۔ ضلع مظفر نگر کے بہت سے گاؤں ایسے ہیں جہاں سیدوں کی آبادی خاصی بڑی تعداد میں ہے۔ سادات بارہہ کے علاقے کے ان تمام گاؤں میں جہاں سیدوں کی آبادی (پورے ضلع میں تقریباً ۴۰ گاؤں) میں مجلسیں ہوتی ہیں۔ جن کا آغاز سوز خوانی، سلام، مرثیہ اور تحت اللفظ سے ہوتا ہے پھر خطیب یا ذاکر کربلا کے واقعات بیان کرتا ہے۔ محرم کے جلوسوں میں علم، ضریح، تعزیے اور ذوالجناح نکالے جاتے ہیں۔ نوحہ خوانی کے ساتھ ساتھ سینہ زنی یا زنجیروں سے ماتم ہوتا ہے (کچھ لوگوں کی زنجیروں میں چھریاں لگی ہوتی ہیں) کربلا میں تعزیے بڑھائے جاتے ہیں۔ عزادار محرم میں سیاہ لباس پہنتے ہیں، آسائشی اشیاء سے پرہیز کرتے ہیں۔ محرم کا چاند دیکھنے کے بعد عورتیں چوڑیاں اور زیور اُتار دیتی ہیں۔ رنگین کپڑے نہیں پہنتیں۔ ہنسا سختی سے منع ہوتا ہے۔ بارہویں سے مجالس کا سلسلہ اربعین تک چلتا ہے۔ ککرولی گاؤں میں چہلم کی مجلس ہوتی ہے۔ سوگ اب ۸ ربیع الاول تک ہوتا ہے۔ ضلع مظفر نگر کے تین خاص مقامات کی عزاداری درج ہے۔

سمبھلیہڑا

ضلع مظفر نگر کا یہ پہلا گاؤں ہے جہاں سادات بارہہ نے سکونت اختیار کی تھی۔ آج بھی اِس گاؤں میں کئی سید خاندان ہیں۔ اِس گاؤں میں پانچ پرانے امام باڑے (امام باڑہ طالب علی، امام باڑہ مشرف حسین، امام باڑہ ساجد حسین، امام باڑہ ڈپٹی نثار حیدر اور امام باڑہ تقی) ہیں۔ طالب علی کا امام باڑہ لگ بھگ ۱۵۰ سال پرانا ہے۔ ماہ محرم کے پہلے دس دنوں میں روزانہ صبح کو دو مجلسیں (زنانی اور مردانی) ہوتی ہیں۔ ۶ محرم کو ضریح رکھی جاتی ہے اسے میراں پور قصبے سے لایا جاتا ہے۔ مہندی کا جلوس حضرت قاسم کی یاد میں ڈپٹی جعفر حسین کے امام باڑے سے یہاں آتا ہے۔ ۸ محرم کو اسی امام باڑے سے ایک تابوت لایا جاتا ہے اور سقہ کی روایت انجام دی جاتی ہے۔ اِس میں ہتھکڑی، بیڑی اور ڈھال نذر دی جاتی ہے۔ حضرت عباس کی یاد میں نوخیز لڑکے سقے بننے کی رسم ادا کرتے ہیں۔ ذوالجناح کے ساتھ ۸ویں اور دسویں کو علم کا جلوس نکلتا ہے۔ مقامی لوگ حدیث اور تحت اللفظ مرثیہ پڑھتے ہیں کوئی ذاکر یا خطیب مجلس کو خطاب کرتا ہے۔ (طالب علی کے امام باڑے میں لگ بھگ ۲ سو سال پرانا ایک پنجہ موجود ہے)۔

یہاں ایک اور امام باڑہ "بیچ کی ڈیوڑھی" کہلاتا ہے۔ جہاں پہلی سے ۹ محرم تک ایک اور دو بجے کے درمیان مجلسیں ہوتی ہیں۔ ساجد حسین کے امام باڑے اور مشرف حسین کے امام باڑے میں دن کے دس بجے زنانی اور مردانی مجلسیں ہوتی ہیں (ساجد حسین کے امام باڑے میں سو سال پرانی ایک ضریح موجود ہے)۔ ڈپٹی جعفر حسین کا عزاخانہ (جسے لوگ نقی امام باڑہ بھی کہتے ہیں) میں محرم میں رات کو مجالس عزا ہوتی ہیں۔ مختلف امام باڑوں میں منظم طریقے سے مقررہ وقت

مجلسیں ہوتی ہیں۔ پہلی سے دس صفر تک مولانا ممتاز کے گھر میں خواتین کے لئے شب بیداری ہوتی ہے اور ۱۱ سے ۲۰ صفر تک مردانہ عشرہ (یعنی مردوں کے لئے مجالس ہوتی ہیں) کا انعقاد ہوتا ہے۔ مجلسوں کا یہ سلسلہ امام باڑوں میں چہلم تک چلتا ہے۔

جانسٹھ

یہ علاقہ بارہہ سیدوں کی تھان پور شاخ کا مسکن ہے۔ یہاں کے دو بھائی سید حسن علی خاں اور سید حسین علی خاں آخری مغلیہ دور کی سیاست میں بہت اہم رہے۔ قصبہ جانسٹھ میں کئی مشہور امام باڑے ہیں، شیش محل، رنگ محل، جمعہ، جنت آباد، دونی محل، وغیرہ۔ شیش محل امام باڑہ سب سے پرانا ہے جسے سید حسین علی خاں نے ۱۷ویں صدی میں بنوایا تھا۔ سید حسین علی خاں نے ہی یہاں عزاداری کی ابتدا کی تھی۔ رنگ محل کا امام باڑہ سید ذوالفقار علی خاں نے بنوایا تھا۔ اب امام باڑہ کی صرف شہ نشین باقی ہے چھت نہیں ہے۔ شروع میں چند مجالس یہاں ہوتی تھی لیکن جب سے سید مظفر خاں نے ایک ضریح لا کر یہاں رکھی ہے مجلسوں کی تعداد بڑھ گئی۔ جمعہ امام باڑہ بہت پرانا ہے لیکن اِس کی تعمیر نو ہوئی ہے۔ اِس امام باڑے میں رسول اللہ کا قدم شریف بھی ہے جنت آباد کے امام باڑہ (جس کی تاریخ تعمیر ۱۳۰۹ھ ہے) محرم کے پہلے نو دنوں میں صبح مردوں کی اور شام کو عورتوں کی مجلس ہوتی ہے نویں کو ایک الوداعی مجلس ہوتی ہے۔ عشرے کا جلوس شیش محل سے برآمد ہوتا ہے رنگ محل کے لوگ سواری پڑھتے ہیں اور جلوس کلی دروازے سے ہوتا ہوا جمعہ امام باڑے پہنچتا ہے۔ یہاں ایک چھوٹی مجلس ہوتی ہے تمام امام باڑوں کے جلوس جمع ہو کر ایک بڑے جلوس کی شکل میں کربلا جاتے ہیں۔ شام کو رنگ محل امام باڑے میں شام غریباں کی مجلس ہوتی ہے۔ رات عزادار کربلا جا کر وہاں روشنیاں رکھتے ہیں۔ اِس کے بعد چہلم تک جنت امام بارگاہ میں روزانہ مجلس ہوتی ہے۔

مظفر نگر شہر

مظفر نگر شہر میں چھ امام باڑے ہیں۔ نیچ والا محلے میں شاہجہاں کے زمانے کا امام باڑہ موجود ہے۔ موتی محل امام باڑہ ابو سعید خاں نے بنوایا تھا۔ ندی والا امام باڑہ سید ذوالفقار علی مرحوم نے تعمیر کروایا تھا۔ محرم کے شروع کے چھ دنوں میں سبھی امام باڑوں میں مجلسیں ہوتی ہیں۔ پانچ تاریخ کو دو جلوس نکلتے ہیں جو بکرا مارکیٹ اور امام باڑہ خورجے والے کھالا پار سے برآمد ہوتے ہیں۔ چھ تاریخوں سے علموں کے جلوس شروع ہو جاتے ہیں۔ چھٹی محرم کو ایک مجلس انصاری روڈ نذر محمد ایڈوکیٹ کے گھر سے بھوکا محلّہ امام باڑے کے لئے نکلتا ہے۔ ساتویں اور آٹھویں کے جلوسوں میں سواری پڑھی جاتی ہے جو موتی محل (۷ محرم) اور ابو پورہ (۸ محرم) سے نکل کر شہر کے تمام امام باڑوں سے گزرتے ہیں۔ عاشورہ کو یہ دونوں

امام باڑوں کے جلوس بھگت سنگھ مارکیٹ پر مل جاتے ہیں اور کربلا چلے جاتے ہیں۔ اِن جلوسوں میں علم، ذوالجناح، تعزیہ
شامل ہوتے ہیں۔ یوم عاشور کو سنی حضرات بھی تعزیے نکالتے ہیں۔

ضلع بجنور

ضلع بجنور کے علاقے میں سادات کی بہت سی بستیاں ہیں۔ جن میں گوولی سادات، میمن سادات، جوگی پورہ (درگاہ نجف ہند)
وغیرہ میں عزاداری خاص اہتمام سے ہوتی ہے۔ نہٹور کے محرم کی جھلک قرۃ العین حیدر کے ناولوں میں ملتی ہے۔

گوولی سادات

زمینداروں کی بستی ہے۔ یہاں دو مسجدیں اور دو امام باڑے ہیں۔ ایک مردانہ ایک زنانہ۔ جہاں چاند رات سے ۸ ربیع الاول
تک عزاداری جاری رہتی ہے جس میں موضع سنگھا اور چاند پور کے سادات بھی حصہ لیتے ہیں۔

درگاہ نجف ہند
جوگی پورہ

ضلع بجنور کی عزاداری میں درگاہ نجف ہند جوگی پورہ (احمد پور سادات) کی خاص اہمیت ہے۔ یہ زیارت گاہ احمد پور کے رئیس
سید راجو کے زمانے میں آباد ہوئی جو شاہجہاں کے دیوان تھے۔ جب شاہجہاں کو اورنگ زیب سے خطرہ محسوس ہوا تو اُس نے
سید راجو کو اپنے خاص کمرے کی نگرانی سونپ دی۔ اورنگ زیب کے ہاتھوں میں عنانِ حکومت آئی تو عالمگیر بادشاہ کے عتاب
کے خوف سے سید راجو اپنے وطن جوگی پورہ میں آکر مقیم ہو گئے تھے اور رات دن نادِ علی کا ورد کرنے لگے۔

ایک دن حضرت علی اُن کی مدد کے لئے پہنچے اور ایک غریب براہمن جو وہاں گھاس کھود رہا تھا اُس کے ذریعے سید راجو کو
جنگل میں تنہا طلب کیا لیکن خبر ملتے ہی گاؤں والے ساتھ ہو لئے لیکن تب تک حضرت علی جا چکے تھے البتہ اُن کے گھوڑے
کے سموں کے نشان اور جھاگ زمین پر باقی رہ گیا تھا۔ سید صاحب نے اُسی وقت وہاں ایک چوکی بنا کر روضہ کی بنیاد ڈال دی
تب سے یہ جگہ درگاہ نجف ہند کہلاتی ہے۔ یہاں سال بھر باقاعدہ مجالس کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ عام طور پر ماہ مئی میں درگاہ
کی سالانہ مجالس ہوتی ہیں۔ جن میں ہندوستان اور پاکستان کے شیعہ زائرین، عقیدت مند سُنی اور ہندو حضرات شرکت
کرتے ہیں۔

بھنیرہ سادات ضلع بجنور کا جلوسِ ذوالجناح مشہور ہے۔

میمن سادات[1]

میمن سادات مغربی یوپی۔کے ضلع بجنور کی نجیب آباد تحصیل میں ایک شیعہ بستی ہے اس بستی کے مورث اعلیٰ سید شاہ اشرف علی الواسطی نے ۱۳۸۸ء بعہد سلطان فیروز شاہ تغلق آباد کیا تھا۔ علاقے کے حاکم زماں خاں نے یہ علاقہ بیع کر کے آپ سے یہاں بسنے کے لئے اصرار کیا۔ آپ نے جنگل کٹوا کر ایک بہت بڑا مکان بنوایا جس کا نام گڑھی رکھا۔ حاکم نے آپ کی سہولت کے لئے کچھ جلاہے، کمہار، اور دوسرے کاریگر لوگ آپ کو تحفے میں دیئے۔ آپ کو اس علاقے میں امن نصیب ہوا اس لئے آپ نے اسے مامن کہا جو بعد میں کثرتِ استعمال سے میمن ہو گیا۔

شاہ اشرف علی نے اپنے مکان موسومہ گڑھی میں ایک حصہ امام بارگاہ کے لئے مخصوص کر دیا اُن کی اولاد نے جب اپنے الگ مکانات بنوائے تو گھروں میں چند امام باڑے بنوا دیئے جن میں الگ الگ وقتوں میں مردانہ اور زنانہ مجالس برپا ہونے لگیں۔ دینی شان اور وسعت کے لحاظ سے پہلا پختہ اور دو منزلہ امام باڑہ چھتہ کہلاتا ہے۔ اِس کے اوپر کی منزلوں میں زنانہ مجالس ہوتی تھیں۔ وہیں سے خواتین مردانہ مجالس سنتی تھیں اب اِس امام باڑے کے انہدام کو ۲۰۰ برس سے زائد ہو گئے اِس امام باڑے سے متصل سید محمد میر کی تعمیر کردہ بارہ دری میں مجالس ہوتی ہیں۔ اِس امام باڑے کی ضریح اب تک موجود ہے جو دیوان خانہ میں ۱۷۶۶ء سے رکھی ہوئی ہے۔ اِس کی مرمت ۱۹۹۸ء میں سید فضل علی کے خاندان والوں نے کرائی تھی۔
۱۷۶۶ء میں مرکزی امام باڑہ دیوان خانہ فضل علی صاحبؒ نے بنوایا۔ پہلی محرم کے سارے جلوس یہیں سے نکلتے تھے لیکن اب سارے جلوس یہیں ختم ہوتے ہیں۔ روز عاشورہ کے اعمال بھی یہیں کروائے جاتے ہیں۔

زنانی مجالس کے لئے احاطے کے اندر ایک عمارت موسومہ "بنگلہ" ۱۸۸۹ء میں تعمیر ہوئی۔ یہاں کا تعزیہ ۱۹۱۹ء میں نجیب آباد کے عبد المجید صاحب نے بنایا تھا۔ ۱۹۰۹ء میں ایک دوسرا امام باڑہ حویلی حکیماں میں بنا جو "کوٹھی" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ سید آغا حسن ابن سید صدق علی نے تعمیر کروایا جو سید شاہ اشرف (بانی میمن) کی گیارہویں پشت میں تھے۔ کوٹھی میں زنانی مجالس ہوتی ہیں یہ مجالس ایک منت کی ہیں جو سید آغا حسن کی والدہ نے مانی تھی۔

ایک اور مرکزی امام باڑہ (بڑا امام باڑہ) واقع نزد حوض خاندان شاہ جی والان کی مقتدر ہستیوں کے تعاون سے ۱۹۴۰ء میں وجود میں آیا۔ اِس امام باڑے کے بارے میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ لوگ روز مٹھی مٹھی آٹا جمع کرتے پھر دو چار دن بعد اُس کو بیچ کر پیسے جمع کرتے تھے اِس طرح چٹکی فنڈ سے اِس بارگاہ امام کی تعمیر ہوئی۔ اِس امام باڑے میں مجالس تو کبھی کبھی منعقد ہوتی ہیں لیکن یہاں محرم کے تبرکات محفوظ رکھے جاتے ہیں جنہیں چاند رات سے قبل متعلقہ امام باڑوں میں سجایا

۱۔ میمن میں عزاداری (مقالہ) سید اسد حیدر رضا زیدی، راہ اسلام مذکورہ بالا جون ۲۰۰۷ء، ص ۱۶۰-۱۶۹۔

جاتا ہے۔ آج میمن سادات میں ۱۵ امام باڑے ہیں یہاں ماضی قریب تک صبح سے رات تک ۵ مجالس مردانہ اور دو زنانہ مجالس عشرۂ محرم میں ہوتی تھیں۔ صبح کی مردانہ مجلس انصاریان کے نوریوں کے امام باڑے میں اور دوسری ڈاکٹر غلام مرتضٰی مرحوم کی طرف سے اُن کے بہنوئی ڈاکٹر ابن حسین کے گھریلو امام باڑے میں، تیسری شام کو انصاریان کے امام باڑے میں، چوتھی جناب شفیق الحسن صاحب کے امام باڑے نزد بڑا تالاب اور آخری مجلس شب میں مرکزی امام باڑہ دیوان خانہ میں جناب علی اصغر مرحوم کے انتظام اور نگرانی میں ہوتی تھیں۔ زنانہ مجالس مذکورہ امام باڑوں میں جن بچوں کی منت ہوتی ہے اُن کو سقہ بنایا جاتا ہے۔ آٹھ محرم کے جلوس میں یہ تاریخی مرثیے پڑھے جاتے ہیں:

۱۔ کہتی سکینہ یہ تھی رونے کی اب نہیں میں

۲۔ جب قصد کیا نہر کا سقائے حرم نے۔

اِس کے بعد شبیہ علم حضرت عباس کا جلوس برآمد ہوتا ہے جو تاشوں کے ساتھ احاطے پہنچتا ہے۔ وہاں پھر یہ دونوں مراثی تھوڑے تھوڑے پڑھے جاتے ہیں اور شبیہ ذوالجناح برآمد ہوتا ہے۔ پھر جلوس جب احاطہ کے اندر (زنانہ امام باڑے) بنگلہ کا چکر لگا کر باہر نکلتا ہے تو یہ تاریخی نوحہ پڑھا جاتا ہے:

"خیمے سے چلارن کو جو عباس علمدار"

اِس کے بعد شبیہ ذوالجناح کو کوٹھی لے جایا جاتا ہے جہاں سب عورتیں اِس کی زیارت کرتی ہیں اور علم اٹھایا جاتا ہے پھر جلوس احاطے سے آگے بڑھتا ہے تو یہ تاریخی مرثیہ ہوتا ہے:

"جب علمدار کو میداں کی اجازت نہ ملی"

پورے جلوس کے دوران جگہ جگہ چائے کی سبیل ہوتی ہے یہ چائے مٹی کے پیالوں (سکوروں) میں پلائی جاتی ہے۔ یہ جلوس امروکے امام باڑے سے ہوتا ہوا نوریوں کے امام باڑے جاتا ہے۔ اِس کے بعد انجمن اصغریہ شبیہ تابوت حضرت عباس برآمد کرتی ہے۔ پھر جامع مسجد کے سامنے آگ پر ماتم ہوتا ہے۔ اِس کے بعد تابوت مسجد میں لے جایا جاتا ہے۔ پھر انجمن حسینیہ جامع مسجد کے پاس قبرستان جاتی ہے جہاں شاہ اشرف بانی میمن سید صادق علی، سید آغا حسن اور سید باقر رضا مرحومین کی قبریں ہیں اِس کے بعد جلوس املی والے امام باڑے پہنچتا ہے وہاں پر بڑے علموں کے پھریرے کھولے جاتے ہیں اُن پر لکھا یہ تاریخی نوحہ پڑھا جاتا ہے:

سقائے سکینہ شیدائے سکینہ

یہ نوحہ وہاں موجود سبھی لوگ پڑھتے ہیں وہاں سے جلوس ڈاکٹر صاحب کے امام باڑے کی طرف بڑھتا ہے۔ بڑھتے ہوئے یہ نوحہ پڑھا جاتا ہے: "یا سیدی یا عباس" اِس نوحے پر لوگ سر کا ماتم کرتے ہیں۔ دیوانخانہ پہنچ کر جلوس ختم ہو جاتا

ہے وہاں مجلس ہوتی ہے۔

۹ محرم کو نئے امام باڑے سے شبیہ تابوت حضرت علی اکبر برآمد کیا جاتا ہے۔ رات میں دیوانخانہ کی مجلس کے بعد شبیہ تابوت حضرت علی اکبر کے ساتھ حضرت علی اصغر کے جھولے کی شبیہ برآمد کی جاتی ہے۔

شب عاشور کو اعمال کے بعد تمام انجمنیں امام باڑوں کا گشت کرتی ہیں جہاں اِن کے لئے چائے کا اہتمام ہوتا ہے۔ نَو بجے وقت گشت ختم ہوتا ہے پھر صبح کو دیوان خانہ، املی والا امام باڑہ اور کربلا میں اعمال روز عاشورہ ہوتے ہیں۔ اِس دن سب لوگ فاقہ کرتے ہیں۔ یوم عاشورہ کا جلوس دیوان خانہ سے شروع ہوتا ہے وہاں یہ دو تاریخی مرثیے پڑھے جاتے ہیں:

۱۔ قتل کی رات کو تھی شام سے گریاں زینب

۲۔ آج زینب یوں کہے بھائی مرا سرور نہیں

اِس کے بعد تاریخی ضریح نکالی جاتی ہے۔ پھر سب امام باڑوں اور گھروں سے منتی ضریحیں نکالی جاتی ہیں۔ سب تعزیے احاطے کے باہر جمع ہوتے ہیں اور وہاں سے جلوس کی شکل میں آگے بڑھتے ہیں۔ راستے میں یہ تاریخی مرثیہ پڑھا جاتا ہے:

"جب قافلہ حرم کا چلا سر کھلا ہوا"

جب جلوس املی والے امام باڑے پہنچتا ہے وہاں مجلس میں یہ مرثیہ پڑھا جاتا ہے:

"آج شبیر پہ کیا عالم تنہائی ہے"

اِس کے علاوہ احاطہ اور حکیموں کی حویلی میں مجالس ہوتی ہیں۔ عشرۂ محرم میں مجلس پڑھنے والوں میں مقامی حضرات کی تعداد اتنی ہوتی تھی کہ پڑھنے والوں کو کافی نہ پڑھ پانے کی شکایت رہتی تھی۔ عشرہ سے ۸ ربیع الاول تک بیرونی ذاکرین اور علماء حضرات کو مدعو کیا جاتا تھا۔ نوحے اور سلام وغیرہ بستی کے نوجوان خود کہتے اور پڑھتے ہیں۔ دیوان خانہ اور ڈاکٹر ابن حسین کے مکان پر میر انیس، مرزا دبیر، میر خلیق، میر ضمیر، کے تصنیف کردہ مراثی کی تحت میں ذاکری ہوتی تھی۔ بقیہ امام باڑوں میں حدیث خوانی ہوتی تھی۔

عشرہ محرم میں پہلا جلوس ۸ محرم کو امام باڑہ املی والے سے نکلتا ہے ذوالجناح بج کر پوری بستی کا گشت کرتا ہے یہ جلوس دیوان خانہ پر تمام ہوتا تھا۔ دوسرا جلوس عاشورہ دیوان خانہ سے شروع ہو کر پوری بستی کے گشت کے بعد حوض پر ختم ہوتا تھا۔

آج بستی میں مجنوں شاہ کا امام باڑہ، جگنی کا امام باڑہ، امرود کا امام باڑہ، نوریوں کا امام باڑہ، امام باڑہ اہل بیت، نیا امام باڑہ، اصغریہ امام باڑہ، امام باڑہ زینبیہ، ڈاکٹر صاحب کا امام باڑہ، ماما کا امام باڑہ، شاہ اشرف علی کا منہدم چھتہ امام باڑہ، امام باڑہ دیوانخانہ، امام باڑہ حویلی حکیماں، بڑا امام باڑہ چنگی فنڈ، بنگلہ، مرکزی امام باڑہ وغیرہ امام بارگاہیں ہیں۔

میمن سادات میں عزاداری کی روایت بہت قدیم ہے۔ عاشورہ کے دن الاؤ دہکائے جاتے ہیں جس کے چاروں طرف ماتم ہوتا ہے۔ امام باڑہ دیوانخانہ بننے کے بعد جلوس برآمد ہونا شروع ہوئے۔ جلوس میں تاشوں اور نقاروں کی آواز کے ساتھ ماتم ہوتا ہے۔ نوحے صرف امام باڑوں میں پڑھے جاتے ہیں۔ میمن کے کچھ لوگ جو تعلیم کے سلسلہ میں لکھنؤ گئے اُنھوں نے واپس آکر انجمن حسینیہ بنائی۔ اسی زمانے یعنی ۱۹۳۱ء سے شبیہ ذوالجناح برآمد ہونے کی روایت قائم ہوئی۔ اِس جلوس میں یہ نوحہ پڑھا جاتا ہے:

"جو نہر پہ پیاسا سوتا ہے یہ اُس کی سواری آتی ہے"

چاند رات میں جلوس دیوان خانہ سے برآمد ہوتا ہے جو سب امام باڑوں میں جاتا ہے اُس میں یہ نوحہ پڑھا جاتا ہے:

پھر چاند محرم کا نمودار ہوا ہے

جب جلوس دیوانخانہ پہنچتا ہے اور مجلس ہوتی ہے وہاں یہ مرثیہ پڑھا جاتا ہے:

"محرم آیا ہے اے محبّوِ رسول روتے ہیں کربلا میں"

پہلی محرم سے آٹھ مردانہ اور تین زنانہ مجالس ہوتی ہیں۔

محرم کی چوتھی تاریخ کو دیوان خانہ میں حضرت زینب کے بیٹوں سے منسوب یہ تاریخی مرثیہ پڑھا جاتا ہے:

"ستاروں کی آمد ہے کالی گھٹا میں"

چھ محرم کو نئے امام باڑے کی مجلس کے بعد شبیہ تابوت جناب عون محمد برآمد کیا جاتا ہے۔ رات کو دیوان خانہ میں یہ تاریخی مرثیہ ہوتا ہے:

اصحاب جاں نثار رسولِ خدا کے تھے

سات محرم کو عصر کے بعد امروکے امام باڑے میں مجلس کے بعد شبیہ تابوت حضرت قاسم برآمد ہوتا ہے اِس کے بعد جلوس نکلتا ہے جو ماماکے امام باڑے پر ختم ہوتا ہے۔ اِس دوران سب امام باڑوں اور گھروں سے یہ نوحہ پڑھ کر مہندی اٹھائی جاتی ہے:

اس کو مجرا جو کہتی تھی رو کر
مہندی آتی ہے قاسم بنے کی

آٹھ محرم کو سب مجالس ایک بجے سے قبل ختم کر دی جاتی ہیں اُسی دن گھروں سے منت کے علم برآمد کئے جاتے ہیں اور اِس کے بعد یہ مرثیہ پڑھا جاتا ہے:

"حسین جبکہ چلے بعد دوپہر رن کو"

مجلس کے بعد شبیہ ذوالجناح برآمد کیا جاتا ہے اور نوحہ پڑھا جاتا ہے:

گھوڑا نکل رہا ہے شہ مشرقین کا

اِس کے بعد جلوس مجنوں شاہ کے امام باڑے سے ہوتا ہوا چھتہ پہنچتا ہے۔ وہاں پہ مجلس ہوتی ہے اور یہ تاریخی مرثیہ پڑھا جاتا ہے

"روانہ نہر لبن کو جو شیر خوار ہوا"

مجلس کے بعد ایک اور مرثیہ پڑھا جاتا ہے:

"جب ہوئی ظہر تلک قتل سپاہ شبیر"

یہ جلوس بڑے امام باڑے کی طرف بڑھتا ہے وہاں حوض کے کنارے زنجیری ماتم ہوتا ہے۔ پھر امام باڑوں کی ضریحیں بڑے امام باڑے میں رکھ دی جاتی ہیں اور باقی ۳۵، ۳۰ تعزیے ڈولا والی کربلا میں لے جا کر دفنا دئے جاتے ہیں وہاں پر یہ تاریخی نوحہ پڑھا جاتا ہے:

صدالوداع حسینا

اِس کے بعد زیارت عاشورہ پڑھائی جاتی ہے۔ پھر واپس آکر جگہ جگہ فاقہ شکنی کروائی جاتی ہے۔ رات میں سب امام باڑوں میں چھوٹی مجلس شام غریباں ہوتی ہیں۔ پھر بڑی مجلس دیوان خانے میں ہوتی ہے۔ مجلس کے بعد سب لوگ کربلا ڈولی والی میں جاتے ہیں اور وہاں موم بتیاں روشن کی جاتی ہیں۔ کوٹھی اور بنگلہ میں زنانی مجالس میں تاریخی مرثیے اور نوحے پڑھے جاتے ہیں۔ تاریخ کے حساب سے علم اور تابوت برآمد کئے جاتے ہیں۔

میمن کی عزاداری میں پورا میمن سادات شریک رہتا ہے۔ محرم کے دنوں میں میمن سے باہر رہنے والے بھی میمن پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آٹھ اور دس محرم کو قرب و جوار کی بستیوں کے لوگ بھی شریک ہونے اور عزاداری کرنے آتے ہیں۔ میمن کے اہل سنت اور چند ہندو بھی اپنے تعزیے جلوس کے ساتھ نکالتے ہیں۔

روہیل کھنڈ

امروہہ

امروہہ (جسے یہاں کے عزادار امروہا لکھنا زیادہ پسند کرتے ہیں کیونکہ یہ کربلا کا ہم عدد "۲۵۳" بن جاتا ہے)۔ عزاداری کے حساب سے امروہہ بقول پروفیسر عزیزالدین حسین ہمدانی شمالی ہندوستان میں لکھنؤ کے بعد اگلے نمبر پر آتا ہے[۱] امروہہ کی

[۱] پروفیسر عزیزالدین حسین: میڈیول ٹائمز۔ اے کیس اسٹڈی آف امروہہ اینڈ جلالی ۱۹۹۵، ص ۲۳۔

میمن سادات میں عزاداری کی روایت بہت قدیم ہے۔ عاشورہ کے دن الاؤ دہکائے جاتے ہیں جس کے چاروں طرف ماتم ہوتا ہے۔ امام باڑہ دیوانخانہ بننے کے بعد جلوس برآمد ہونا شروع ہوئے۔ جلوس میں تاشوں اور نقاروں کی آواز کے ساتھ ماتم ہوتا ہے۔ نوحے صرف امام باڑوں میں پڑھے جاتے ہیں۔ میمن کے کچھ لوگ جو تعلیم کے سلسلہ میں لکھنؤ گئے اُنھوں نے واپس آکر انجمن حسینیہ بنائی۔ اسی زمانے یعنی ۱۹۳۱ء سے شبیہ ذوالجناح برآمد ہونے کی روایت قائم ہوئی۔ اِس جلوس میں یہ نوحہ پڑھا جاتا ہے:

"جو نہر پہ پیاسا سوتا ہے یہ اُس کی سواری آتی ہے"

چاند رات میں جلوس دیوان خانہ سے برآمد ہوتا ہے جو سب امام باڑوں میں جاتا ہے اُس میں یہ نوحہ پڑھا جاتا ہے:

پھر چاند محرم کا نمودار ہوا ہے

جب جلوس دیوانخانہ پہنچتا ہے اور مجلس ہوتی ہے وہاں یہ مرثیہ پڑھا جاتا ہے:

"محرم آیا ہے اے محبّو رسول روتے ہیں کربلا میں"

پہلی محرم سے آٹھ مردانہ اور تین زنانہ مجالس ہوتی ہیں۔

محرم کی چوتھی تاریخ کو دیوان خانہ میں حضرت زینب کے بیٹوں سے منسوب یہ تاریخی مرثیہ پڑھا جاتا ہے:

"ستاروں کی آمد ہے کالی گھٹا میں"

چھ محرم کو نئے امام باڑے کی مجلس کے بعد شبیہ تابوت جناب عون محمد برآمد کیا جاتا ہے۔ رات کو دیوان خانہ میں یہ تاریخی مرثیہ ہوتا ہے:

اصحاب جاں نثار رسولِ خدا کے تھے

سات محرم کو عصر کے بعد امروکے امام باڑے میں مجلس کے بعد شبیہ تابوت حضرت قاسم برآمد ہوتا ہے اِس کے بعد جلوس نکلتا ہے جو ماما کے امام باڑے پر ختم ہوتا ہے۔ اِس دوران سب امام باڑوں اور گھروں سے یہ نوحہ پڑھ کر مہندی اٹھائی جاتی ہے:

اس کو مجرا جو کہتی تھی رو کر
مہندی آتی ہے قاسم بنے کی

آٹھ محرم کو سب مجالس ایک بجے سے قبل ختم کر دی جاتی ہیں اُسی دن گھروں سے منت کے علم برآمد کئے جاتے ہیں اور اِس کے بعد یہ مرثیہ پڑھا جاتا ہے:

"حسین جبکہ چلے بعد دوپہر رن کو"

مجلس کے بعد شبیہ ذوالجناح برآمد کیا جاتا ہے اور نوحہ پڑھا جاتا ہے:

گھوڑا نکل رہا ہے شہ مشرقین کا

اِس کے بعد جلوس مجنوں شاہ کے امام باڑے سے ہوتا ہوا چھتہ پہنچتا ہے۔ وہاں پر مجلس ہوتی ہے اور یہ تاریخی مرثیہ پڑھا جاتا ہے:

"روانہ نہر لبن کو جو شیر خوار ہوا"

مجلس کے بعد ایک اور مرثیہ پڑھا جاتا ہے:

"جب ہوئی ظہر تلک قتل سپاہ شبیر"

یہ جلوس بڑے امام باڑے کی طرف بڑھتا ہے وہاں حوض کے کنارے زنجیری ماتم ہوتا ہے۔ پھر امام باڑوں کی ضریحیں بڑے امام باڑے میں رکھ دی جاتی ہیں اور باقی ۳۵، ۳۰ تعزیے ڈولا والی کربلا میں لے جاکر دفنا دئے جاتے ہیں وہاں پر یہ تاریخی نوحہ پڑھا جاتا ہے:

صد الوداع حسینا

اِس کے بعد زیارت عاشورہ پڑھائی جاتی ہے۔ پھر واپس آکر جگہ جگہ فاقہ شکنی کروائی جاتی ہے۔ رات میں سب امام باڑوں میں چھوٹی مجلس شام غریباں ہوتی ہیں۔ پھر بڑی مجلس دیوان خانے میں ہوتی ہے۔ مجلس کے بعد سب لوگ کربلا ڈولی والی میں جاتے ہیں اور وہاں موم بتیاں روشن کی جاتی ہیں۔ کوٹھی اور بنگلہ میں زنانی مجالس میں تاریخی مرثیے اور نوحے پڑھے جاتے ہیں۔ تاریخ کے حساب سے علم اور تابوت برآمد کئے جاتے ہیں۔

میمن کی عزاداری میں پورا میمن سادات شریک رہتا ہے۔ محرم کے دنوں میں میمن سے باہر رہنے والے بھی میمن پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آٹھ اور دس محرم کو قرب و جوار کی بستیوں کے لوگ بھی شریک ہونے اور عزاداری کرنے آتے ہیں۔ میمن کے اہل سنت اور چند ہندو بھی اپنے تعزیے جلوس کے ساتھ نکالتے ہیں۔

روہیل کھنڈ

امروہہ

امروہہ (جسے یہاں کے عزادار امروہا لکھنا زیادہ پسند کرتے ہیں کیونکہ یہ کربلا کا ہم عدد "۲۵۳" بن جاتا ہے)۔ عزاداری کے حساب سے امروہہ بقول پروفیسر عزیزالدین حسین ہمدانی شمالی ہندوستان میں لکھنؤ کے بعد اگلے نمبر پر آتا ہے[1] امروہہ کی

[1] پروفیسر عزیزالدین حسین: میڈیول ٹائمز۔ اے کیس اسٹڈی آف امروہہ اینڈ جلالی ۱۹۹۵، ص ۲۳۔

سماجی زندگی میں عام طور پر اور شیعہ آبادی میں خاص طور پر محرم کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ یہاں عزاداری کی ابتدا کب ہوئی اُس کے متعلق کوئی تاریخ متعین نہیں کی جاسکتی لیکن یہ صدیوں پرانی ہے۔

باقاعدہ طور پر جو سید خاندان امروہہ میں آباد ہوا وہ سید العارفین الملقب بہ سید شرف الدین شاہ ولایت کا ہے[1]۔ جو دسویں امام علی نقی کی نویں پشت میں تھے۔ (آج بھی سادات نقوی کی سکونت شہر کے اکثر محلوں میں ہے، اِس لئے خیال ہے کہ اُس دور میں امروہہ میں عزاداری کسی نہ کسی شکل میں موجود ہوگی۔ شاہ صاحب بعہد غیاث الدین بلبن یہاں تشریف لائے اور وہاں پہلا قیام کیا جو اب بچدرہ کہلاتا ہے[2]۔ امام مرتضیٰ نقوی کا خیال ہے کہ اِن کے زمانے میں حیدری اور جلالی نقراء کی جماعتیں امروہہ میں موجود تھیں اور جن کے وجود کا ثبوت ابن بطوطہ کی آمد کے زمانے (۷۴۱ھ) میں ملتا ہے[3]۔ یہ جماعتیں ملتان سے شاہ صاحب کے ساتھ آئی ہوں گی۔ لیکن اُس وقت باقاعدہ عزاداری ممکن نہیں تھی کیونکہ نہ تو شیعیان علی کی بھرپور تعداد ہی وہاں موجود تھی اور نہ ہی حکومت کی طرف سے اُنہیں مذہبی آزادی مل سکتی تھی حالانکہ حسینی خاندان (شاہ ولایت کے فرزند اکبر قاضی سید امیر علی کی نسل سے) کے علاوہ اور شیعہ خاندان بھی موجود تھے۔ مثلاً خاندان نوگیاں جن کا سلسلۂ نسب سید عمر اشرف بن امام زین العابدین تک پہنچتا ہے اور شاہ صاحب کے عم محترم سید عزیزالدین کی نسل سے ایک بڑا خاندان نوگاواں سادات میں آباد ہوا[4]۔ عباسی نے سادات نوگاواں کو سید عزیزالدین کی نسل سے بتایا ہے حالانکہ اِن کا شجرۂ نسب حضرت بدرالدین اسحٰق سے جا کر ملتا ہے جو بابا گنج شکر کے داماد تھے۔ ڈاکٹر محمد عمر نے اِس کی تائید کی ہے۔ (خود سادات نوگاواں والے بھی اِس کو قبول کرتے ہیں) لیکن عزاداری کا باقاعدہ سلسلہ عہد اکبری سے شروع ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ امروہے کا قدیم امام باڑہ جو سید ناہر اور سید فیض سے منسوب ہے اسی دور کی یادگار ہے اور بقول صاحب تاریخ واسطیہ زمانہ ماضیہ میں کل شہر کے سادات و دیگر اشخاص مذہب شیعہ مجتمع ہو کر اس امام باڑے میں تعزیہ داری اور ماتم داری کیا کرتے تھے۔ عہد جہانگیر میں خاندانِ دانشمندان کے جد بزرگوار مولانا سید اشرف دانشمند امروہہ آئے اِن کا سلسلہ نسب سید موسیٰ بن امام محمد تقی الجواد تک پہنچتا ہے[5]۔ البتہ جلوس کا سلسلہ عہد عالمگیر سے شروع ہوا۔ اورنگ زیب کے عہد میں ایک ایرانی شاہ مسکین نامی امروہہ آئے انہوں نے جلوس کی ابتدا کی۔ لیکن مخالفین نے اِن کے قتل کا فتویٰ حاصل کرکے انہیں شہید

---

۱. محمود عباسی: تاریخ امروہہ (قصص الاولین موعظۃ الاخرین)، ص ۱۸۱۔

۲. امروہہ کی عزاداری (مضمون) امام مرتضیٰ نقوی، ماہنامہ آج کل، دسمبر ۱۹۷۹ء، ص ۱۳۲۔

۳. ایضاً۔

۴. محمود عباسی: تاریخ امروہہ، ص ۱۸۱۔

۵. ایضاً۔

کر دیا[1]۔ امروہہ کی تاریخ سے متعلق پرانی کتابوں (تاریخ واسطیہ، تاریخ اصغری اور نخبۃ التواریخ) میں عزاداری کی ابتدا شاہ مسکین سے ہی منسوب کی ہے[2]۔ اِنہیں ڈاکٹر امام مرتضی نقوی نے محمود عباسی کے حوالے سے گیارہویں صدی ہجری (یعنی دور عالمگیر) کی شخصیت بتایا ہے[3]۔ ایک قبر امروہہ کے سب سے قدیم بارگہ امام (چاند سورج امام باڑہ) میں انہیں کے نام سے منسوب ہے۔ یہ امام باڑہ تقریباً ۴۰۰ سال قبل تعمیر ہوا تھا[4]۔ (علی عباس نقوی نے اِس بارگاہ کی عمر چار سو سال یعنی ۱۶۴۲ء سن تعمیر کے مطابق بتائی جاتی ہے[5]۔ لیکن بقول جناب غلام حیدر نقوی اِن حقایق سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ علموں کے جلوس برآمد ہونے کب شروع ہوئے؟[6]۔

عہد عالمگیر میں جلوس علم کا ثبوت ۹ محرم کو نکلنے والے نشانوں سے بھی ملتا ہے "سید محمد میر عدل کے فرزند شاہ ابوالحسن شاہ شہنشاہ اکبر کے یہاں منصب دار تھے۔ امروہہ آتے ہوئے گڑھ مکتیشر میں قیام کیا وہاں میاں الہ بخش گنج بخش سے ملاقات ہوئی۔ موصوف نے ایک تلوار اور ایک نیزہ یہ کہہ کر سید صاحب کو نذر کیا کہ: "یہ تبرکات زید شہید کے ہیں جو ہمارے سلسلہ میں امانتاً اور وصیتاً سو سال متواتر چلے آتے ہیں"[7]۔

صاحب تاریخ اصغری لکھتے ہیں کہ میاں الہ بخش کو شیخ مبارک بالا دست جھنجھانہ والے سے یہ تبرکات ملے تھے اور ان کو یہ سید علی عاشقان سرائے میر والے سے ملے تھے جو عارف باللہ اور زید شہید کی اولاد میں تھے۔ اِس تلوار اور نیزے کو شاہ ابوالحسن بڑے احترام کے ساتھ امروہہ لے آئے اور اُن کی اولاد میں یہ تبرکات محفوظ رہے۔ جب سید دوست علی نے کنکوئی پر عزاخانہ تعمیر کرایا تو خاندان کے دوسرے حضرات کو بھی دلچسپی پیدا ہوئی۔ ایک بزرگ سید مکھوجی نے تبرکات میں سے زید شہید کے نیزے میں پرچم لگا کر اُس کو نشان بنا کر شہر کی گشت کرانا چاہا تو سید دوست علی سے مشورہ کیا انہوں نے فرمایا کہ صرف دربار کلاں سے بڑے امام باڑے لے آؤ۔ چنانچہ اِس علم کو نصب کرنے کے لئے ایک اونچا چبوترا بنا کر

---

۱. محمود عباسی: تاریخ امروہہ، ص ۱۸۱۔

۲. ایضاً، ص ۲۳۔

۳. ایضاً۔

۴. رحیم بخش: تاریخ واسطیہ، ص ۳۸۷۔

۵. علی عباس نقوی: امروہہ کے عزاخانے (تاریخ، تفصیل و کوائف)، ص ۷ تا ۱۵۔

۶. امروہہ میں عزاداری تاریخی پس منظر اور صورت حال، (مقالہ) سید غلام حیدر نقوی، ہندوستان میں سنت عزاداریٔ محرم، راہ اسلام، جون ۲۰۰۷ء، ص ۲۷۱۔

۷. امروہہ کی عزاداری (مضمون) امام مرتضیٰ نقوی مذکورہ بالا۔

اُس پر علم نصب کر دیا گیا[1]۔

شواہد سے یہ بات طے ہے کہ امروہہ میں علموں کا پہلا جلوس محلہ قاضی زادوں سے ۸ محرم کو برآمد ہوا تھا اب صورتِ حال یہ ہے کہ محرم میں پہلا جلوس بچپدرہ کے دلیہ امام باڑے سے نکلتا ہے۔ آج امروہہ میں ۲۷ امام باڑے ہیں[2]۔ مولانا محمد سیادت، موجودہ امام جمعہ و جماعت کے مطابق شہر میں امام باڑوں کی تعداد ۱۰۰ پہنچ گئی ہے[3]۔ اِن میں وہ چھوٹے امام باڑے شامل نہیں ہیں جو عورتیں اپنے گھروں میں سجاتی ہیں اور روزانہ وقت مقررہ پر نوحہ خوانی اور ماتم کرتی ہیں۔

امام باڑوں میں عزاداری کا سلسلہ ۲۵ ذی الحجہ سے ۸ ربیع الاول تک یعنی ۷۲ دن جاری رہتا ہے۔ ۲۵ ذی الحجہ سے محرم کے رویت الہلال تک زنانی مجلس ہوتی ہیں۔ اِن کے لئے اصطلاح "کتاب شروع ہونا" مستعمل ہے[4]۔ ۱۰ محرم تک مجالس میں چھوٹے امام باڑوں میں محلے کے چند گھروں کے افراد شامل ہوتے ہیں۔ شہر میں لگ بھگ ایک درجن امام باڑے ایسے ہیں جہاں بڑی مجالس ہوتی ہیں۔ مجالس عزا زیادہ تر صبح کی نماز کے بعد سے شروع ہو کر نو یا دس بجے تک ختم ہو جاتی ہیں اور شام کو بعد نماز مغربین شروع ہو کر رات تک جاری رہتی ہیں۔ دن کی مجالس میں حاضری کم ہی ہوتی ہے کیونکہ علموں کے جلوس میں شرکت کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔

یکم محرم سے ہر عزاخانے سے نوبت اور نقارے کی آواز آنے لگتی ہے لیکن کوئی جلوس نہیں نکلتا۔ ہر امام باڑے میں اپنے وقت مقررہ پر مجالس کا انعقاد ہوتا ہے۔ اِن میں سامعین کی تعداد خاصی ہوتی ہے۔

علموں کے جلوس

مختلف عزاخانوں کے جلوس نکلتے ہیں۔ متفقہ رائے یہ ہے کہ (جلوسوں کی شکل جو شروع میں غیر منظم و غیر مستحکم رہی ہوگی رفتہ رفتہ مستحکم ہوتی چلی گئی۔ اب تو معمولی جزوئیات بھی پختہ روایت کی شکل اختیار کر چکی ہیں۔ علموں کا جلوس پہلے محلہ قاضی زادہ مسکن و مدفن مسکین شاہ سے ۸ محرم کو شروع ہوا تھا[5]۔

۱

---

۱. تاریخ اصغری بحوالہ رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۳۲۳۔
۲. عزاداری کا امروہہ کی تہذیب و ثقافت پر اثر (مضمون) ڈاکٹر سید شہوار حسین نقوی، مجلہ انجمن تحفظ عزاداری امروہہ ۲۰۱۱، ص ۳۷۔
۳. امروہہ میں عزاداری تاریخی پس منظر اور صورت حال (مقالہ) سید غلام حیدر نقوی، ص ۲۷۲، مذکورہ بالا۔
۴. علی عباس نقوی: امروہہ کے عزاخانے۔ امروہہ کی عزاداری (مضمون) ڈاکٹر امام مرتضیٰ نقوی، ص ۱۴۱، مذکورہ بالا۔
۵. سید غلام حیدر نقوی: امروہہ کی عزاداری اہمیت اور مستقبل کی فکر، ص ۲۶ (کتابچہ) ۲۰۰۲ء۔

اب جو جلوس نکلتے ہیں اُن میں سے خاص یہ ہیں: ۱۔ عزاخانہ ولیہ محلہ بچدرہ (۳ محرم) ۲۔ عزاخانہ حرمت شاہ مجھ ہٹہ (۴ محرم) ۳۔ رفاقتی سقے کے نام سے منسوب جلوس (۵ محرم) سدو محلّہ سے نکلتا ہے (عزاخانہ رفاقتی کی تمام اخراجات اور ذمہ داریاں امروہہ کے کمبوہ خاندان نے لے لیں) اب یہ سلسلہ حکیم راحت علی خاں صاحب کے خاندان میں جاری ہے ۶۔ عزاخانہ مسماۃ نورن واقع محلّہ دستار سیاہ (۶ محرم) چھ محرم کی صبح نذر امام حسینؑ کا خاص اہتمام ہوتا ہے حاضرین میں خمیری روٹی دال گوشت تقسیم کیا جاتا ہے۔ ۷۔ عزاخانہ کٹرہ غلام علی خاں (۷ محرم) محلّہ شفاعت پوتہ سے جلوس کی واپسی کا منظر دیکھنے کے لئے سڑک پر لوگ دو رویہ قطاروں میں بڑی تعداد میں کھڑے ہوتے۔ ۸۔ عزاخانہ چاند سورج (آٹھویں محرم) علی قاضی زادہ سے جلوس برآمد ہوتا ہے یہ جلوس شہر کا گشت لگا کر اسی عزاخانہ پر شام کو ختم ہوتا ہے۔

جلوس کے حصوں کی تفصیل یوں ہے: (۱) اونٹوں کی قطار (۲) پہلا ماتمی باجا (۳) آرائش (۴) حسینی باجا (۵) علموں کی جوڑیاں (۶) تخت (۷) سلامی علم (۸) دلدل (۹) دورہ (۱۰) رضاکاروں کی صف (۱۱) پانی، طبی امداد کی گاڑی اور ایمبولینس وغیرہ[۱]۔

۱۔ **اونٹوں کی قطار:** جلوس میں آگے آگے بیس پچیس اونٹوں کی قطار ہوتی ہے۔ اگلے اونٹ پر سیاہ پھریرے کا علم ہوتا ہے۔ سیاہ عماری ہوتی ہے اور نقارہ بجتا چلتا ہے۔ اِس کے پیچھے اونٹوں پر نوجوان اور بچے سوار ہوتے ہیں جو چھتوں پر بیٹھی خواتین، بچوں اور تعظیم جلوس میں سڑک پر کھڑے ناظرین کو دن بھر توشہ بانٹتے چلتے ہیں (بطور توشہ میٹھی روٹی، نان، بسکٹ وغیرہ ہوتے ہیں)

۲۔ **پہلا ماتمی باجا:** اس میں دو تاشے والے اور ڈھول والا ہوتا ہے اِسے پیشہ ور لوگ یا اُن کے بچے بجاتے ہیں۔

۳۔ **آرائش:** اِس میں کم سے کم دو یا تین روشن چوکیاں (چار آدمیوں کی ٹولی جو نفیری بجاتے چلتے ہیں)۔ اِس کے بعد لگ بھگ بارہ سے بائیس تک ریشمی کپڑوں سے مزین پالکیاں، آراستہ مسندیں، پھولوں یا تازی ہری گھاس سے بنے ہوئے تخت، مزارات مقدسہ شہداء کربلا کی شبیہیں جو کہ بہترین خرادی دستکاری کے نمونے ہوتے ہیں، قیمتی کپڑوں اور کشیدہ کاری، بُنائی کے عمدہ نمونے ہوتے ہیں۔ محلے کی حیثیت کے مطابق آرائش کے اعداد ہوتے ہیں۔ ہر تخت کو کم سے کم دو، چار یا اُس سے زیادہ کہار اٹھاتے ہیں۔ روشن چوکی بھاری عدد ہوتا ہے جسے مضبوط جسم والے بارہ کہار اٹھا کر لے چلتے ہیں

[۱] امروہہ کی عزاداری تاریخی پس منظر اور صورت حال، (مقالہ) سید غلام حیدر نقوی، ص ۷۶ ۲ مذکورہ بالا/ملاحظہ کیجئے امروہہ میں عزاداری کی روایت، (مضمون) سید شہوار نقوی، ص ۴۵، راشٹریہ سہارا، محرم نمبر، ۳۰ جنوری ۲۰۰۷ء/ملاحظہ کیجئے عزاداری امروہہ مضمون اظہار عثمانی، ص ۶، جسارت ٹائمز، محرم نمبر، یکم تا ۱۵ جنوری ۲۰۰۸۔

(روشن چوکی مضبوط لکڑی کا شش پہل یا ہشت پہل تخت ہوتا ہے جس کے نیچے پائے اور اوپر چھ یا آٹھ محراب دار لکڑی کی دیواریں ہوتی ہیں جن پر اتنے ہی پہلوں کا کلس دار گنبد ہوتا ہے اِسے لکڑی کے نازک و نفیس خرادی کام سے سجایا جاتا ہے) روشن چوکی نفیری نواز کسی معروف نوحے کی دھن بجاتے چلتے ہیں۔ کسی ایک روشن چوکی میں رکھی دیگ سے پلاؤ تقسیم کیا جاتا ہے۔ آرائش کے تابوتوں میں تکیہ اور رحل رکھی ہوتی ہے اِن کی تعداد ۱۵ یا ۲۰ ہوتی ہے جو کہار لے کر چلتے ہیں۔

۴۔ **حسینی باجا:** اِس میں دو تاشے کئی ڈھول اور جھانجھیں ہوتی ہیں دس دس پندرہ بجانے والے دو رویہ آگے بڑھتے ہیں۔ حسینی باجا بجانے والے شیعہ عزادار ہوتے ہیں۔ سنہ ۱۹۳۵ سے پہلے یہ باجا جلالیا گلی امروہہ کے فقیر بجایا کرتے تھے۔ مولانا سید اعجاز حسین محلہ گزری نے پہلے تاشہ اپنے گلے میں ڈال کر بجانے کی رسم کی ابتدا کی۔ پھر موسیقی کے استاد سید اصغر حسین نے نوجوانوں کو ٹریننگ دی۔ ان کے بعد سید نہال حسن اور اب سید شہاب حسین یہ خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ اِس باجے کی مخصوص دو یا تین تالیں ہوتی ہیں۔ جن میں کلمۂ توحید، شہید کربلا حسینؑ حسینؑ حسینؑ کی ماتمی دھنیں بجائی جاتی ہیں۔ اب تو یہاں تک مہارت ہو چکی ہے کہ یہ معلوم ہے کہ کس وقت کس عزاخانے کے سامنے کون سی تال بجانی ہے جلوس کے داخلے اور واپسی میں کون سی تال بجانی ہے۔

۵۔ **علم:** امروہے میں خاص جلوسوں کے علم دو طرح کے ہوتے ہیں۔ پھریروں کے یا تلواروں کے جو عباس علمبردار کے نام سے منسوب ہوتے ہیں۔ پھریرے کا علم ایک اونچی چھڑ پر سفید چادر سے بنایا جاتا ہے اور چادر پر خون سے مشابہ رنگ کے چھوٹے بڑے چھینٹے دیئے جاتے ہیں۔ اوپر ایک چھوٹی سی مشک جس میں تیر پیوست ہوتے ہیں اور سب سے اوپر بھالے جیسی دھات کی چمکدار بوری (انی) ہوتی ہے یہ حضرت عباس کے علم کی شبیہ ہوتا ہے اور حضرت عباس کے ساحل فرات پر علم کی منظر کشی کرتا ہے۔ تلواروں کا علم پانچ یا چھ میٹر مضبوط چھڑ کے اوپری سرے پر ایک کمان (کمنٹھا) بندھی ہوتی ہے۔ کمنٹھے کے دونوں سروں پر دو تلواریں لٹکی ہوتی ہیں۔ اِس کے بیچ میں دو تیر ایک دوسرے پر (ضرب کے نشان کی طرح) رکھ کر باندھ دیئے جاتے ہیں۔ سب سے اوپر ویسی ہی چمکدار بوری ہوتی ہے جیسے پھریرے کے علم پر ہوتی ہے۔ یہ پچھلے دور کے اسلحوں کی شبیہ ہے۔ جلوس میں اِن علموں کی کئی کئی جوڑیاں آگے پیچھے قطار میں ہوتی ہیں۔

۶۔ **تخت:** اصل میں یہ تربت کی شبیہ ہوتی ہے اِس پر سفید چادر منڈھ کر خون سے مشابہ لال رنگ کا چھڑکاؤ کیا جاتا ہے۔ سرہانے کی طرف ایک عمامہ رکھ دیا جاتا ہے۔ اِسے چار افراد کندھوں پر اٹھاتے ہیں یہ اتنا ہلکا ہوتا ہے کہ جب اسے گھروں میں خواتین کی زیارت کے لئے لے جایا جاتا ہے تو گھر کے بچے اِسے کندھے پر اُٹھا لیتے ہیں۔ مائیں اپنے بچوں کو سلامتی کے لئے اِس کے نیچے سے نکالتی ہیں۔ یہ عمل سنی اور ہندو حضرات بھی بڑی عقیدت سے انجام دیتے ہیں۔

۷۔ دُلدُل: ذوالجناح ایک خوبصورت صحتمند بالکل سفید گھوڑا ہوتا ہے (امروہہ میں لوگ منت کے طور پر دو یا تین گھوڑے نذر کرتے ہیں جو مستقل پالے جاتے ہیں) دلدل کو سرخ رنگ کی چھڑکی ہوئی چادر، ایک عمامہ، ساز اور زیورات سے سجایا جاتا ہے کبھی کبھی اُس پر ایک طرف تلوار ڈھال لٹکائی جاتی ہے۔ ۲۵ ذی الحجہ کو گھوڑے پر صرف ایک چادر ڈال کر تمام امام باڑوں، ڈیوڑھیوں، صحنوں میں گشت کرائی جاتی ہے تاکہ دوران جلوس اِسے ۱۵۰ جگہوں پر جانے، ٹیڑھی سیڑھیاں پھلانگنے اور چھوٹے چھوٹے دروازوں میں داخل ہونے اور پتلے تنگ موڑوں میں مڑنے گھومنے کی عادت ہو جائے۔ (اِس اسپِ حسینی پر نہ سواری کی جاتی ہے نہ اِس کو بیچا یا ہدیہ کیا جاتا ہے۔ اِس وقت بھی تین حسینی گھوڑوں کی پرورش کی جا رہی ہے۔ یہ دلدل مختلف جگہوں مثلاً رامپور، دہلی، بریلی، درگاہ نجف ہند بجنور وغیرہ برائے فروغ عزاداری بھیجے جاتے ہیں۔ اِس اسپِ حسینی کو موت کے بعد احترام و عقیدت کے ساتھ کربلا میں دفن کیا جاتا ہے)

۸۔ دورہ: علموں کے جلوس میں دلدل کے ساتھ ہی حلقہ میں دو صفیں نوحہ خوانوں کی ہوتی ہیں اِن کے پیچھے تمام علم دار ہوتے ہیں۔ جلوس میں شریک ہونے والے تمام عزادار ننگے سر اور ننگے پاؤں ہوتے ہیں۔ (۲۰۱۱ء میں کچھ شرپسند عناصر شرپسندوں نے جلوس کے راستے میں توڑ پھوڑ کی جس کے نتیجے کے طور پر تمام سڑک پر شیشے کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے پڑے تھے لیکن امروہہ کے عقیدتمند عزادارانِ حسین اسی سڑک پر برہنہ پا آگے بڑھتے گئے) بہت سے لوگ سیاہ کرتے پہنے ہوتے ہیں۔ یہ میر صاحبان کی پہچان بن چکی ہے وہ برہنہ سر و پا نظر آتے ہیں جن میں متعدد نامور شخصیات بھی شامل ہیں۔ جما دینے والی سردی ہو یا جھلسا دینے والی گرمی، تپتی سڑکیں ہوں یا برسات کی کیچڑ یا گندگی والی سڑکیں عزادار روایت کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے عقیدت سے ننگے سر اور ننگے پاؤں جلوس میں شریک ہوتے ہیں۔ دورہ میں شارکین کی تعداد صبح اور شام کے وقت تین چار ہزار اشخاص سے بھی تجاوز کر جاتی ہے۔ یہ جلوس منظم طریقے سے صف بستہ ہوتا ہے۔ ایک ایک صف میں کئی آدمی ہوتے ہیں۔ علاحدہ صفوں پر جلوس مشتمل ہوتا ہے۔ صف کی تنظیم قائم رکھنے کے لئے صف کا ہر شخص بائیں ہاتھ سے اپنے بائیں ساتھی کی کمر پر کرتے یا شیروانی کو پکڑے رہتا ہے۔ کچھ بزرگ کمر پر کالا رومال یا سبز رومال باندھے نظر آتے ہیں۔ اِس طرح عزاداروں کی سیکڑوں صفیں ایک دوسرے کے بیچ درمیانی فاصلہ بنائے آگے بڑھتی ہیں۔ اِن میں جوان، بچے، بوڑھے، بزرگوں کی گود میں چھوٹے بچے شامل ہوتے ہیں۔

اگلی دو صفیں نوحہ خوانوں کی ہوتی ہیں جن میں بلند آواز کچھ نوجوان اور بزرگ بہت آسان فارسی نوحے کے مختصر مصرعوں کو اونچی آواز میں پڑھتے ہیں جن کے جواب میں دورہ کا ہر شخص حسین حسین حسین کہتا ہے۔ اِس طرح ایک منٹ میں کم سے کم دس مرتبہ ہر مصرع کے بعد ایک مقررہ وقت کے ساتھ حسین حسین دُہرایا جاتا ہے۔ ۳ محرم سے ۸ محرم تک روزانہ گیارہ بارہ گھنٹے جلوس کے ہزاروں لوگ حسین کا اسم گرامی لیتے ہیں۔ مصرع اِس طرح کے ہوتے ہیں:

(روشن چوکی مضبوط لکڑی کا شش پہل یا ہشت پہل تخت ہوتا ہے جس کے نیچے پائے اور اوپر چھ یا آٹھ محراب دار لکڑی کی دیواریں ہوتی ہیں جن پر اتنے ہی پہلوں کا کلس دار گنبد ہوتا ہے اِسے لکڑی کے نازک و نفیس خرادی کام سے سجایا جاتا ہے) روشن چوکی نفیری نواز کسی معروف نوحے کی دھن بجاتے چلتے ہیں۔ کسی ایک روشن چوکی میں رکھی دیگ سے پلاؤ تقسیم کیا جاتا ہے۔ آرائش کے تابوتوں میں تکیہ اور رحل رکھی ہوتی ہے اِن کی تعداد ۱۵ یا ۲۰ ہوتی ہے جو کہار لے کر چلتے ہیں۔

۴۔ **حسینی باجا:** اِس میں دو تاشے کئی ڈھول اور جھانجھیں ہوتی ہیں دس دس پندرہ بجانے والے دو رویہ آگے بڑھتے ہیں۔ حسینی باجا بجانے والے شیعہ عزادار ہوتے ہیں۔ سنہ ۱۹۳۵ سے پہلے یہ باجا جلالیا گلی امروہہ کے فقیر بجایا کرتے تھے مولانا سید اعجاز حسین محلہ گزری نے پہلے تاشہ اپنے گلے میں ڈال کر بجانے کی رسم کی ابتدا کی۔ پھر موسیقی کے استاد سید اصغر حسین نے نوجوانوں کو ٹریننگ دی۔ ان کے بعد سید نہال حسن اور اب سید شہاب حسین یہ خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔ اِس باجے کی مخصوص دو یا تین تالیں ہوتی ہیں۔ جن میں کلمۂ توحید، شہید کربلا حسینؑ حسینؑ حسینؑ کی ماتمی دھنیں بجائی جاتی ہیں۔ اب تو یہاں تک مہارت ہو چکی ہے کہ یہ معلوم ہے کہ کس وقت کس عزاخانے کے سامنے کون سی تال بجانی ہے جلوس کے داخلے اور واپسی میں کون سی تال بجانی ہے۔

۵۔ **علم:** امروہے میں خاص جلوسوں کے علم دو طرح کے ہوتے ہیں۔ پھریروں کے یا تلواروں کے جو عباس علمبردار کے نام سے منسوب ہوتے ہیں۔ پھریرے کا علم ایک اونچی چھڑ پر سفید چادر سے بنایا جاتا ہے اور چادر پر خون سے مشابہ رنگ کے چھوٹے بڑے چھینٹے دیئے جاتے ہیں۔ اوپر ایک چھوٹی سی مشک جس میں تیر پیوست ہوتے ہیں اور سب سے اوپر بھالے جیسی دھات کی چمکدار بوری (انی) ہوتی ہے یہ حضرت عباس کے علم کی شبیہ ہوتا ہے اور حضرت عباس کے ساحل فرات پر علم کی منظر کشی کرتا ہے۔ تلواروں کا علم پانچ یا چھ میٹر مضبوط چھڑ کے اوپری سرے پر ایک کمان (کمنٹھا) بندھی ہوا ہے۔ کمنٹھے کے دونوں سروں پر دو تلواریں لٹکی ہوتی ہیں۔ اِس کے بیچ میں دو تیر ایک دوسرے پر (ضرب کے نشان کی طرح) رکھ کر باندھ دیئے جاتے ہیں۔ سب سے اوپر ویسی ہی چمکدار بوری ہوتی ہے جیسے پھریرے کے علم پر ہوتی ہے۔ پچھلے دور کے اسلحوں کی شبیہ ہے۔ جلوس میں اِن علموں کی کئی کئی جوڑیاں آگے پیچھے قطار میں ہوتی ہیں۔

۶۔ **تخت:** اصل میں یہ تربت کی شبیہ ہوتی ہے اِس پر سفید چادر منڈھ کر خون سے مشابہ لال رنگ کا چھڑکاؤ کیا جاتا ہے سرہانے کی طرف ایک عمامہ رکھ دیا جاتا ہے۔ اِسے چار افراد کندھوں پر اٹھاتے ہیں یہ اتنا ہلکا ہوتا ہے کہ جب اسے گھروں میں خواتین کی زیارت کے لئے لے جایا جاتا ہے تو گھر کے بچے اِسے کندھے پر اُٹھا لیتے ہیں۔ مائیں اپنے بچوں کو سلامتی کے لئے اِس کے نیچے سے نکالتی ہیں۔ یہ عمل سنی اور ہندو حضرات بھی بڑی عقیدت سے انجام دیتے ہیں۔

۷۔ **دُلدُل:** ذوالجناح ایک خوبصورت صحتمند بالکل سفید گھوڑا ہوتا ہے (امروہہ میں لوگ منت کے طور پر دو یا تین گھوڑے نذر کرتے ہیں جو مستقل پالے جاتے ہیں) دلدل کو سرخ رنگ کی چھڑکی ہوئی چادر، ایک عمامہ، ساز اور زیور سے سجایا جاتا ہے کبھی کبھی اُس پر ایک طرف تلوار ڈھال لٹکائی جاتی ہے۔ ۲۵ ذی الحجہ کو گھوڑے پر صرف ایک چادر ڈال کر تمام امام باڑوں، ڈیوڑھیوں، صحنوں میں گشت کرائی جاتی ہے تاکہ دوران جلوس اِسے ۱۵۰ جگہوں پر جانے، اُٹھنے، سیڑھیاں پھلانگنے اور چھوٹے چھوٹے دروازوں میں داخل ہونے اور پتلے تنگ موڑوں میں مڑنے گھومنے کی عادت ہو جائے۔ (اِس اسپ حسینی پر نہ سواری کی جاتی ہے نہ اِس کو بیچا یا ہدیہ کیا جاتا ہے۔ اِس وقت بھی تین حسینی گھوڑوں کی پرورش کی جارہی ہے۔ یہ دلدل مختلف جگہوں مثلاً رامپور، دہلی، بریلی، درگاہ نجف ہند بجنور وغیرہ برائے فروغ عزاداری بھیجے جاتے ہیں۔ اِس اسپِ حسینی کو موت کے بعد احترام و عقیدت کے ساتھ کربلا میں دفن کیا جاتا ہے)

۸۔ **دورہ:** علموں کے جلوس میں دلدل کے ساتھ ہی حلقہ میں دو صفیں نوحہ خوانوں کی ہوتی ہیں اِن کے پیچھے تمام علم دار ہوتے ہیں۔ جلوس میں شریک ہونے والے تمام عزادار ننگے سر اور ننگے پاؤں ہوتے ہیں۔ (۲۰۱۱ء میں کچھ شرپسند شر پسندوں نے جلوس کے راستے میں توڑ پھوڑ کی جس کے نتیجے کے طور پر تمام سڑک پر شیشے کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے پڑے تھے لیکن امروہہ کے عقیدتمند عزادارانِ حسین اسی سڑک پر برہنہ پا آگے بڑھتے گئے) بہت سے لوگ سیاہ کرتے پہنے ہوتے ہیں۔ یہ میر صاحبان کی پہچان بن چکی ہے وہ برہنہ سر و پا نظر آتے ہیں جن میں متعدد نامور شخصیات بھی شامل ہیں۔ جما دینے والی سردی ہو یا جھلسا دینے والی گرمی، تپتی سڑکیں ہوں یا برسات کی کیچڑ یا گندگی والی سڑکیں عزادار روایت کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے عقیدت سے ننگے سر اور ننگے پاؤں جلوس میں شریک ہوتے ہیں۔ دورہ میں شارکین کی تعداد صبح اور شام کے وقت تین چار ہزار اشخاص سے بھی تجاوز کر جاتی ہے۔ یہ جلوس منظم طریقے سے صف بستہ ہوتا ہے۔ ایک ایک صف میں کئی آدمی ہوتے ہیں۔ علاحدہ صفوں پر جلوس مشتمل ہوتا ہے۔ صف کی تنظیم قائم رکھنے کے لئے صف کا ہر شخص بائیں ہاتھ سے اپنے بائیں ساتھی کی کمر پر کرتے یا شیروانی کو پکڑے رہتا ہے۔ کچھ بزرگ کمر پر کالا رومال یا سبز رومال باندھے نظر آتے ہیں۔ اِس طرح عزاداروں کی سیکڑوں صفیں ایک دوسرے کے بیچ درمیانی فاصلہ بنائے آگے بڑھتی ہیں۔ اِن میں جوان، بچے، بوڑھے، بزرگوں کی گود میں چھوٹے بچے شامل ہوتے ہیں۔

اگلی دو صفیں نوحہ خوانوں کی ہوتی ہیں جن میں بلند آواز کچھ نوجوان اور بزرگ بہت آسان فارسی نوحے کے مختصر مصرعوں کو اونچی آواز میں پڑھتے ہیں جن کے جواب میں دورہ کا ہر شخص حسین حسین حسین کہتا ہے۔ اِس طرح ایک منٹ میں کم سے کم دس مرتبہ ہر مصرع کے بعد ایک مقررہ وقت کے ساتھ حسین حسین دُہرایا جاتا ہے۔ ۳ محرم سے ۸ محرم تک روزانہ گیارہ بارہ گھنٹے جلوس کے ہزاروں لوگ حسین کا اسم گرامی لیتے ہیں۔ مصرع اِس طرح کے ہوتے ہیں:

شہید کربلا حسینؑ حسینؑ حسینؑ حسینؑ
رئیس کربلا حسینؑ حسینؑ حسینؑ حسینؑ
امیر کربلا حسینؑ حسینؑ حسینؑ حسینؑ
راکب دوش مصطفیٰ حسینؑ حسینؑ حسینؑ
حامیٔ دین مصطفیٰ حسینؑ حسینؑ حسینؑ
فدیۂ دین مصطفیٰ حسینؑ حسینؑ حسینؑ
عاشق کبریا حسینؑ حسینؑ حسینؑ حسینؑ
بے مونس و آشنا حسینؑ حسینؑ حسینؑ حسینؑ
تشنہ کربلا حسینؑ حسینؑ حسینؑ حسینؑ
کشتہ خنجر جفا حسین حسینؑ حسینؑ حسینؑ

جلوس شہر کے کسی امام باڑے میں پہنچتا ہے تو کچھ مقررہ عمل بیک وقت انجام دیئے جاتے ہیں۔ سلامی علم، کو منبر سے مس کیا جاتا ہے۔ ماتم دار تیزی سے ایک حلقہ بنا لیتے ہیں۔ بائیں ہاتھ سے اپنے ساتھی کی کمر کے کپڑے کو پکڑ لیتے ہیں۔ محلے یا شہر کے سوز خواں کسی مرثیے کا پر سوز بند پڑھتے ہیں۔ اِس پر ماتم کرنے والے تھوڑا جھک کر دو بار ہلکے ہاتھ سے ماتم کرتے ہیں۔ پھر سیدھے کھڑے ہو کر دو بار سینے پر ہاتھ مارتے ہیں۔ یہ سلسلہ ایک مقررہ توازن کے ساتھ مرثیے کے پہلے چار مصرعوں پر کچھ آہستہ ماتم کے ساتھ چلتا ہے۔ پھر جیسے ہی ٹیپ کا مصرعہ اٹھتا ہے زور کا ماتم شروع ہوتا ہے مگر ہلکے ماتم کا سلسلہ بدستور جاری رہتا ہے۔ چھٹے مصرع کے آخر میں بہت زور کا ماتم ہوتا ہے۔ کوئی بزرگ کہتا ہے حسینؑ حسینؑ ماتم پھر ہلکا ہو جاتا ہے۔ یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے یہ ماتم اتنا سخت ہوتا ہے کہ دو تین بندوں میں ہی ماتم داروں کے سینے سرخ ہو جاتے ہیں اور کھال پر خون جھلکنے لگتا ہے۔

امام باڑے کے صحن میں یہ ماتم ہوتا ہے اِس دوران تخت اور گھوڑا محلے کے زنانہ امام باڑوں اور مخصوص گھروں میں بوڑھوں اور معذور مومنین کی زیارت کے لئے لے جایا جاتا ہے۔ کبھی کبھی بہت معذور بزرگوں کو چارپائی پر لے کر امام باڑوں میں زیارت کے لئے لے آتے ہیں۔ جب تخت اور ذوالجناح اپنے مقامی گشت سے واپس مقررہ مقام پر پہنچتے ہیں۔ ڈنکے (تاشے) پر چوٹ پڑتی ہے۔ ماتم کرنے والے اور دوسرے لوگ تیزی سے صفیں بنا کر جلوس میں شامل ہو جاتے ہیں۔

اسی بیچ بہت سے امام باڑوں میں عوام کے لئے شربت، چائے، نذر نیاز اور حاضری کے کھانوں کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے۔ اِس لئے لوگ صبح نکل کر شام تک علم پہنچا کر ہی گھر لوٹتے ہیں۔ جگہ جگہ سنی حضرات سبیلوں اور چائے کا انتظام کرتے

ہیں۔ ہندو حضرات بھی دکانوں میں تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بجلی کے پنکھوں کا رخ جلوس کی طرف کر دیتے ہیں۔ اپنے بالاخانوں کی چھتیں اور چھجے واقفکار خاندانوں کی مستورات کے لئے وقف کر دیتے ہیں تاکہ وہ جلوس کی زیارت کر سکیں۔

۸ ویں محرم علموں کا آخری جلوس ہوتا ہے جس میں گرد و نواح کے لوگ بڑی تعداد میں آتے ہیں۔ اس روز زنجیر کا ماتم بھی ہوتا ہے۔ جب جلوس عزاخانے پر واپس پہنچتا ہے تو مرثیہ پڑھا جاتا ہے۔ ہر تاریخ کا مرثیہ مخصوص ہوتا ہے جیسے ۳ محرم کو "گھر سے جب بہر سفر سید عالم نکلے" اور ۸ محرم کو "جب چلے یثرب سے سبط مصطفیٰ سوئے عراق" پڑھا جاتا ہے سامعین شدت سے گریہ کرتے ہیں۔ جلوس کے دوران راستے میں جگہ جگہ نذرِ امام حسین کا انتظام ہوتا ہے جس میں چائے، شربت، دودھ، کافی وغیرہ شامل رہتی ہیں۔ جو شخص جس تاریخ کو چائے پلاتا ہے پھر ہر سال چائے پلاتا ہے۔ جگہ جگہ حاضری کا اہتمام بھی ہوتا ہے جس میں بریانی، قورمہ، خمیری روٹی، دال سبزی ہوتی ہے۔

نویں محرم کو ۴ بجے شام کے قریب عزاخانہ شمس علی خاں محلہ دربار کلاں سے مجلس کے بعد نشانوں کی جوڑیوں کا جلوس برآمد ہوتا ہے اور مغرب کے بعد عزاخانہ دوست علی خاں محلہ ککوئی میں اختتام پذیر ہوتا ہے۔ یہ جلوس تقریباً ۲۳۱ سال سے برآمد ہو رہا ہے) اس کا آغاز جناب مخدوم سید حسین شرف الدین شاہ ولایت کی نسل کے بزرگ مکوجی نے تبرکات حضرت زید شہید کے نیزوں میں پرچم لگا کر اور بعد میں نشان بنا کر کیا۔ یہ نشانوں کا جلوس کہلاتا ہے۔ اِس جلوس میں قیمتی کپڑوں کے آدبزہ نشان ہوتے ہیں اور ۲-۲ کی جوڑیوں میں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اِس لئے انہیں جوڑیوں کا جلوس کہتے ہیں۔ مومنین چھوٹے چھوٹے گروپوں میں مناقب پڑھتے چلتے ہیں (جوڑیوں کے آگے نیم دائرے کی شکل میں عزادار مرثیہ پڑھتے چلتے ہیں) منقبت کا مصرعہ ہوتا ہے "اے دوست ابن ساقی کوثر حسین ہیں"۔ اِس امام باڑے میں حضرت شہید کے نیزے کی بوری (انی) اور تلوار کے تبرکات موجود ہیں۔ انی کو ایک نشان میں لگایا جاتا ہے یہ جلوس رات کے شروع کے حصے میں امام باڑہ ککوئی میں پہنچتا ہے۔ نویں دسویں کی رات کو امام باڑوں پر قندیلوں، قمقموں وغیرہ کی روشنی کی جاتی ہے جسے دیکھنے لوگ رات بھر ایک امام باڑے سے دوسرے امام باڑے تک جاتے ہیں۔ چند عزاخانوں میں نوحہ خوانی اور سینہ زنی کرتے ہیں۔ رات بھر شہر میں ہر طرف حسین حسین کی صدا سنائی دیتی ہے۔ نشانوں کی جوڑیوں کی ایک خاص بات یہ ہے کہ مختلف خاندانوں کے لوگ نشانوں کی جوڑی (ہرے اور لال رنگ کے علموں کی ہوتی ہے اور اس پر پیلے رنگ کا پٹکا بندھا ہوتا ہے،) لے کر چلتے ہیں۔ یہ رسم بہت قدیم ہے گنگا ناتھ جی مہنت گنگا مندر بازار نے تقریباً سوا سو سال قبل علم کے جلوس میں کیسریا (زعفرانی) پٹکا باندھا تھا۔ آج مندر کے پجاری چھڑکاؤ کرواتے ہیں اور علم پر نقدی نذر کرتے ہیں جو عزاخانہ دوست علی شاہ کی شہ نشین پر رکھ دی جاتی ہے۔ مندر کے پجاری برہنہ سر اور برہنہ پا آکر علم پر بھگوا رنگ کا (کیسریا) پٹکا باندھتے ہیں۔ روز عاشورہ کو یہ علم عزاخانہ دربار کلاں میں بڑھا دئے جاتے ہیں۔ اِن علموں کو آغاز میں دکھا کر مختلف خاندانوں کو سونپنے اور اختتام پر بڑھانے کا

کام ایک خاص خاندان کے بزرگ کرتے ہیں۔ آج کل آفتاب علی صاحب اور اُن کے فرزند ڈاکٹر مہتاب امروہوی یہ ذمہ داری انجام دے رہے ہیں۔

۱۰ محرم کو صبح مختلف عزاخانوں سے تربتوں کے جلوس برآمد ہوتے ہیں۔ عزاخانہ نورن، حقانی، قاضی زادہ، شفاعت پوتہ، بچپدرا، دربار شاہ ولایت وغیرہ شامل ہیں۔ کئی تعزیے تو بہت بلند ہوتے ہیں یہ تربتیں کربلا واقع بجنور روڈ پر دفن کردی جاتی ہیں۔ اِس کے بعد لوگ اعمال عاشورہ بجالاتے ہیں اور دو رکعت نماز پڑھی جاتی ہے۔ زیارت عاشورہ پڑھی جاتی ہے۔ ۱۰ بجے کے قریب عزاخانہ دربار شاہ ولایت میں یاد علی اکبر کے نام سے مجلس عزا کا انعقاد اور سینہ زنی ہوتی ہے۔ بعد نماز ظہر مختلف عزاخانوں سے جلوس نکلتے ہیں جن میں عزاخانہ شفاعت پوتہ، بگلا، حقانی، دانشمندان، سنگھی، لکڑا، جاہ غوری، جعفری، احمد نگر، لال مسجد، مجاپوتہ، صدو شامل ہیں۔ یہ تعزیے اپنی صفت اور میناکاری کے اعتبار سے بہت خوب ہوتے ہیں۔ اِس دن بڑی تعداد میں لوگ نیاز و نذر کرتے ہیں۔ بریانی اور حلیم کی دیگیں جگہ جگہ چوراہوں پر تقسیم کی جاتی ہیں یا تعزیوں کے ساتھ بیل گاڑی میں تقسیم کی جاتی ہیں۔ یوم عاشور کی رات مجلس شام غریباں پر آہ وزاری اور یاد امام پر عشرے کا اختتام ہوتا ہے۔ محلّہ قاضی زادہ میں اِس روز تسبیح کی زیارت ہوتی ہے یہ وہ تسبیح ہے جس کے کچھ دانے ایک بزرگ حاجی سید غضنفر حسین کے ہاتھ میں سرخ ہوگئے تھے۔ (ڈاکٹر امام مرتضٰی نقوی کے مطابق یہ محلّہ قاضی زادہ نہیں بلکہ محلّہ گزری ہے۔)

۱۱ محرم سے عشرہ مجالس شروع ہو جاتی ہیں اور یکم صفر سے چہلم کی مجالس کا آغاز ہو جاتا ہے ۱۹ صفر کو شام ۴ بجے عزاخانہ سید اکبر علی محلّہ دانشمندان میں بعد مجلس آگ پر ماتم ہوتا ہے۔ ماتمی انجمنیں ماتم اور سینہ زنی برپا کرتی ہیں۔ شب میں چہلم میں عزاخانہ محلّہ حقانی محلّہ گزری اور دربار کلاں میں شب بیداری کا اہتمام ہوتا ہے اور ساری رات نوحہ خوانی رہتی ہے۔ ۲۰ چہلم کو عزاخانہ محلّہ بگلہ سے تعزیے کا جلوس نکلتا ہے جو شہر کا گشت لگا کر بعد مغرب کربلا (بجنور روڈ) پر ختم ہوتا ہے اِس جلوس میں چھنو لال دلگیر کا تصنیف کردہ مرثیہ پڑھا جاتا ہے "قید سے چھوٹ کر جب سید سجاد آئے" تعزیوں کے پیچھے ماتمی انجمنیں ماتم کرتی ہیں۔ انجمن عباسیہ کے زیر اہتمام بازار گزری و کٹرہ میں زنجیر کا ماتم ہوتا ہے۔ ۸ ربیع الاول کو عزاخانہ قاضی زادہ سے بعد مجلس جلوس برآمد ہوتا ہے جس میں اونٹ پر عماری، علم و تابوت ہوتے ہیں یہ جلوس عزاخانہ وچھپی میں ٹھہرتا ہے۔ اِس کے بعد الوداعی مجلس ہوتی ہے پھر یہ جلوس عزاخانہ غنی حسن محلّہ دربار شاہ ولایت میں ختم ہوتا ہے اور لوگ زیارت پڑھ کر امام کو رخصت کرتے ہیں۔ امروہہ کی عزاداری میں ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی سبھی تعاون کرتے ہیں اور اپنے محلوں میں خلوص، احترام و عقیدت سے جلوس کا استقبال کرتے ہیں۔ اِن تمام جلوسوں کا انتظام و انصرام "انجمن تحفظ عزاداری" رجسٹرڈ کی نگرانی میں ہوتا ہے۔

نوگاواں سادات[1]

بجنور روڈ پر امروہہ سے ۱۳ کلومیٹر دور اِس بستی میں عزاداران حضرت امام حسین کی اکثریت ہے۔ ۲۰ سے زاید مساجد ہیں اور بڑے بڑے عزاخانے ہیں۔ تمام سال مجلس کا سلسلہ قائم رہتا ہے۔ یکم ذی الحجہ سے عشرہ مجالس کا آغاز سفیر حسین ابن علی جناب مسلم کی یاد میں حاجی باقر کے عزاخانے سے ہوتا ہے بوقت شب مرثیہ خوانی کے بعد ذاکر خطاب کرتا ہے۔ نویں ذی شب ماہ ذی الحجہ نصف شب جناب مسلم کے تابوت کا جلوس برآمد ہوتا ہے اور تمام بستی کا گشت کرتا ہے۔ ذوالجناح پر مرثیہ پڑھتے ہوئے گشت ہوتا ہے۔ نماز فجر کے وقت یہ جلوس تمام ہوتا ہے۔

محرم کا چاند دیکھ کر عزاداری کا باقاعدہ سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ جتنے بھی عزاخانے ہیں اُن سے چاند رات کا علم برآمد ہوتا ہے اور کربلا جاتا ہے۔ یکم محرم کو صبح سے دوپہر تک تقریباً ۳۵ مجالس ہوتی ہیں۔ نماز ظہر کے بعد ایوان انجمن یادگار حسینی یا بڑے تالاب پر اصغر حسین مرحوم کے عزاخانے سے جلوس شروع ہوتا ہے اور تمام شہر کا گشت کرتا ہوا واپس یہیں آکر ختم ہوتا ہے۔ شب میں مجالس عزا کا سلسلہ قائم رہتا ہے۔ نصف شب کے بعد ندیم زیدی کے قدیم عزاخانے دربار حسینی میں مجلس عزا کا انعقاد ہوتا ہے جس میں بڑی تعداد میں سامعین موجود ہوتے ہیں۔ مجلس میں آنے والوں میں تبرک تقسیم کیا جاتا ہے[2]۔

دوسری تاریخ کا جلوس علم ذوالجناح انجمن عابدیہ کے ماتمی دستے برآمد کرتے ہیں۔ یہ جلوس عزا ہٹیلی کے امام باڑے سے شروع ہو کر شہر کا گشت لگا کر یہیں ختم ہوتا ہے۔ تیسری کا جلوس ہنگا والی مسجد بنگلہ سے انجمن حیدری برآمد کرتی ہے جس میں حضرت حسین کی کربلا میں آمد اونٹوں پر عماریوں کے ساتھ دکھائی جاتی ہے۔ ماتمی دستے ذوالجناح کے علم کے سائے میں سینہ زنی کرتے گشت کرتے ہیں۔ چوتھی محرم کا جلوس زیدیاں کے عزاخانے سے ماتمی دستے اور علم ذوالجناح کے ساتھ بستی میں گشت کرتا ہے۔ پانچویں محرم کا جلوس علم و ذوالجناح عزاخانہ دولت شہید سے شروع ہوتا ہے۔ چھٹی تاریخ کا جلوس علم و ذوالجناح پختہ بنگلہ کے عزاخانے سے انجمن حیدری کے ماتمی دستے برآمد کرتے ہیں ذوالجناح پر سواری کا مرثیہ پڑھتے ہوئے بستی کا گشت لگا کر واپس عزاخانہ پختہ بنگلہ پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ ساتویں کا جلوس انجمن یادگار حسینی مولانا شاکر حسین مرحوم کے عزاخانہ سے علم و ذوالجناح کا جلوس برآمد کرتی ہے۔ یہ بستی کی دوہری گشت لگا کر شام کو واپس اُسی عزاخانے میں ختم ہوتا ہے۔ آٹھویں کا جلوس عزاخانہ محلہ کنکوئی سے انجمن عابدیہ برآمد کرتی ہے یہ جلوس بھی دوہری گشت لگا کر وہیں ختم ہوتا ہے۔

---

۱. نوگاواں میں عزاداری، (مضمون) مولانا حیدر نقوی، جسارت ٹائمز، محرم نمبر، ۱۵ جنوری ۲۰۰۸ء۔

۲. نوگاواں سادات میں غم حسین، (مضمون) مولانا حیدر عباس نقوی، راشٹریہ سہارا، محرم نمبر، جنوری ۲۰۰۷ء، ص ۴۳۔

تقریباً ہر گھر میں حضرت عباس کی نذر ہوتی ہے۔ لاکھوں روپے کی شیرینی، پھل وخشک میوہ جات تقسیم کئے جاتے ہیں۔

روز عاشورہ کو تمام عزاداران حسین فاقہ رکھتے ہیں اور آب و غذا سے دور رہتے ہیں شام کو فاقہ کش عزاداروں کے لئے لنگر کا انتظام ہوتا ہے۔ سیکڑوں دیگیں حلیم اور بریانی کی پکا کر بلا تفریق مذہب و نسل سب کو بنام حسین کھلائی جاتی ہیں۔ نویں کا جلوس عزاخانہ سید نور سے انجمن حیدری برآمد کرتی ہے جس میں آگ پر ماتم ہوتا ہے۔ شام کو یہ جلوس اُسی عزاخانہ پر تمام ہوتا ہے شب عاشور تمام رات نوحہ خوانی اور سینہ زنی ہوتی رہتی ہے۔ شب عاشور کربلا کی قلعہ نور تاریخی عمارت کو روشنی سے سجایا جاتا ہے۔ اِس میں حضرت عباس کا روضہ اور گنج شہیداں کی شبیہ ہے۔ رات بھر زائرین کا دورہ ہوتا رہتا ہے اور تمام رات عزاداران نوحہ خوانی اور سینہ زنی میں شب بیداری کرتے ہیں۔

صبح عاشور عزاخانہ بڑی املی سے ایک علم برآمد ہوتا ہے جس میں یہ مخصوص نوحہ پڑھا جاتا ہے:

زینب نے کہا صبح کا تارا نکل آیا فریاد خدایا، فریاد خدایا

یوم عاشورا انجمن عزا تعزیہ والا جلوس برآمد کرتی ہے۔ سید حسین مرحوم کے عزاخانے سے چالیس فٹ اونچا علم لے کر ایک عزادار جلوس کے ساتھ پوری بستی کا گشت کرتا ہے جس کے ساتھ انجمن عابدیہ کے نوجوان ایک خاص نوحہ پڑھتے ہیں:

عباس میرم لشکرم دریا پہ قبضہ کرلیا

تقریباً ۲۰ سے زائد تعزیے اہل سنت بنا کر لاتے ہیں شکریہ گاؤں کے مسلم برادران بریلوی مسلک ۳ کلو میٹر سے تقریباً ۶۰ فٹ اونچا تعزیہ اپنے کاندھوں پر اٹھا کر لاتے ہیں۔ موضع کی بیلنا برادری کا تعزیہ ۸۰ فٹ اونچا ہوتا ہے، بدھ بازار علی نگر والے عزاخانہ سے نذر عباس حیدری تقریباً ۹۰ فٹ کا تعزیہ اٹھاتے ہیں جسے عزادار کاندھوں پر لے کر چلتے ہیں۔

شام غریباں کی منظر کشی کے لئے تمام عزاخانوں کی روشنیاں گل کر دی جاتی ہیں اور مجلس شام غریباں میں گریہ زاری ہوتی ہے۔ سوئم کے دن تعزیے بڑھائے جاتے ہیں۔ جلوس اور مجالس کا اہتمام ہوتا ہے۔ ۲۵ محرم الحرام کو حضرت امام زین العابدین کی شہادت پر شب بیداری حاجی باقر مرحوم کے عزاخانے اور دوسری شب بیداری امام بارگاہ شاہ فرید باب العلم میں ہوتی ہے جہاں دوسرے شہروں سے آئی انجمنیں نوحہ خوانی اور سینہ زنی کرتی ہیں۔ تمام بستی میں تعزیتی جلوس برآمد ہوتے ہیں۔ اربعین یعنی امام حسین کا چہلم بڑے زبردست پیمانے پر منایا جاتا ہے۔

نوگاواں سادات میں چار انجمنیں عزاداری کے لئے مشہور ہیں:

۱. انجمن یادگار حسینی

۲. انجمن عابدیہ

۳. انجمن حیدری

۴۔ انجمن سوگواران حسینی۔

۵۔ انجمن آل ابوطالبؑ، بزرگوں کی ایک ہے جو قدیم طرز کا مظاہرہ کرتی ہے۔

حیدر گڑھ (مراد آباد)

مرادآباد ضلع کے موضع کوٹ میں ایک ہندو مسمّٰی بخت مل حیدر نے امام باڑہ تعمیر کیا اور اس میں تعزیہ رکھا۔ نواب آصف الدولہ نے ۲۰ جمادی الثانی ۱۱۹۴ھ (۱۷۸۰) ایک حکم کے ذریعہ موضع کوٹ عرف حیدر گڑھ امام باڑے کے اخراجات کے لئے بخت مل حیدر کو دیا۔

شہر مرادآباد[1]

دہلی سے تقریباً ۱۶۵ کلومیٹر فاصلے پر اتر پردیش کے روہیل کھنڈ علاقے میں مرادآباد واقع ہے۔ یہ ایک تجارتی شہر ہے جہاں کی قلعی ظروف کی حرفت بہت مشہور ہے۔ یہاں ادبی روایت بھی ہے۔ عزاداری بھی یہاں برسوں پہلے سے ہوتی ہے۔

قدیم شیعہ امام باڑے

۱۔ امام باڑہ وقف مرزا قلی خاں واقع محلّہ کہنہ مغل پورہ، نیاریان۔

۲۔ امام باڑہ بنو بی واقع محلّہ کہنہ مغل پورہ، نیاریان (یہ امام باڑہ اب اہل سنت کے انتظام میں ہے)۔

۳۔ امام باڑہ وقف میر سعادت علی واقع بازار چومکھا پل۔

۴۔ امام باڑہ وقف فرزند علی (امام باڑہ تخت) واقع محلّہ لانکڑی والان۔

۵۔ امام باڑہ وقف مرزا زین العباد واقع محلّہ جامع مسجد۔

۶۔ امام باڑہ وقف کوٹ واقع حال محلّہ جامع مسجد۔

۷۔ امام باڑہ وقف میر جعفر واقع محلّہ مقبرہ (اب یہ امام باڑہ موجود نہیں ہے صرف اِس سے متعلق ایک چبوترے پر چند دکانیں باقی ہیں) اِس وقف کی مجالس کا عشرہ کوٹ کے امام باڑے میں منعقد ہوتا ہے۔

جدید شیعہ امام باڑے

۱۔ امام باڑہ محمدی ہال واقع آزاد نگر (زیر تعمیر)

۲۔ امام باڑہ تہذیب فاطمہ واقع محلّہ زاہد نگر ۱۵ صفر کو اِس امام باڑے میں شب بیداری کا پروگرام ہوتا ہے۔

---

[1] مرادآباد میں عزاداری مراسلہ مولانا (ڈاکٹر) سید مظفر حسین ترابی۔

۳۔ امام باڑہ سید علمدار حسین مرحوم واقع محلہ زاہد نگر (محرم میں عشرۂ مجالس اور ۷ محرم کو مہندی کا جلوس)۔
۴۔ امام باڑہ کنیز سیدہ واقع محلہ زاہد نگر (محرم میں عشرۂ مجالس کا انعقاد ہوتا ہے)۔
۵۔ امام باڑہ نواب پورہ، نئی آبادی (مجالس کا انعقاد ہوتا ہے)۔
۶۔ امام باڑہ مرزا سلطان لکھپتی (خانقاہ اہلبیت) واقع محلہ پیرزادہ (مجالس کا انعقاد ہوتا ہے)۔

مراسم عزا

۱۔ محرم کی چاند رات (۲۹ یا ۳۰ ذی الحجہ کو) مشکور حسین نقوی مرحوم کے ذاتی امام باڑہ واقع محلہ مغل پورہ اول سے بعدِ مجلس قدیم استقبالِ عزا کے جلوس مبارک برآمد ہوتے ہیں۔

۲۔ پہلی محرم سے ۹ محرم تک اور پھر ۱۲ محرم کو امام باڑہ ماسٹر علی یاور نقوی مرحوم لانکڑی والان میں صبح ۹ بجے، امام باڑہ میر سعادت علی چومکھا پل میں سہ پہر ۴ یا ۵ بجے امام باڑہ وقف فرزند علی (تخت والا) محلہ لانکڑی والان میں رات ۸ بجے، امام باڑہ مرزا قلی خاں محلہ کہنہ مغل پورہ میں رات ۹ بجے اور کسی کسی دن امام باڑہ بنوبی واقع کہنہ مغل پورہ میں بھی مجالس عزا منعقد ہوتی ہیں۔

۳۔ ۷ محرم کو ایک قدیم تاریخی علم مبارک کا جلوس پہلے محلہ شیدی سرائے واقع منشی امیر علی مرحوم کے مکان سے برآمد ہو کر محلہ لانکڑی والان واقع علی حیدر جانی کے امام باڑے میں تین چار بجے سہ پہر کو آتا تھا جو اب ان کے انتقال کے بعد محلہ پیرزادہ واقع مرزا سلطان لکھپتی کے امام باڑے سے آتا ہے اور ایک جلوس علم مبارک امام باڑہ محلہ نواب پورہ سے آ کر اِس جلوس میں شامل ہو جاتا ہے۔ اور علی حیدر جانی کے زیر اہتمام قدیم تاریخی جلوسِ علم مبارک کے ساتھ تینوں جلوس اپنے قدیم راستوں سے ہوتے ہوئے پرانے روایتی انداز میں مقامی و بیرونی انجمن ہائے ماتمی کی نوحہ خوانی اور سینہ زنی کے ساتھ ۱۱ بجے شب میں امام باڑہ وقف مرزا قلی خاں واقع محلہ کہنہ مغل پورہ، نیاریان، نئی سڑک میں اختتام پذیر ہوتا ہے۔

۴۔ محرم کو (شب عاشور) امام باڑہ مرزا قلی خاں میں جلوس ذوالجناح کی زیارت کرائی جاتی ہے اور زنجیر، چھری اور قمع کا زبردست ماتم ہوتا ہے۔

۵۔ محرم (روز عاشورہ) کو بعد اعمال عاشورہ ۱۱ بجے دن میں امام باڑہ گوٹ واقع جامع مسجد سے تعزیہ کا جلوس مقامی انجمن زینت عزا و انجمن اصغری کی نوحہ خوانی و سینہ زنی کے ساتھ امام باڑہ وقف فرزند علی (امام باڑہ تخت) واقع محلہ لانکڑی والان پہنچتا ہے جہاں امام باڑہ محلہ نواب پورہ نئی بستی کا جلوس اور مرزا سلطان لکھپتی مرحوم کا جلوس بھی شامل

ہو جاتا ہے۔ پھر یہ جلوس اپنے قدیم روایتی راستوں پیر غیب، اندرا چوک، گل شہید، عیدگاہ اور ڈبل پھاٹک سے ہوتا ہوا شام ۵ بجے کربلا پہونچتا ہے جہاں تمام تعزیے دفن کر دئے جاتے ہیں۔ زیارت و فاتحہ خوانی اور فاقہ شکنی کے بعد جلوس اختتام پذیر ہوتا ہے۔

۶۔ ۱۵ محرم سے ۱۹ محرم تک حاجی محمد نوگانوی کے مکان واقع محلہ خواجہ نگری جھبو کا نالہ پر خمسہ مجالس نے سیسے میں پنج مجلسیں برپا ہوتی ہیں۔

۷۔ ۲۱ محرم سے ۳۰ محرم تک وقف میر جعفر واقع محلہ مقبرہ کا عشرۂ مجالس کا انعقاد ہوتا ہے۔

۸۔ پہلی صفر سے ۱۰ صفر تک امام باڑہ وقف گوٹ میں دس روزہ عشرۂ مجالس کا انعقاد ہوتا ہے۔

۹۔ ۵ صفر کو شب میں انجمن اصغری کے زیر اہتمام مجلس عزا و شب بیداری اور جلوس علم مبارک ذوالجناح کا پروگرام ہوتا ہے جس میں مقامی و بیرونی انجمن ہائے ماتمی سینہ زنی و نوحہ خوانی کرتی ہیں۔

۱۰۔ صفر سے ۲۰ صفر تک امام باڑہ وقف مرزا زین العباد واقع محلہ جامع مسجد میں عشرۂ مجالس کا انعقاد ہوتا ہے۔

۱۱۔ ۱۷ صفر کو ۸ بجے شب میں سید علی رفعت کاظمی کے مکان سے جلوس علم مبارک برآمد ہو کر رات ۱۲ بجے امام باڑہ وقف مرزا زین العباد واقع محلہ جامع مسجد میں نوحہ خوانی و سینہ زنی کے ساتھ اختتام پذیر ہوتا ہے۔

۱۲۔ شب چہلم علی حیدر جانی کے ذاتی امام باڑہ واقع چوک لانکڑی والان میں مجلس عزا برپا ہوتی ہے۔ بعدۂ علم و تابوت مبارک کی زیارت کرائی جاتی ہے۔

۱۳۔ روز چہلم (۲۰ صفر کی صبح ۱۰ بجے) مظہر عباس نقوی کے مکان واقع چوک لانکڑی والان میں مجلس عزا برپا ہوتی ہے بعدۂ جلوس تعزیہ برآمد ہو کر نوحہ خوانی و سینہ زنی کے ساتھ یہ جلوس عزا امام باڑہ وقف گوٹ واقع محلہ جامع مسجد پہونچتا ہے اور وہاں سے بعد مجلس چوک لانکڑی والان میں واقع امام باڑہ وقف فرزند علی (امام باڑہ تخت) آتا ہے یہاں سے ایک بجے اپنے قدیم روایتی راستوں سے ہوتا ہوا سینہ زنی و نوحہ خوانی اور زنجیر اور قمع کے ماتم کے ساتھ شام ۵ بجے کربلا پہنچتا ہے جہاں تعزیے دفن کر دئے جاتے ہیں۔

۱۴۔ ۲۸ صفر کو پہلے انجمن زینت عزا کے زیر اہتمام چوک لانکڑی والان میں شب بیداری کا پروگرام ہوتا تھا جس میں مقامی اور بیرونی انجمنیں نوحہ خوانی و سینہ زنی اور دہکتے ہوئے انگاروں پر ماتم کرتی تھیں اور تابوت مبارک رسول خدا کی زیارت کرائی جاتی تھی۔ اب یہ پروگرام مظہر عباس نقوی کے مکان واقع مغل پورہ نیاریان سے جلوس علم کی شکل میں برآمد ہوتا ہے۔

۱۵۔ صفر کے آخری ہفتے سے ربیع الاول کے پہلے ہفتے تک امام باڑہ وقف فرزند علی خان (امام باڑہ تخت) میں مومنین کی طرف سے ذاتی و انفرادی مجالس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

۱۶۔ ۷ ربیع الاول کو سہیل رضوی (ایف سی آئی) کے مکان واقع مغل پورہ اول سے رات ۸ بجے ایام عزا کا آخری الوداعی جلوس برآمد ہوتا ہے جو امام باڑہ فرزند علی میں ختم ہوتا ہے۔

۱۷۔ شہر کے لائن پار علاقے سنبھل روڈ پر واقع محلہ زاہد نگر میں بھی امام باڑہ علمدار حسین مرحوم اور امام باڑہ کنیز سیدہ میں پہلی محرم سے عشرۂ مجالس کا انعقاد ہوتا ہے اور ۷ محرم کو امام باڑہ علمدار حسین سے جناب قاسم کی مہندی کا جلوس برآمد ہوتا ہے۔

۱۸۔ ۱۵ صفر کو امام باڑہ تہذیب فاطمہ واقع محلہ زاہد نگر میں شب بیداری ہوتی ہے اور جلوس عزا برآمد ہوتا ہے جس میں مقامی اور بیرونی انجمنیں نوحہ خوانی و سینہ زنی کرتی ہیں۔

۱۹۔ امام باڑہ نواب پورہ نئی آبادی میں محرم کی چاند رات سے ہی انجمن مشن پیغام حسینی و انجمن پیغام غدیر کے زیر اہتمام اور چمن حیدر کے زیر انتظام مجالس عزا کا انعقاد ہوتا ہے۔

۲۰۔ اِن مجالس و جلوس ہائے عزا کے علاوہ مختلف تاریخوں میں متعدد مومنین کے مکانات پر سالانہ ذاتی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں۔ نیز مختلف امام باڑوں اور لوگوں کے مکانوں پر سالانہ عشرۂ مجالس کا انعقاد مسلسل ۷ ربیع الاول تک سوا دو مہینے ہوتا رہتا ہے اور مخصوص تاریخوں میں تابوت جناب سکینہ و گہوارۂ حضرت علی اصغر کی زیارت بھی کرائی جاتی ہے۔ شیعہ حضرات کے ساتھ ہی اہل سنت حضرات بھی نہایت ادب و عقیدت و احترام اور بہت ہی اہتمام اور تزک و احتشام کے ساتھ عزاداری و تعزیہ داری کرتے اور ۱۰۰ سے زیادہ تعزیے اور پنکھے اور براق وغیرہ کے جلوس روز عاشورہ دوپہر بعد سے شروع ہو کر دیر رات کو کربلا پہونچتے ہیں۔

کندرکی[1]

مرادآباد سے ۱۹ کلومیٹر دور کندرکی مشہور بستی ہے۔ اِس قصبہ کی آبادی تقریباً ۵۰ ہزار ہے جس میں شیعوں کی آبادی تقریباً تین ہزار ہے۔ یہاں کی عزاداری کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں کے شیعہ اور سنی دونوں حضرات عزاداری میں حصہ لیتے ہیں۔ محرم کا چاند دکھائی دیتے ہی شیعوں کا چاند رات کا علم برآمد ہوتا ہے۔ یہ جلوس عزاخانہ ظل حسنین سے شروع ہوتا ہے اور سادات کے سبھی عزاخانوں میں گشت کے بعد عزاخانہ سقائے سکینہ میں بڑھا دیا جاتا ہے۔ یہاں نوحہ، ماتم و مجلسیں شروع ہو جاتی ہیں۔ اِس کے علاوہ محرم کے دس دن کے دوران دیگر چھوٹے چھوٹے جلوس بھی نکلتے ہیں جو محلہ میں ہی رہتے ہیں۔ یکم محرم سے نویں تک روزانہ زنانی اور مردانی الگ الگ تقریباً ۳۰ مجالس ہوتی ہیں۔ مجلسیں صبح سے شروع ہو کر دیر رات گئے تک جاری رہتی ہیں۔ مجلسوں میں تبرک بانٹا جاتا ہے کچھ مجلسوں میں کھانا بھی کھلایا جاتا ہے۔

۱۔ کندرکی میں عزاداری (مضمون) قیصر رضوی ص ۳۲ راشٹر یہ ہت (ہندی) لکھنؤ محرم نمبر ۸ جنوری ۲۰۰۷ء۔

آٹھویں محرم کی مجالس حضرت عباس علمبردار کے نام سے منسوب ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کو حاضری بٹتے ہیں۔ سبھی مجلسوں میں "جب ہوئے بازوِ عباس قلم دریا پر" مرثیہ پڑھا جاتا ہے۔ آٹھویں کی صبح کو محبوب رضا کے عزاخانے میں مجلس کے بعد شبیہ ذوالجناح کا جلوس برآمد ہوتا ہے جو گشت کے بعد مہدی حسن کے عزاخانے میں بڑھا دیا جاتا ہے۔ یہ جلوس بہت مقبول ہے اِس میں دوسری قوموں کی عورتیں شامل ہو کر اپنی منتیں بڑھاتی ہیں۔ جلوس کے بعد نصف شب تک مجالس کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ بستی میں انجمن حسینی، انجمن شان حیدری اور انجمن اکبری تین ماتمی تنظیمیں ہیں۔ جلوسوں کا اہتمام سبھی مومنین کرتے ہیں۔

سنی حضرات بھی محرم کا چاند دیکھ کر غم امام حسین شروع کر دیتے ہیں۔ شہادت نامہ پڑھا جاتا ہے۔ مجالس میں قاری بیان فرماتے ہیں۔ اہل تسنن کی ایک ماتمی انجمن انجمنِ حسینی بھی ہے جو نوحہ خوانی بھی کرتی ہے۔ قصبہ میں سنیوں کے ایک درجن سے زائد امام باڑے ہیں جن میں اسٹیشن والی مسجد کے امام باڑے کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ سنیوں کے سبھی ماتمی جلوس یہیں سے شروع ہوتے ہیں۔ اہل سنت کے ماتمی جلوس سات و آٹھ محرم کی رات کو نکلتے ہیں۔ سات محرم کی رات محلہ کائستھان سے چھوٹی مہندی کا جلوس اور آٹھویں کو امام باڑہ داؤد خاں سے جلوس کا اہتمام ہوتا ہے۔ یہ دونوں جلوس بستی میں گشت کرتے ہیں۔ نویں محرم کی دوپہر بعد شیعوں اور سنیوں کا علم مبارک کا مشترک جلوس شروع ہوتا ہے۔ اِس کے بعد شیعہ اور سنی امام باڑوں میں روشنی ہوتی ہے۔ امام باڑہ حضرت ابو طالبؑ کے نزدیک ٹیلے پر شبیہ کربلا بنائی جاتی ہے۔ صوفی سراج احمد صوفی عزیز احمد انصاری کے عزاخانے میں بھی کربلا کی منظر کشی کی جاتی ہے۔ عزاخانے پوری رات کھلے رہتے ہیں۔

دسویں محرم کی دوپہر میں امام باڑہ حضرت ابو طالب میں مجلس کے بعد حضرت علی اکبر کا شبیہ تابوت و ذوالجناح برآمد ہوتا ہے۔ جلوس شبیہ تابوت محلے میں ہی نجم الحسن مرحوم کے عزاخانے سے شروع ہو کر عزاخانہ ضامن حسن مرحوم میں بڑھتا ہے۔ شبیہ تابوت کے جلوس کے بعد عاشورہ کا جلوس شروع ہوتا ہے۔

شیعہ ماتم داروں کا ماتمی جلوس امام باڑہ حضرت ابو طالبؑ، امام باڑہ الیاس حسین اور محلہ قاضی ٹولہ میں عزاخانہ شہیدان کربلا سے شروع ہوتا ہے جبکہ سنیوں کا جلوس اسٹیشن والی مسجد کے پاس اہل سنت کے مرکزی امام باڑے سے شروع ہوتا ہے۔ جلوس میں شامل ذوالجناح ذاکر احمد مرحوم کے عزاخانے میں چلا جاتا ہے۔ جہاں عورتیں نوحہ خوانی اور ماتم کرتی ہیں۔ بقیہ جلوس کربلا کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔ شیعوں کے تعزیے دفن ہونے کے بعد اہل سنت اپنے تعزیے دفن کرتے ہیں۔ بستی کے تعزیوں کے دفن ہونے کے بعد نزدیک کے گاؤں کے تعزیے دفن ہوتے ہیں۔ عاشور کے جلوس میں تقریباً ڈیڑھ لاکھ لوگوں کی حاضری ہوتی ہے۔ (یوم عاشور کو کربلا کے قریب ہی میلا لگتا ہے لیکن اس میں صرف سنی حضرات ہی خریداری کرتے ہیں) سنی ماتم داروں کے ہی سو سے زائد خوبصورت علم اور بڑے تعزیے ہوتے ہیں جبکہ شیعوں کے علم تو

بڑے اور چھوٹے دونوں طرح کے ہوتے ہیں لیکن تعزیے چھوٹے ہوتے ہیں۔ تعزیوں کو دفن کرنے کے بعد شیعہ ماتم دار "الوداع شاہ شہیداں الوداع" پڑھتے واپس آجاتے ہیں۔ شیعہ حضرات کی فاقہ شکنی جناب شہاب حسین کے یہاں ہوتی ہے(اس کی شروعات کرنل سر رضا علی وحشت نے کی تھی) عورتوں کی فاقہ شکنی ذکی احمد مرحوم کے عزاخانے میں کرائی جاتی ہے۔ (جس کی شروعات سید نذیر احمد نے کی تھی) اس کے بعد نجم الحسن کے عزاخانے میں مردانی مجلس شام غریباں ہوتی ہے۔ عورتوں کی شام غریباں کی مجلس نقیر محمد کے عزاخانے میں ہوتی ہے۔

کندرکی میں ۲۰ صفر کو چہلم کا ماتمی جلوس محرم کی طرح ہی برآمد ہوتا ہے۔ مجالس عزا اور جلوسوں کا سلسلہ عاشورہ کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ ۱۲ محرم کو سنی ماتم داروں کا مہندی کا جلوس صدر امام باڑے سے برآمد ہو کر کربلا میں تمام ہوتا ہے۔ اس میں شیعہ ماتم دار بھی شریک ہوتے ہیں۔ رات کو امام باڑہ ابو طالبؑ سے مہندی کا جلوس شروع ہوتا ہے جو الیاس مرحوم کے عزاخانے میں بڑھایا جاتا ہے۔ صفر کی نوچندی جمعرات کی شب میر مصطفیٰ حسن کے امام باڑے سے ذوالجناح برآمد ہوتا ہے جو نجم الحسن کے عزاخانے تک جاتا ہے۔ اس جلوس میں باہر سے آئی ماتمی انجمنیں بھی شریک ہوتی ہیں۔ ۱ صفر سے عشرہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس سے قبل امام باڑہ ابو طالبؑ میں مجالس کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ عشرے میں بھی روزانہ بہت مجلسیں ہوتی ہیں۔ ۱۹ صفر کی رات کو شیعہ اور سنی ماتم داروں کے الگ الگ جلوس نکلتے ہیں جو بستی میں پوری رات گشت کرتے ہیں۔ ۲۰ صفر کو سنی اور شیعہ ماتم داروں کا جلوس اربعین محرم کے جلوسوں کی طرح کربلا پہنچتا ہے وہاں تعزیے دفن کئے جاتے ہیں۔ رات کو جلوس کے بعد علی نقوی کے عزاخانے میں مردانی اور سید حبیب الحسن کے عزاخانے میں زنانی مجالس چہلم ہوتی ہیں۔ ۲۱ صفر کی رات کو انجمن شان حیدری کی جانب سے جلوس علم برآمد ہوتا ہے جس میں بیرونی ماتمی انجمنیں بھی شریک ہوتی ہیں۔ شیعہ ماتم داروں کا آخری جلوس ماتمی عماری آٹھ ربیع الاول کی صبح برآمد ہوتا ہے۔

سرسی سادات

سنبھل سے تقریباً ۱۰ کلو میٹر کے فاصلے پر واقع سرسی سادات ایک قدیم بستی ہے جہاں عزاداری کی رسم تقریباً ۷۰۰ سال پرانی ہے۔ یہاں کا سب سے پرانا امام باڑہ ۱۳۳۶ء (مطابق ۷۳۴ھ) میں سید حسن عارف نقوی نے بنوایا تھا (حروف ابجد کے اعتبار سے عزاخانہ کی تاریخ ۷۳۴ھ بنتی ہے) اس امام باڑے کی تعمیر کے ۳۰ سال بعد (۷۶۴ھ) میں خانۂ حق کے نام سے ایک مسجد تعمیر ہوئی جس میں نماز جماعت ہوتی ہے۔ اس بستی میں ۱۰۰ عزاخانے ہیں۔ عزاخانہ کلاں غربی۔ عزاخانہ شرقی۔ عزاخانہ بنگالی صاحب، عزاخانہ نشیان، عزاخانہ معصوم علی، عزاخانہ نوابان، عزاخانہ بازار مقنوعہ وغیرہ مشہور ہیں۔ اس بستی میں دو درجن ماتمی انجمنیں ہیں۔ محرم کی دسویں اور گیارہویں کو ۲۰ اور ۲۲ صفر کو جلوس و تابوت نکلتے ہیں۔ بہتر تابوتوں کا

جلوس خاص ہوتا ہے۔ عزاداری میں اہل سنت بھی شریک ہوتے ہیں۔ غیر مسلم حضرات بھی عقیدت و خلوص سے جلوسوں، مجلسوں میں شرکت کرتے ہیں۔ سرسی کی ادبی روایات بھی مشہور ہیں آج بھی یہاں مراثی اور سلام کہنے والے سخنوروں کی خاصی تعداد ہے جو بیرون سرسی بھی مجالس عزا، مسالموں وغیرہ میں اپنا کلام پیش کرتے ہیں۔

سنبھل[1]

سنبھل شہر کی عزاداری کی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں ہر محلہ سے تعزیے برآمد ہوتے ہیں۔ ۷ محرم کو شہر کے مرکز سے بڑی تعداد میں جلوس ہائے علم برآمد ہوتے ہیں جس میں بلا تفریق مذہب وملت سب شریک ہوتے ہیں یہ جلوس شہر کی تمام اہم شاہراہوں سے گزرتا ہے۔

سنبھل کی چار بستیاں ایسی ہیں جہاں شیعیان علی کی تعداد خاصی ہے۔ اِن محلوں میں عزاداری جوش و احترام سے ہوتی ہے۔ محلہ نوریوں کی سرائے میں چار امام باڑے (امام باڑہ فرمان علی صاحب، امام باڑہ صغیر حسین، امام باڑہ نمبرداران، امام باڑہ داداشاہ نور) ہیں۔ جہاں ایام عزاداری میں مجالس کا سلسلہ شب و روز جاری رہتا ہے۔

۲ محرم کو جلوس امام باڑہ داداشاہ نور نصف شب میں برآمد ہو کر محلّہ کا گشت کرتے ہوئے امام باڑہ فرمان علی پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ اِس میں مقامی ماتمی انجمنیں نوحہ خوانی اور ماتم کرتی ہیں لوگ بڑی تعداد میں اِس جلوس میں شریک ہوتے ہیں۔

۵ محرم نصف شب میں امام باڑہ فرمان علی صاحب سے جلوسِ گہوارۂ علی اصغر برآمد ہوتا ہے۔ یہ جلوس صبح ختم ہوتا ہے۔

۶ محرم کو اِس امام باڑے سے حضرت عون و محمد کے تابوت کا جلوس برآمد ہوتا ہے۔

۷ محرم- امام باڑہ نمبرداران سے حضرت قاسم کی مہندی کا جلوس دو محلوں میں گشت کرتا حسینی چوک پہنچتا ہے۔ امام باڑہ صغیر حسین میں آگ پر اور زنجیری ماتم ہوتا ہے۔ حضرت قاسم کے نام کا ذوالجناح بھی برآمد ہوتا ہے۔ یہ جلوس اذان فجر تک جاری رہتا ہے کبھی کبھی تو نماز کا وقت ہو جانے پر نماز پڑھتے ہیں پھر جلوس جاری ہو جاتا ہے۔

۸ محرم حضرت عباس کے ذوالجناح کا جلوس مجلس عزا کے بعد تقریباً نصف شب کو امام باڑہ نمبرداران سے شروع ہو کر وہیں تمام ہوتا ہے۔

۹ محرم شب عاشور، امام باڑے فرمان علی سے حضرت علی اکبر کے علم اور ذوالجناح کا جلوس برآمد ہوتا ہے۔ یہ جلوس وہیں آکر ختم ہوتا ہے۔ سحر کی اذان تک جاری رہتا ہے۔

عاشورہ کی صبح اعمال عاشورہ کے بعد پہلی مجلس امام باڑہ فرمان علی صاحب میں ہوتی ہے جس میں مصائب کا بیان ہوتا

[1] انٹرویو پروفیسر کلیم عاجز، ۶ جنوری ۲۰۱۲ء۔

ہے۔ اِس کے بعد ایک جلوس برآمد ہوتا ہے جو مختلف عزاخانوں میں جا کر امام باڑہ نمبرداران میں پہنچتا ہے جہاں مجلس کا اہتمام ہوتا ہے۔ وہیں جلوس علم حسینی چوک پہنچتا ہے۔ اِس میں گہوارہ اور ذوالجناح بھی شامل ہوتے ہیں۔ زنجیری ماتم ہوتا ہے۔ بستی کا گشت کرتے ہوئے داداشاہ نور کے امام باڑے سے ہوتے ہوئے مغرب تک کربلا جا کر ختم ہوتا ہے وہاں تعزیے ٹھنڈے ہوتے ہیں۔ مختلف جگہوں پر فاقہ شکنی کا انتظام ہوتا ہے مختلف امام باڑوں میں مجالس شامِ غریباں ہوتی ہیں۔

۱۲ محرم کو سوئم کی مجالس اور جلوس کا اہتمام ہوتا ہے۔

۲۵ محرم کو حضرت امام زین العابدینؑ کے تابوت کا جلوس امام باڑے نمبرداران سے حسینی چوک ہوتا ہوا امام باڑہ فرمان علی صاحب پر ختم ہوتا ہے۔ اِس میں مقامی اور بیرونی انجمنیں ماتم اور نوحہ خوانی کرتی ہیں۔

محلہ حسین خاں میں سرائے حسن خاں صاحب کا قدیمی امام باڑہ ہے اور دوسرا چھدن میاں کا امام باڑہ ہے۔

۳ محرم کو عزاخانہ تاجدار حسین جعفری سے تقریباً نصف شب کو حضرت حر کا تابوت برآمد ہوتا ہے جو عزاخانہ ماسٹر نظر حسین صاحب پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔

۶ محرم کو حضرت عون و محمد کے علم کا جلوس امام باڑہ کاظمین سے برآمد ہو کر عزاخانہ ماسٹر نظر حسین پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔

۷ محرم چھدن میاں کے گھر سے مہندی کا جلوس برآمد ہوتا ہے اور انہیں کے امام باڑے پر تمام ہوتا ہے۔

۸ محرم اِس محلہ میں مردانی مجالس ہوتی ہیں۔ اِس حاضری کی مجلس میں نان وغیرہ تقسیم ہوتی ہیں۔

۱۰ محرم ایک جلوس علم محلہ نوریوں سرائے سے محلہ حسین خاں سرائے اور امام باڑہ چھدن صاحب ہوتا ہوا تمام عزاخانوں کا گشت لگا کر امام باڑہ کاظمین پہنچتا ہے۔ یہاں نوریوں کی سرائے والے نوریوں کی سرائے واپس آجاتے ہیں۔ رات کو مجلس شام غریباں برپا ہوتی ہے۔

۱۱ محرم کی صبح رُقیہ بیگم کا قائم کردہ تابوت جو پہلے عزاخانہ مرحوم سردر حسین سے برآمد ہوتا تھا اب وہ امام باڑہ کاظمین سے برآمد ہوتا ہے اور امام باڑہ چھدن صاحب پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ اِس میں بہت سی بیرونی ماتمی انجمنیں شریک ہو کر نوحہ خوانی اور ماتم کرتی ہیں۔

۱۲ محرم کو مختلف عزاخانوں میں سوئم سید الشہداء کی مجلس عزاخانۂ ذہانت حسین میں ہوتی ہے اِس کے بعد نذر کا اہتمام ہوتا ہے۔

۲۱ محرم کو محلہ حسین خاں سرائے کا اہم جلوس امام حسین اور شہدائے کربلا کے دسویں کے سلسلے میں امام باڑہ کاظمین سے برآمد ہوتا ہے اور امام باڑہ چھدن میاں پہنچتا ہے جہاں آگ پر ماتم کیا جاتا ہے۔ ماتمی انجمنیں شریک ہوتی ہیں۔

اِس کے علاوہ چہلم پر بھی ماتم ہوتا ہے زنانی اور مردانی مجالس کا اہتمام ہوتا ہے اِس موقع پر جلوس بھی نکلتا ہے۔ عورتوں

کا جلوس رات کو برآمد ہوتا ہے۔

محلہ میاں سرائے اور محلہ کوٹ میں بھی ماہ محرم میں اِسی طرح ماتمی مجالس ہوتی ہیں اور جلوس نکالے جاتے ہیں۔

رامپور[1]

ریاست رامپور میں شیعہ آبادی زیادہ نہ تھی لیکن نوابین کی آل محمدؐ سے محبت کی وجہ سے عوام خاص طور پر پٹھانوں کے کچھ قبیلے یوسف زئی وغیرہ عزاداری دلی عقیدت اور احترام سے کرتے تھے۔ اودھ حکومت سے رامپور کے دوستانہ تعلقات کی وجہ سے اودھ کے شیعہ شعراء اور اُدباء یہاں آکر ملازم ہوئے تھے۔ اودھ کی سلطنت کے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد زوال کے نتیجے کے طور پر دلی اور لکھنؤ کے اہل قلم رامپور آ گئے یہ شہر علم و ادب کا مرکز بن گیا۔ یہاں رضا ڈگری کالج ہے ٹیکنکل انسٹی ٹیوٹ اور مشہور کتب خانہ ہے۔ نوابانِ رامپور عزاداری میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ بیگمات بھی خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کرتی تھیں مشہور مرثیہ خواں اور سوزخواں دربار رامپور میں اپنے فن کا مظاہرہ کرتے تھے۔ رامپور کی عزاداری مشہور ہے۔

یہاں ذکر حسین کی تاریخ میں بڑے اتار چڑھاؤ ملتے ہیں۔ نواب محمد سعید مغفور اور جناب عالیہ مغفور کی وجہ سے ریاست میں مجالس حسین کی مستقل بنیاد پڑی اور اثرات تشیع نے وسعت اختیار کی۔ کبھی کبھی وہ دور بھی گزرے ہیں جن میں ذکر حسین نے جمودی صورت اختیار کر لی تھی لیکن نواب حامد علی خاں صاحب نے اپنی مستقل محبت آل رسول سے یہاں شیعت کی بنیادوں کو مستقل کر دیا۔ اہالیان رامپور گو حنفی مذہب کے ہیں مگر عزائے حسین میں حصہ لیتے ہیں اور بڑی فراخدلی سے مجالس بھی کرتے ہیں۔ نواب حامد علی خاں صاحب مرحوم حضرت بحرالعلوم اعلی اللہ مقامہ سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ حضرت نجم العلماء اعلی اللہ مقامہ، بھی مختلف حیثیتوں سے مسئول ریاست رہے۔ اُن کے دور میں رامپور میں بڑے بڑے اہل علم موجود تھے ادیب اعظم علامہ شیخ محمد طیب مغفور مدنی، استاد عربی مولوی احمد نور صاحب مرحوم مدنی، اعلم معقولات مولانا فضل حق مغفور (رامپوری) مولوی حکیم عبدالرشید خاں مرحوم (ماہر طب) مولوی ہدایت رسول مرحوم (مشہور مقرر) مولانا سید ظہورالحسن صاحب قبلہ مغفور، آغا سنجر مرحوم وغیرہم۔ حکیم سید مرتضی حسین صاحب الہ آبادی، مولوی سید اولاد حسین صاحب (للن صاحب) مولوی سید انصار حسین صاحب، مولوی علی رضا صاحب، مولوی اعجاز حسین بدایونی، مولوی سید مظفر حسین صاحب مرحوم، پروفیسر شاداں بلگرامی، مولوی ظفریاب علی صاحب مرحوم، مولوی محمد نقی صاحب

---

[1] رامپور میں عزاداری، مراسلہ مولانا (ڈاکٹر) سید مظفر ترابی/ملاحظہ کیجئے: پروفیسر رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۳۲۸و۳۲۹۔

مرحوم، میر ولایت علی نثار، سید محمد صاحب دہلوی۔ یہ حضرات ریاست رامپور میں خدمتِ علمیہ انجام دے رہے تھے[1]۔

امام باڑے[2]

رامپور میں عزاداری پورے جوش و احترام سے ہوتی ہے۔ کتنے ہی گھروں میں عزاخانے ہیں۔ مشہور امام باڑوں کے نام درج ذیل ہیں:

۱۔ امام باڑہ وقف خاص باغ، مردانہ
۲۔ امام باڑہ وقف خاص باغ، زنانہ۔
۳۔ امام باڑہ وقف حیدری منجھلے نواب صاحب۔
۴۔ امام باڑہ وقف راج ماتا جوالانگر۔
۵۔ امام باڑہ وقف قلعہ معلّیٰ مردانہ۔
۶۔ امام باڑہ وقف قدیم قلعہ معلّیٰ متصل حامد منزل۔
۷۔ امام باڑہ وقف قلعہ معلّیٰ زنانہ۔
۸۔ امام باڑہ وقف مقبرۂ عالیہ۔

غیر سرکاری:

۱۔ امام باڑہ سید قسیم حیدر جوالانگر۔
۲۔ امام باڑہ محلّہ لال قبر۔
۳۔ امام باڑہ پوپ صاحب محلّہ کہماران۔
۴۔ امام باڑہ مقابر المومنین۔

رامپور شہر کے جلوس ہائے عزا[3]

۲۹ ذی الحجہ کو قدیم سرکاری نوابی ضریح مبارک مسٹن گنج چوراہے سے اُٹھ کر امام باڑہ مردانہ خاص باغ جاتی ہے۔

۷ محرم کو جلوس مہندی و ضریح سرکاری توپ خانہ سے اُٹھ کر امام باڑہ خاص باغ جاتا ہے۔ اور ایک جلوسِ مہندی نے

---

۱. تذکرۃ الذاکرین، اشہر لکھنوی، لکھنؤ، ۱۹۴۶ء۔
۲. رامپور میں عزاداری۔ مراسلہ مولانا (ڈاکٹر) سید مظفر حسین ترابی۔
۳. ایضاً۔

میاں کے مکان واقع لال قبر سے ۲ بجے شب میں برآمد ہوتا ہے۔

۹ محرم کو جلوسِ علم و ضریح مبارک امام باڑہ قدیم قلعہ معلیٰ متصل حامد منزل سے امام باڑہ مردانہ قلعہ معلیٰ جاتا ہے۔

۱۰ محرم کو جلوسِ ضریح و علم مبارک امام باڑہ سرکاری کوٹھی خاص باغ سے برآمد ہو کر کربلا جاتا ہے۔

۱۱ محرم کو جلوسِ علم مبارک امام باڑہ لال قبر سے امام باڑہ مردانہ قلعہ معلیٰ جاتا ہے۔

۱۲ محرم کو جلوسِ ضریح و علم سرکاری امام باڑہ مردانہ کوٹھی خاص باغ سے برآمد ہو کر کربلا جاتا ہے جس میں مقامی و بیرونی انجمن ہائے ماتمی نوحہ خوانی و سینہ زنی کرتی ہیں۔

۱۵ محرم کو جلوسِ علم مبارک امام باڑہ قسیم حیدر واقع محلہ جوالا نگر سے برآمد ہو کر امام باڑہ راج ماتا واقع محلہ جوالا نگر میں اختتام پذیر ہوتا ہے۔ جس میں مقامی و بیرونی انجمن ہائے ماتمی شرکت کرتی ہیں۔

۲۴ محرم کو جانی کے گھر سے علم مبارک کا جلوس برآمد ہو کر امام باڑہ مقابر المومنین میں ختم ہوتا ہے۔

۲۵ محرم کو قدیم اور تاریخی جلوسِ علم مبارک امام باڑہ لال قبر سے برآمد ہو کر اپنے قدیم راستوں سے روایتی انداز میں ہوتا ہوا امام باڑہ پوپ صاحب واقع محلہ کہاران میں اختتام پذیر ہوتا ہے۔

۲۹ محرم کو مشہور قدیم تاریخی جلوسِ علم مبارک امام باڑہ لال قبر سے برآمد ہو کر امام باڑہ قلعہ معلیٰ مردانہ جاتا ہے۔ جس میں مقامی و بیرونی انجمن ہائے ماتمی نوحہ خوانی و سینہ زنی کرتی ہیں۔

۲۰ صفر روز چہلم کو جلوس و علم مبارک، سرکاری ضریح مبارک امام باڑہ مقبرۂ عالیہ سے کربلا جاتا ہے اور ایسا ہی ایک جلوسِ مبارک لال قبر سے اور ایک جلوس مبارک منجھلے نواب صاحب کے امام باڑے سے کربلا جاتا ہے۔

۲۵ صفر کو جلوسِ علم مبارک جوالا نگر شیعہ مسجد سے برآمد ہو کر امام باڑہ راج ماتا واقع جوالا نگر جاتا ہے۔

۲۸ صفر کو امام باڑہ مردانہ میں شب بیداری ہوتی ہے اور رات بھر ذاکرین مجالس میں ذکر فضائل و مصائب اہل بیت اطہار و شہدائے کربلا بیان کرتے ہیں اور مقامی و بیرونی انجمنیں نوحہ خوانی کرتی ہیں۔

۸ ربیع الاول جلوسِ چپ تعزیہ و ضریح مبارک امام باڑہ لال قنبر سے برآمد ہو کر امام باڑہ خاص باغ ہوتا ہوا کربلا جا کر ختتام پذیر ہوتا ہے اور ایام عزاو مراسم عزاداری کا سلسلہ تمام ہو جاتا ہے۔

بریلی، خانقاہ نیازیہ[1]

روہیل کھنڈ کو نواب شجاع الدولہ نے ۱۷۷۴ء میں تسخیر کیا اور یہ نواب آصف الدولہ کے زیر نگیں ۱۷۷۵ء سے ۱۷۹۷ء تک رہا اِس لئے اِس علاقہ میں رہنے والے شیعہ حضرات کی طرز عزاداری پر لکھنؤ کا اثر ہوا۔ بریلوی مسلک والوں نے تو عزاداری کو جائز قرار دے دیا ہے۔ آج بریلی میں سو سے زائد امام باڑوں کا وجود ہے۔ خانقاہ نیازیہ میں آج بھی عزاداری حضرت امام حسین کی روایت قائم ہے اور یہ سلسلہ یہاں اکیاون دنوں ۲۹ ذی الحجہ تا چاند رات سے ماہ صفر کی اکیسویں یعنی چہلم کے دوسرے دن) جاری رہتا ہے۔ شاہ نیاز احمد نے جب بریلی کے خوبی محلّہ میں خانقاہ تعمیر کروائی تو ساتھ ہی امام باڑے کا بھی اہتمام کیا گیا۔ آج تو اِس خانقاہ کے آس پاس پانچ چھ امام باڑے تعمیر ہو چکے ہیں۔ شاہ صاحب نہ صرف خانقاہ میں عزاداری برپا کرتے تھے بلکہ عاشورہ کی رات کو پانچ تعزیوں کی زیارت کو پیدل جاتے تھے اور آپ کا یہ سلسلہ مرتے دم تک قائم رہا۔ مولوی اکبر علی سورتی کے ایک سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا اگر تعزیہ بنا ہی نہیں ہوتا تو میں کسی کو اُسے بنانے کی اجازت نہ دیتا کیونکہ اِس کی پوری طرح تعظیم نہیں ہو پاتی۔ اب جہاں تک ہوگی وہاں تعزیے کی تعظیم و تکریم کرونگا[2]۔ آپ نے اپنے بیٹوں کے نام بھی امام حسین کے نام پر رکھے۔ شاہ نیاز صاحب قادریہ اور چشتیہ سلسلے کی مضبوط کڑی تھے اور امام حسینؑ کو دنیا کے تمام ولیوں کا سردار مانتے تھے۔ شاہ صاحب کے خاندان میں شاہ نظام الدین (آپ نے امام باڑے تعمیر کروائے) حضرت محی الدین احمد عرف ننھے میاں (جو مولا علی کا ذکر سنتے سنتے اتنے سرشار ہوئے کہ آپ کا وصال ہو گیا۔) شاہ محمد تقی عرف ننھے میاں محبوب حق، شاہ محمد حسن سجاد عرف حسن میاں (آپ نے فرمایا تھا امام حسینؑ کی عمر ساڑھے چھپن سال ہوئی تھی میری بھی ساڑھے چھپن کی ہے۔ ہمارا پلنگ وہاں ڈالو جہاں امام باڑہ سجتا ہے۔ آپ کے حکم کی تعمیل کی گئی رات کو آپ کا وصال ہو گیا[3]۔ اور موجودہ سجادہ نشین شاہ محمد حسنین عرف حسینی میاں (جن کی ولادت ۱۱ محرم کو ہوئی اُس دن خانقاہ کی مشہور مجلس برپا ہوتی ہے) عزاداری میں شریک ہوتے تھے۔ آج بھی بریلوی مسلک والے تعزیے نکالتے ہیں۔

دورِ حاضر میں خانقاہ نیازیہ میں محرم کا چاند دیکھتے ہی عزاداری شروع ہو جاتی ہے پہلا تعزیہ محلّہ پھول والان چھوٹا دروازہ جناب شکیل نیازی کے گھر سے برآمد ہو کر چند جگہوں اور بڑے بازار میں ہو کر خانقاہ پہنچتا ہے جس میں خود خانقاہی شریک ہوتے ہیں۔ خانقاہ میں چاند دیکھنے کے بعد تمام مستورات اپنی چوڑیاں اور زیورات اُتار دیتی ہیں (نواحِ بریلی کی عورتیں

۱. خانقاہ نیازیہ میں عزاداریٔ امام حسین کی روایت (مقالہ) ڈاکٹر عراق رضا زیدی ہندوستان میں سنت عزاداری محرم سیمینار، راہ اسلام شمارہ جون ۲۰۰۷ء۔
۲. آنند شرما: سلسلۂ نیازیہ (ہندی) نیازیہ اکادمی، بریلی؛ جولائی ۲۰۰۰، ص ۳۵۔
۳. محمد قاسم نیازی: فضائل اہل بیت سوال و جواب، خانقاہ نیازیہ، بریلی، ص ۳۵۔

امام باڑے میں جاکر اپنی چوڑیاں توڑ دیتی ہیں) اِس دوران سب کا لباس سبز ہوتا ہے۔ خانقاہی سبز رنگ کے کپڑے پہنتے ہیں۔ اور مکمل پاکیزہ زندگی گزارتے ہیں۔ یکم محرم سے بارہ محرم یعنی سوئم الشہداء کربلا تک دن رات لنگر جاری رہتا ہے جس میں بلا تفریق مذہب وملت سب کے لئے عام دعوت کا اہتمام ہو جاتا ہے۔ خانقاہ کے بڑے امام باڑے میں ہر وقت ذکر مخصوص جاری رہتا ہے۔ ۴ محرم کو امام باڑے سے ضریح مبارک اور علم کا جلوس برآمد ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں خانقاہ سے برابر چار چار، پانچ پانچ مرید اپنے ہاتھوں میں علم لئے ہوئے ننگے پاؤں "یا حسین، یا حسین" کی صدا لگاتے ہوئے آس پاس کی گلیوں میں گشت کرتے ہیں۔ چار محرم کو ہی خانقاہی، سجادہ نشین اور اُن کے مرید فقیر بنتے ہیں (جس میں ایک ہاتھ میں ڈنڈا ہے کمر پہ کلاوہ باندھ کر باقاعدہ جھولی پھیلا کر امام حسین کے نام پر بھیک مانگی جاتی ہے) ۵ ویں محرم کو خانقاہ کے بچے بہشتی بنتے ہیں (جس کے لئے ہرا لباس پہن کر کمر میں پٹکا باندھ کر حضرت عباس کی تاسی میں ہاتھ میں علم لے کر پانی، شربت یا دودھ پہ نذر دے کر موجود عزاداروں میں اپنے ہاتھ سے تقسیم کرتے ہیں۔ اِس خانقاہ کا سب سے بڑا جلوس علم و تعزیہ چھ محرم کو برآمد ہوتا ہے جو چوبیس گھنٹے بریلی میں گشت کرتا ہوا امام باڑے میں واپس آتا ہے۔ اِس جلوس میں تمام خانقاہی ننگے پاؤں تعزیہ کے ساتھ گشت کرتے ہوئے جگہ جگہ نذر دیتے ہیں۔ محرم کی ساتویں کو (جو جناب قاسم اور فاطمہ کبریٰؑ سے منسوب ہیں) خانقاہ کی سبھی بہوئیں فقیر بنتی ہیں۔ ۸ محرم کو حضرت عباس کی نذر اور حاضری ہوتی ہے۔ نویں محرم سے خانقاہ میں کوئی بھی پلنگ یا تخت پر نہیں بیٹھتا بلکہ سبھی لوگ چٹائی پر بیٹھ کر مرثیے اور نوحے پڑھتے ہیں۔ شب عاشور بارہ بجے کے بعد سبھی سجادے موجودہ سجادہ نشین کے ساتھ تعزیوں کی زیارت کو نکلتے ہیں۔ کم از کم پانچ امام باڑوں کی زیارت لازمی ہے۔ محرم کی دسویں کو خانقاہ کے سبھی افراد دن بھر باوضو رہ کر عبادت اور عزاداری میں مشغول رہتے ہیں۔ ساتھ ہی اُس وقت تک فاقے سے رہتے ہیں۔ واپسی میں سبھی حضرات توشے سے فاقہ شکنی کرتے ہیں۔ یہ نو محرم کی بنی روٹی ہوتی ہے جس پر بھنا گوشت رکھا جاتا ہے۔ روز عاشورہ پر روزہ نہ رکھ کر فاقہ کیا جاتا ہے۔ گیارہ محرم کی مجلس کوئی ذاکر خطاب کرتا ہے اور ماتمی انجمنیں نوحہ خوانی کرتی ہیں۔ اِس مجلس میں حلوہ اور پراٹھا بطور تبرک بانٹا جاتا ہے۔ اِس مجلس میں مجمع مخلوط ہوتا ہے۔ عاشورہ کو خانقاہ میں ایک ایسی تسبیح دکھائی جاتی ہے جو ٹھیک بارہ بجے کے بعد خود بخود خون آلود ہو جاتی ہے۔ (گیارہ بج کر ۴۵ منٹ پر تسبیح کو بلند کیا جاتا ہے اُس پر کوئی سرخ نشان نہیں ہوتا لیکن جیسے ہی بارہ بجتے ہیں اِس تسبیح پر خون کے نشان ابھرتے ہیں اور موجود حاضرین زور زور سے گریہ زاری اور سینہ کوبی کرتے ہیں۔ بارہ محرم کو شہدائے کربلا کے سوئم کی فاتحہ کے بعد سوگ بڑھا دیا جاتا ہے لیکن چہلم تک سرخ کپڑے نہیں پہنتے نہ خوشی کا کام انجام دیتے ہیں نہ کڑھائی چڑھتی ہے۔ سوئم سے اربعین تک سبیل جاری رہتی ہے۔ روز عاشور کی طرح چہلم کو بھی لنگر جاری رہتا ہے۔ یہ لنگر کبھی کبھی چھوٹی کربلا (منسوب بہ شیعیان) میں بھی جاری کیا جاتا ہے۔

شہر بریلی[1]

بریلی میں سو سے زاید امام باڑے ہیں۔ اِس شہر میں اہل تشیع کے ساتھ ساتھ اہل تسنن حضرات بھی عزاداری میں شریک ہوتے ہیں۔ بریلوی مسلک والے تو عزاداری کو جائز مانتے ہیں اور بریلی کی مسلم آبادی پر خانقاہ نیازیہ کا بہت اثر ہے۔ اِسی لئے یہاں شیعہ حضرات کے ساتھ ساتھ اہل سنت میں بھی جلوس ہائے محرم کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ عشرۂ محرم میں مجالس صبح ۷ بجے سے رات ۱۲ بجے تک ہوتی رہتی ہیں۔ ۲ محرم کو ضریح مبارک کا جلوس ایک بجے دن کو امام باڑہ وقف نواب محمد حسین خاں عرف نبو صاحب بازار قلعہ سے برآمد ہوتا اور شہر کا گشت کرکے رات ۱۲ بجے واپس اسی امام باڑے پر تمام ہوتا ہے۔ ۷ محرم کو جلوس مہندی دیوان خانۂ قلعہ سے رات ۹ بجے برآمد ہو کر ساڑھے بارہ بجے امام باڑہ وقف فتح علی شاہ المعروف میں آتا ہے جلوس میں علم و تابوت جناب قاسم ابن الحسن و دیگر تبرکات ہوتے ہیں۔ ۹ محرم کا جلوس جریدہ امام باڑہ فتح علی شاہ (کالا امام باڑہ) سے مجلس عزا کے بعد صبح دس بجے برآمد ہوتا ہے جو تمام شہر کا گشت کرکے صبح ۵ بجے واپس آتا ہے بعدہٗ مجلس عزا بپا ہوتی ہے اور تابوت جناب ابو الفضل العباس کی زیارت ہوتی ہے۔ شب عاشور تمام رات امام باڑوں میں مجالس کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ کالے امام باڑے کی مجلس کے بعد تابوت جناب علی اکبر برآمد ہوتا ہے اور انجمن ہائے ماتمی تمام شب نوحہ و ماتم کرتی ہیں۔ ۱۰ محرم کو مؤمنین اعمال روز عاشورہ بجالاتے ہیں۔ بعدہٗ ایک مجلس کالے امام باڑے میں منعقد ہوتی ہے جس کے بعد تابوت جناب علی اصغر برآمد ہوتا ہے۔ تابوت کی زیارت کے بعد جلوس برآمد ہوتا ہے جو کربلا تک جاتا ہے۔ کربلا میں مجالس اور سوز خوانی کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ شام کو فاقہ شکنی کرتے ہیں۔ رات کو ۹ بجے امام باڑے وقف فتح علی شاہ (کالا امام باڑہ) میں مجلس شام غریباں برپا ہوتی ہے۔ بعدہ ایک مجلس شام غریباں امام باڑہ جناب لیاقت حسین خاں بازار صندل خاں میں ہوتی ہے۔ کالے امام باڑے کو مرکزی حیثیت حاصل ہے کیونکہ یہ سب سے قدیم ہے اور اِس میں جو ضریح مبارک ہے وہ دو صدی سے زیادہ پرانی ہے (اِس پر سن ۱۲۰۴ھ لکھا ہے)۔ عشرہ محرم کے علاوہ اِس امام باڑے میں مجلس عزا یکم محرم سے ۸ ربیع الاول، جلوس چہلم ۱۹ صفر بسلسلہ شہادت امام حسین، شب بیداری ۲۵ صفر کو ہوتی ہے جس کا انعقاد انجمن شمشیر حیدری کرتی ہے اِس میں بیرونی ذاکرین خطاب فرماتے ہیں۔ اِس پروگرام کی پہلی مجلس جو جلوس اور آگ کے ماتم کے بعد ہوتی ہے۔ ساڑھے گیارہ بجے شب کو شروع ہوتی ہے۔

۱۔ شہر بریلی کی عزاداری (مضمون) ساہر حسین، ص ٦٦، راشٹریہ سہارا، محرم نمبر، جنوری ۲۰۰۷ء۔

قصبہ سیتھل[1]

سیتھل (ضلع بریلی) قصبہ میں تعزیہ داری اور عزاداری کو تقریباً ساڑھے چار سو سال سے زائد ہو چکے ہیں۔ مجالس و محافل کا سلسلہ یوں تو سال بھر ہی چلتا رہتا ہے۔ ہر جمعرات کو مجلس ہوتی ہے ۲۸ رجب کو امام حسینؑ کی مدینے سے روانگی کا جلوس مسجد حیدری سے برآمد ہوتا ہے جو زیر اہتمام انجمن پنجتنی ہوتا ہے۔ ۲۱ رمضان المبارک کو مولائے کائنات حضرت علیؑ کا تابوت قصبہ میں گشت کرتا ہے۔ جلوس علم ذی الحجہ نوچندہ پنج شنبہ (انجمن اصغریہ کی روح رواں) سید احمد اصغر قلم کی قبر سے اُٹھ کر پورے قصبہ کا گشت لگا کر امام باڑہ کلاں پر تمام ہو جاتا ہے۔

چاند رات سے ماہ محرم کی مجالس کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اہل سنت اور اہل تشیع ایک ہی طریقے سے مجالس عزا برپا کرتے ہیں دونوں جانب سے یہ سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ امام باڑہ چوڑی والان، امام باڑہ زباں، امام باڑہ نیا مکان اور دوسری جانب امام باڑہ شیخ کاظم، امام باڑہ گڑھی، امام باڑہ مسماۃ نظیری بانوی (کچھایان) ہوتے ہوئے یہ سلسلہ امام باڑہ کی مجلس پر ختم ہوتا ہے۔ اِس طرح چھ محرم تک شب میں ۸ مجالس ہوتی ہیں جن میں سوز خوانی، حدیث خوانی کے ساتھ کہیں کہیں نوحہ خوانی بھی ہوتی ہے۔ چھ تاریخ کی مجالس امام باڑہ کاظمین میں انجمن پنجتن، امام باڑہ نظیر بانو میں انجمن یادگار حسینی، امام باڑہ گڑھی میں انجمن عزائے حسینی اور امام باڑہ کلاں میں انجمن اصغریہ گھوارۂ علی اصغر کی شبیہ نکالتی ہے اِس میں زائرین کی تعداد ۵ ہزار سے بھی زائد ہوتی ہے۔ اِس مجلس میں سوز خوانوں کے چھ جوڑ پڑھتے ہیں پچھلے تیس برسوں سے جناب شاہد رضا سیتھلوی مجلس پڑھ رہے ہیں اور ساتویں تاریخ سے مجالس کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے کیونکہ ساتویں محرم کو ہر امام باڑے میں مہندی چڑھتی ہے امام باڑے کے منتظمین مختصر سی مجلس کر لیتے ہیں ساتویں کی شب میں مہندی کا قدیم جلوس امام چوک محلہ چودھری سے قصبہ کی شاہراہوں سے گزرتا ہوا امام باڑہ کلاں آتا ہے جس میں جناب حسین حیدر صاحب حضرت قاسمؑ کے حال کے سوز اور مرثیہ پنج چخوں کی آوازوں میں پڑھتے ہیں۔

یکم محرم سے دن میں دورے کی مجالس شروع ہو جاتی ہیں۔ پہلی مجلس امام باڑہ گلشن روڈ پر، دوسری امام باڑہ گھرن صاحب، تیسری امام باڑہ خورد موسومہ بہ "چھوٹا امام باڑہ" چوتھی امام باڑہ نجار اور پانچویں مجلس امام باڑہ محلہ چودھری موسومہ بہ امام باڑہ اعجاز محمد صاحب اور چھٹی مجلس امام باڑہ حیدری میں برپا ہوتی ہیں۔ دو سال سے بھی زائد عرصے سے اِن شب و روز کی مجالس کا سلسلہ جاری ہے۔

---

1. عزاداری قصبہ سیتھل (مضمون) سید واسط علی زیدی سیتھلی، ص ۶۲، راشٹریہ سہارا، محرم نمبر، جنوری ۲۰۰۷ء۔

پہلی تاریخ سے جلوس عزاداری نکلنے شروع ہو جاتے ہیں۔ سب سے آگے اعلانی باجہ اِس کے عقب میں چھڑیں جو ۵۰ سے ۶۰ فٹ تک اونچی ہوتی ہیں جن کے نیچے "سید دولہا، حسین حسین" یا علی مولی، حسین حسین" کے فلک شگاف نعرے زنجیر کی جھنکاروں میں گونجتے ہیں۔ اِن چھڑوں کے پیچھے پانچ علم اور ایک ڈولا ہوتا ہے جس کے آگے مرثیہ خواں مرثیہ پڑھتے ہیں۔ یہ جلوس ہر عزاخانے پر جاتا ہے۔ اِن امام باڑوں سے متعلق مسلمان بچے سقہ بنتے ہیں۔ لوگ سبیلیں کرتے ہیں، نذر دلاتے ہیں نصف شب کو یہ جلوس اپنے مرکز پر آ جاتا ہے۔

پہلی تاریخ: کو امام باڑہ کاظمین کا جلوس جس میں مرثیہ خواں رئیس میاں یہ مرثیہ پڑھتے ہیں:

"جب ہوئے بازوئے عباس قلم دریا پر"

دوسری تاریخ امام باڑہ حجام (نائیوں کا امام باڑہ) کا جلوس گشت کرتا ہے جس میں خورشید حنفی کے زیر اہتمام یہ مرثیہ پڑھا جاتا ہے:

"غل ہے میدان میں عباس علی آتے ہیں"

تیسری تاریخ امام باڑہ گڑھی (انصاریان و قصابان) کا جلوس گشت کرتا ہے جس میں اب اصغر حسینی صاحب یہ مرثیہ پڑھتے ہیں:

"پنجۂ غم نے کیا چاک گریبانِ سحر"

چوتھی تاریخ: امام باڑہ چوڑی والان کا جلوس گشت کرتا ہے جس میں قاضی مظفر حسین حنفی اور شیخ تقی اختر حنفی یہ مرثیہ پڑھتے ہیں:

"آج سردار و علمدار جدا ہوتے ہیں"

پانچویں تاریخ کو مسجد محلہ چودھری کے عقب میں امام باڑہ مسماۃ ننھی و امام باڑہ مسماۃ امیر بانو کا علم جلوس و ڈولا برآمد ہوتا ہے اِس سے پہلے سید محمد عباس اور آصف حسین یہ مرثیہ پڑھتے ہیں:

"جب ہوئے بازوئے عباس قلم دریا پر"

چھٹی تاریخ کو امام باڑہ خورد کے علموں کا جلوس اُٹھتا ہے جس میں سید عزادار حسین مرثیہ پڑھتے ہیں۔

ساتویں تاریخ کو امام باڑہ گلشن روڈ کے علم اٹھتے ہیں۔ جناب اصغر حسین یہ مرثیہ پڑھتے:

"تنہا ہے قتل گاہ میں سلطانِ کربلا"

آٹھویں تاریخ۔ حضرت عباس علمبردار کے نام سے منسوب یہ تاریخ سیتھل کے لئے مخصوص ہے۔ صبح سے ہی گرد و نواح کے مواضعات اور دور دراز کے مسلم اور ہندو ہزاروں کی تعداد میں قصبہ میں آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ امام باڑہ کلاں کے

بلند دروازے سے فتح نشان کا پرچم سلامی جھکا اُدھر گریہ شروع ہو جاتا ہے۔ آگے آگے فتح نشان اور اس کے پیچھے ذوالجناح امام باڑے کی سیڑھیوں سے اتر کر سڑک پر آ جاتا ہے سید تحسین حیدر یہ مرثیہ پڑھتے ہیں:

شہ پہ عباس نے جب پیاس کی شدت دیکھی   اور کمھلائی ہوئی آپ کی صورت دیکھی

اِس کے بعد یہ مرثیہ شروع ہو جاتا ہے:

"رن میں شبیر سے رخصت کو جب آئے عباس"

یہ مرثیہ جناب ذوق دہلوی جب سینتھل آئے تھے تو یہاں والوں کے اصرار پر کہہ کر دیا تھا۔ جلوس مسجد قصابان سے کالے امام باڑے پر آتا ہے یہاں مقررین ہزاروں حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے حضرت امام حسین کی عزاداری پر مدلل تقاریر کرتے ہیں (یہ تقریری سلسلہ مرحوم سید احمد اصغر قلم سینتھلوی کا شروع کیا ہوا ہے جسے اب آپ کے فرزند اکبر سید شاہین رضا زیدی نہایت خوبی سے آگے بڑھا رہے ہیں) یہ تقاریر بورڈنگ ہاؤس اور مسجد سید احمد علی پر بھی کی جاتی ہیں۔

امام باڑہ مسماۃ ننھی سے آگ پر ماتم کرنے والوں کا دستہ سیاہ لباس پہنے آ کر دہکتے انگاروں پر ماتم کر کے خیام حسینی کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ اِس کے بعد جلوس ۱۲ بجے شب کو واپس امام باڑے کلاں آ جاتا ہے۔ آخر میں جلوس العطش برآمد ہوتا ہے اور ماتم کی فلک شگاف صداؤں کے ساتھ جلوس ختم ہوتا ہے۔

نویں تاریخ: حضرت علی اکبر سے منسوب اِس تاریخ کو دس بجے صبح انجمن پنجتن کا جلوس جریدہ گہوارۂ تابوت، ذوالجناح امام باڑہ کاظمین سے اور پھر سہ پہر ۲ بجے عام جلوس جریدہ قدیم تابوت ذوالجناح امام باڑہ مسماۃ امیر بانو محلہ چودھری سے اور انجمن یادگار حسینی کا جلوس مسجد محسن سے برآمد ہوتا ہے۔ تینوں جلوس پورے قصبہ کا گشت کر کے امام باڑہ کلاں پر اختتام پذیر ہوتے ہیں۔ انجمن پنجتن کا یہ جلوس شب عاشور کے جلوس میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ عاشور کی شب میں متعدد انجمنوں کے جلوس رات بھر گشت کرتے ہیں جن میں انجمن اصغریہ، انجمن حیدری، انجمن پنجتن، انجمن سجادیہ، انجمن یادگار حسینی، انجمن عزائے حسینی، ضریح محلہ گڑھی زیر انتظام شیخ منشی انصاری قابل ذکر ہیں۔ اِس شب کا قدیم جلوس امام باڑہ کلاں سے برآمد ہوتا ہے جسے انجمن اصغریہ اٹھاتی ہے۔ اِس جلوس میں ایک شمع ساتھ ہوتی ہے اور ماتمی دستہ کفنی پہنے ہوتا ہے۔

صبح عاشور: صبح اذان کے وقت شب عاشور کا قدیم جلوس واپس امام باڑہ کلاں آ جاتا ہے۔ اُس وقت تمام انجمنوں کے جلوس اُس جگہ پر ٹھہرے ہوئے ہوتے ہیں۔ امام باڑے کی عمارت شروع ہوتے ہی جناب سید شاہین رضا زیدی (جانشین قلم سینتھلوی) نوحہ شروع کرتے ہیں:

سر پیٹو عزادارو سحر قتل کی آئی   ہوتی ہے بہن بھائی کی آپس میں جدائی

شہ بولے بہن جاتے ہیں بچوں سے خبردار   تڑپے گی مری روح، جو تڑپی مری جائی

صبح عاشور کوٹھی ریاض علی مرحوم کے سامنے تعزیہ رکھا جاتا ہے جہاں رات بھر لوگ اپنی منتیں بڑھاتے ہیں۔ تعزیہ کاندھوں پر آتا ہے اور آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگتا ہے اور امام باڑہ کلاں کے شمالی حصہ پر جاکر رک جاتا ہے اور تعزیہ مچاند پر رکھ دیا جاتا ہے۔ ٹھیک ۱۲ بجے امام باڑہ کلاں کی مجلس شروع ہو جاتی ہے جس میں چھ جوڑ مرثیہ خواں مرثیہ پڑھتے ہیں۔ اِس کے بعد سید افضال مہدی صاب اپنا قدیمی مرثیہ تحت اللفظ میں پڑھتے ہیں۔ آخر میں سید شاہین رضا زیدی یوم عاشورہ کے مصائب پڑھتے ہیں۔ بعدہ انجمن اصغریہ تیروں سے زخمی ذوالجناح کی زیارت کرتی ہے اور عاشورہ کا جلوس روانہ ہوتا ہے۔ شہر کا گشت کرنے کے بعد کربلا جاتا ہے۔ سیتھل کے تمام عزاخانوں کے تعزیے عقب میں رہتے ہیں۔ بازار کے چوراہے پر آکر اِس جلوس کی شان دوبالا ہو جاتی ہے کیونکہ سیتھل سے ۱۲ میل دور اس جگہ پر آکر جمع ہو جاتے ہیں۔ سنی المذہب مسلمانوں کے مواضعات ٹانڈہ سادات، بیپرا، فاضل پور، فیض اللہ پور، ڈوباوٹ، رچھولا، احمد آباد، حافظ گنج، ہر ہر پور، پریوا کھتولہ، لائی کھیڑا، پنوا، لاڈپور، رسول طالب حسین، صدر پور ٹنڈیہ، دغیرہ کے علم اور تعزیے کے جلوس نوحہ خوانی اور ماتم کرتے ہوئے آتے ہیں۔ بازار کے چوراہے سے کربلا تک ۴۰ ہزار کا مجمع ہو جاتا ہے۔ عصر کے وقت تعزیہ دفن کرکے عزادار فاقہ شکنی کرتے ہیں واپس ہونے پر نماز مغربین سے فارغ ہو کر امام باڑے کلاں کی مجلس شام غریباں میں شرکت کرتے ہیں۔ مجلس کے بعد انجمن اصغریہ تابوت حضرت امام حسین کی زیارت کراتی ہے۔

سوئم کو امام باڑہ یوسف حسین نقوی البخاری سے مجالس کا آغاز ہوتا ہے اور آخری مجلس امام باڑہ کلاں کی ہوتی ہے اِس کے بعد جلوس علم کربلا جاتا ہے۔

۲۵ محرم کو جلوس بیمار کربلا زیر انتظام انجمن سجادیہ برآمد ہوتا ہے جو قصبہ کا گشت کرتا ہے اِس میں مقامی کے علاوہ بیرونی انجمنیں بھی شریک ہوتی ہیں۔

مجالس ماہ صفر: ماہِ صفر کا چاند نمودار ہوتے ہی امام باڑہ کلاں سے مجالس کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ صفر کی دسویں سے ۱۰ دن کی مجالس شروع ہو جاتی ہیں۔ پہلی مجلس امام باڑہ خورد، دوسری امام باڑہ نیا مکان، تیسری مجلس امام باڑہ بخاری اور چوتھی مجلس امیر بانو کے امام باڑے محلہ چودھری میں ہوتی ہے۔ شب میں امام باڑہ چوڑی والان اور امام باڑہ کلاں میں مجالس ہوتی ہیں۔

۱۲ صفر سے انجمنوں کے جلوس شروع ہو جاتے ہیں۔ ۲۰ تاریخ کو چہلم کا جلوس یوم عاشورہ کے جلوس کی طرح ہی اُٹھتا ہے۔ اِس جلوس میں بھی اُتنا ہی کثیر مجمع ہوتا ہے اور سبھی مواضعات کے تعزیے جنہیں کرسی بولتے ہیں اُٹھائے جاتے ہیں۔

۲۸ صفر کو امام حسن کے تابوت کی تیاریاں ہوتی ہیں مخصوص نوحہ پڑھا جاتا ہے:

تیار ہے اے مومنوں تابوت حسن کا

شب بیداریاں: ماہ صفر کی ۲۲ ویں تاریخ کی شب کو انجمن اصغریہ، ۱۷ صفر کو انجمن ذوالفقار حیدری اور ربیع الاول کے پہلے اتوار کو انجمن حیدری شب بیداری کا انتظام کرتی ہے جس میں بیرونی ذاکرین مجلس پڑھتے ہیں۔ بیرونی انجمنیں بھی آتی ہیں۔ اِس تاریخ میں امام چوک محلہ چودھری میں شبیہ خیام حسینؑ کا منظر بھی دکھایا جاتا ہے۔ پہلے آٹھ ربیع الاول کو چپ تعزیہ کا جلوس اٹھتا تھا لیکن گزشتہ ۲۰ سال سے یہ جلوس مدینہ میں کربلا والوں کی آمد" میں تبدیل کر دیا گیا ہے یہ جلوس دو جگہوں سے اُٹھتا ہے جس میں عمارت، تابوت، ذوالجناح، گہوارہ تابوت وغیرہ کی زیارت انجمن پنجتنی کے زیر اہتمام ہوتی ہے۔ اِس انجمن کا جلوس بعدِ مجلس سید احمد اصغر قلم سیتھلوی مرحوم کے مکان سے اٹھتا ہے۔ (اِس جلوس کی ابتدا بھی اصل موصوف سے ہوئی تھی)۔ دوسری جانب قدیم جلوس امام باڑہ امیر بانو سے اُٹھتا ہے اِن دونوں جلوسوں میں مقامی اور بیرونی شارکین کا مجمع کثیر ہوتا ہے۔

شکوہ آباد[1]

شکوہ آباد میں شیعوں کی تعداد تقریباً ۷۰۰ خاندان پر مشتمل ہوگی جبکہ اہل سنت کی تعداد ۲۱ ہزار ہے۔ یہاں ۸ امام باڑے ہیں، ۳ مسجدیں ہیں اور ایک جامع مسجد ہے۔ اِس کے علاوہ ایک حوزۂ علمیہ رسول اعظمؐ کے نام پر ہے۔ ایک عید گاہ اور ایک قبرستان ہے۔ یہاں ایک کربلا ہے۔ عزاداری دو ماہ ۸ دن یکم محرم سے ۸ ربیع الاول تک ہوتی ہے۔ پہلے عشرۂ محرم میں ۷ مجالس برپا ہوتی ہیں دوسرے عشرے میں ۱۲ اور ۸ ربیع الاول کو ایک مجلس منعقد ہوتی ہے۔ پہلی صفر سے خصوصی مجالس ہوتی ہیں۔ چاند رات کو ماتمی جلوس برآمد ہوتا ہے۔ ۵ محرم شبیہ ذوالجناح کا جلوس نکلتا ہے۔ ۶ محرم کو گہوارۂ حضرت علی اصغر، ۷ محرم کو مہندی، ۸ محرم کو دو جلوس نکلتے ہیں۔ ایک جلوس علم نوشیرا سے اور ایک شہر سے برآمد ہوتا ہے۔ ۹ محرم کو تابوت جناب علی اکبر کا جلوس گشت کرتا ہے۔ شب عاشور یعنی شب بیداری میں حضرت سکینہ کے تابوت کا جلوس نکلتا ہے۔ یوم عاشور کو فاقہ شکنی ہوتی ہے۔ اور شام غریباں کا انعقاد ہوتا ہے۔ گیارہ محرم کو تعزیوں کا بڑا جلوس نکلتا ہے جس میں تقریباً ۳۵ ہزار عزاداروں کا مجمع ہوتا ہے۔ ۱۲ محرم کو الوداعی مجلس ہوتی ہے۔ غیر مسلم حضرات بھی عزاداری میں شرکت کرتے ہیں۔ یکم محرم سے ۱۲ محرم تک جلوس نکالے جاتے ہیں۔ ۵ محرم اور چہلم کو جلوس سنی حضرات نکالتے ہیں۔

---

[1] شکوہ آباد کی عزاداری کی معلومات مولانا ابوذر عباس امام جماعت و جمعہ شکوہ آباد نے مرحمت فرمائی، مؤلف ممنون ہے۔

اودھ میں عزاداری

عزادارئ لکھنؤ

ہر دل ہے عندلیبِ گلستانِ لکھنؤ　رضواں بھی ہے ارم میں ثناخوانِ لکھنؤ
گلزارِ مومنیں ہے زہے شانِ لکھنؤ　نعرے علی علی کے ہیں قربانِ لکھنؤ
کیوں سرخرو نہ ہو یہ چمن سبزہ وار ہے
دیکھو کہ اِس خزاں پہ کیسی بہار ہے
مجلس کا انتظام اِسی شہر پر ہے ختم　رونے کا اہتمام اِسی شہر پر ہے ختم
یہ آبرو یہ نام اِسی شہر پر ہے ختم　بس ماتم امام اِسی شہر پر ہے ختم
پوچھو جو پھر کے آئے ہیں یاں ہر دیار میں
دیکھا نہ ہوگا ایک گل ایسا ہزار میں
سب عارف حق ہیں خلف بوتراب ہیں　شیدائے نام سبط رسالت مآب ہیں
سر گرمِ کار خیر شریک ثواب ہیں　بے شک یہ کوثری ہیں کہ آنکھیں پرآب ہیں
روتے ہیں ذکرِ قتل شہ خوش خصال پر
موتی نثار کرتے ہیں زہرا کے لال پر
ذی فہم، نکتہ سنج، سخن فہم، ذی شعور　ذی قدر، ذی وقار، فروتن، سخی، غیور
نخوت، نہ خود سری، نہ تکبر، نہ مکر و زور　وضعیں درست، قلب صفا اور رُخوں پہ نور
کیوں کر نہ عرش و فرش پہ یہ نیک نام ہوں
آقا حسین سا ہو تو ایسے غلام ہوں
(میر انیسؔ لکھنوی)

ایام محرم میں لکھنؤ "حسینی شہر" نظر آتا ہے[1]۔ مجلسوں، جلوسوں، شب بیداریوں وغیرہ کی چہل پہل اور گریہ وزاری، نوحہ خوانی، مرثیہ خوانی کی صدائیں ہر طرف سنائی دیتی ہیں۔ ساتویں اور آٹھویں محرم، شب عاشور اور یوم عاشور، صفر کا پہلا

۱. لکھنؤ کی عزاداری، (مضمون) آغا محمد باقر، ص ۵۸، راشٹریہ سہارا، محرم نمبر، جنوری ۲۰۰۷/ ملاحظہ فرمایئے گذشتہ لکھنؤ از مولانا عبدالحلیم شرر/ قدیم لکھنؤ کی بہار، مرزا جعفر حسین۔

اتوار، چہلم، ۲۸ صفر کو دو معصوموں کا یوم غم اور آٹھویں ربیع الاول کو یوم شہادت امام حسن عسکریؑ مخصوص دن ہیں۔

لکھنؤ میں عہد قدیم سے مختلف اور مخصوص تاریخوں کو جلوس ہائے عزا برآمد ہوتے ہیں جن میں شیعیان علی کے علاوہ دوسری اقوام کے لوگ بھی بہ کثرت شریک ہوتے ہیں۔ اِن جلوسوں کا آغاز یکم محرم کو حسین آباد کی ضریح سے ہوتا ہے جو سہ پہر کو آصفی امام باڑے سے گول دروازے ہوتی ہوئی حسین آباد جاتی ہے۔ پانچویں محرم کو منشی فضل حسین کی کربلا واقع وکٹوریہ گنج سے عون و محمد کا تابوت برآمد ہوتا ہے جو روضۂ زینبیہ پر پہنچ کر ایک مجلس میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ چھٹی محرم کو جامع مسجد مرکز علی خاں کے احاطے سے شبیہ گہوارہ علی اصغر کا جلوس آصفی امام باڑہ پہنچتا ہے جہاں آگ پر ماتم کے لئے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ انجمن سوگواران حسین اِس ماتم کی روایت کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔ سبز کپڑے پہنے، سروں سے کفنی باندھے، ہاتھوں میں علم سنبھالے، بوڑھے، جوان، کمسن بچے دہکتے انگاروں پر سے یا حسین کہتے ہوئے گزرتے ہیں تو فضا سوگوار ہو جاتی ہے۔

محرم کی ساتویں کو اہل لکھنؤ سیاہ کپڑوں میں ملبوس، گریبان چاک، برہنہ پا ایک مجلس سے دوسری مجلس میں نوحہ کناں نظر آتے ہیں۔ سہ پہر کے وقت محلّہ بلوچ پورہ سے نواب صلاح الدین مرحوم کا علم اٹھتا ہے جس میں بڑی تعداد میں ماتم دار شریک ہوتے ہیں۔ مہندی کا ایک بڑا جلوس سہ پہر کے وقت حسینیہ افضل محل متصل وکٹوریہ اسٹریٹ سے برآمد ہو کر پاٹا نالہ، سٹی اسٹیشن، گولہ گنج ہوتا ہوا امام باڑہ داروغہ میر واجد علی تسخیر جاتا ہے۔ رن میں بیوہ حسن یہ پکاری: میرے قاسم کی آتی ہے مہندی۔ جب یہ نوحہ پڑھا جاتا ہے تو سامعین گریہ کرتے ہیں۔ "کشمیریوں کی مہندی" کا علم شب کے شروع کے حصہ میں مولسری کی مسجد نخاس سے برآمد ہو کر اور وکٹوریہ اسٹریٹ، پارچہ والی گلی، چوک سے ہوتا ہوا شاہ گنج جاتا ہے۔ اِس کے ساتھ جلوس نہیں ہوتا لیکن زیارت کے لئے لوگ کثیر تعداد میں سڑک کے کنارے منتظر رہتے ہیں۔ کشمیری حضرات اپنے روایتی انداز میں نوحہ پڑھتے ہیں۔ کہا جاتا ہے لکھنؤ میں یہ مہندی میر احسان علی نے شروع کی تھی۔ مہندی کا آخری جلوس آصفی امام باڑے سے اُٹھ کر حسین آباد کے امام باڑے جاتا ہے۔ شاہی دور میں اِس کی شان ہی کچھ اور تھی۔ فوج، بینڈ باجہ، مہندی کے ۱۰۰ ڈھکے خوان، ساتھ ہوتے تھے۔ چاندی و سونے کے پھولوں کی نچھاور ہوتی تھی اب وہ بات نہیں۔ پھر بھی یہ جلوس مشہور و مخصوص ہے۔ اِس رات عزاخانوں میں عورتیں اپنے بچوں کو گروی رکھتی ہیں۔ بچوں کی ولادت، صحت، ردِ بلیات کے لئے منت مانگی جاتی ہے۔ منت پوری ہونے پر اِسی دن ضریح اقدس یا علم مبارک کے ساتھ ناڑے کا ایک حصہ باندھ کر اُس بچے (جس کے لئے منت مانگی گئی تھی) کے دونوں ہاتھ کو جوڑ کر باندھ دیا جاتا ہے[1]۔

---

[1] ملاحظہ کیجئے: فرہنگ اصطلاحات، لفظ مہندی کا جلوس۔

آٹھویں محرم حضرت عباس علمدار حسینی سے منسوب ہے اُس دن کئی جگہ سے جلوس نکلتے ہیں۔ علم فاتح فرات سولہ یا سترہ برس قبل انجمن رضاکاران حسینی نے اٹھانا شروع کیا تھا آج یہ بہت مشہور ہے۔ ہزاروں ماتم دار اِس جلوس میں شریک ہوتے ہیں۔ یہ علم دریا والی مسجد گومتی کے کنارے اُٹھتا ہے۔ ماتم دار زبردست ماتم کرتے ہوئے میڈیکل کالج کے راستے امام باڑہ غفراں مآب تک آتے ہیں اُس دن ہر گھر میں حاضری پر حضرت عباس کی نذر بھی دی جاتی ہے مجلسوں میں شیر مالیں تقسیم کی جاتی ہیں۔

شب عاشور کیونکہ انصار حسینی نے جاگ کر گزاری تھی اِسی لئے اہل لکھنؤ بھی رات بھر بیدار رہ کر مجلس و ماتم میں مصروف رہتے ہیں۔ اِس رات کے ابتدائی حصے میں ناظم صاحب کے امام باڑے سے علم "یادگار حسینی" اُٹھتا ہے۔ رات کے آخری حصہ میں وزیر باغ سے معجزے کا علم اُٹھتا ہے جو پو پھٹتے ہی درگاہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

روز عاشور

صبح سویرے گھر کی پردہ نشین خواتین بڑے دلدوز انداز میں مرثیہ پڑھتی ہیں "اٹھو مری جاں مرغ سحر بول رہا ہے" اِس کے بعد وہ تعزیہ رکھ کر اپنے اپنے گھروں کے صحن میں نکل آتی ہیں اور یہ نوحہ پڑھتی ہیں "سونپا ہے خدا کو مرے شبیر سدھارو" اور فرط غم سے وہ تعزیہ کو اپنے حلقہ میں لے کر دونوں ہاتھوں سے ماتم کرتی ہیں "یا حسین الوداع" گھر کے باہر مومنین منتظر رہتے ہیں جیسے ہی تعزیہ برآمد ہوتا ہے اُسے سر پر رکھ کر کربلا کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ روز عاشور علموں، تعزیوں، تابوتوں کے سینکڑوں جلوس مختلف مقامات سے برآمد ہوتے ہیں جن میں سے دو خاص ہیں پہلا حسین آباد امام باڑہ کی ضریح مقدس کا جو حسین آباد سے چوک، پل غلام حسین ہوتے ہوئے کاظمین جاتا تھا۔ دوسرا جلوس علم جو مقبرہ عالیہ گولا گنج سے اٹھتا ہے وزیر گنج آکر کشمیری دستہ وزیر گنج کے ساتھ ضم ہو جاتا ہے پھر دونوں جلوس ملکر پاٹا نالہ، وکٹوریہ اسٹریٹ ہوتے ہوئے کربلا تال کٹورہ پہنچتے ہیں۔

روز عاشور ہندوؤں کے تعزیے بھی اُٹھتے ہیں اور اہل سنت بھی اپنے تعزیے جلوس کی شکل میں نکالتے ہیں۔ یہ تعزیے دیدہ زیب ہوتے ہیں اِن میں کاغذ کے تعزیوں کے علاوہ جو کا تعزیہ، چوڑیوں کا تعزیہ، موی تعزیہ اور کالا تعزیہ لوگوں کی توجہ کے مرکز بنتے ہیں۔ اِس دن اہل لکھنؤ کچھ کھاتے پیتے نہیں یہاں تک کہ مائیں اپنے بچوں کو دودھ بھی نہیں پلاتیں۔ وقت عصر فاقہ شکنی ہوتی ہے جس میں چاول کھڑی مسور کی دال جو کی روٹی اور حاضری وغیرہ ہوتی ہے۔ شام ہوتے ہی عزادار غفراں مآب کے امام باڑے میں شام غریباں کی مجلس کے لئے جانے لگتے ہیں یہ مجلس ٹی وی اور آل انڈیا ریڈیو سے بھی براڈکاسٹ ہوتی ہے۔

۱۶ صفر کو رفیق الدولہ کا تعزیہ رفیق الدولہ کی کوٹھی کشمیری محلے سے براہ چوک روضہ کاظمین جاتا ہے۔

چہلم کے دن اہل سنت کے تعزیوں کے جلوس صبح سے شام تک نخاس، چوک، گول دروازہ ہوتے ہوئے پھول نچھاورے جائے جاتے ہیں۔ یہ تعزیے زیادہ تر سفید اور سرخ پٹیوں سے سجائے جاتے ہیں۔ اکثر تعزیوں کے ساتھ براق یا دلدل بھی ہوتے ہیں۔ سُنی حضرات سینہ زنی نہیں کرتے لیکن نوحے اور مرثیے عقیدت سے پڑھتے ہیں جنہیں سننے کے لئے بہت لوگ جمع ہو جاتے ہیں بعض اشعار پر سامعین صاحبِ بیاض کو نذرانہ بھی پیش کرتے ہیں۔ شیعہ حضرات کے علم تا کٹورے بعد زوالِ آفتاب شروع ہوتے ہیں۔

آٹھویں ربیع الاول کو چپ تعزیے کا جلوس علی الصباح حسینۂ افضل محل سے روضۂ کاظمین جاتا ہے۔ غدر ۵۷ میں شاہی ضریح کے ساتھ یہ تعزیہ نہ اُٹھ سکا اب یہ نواب احمد علی مرحوم کے مکان واقع معالی خاں کی سرائے سے برآمد ہوتا ہے۔ (ملاحظہ کیجئے فرہنگِ اصطلاحات (چپ تعزیہ)۔

ہندو عزادار[1]: لکھنؤ کے غیر مسلم بھی عزاداری میں عقیدت سے حصہ لیتے ہیں سبیلیں لگاتے ہیں مجالس میں شریک ہوتے ہیں۔ ماتم کرتے ہیں اور تعزیے نکالتے ہیں۔ پرانے زمانے میں گنیشا دائی کا تعزیہ، لال تعزیہ، راجہ مہرا کے خاندان کا تعزیہ اور چوپٹیاں سے اُٹھنے والا بڑھا تعزیے مشہور ہیں۔ ہندو تعزیہ دار اپنے گھروں میں اور امام باڑوں میں چھوٹے چھوٹے تعزیے رکھتے ہیں اور علم سجاتے ہیں۔ کنڈری رکاب گنج کے مہیش چندر دھانک اپنے گھر میں تعزیہ رکھتے ہیں اور علم سجاتے ہیں۔ اشوک چودھری بھی تعزیہ دار ہیں۔ مہیش چندر سریواستو بہترین نوحہ خواں ہیں۔ کراکری کے تاجر مہندر سنگھ بھی نوحہ خوانی کرتے ہیں۔ لا پلاس حضرت گنج کی مسز بینا تعزیہ دار ہیں اور اُن کے بچے زنجیر و قمع کا ماتم کرتے ہیں۔ سدرشن پوری عیش باغ کے ستیش دھانک بھی زنجیر اور قمع کا ماتم کرتے ہیں۔ چودھری نیورتی پرساد نے ماتمی انجمن بنا رکھی ہے۔ وجے کمار ایور ریڈی چوراہے اور شری لسی والے وکٹوریہ اسٹریٹ پر سبیلیں لگاتے ہیں۔ گیا دین دھانک نے ۱۸۸۰ء میں بشیرت گنج میں امام باڑہ بنایا تھا جو بعد میں اُن کے بیٹے کشنو خلیفہ کے نام سے مشہور ہوا۔ کشنو کے بڑے بھائی میکو ٦ ماہ قبل سے ہی تعزیہ بنانا شروع کر دیتے ہیں اور تعزیہ لے کر برہنہ پا چلتے ہیں۔ کشنو خلیفہ کے بیٹے چھدو اور اُن کے خاندان کے لوگ امام باڑے میں مجلس منعقد کرنے کے بعد تعزیہ نکالتے ہیں اور آگ پر ماتم کرتے ہیں۔

ہریش چندر دھانک نے تعزیہ دار سنگھ بنا رکھا ہے جس میں ہندو تعزیہ دار شامل ہیں اِس کے سکریٹری اُمیش چندر سریواستو ہیں۔ انجمن ہند عباسیہ پانڈے گنج کے مہیش چندر بھارتی نے بنا رکھی ہے۔ یہ اپنے گھر میں تعزیہ رکھتے ہیں۔ پشتینی عزادار پیارے لال بھی ہیں اِس میں اِن کے بھائی راجا رام نوحہ خوانی کرتے ہیں۔ یہ انجمن خلیفہ کشنو کے امام باڑے میں ۷

[1] لکھنؤ کے ہندو عزادار (مضمون) محمد علی جلالپوری، ص ۵۸-۵۹، راشٹریہ سہارا، محرم نمبر، جنوری ۲۰۰۷ء۔

محرم تک نوحہ خوانی اور سینہ زنی کرتی ہے۔

صفی پور (ضلع اناؤ)[1]

یہ سادات کا قصبہ ہے جہاں چاند رات سے ہی مجالس عزا کا سلسلہ شروع ہو جاتا۔ ۱۹۱۲ء تک یہاں ۱۶ مجالس خاص طور پر مشہور تھیں جو شب و روز ہوتی تھیں (دن میں تیرہ اور بعد مغرب تین رات کے ایک بجے تک) اُن میں سے ایک مجلس بڑے اہتمام سے ہوتی تھی جسے سید محمد عسکری رئیس صفی پور کرواتے تھے آج بھی وہاں ساتویں محرم کی شب کو تخت عروس حضرت قاسم کا جلوس نکلتا ہے۔ اِس جلوس کا منظر دیکھنے قابل ہوتا ہے اِس میں سیاہ و سبز جھنڈوں، سبیل، شربت نوبت و نقار خانہ، ہاتھیوں اور اونٹوں پر علم کے ہمراہ تخت ہوتے ہیں۔

ملیح آباد[2]

ملیح آباد میں عزاداری کی روایت بہت پرانی ہے۔ بختیار نگر میں محرم میں مراسم عزاداری ہوتی ہیں خاص طور پر پانچویں محرم سے اِس میں اور زور ہو جاتا ہے۔ قصبہ کے محلّہ کٹوبھار میں ڈھول تاشوں کے ساتھ تعزیے اٹھائے جاتے ہیں۔ بازار کے دونوں طرف مختلف دکانیں لگ جاتی ہیں۔ تعزیوں کے آگے مرثیہ خوانی ہوتی ہے۔ چھٹی محرم کو سید واڑہ میں اجتماع ہوتا ہے۔ ساتویں محرم کو بختیار نگر میں تخت اٹھتا ہے۔ بچوں کے بٹوے دھنیاں اور گولے سے بھرے جاتے ہیں۔ ہندو اور مسلمان تخت کے نیچے گزر کر مرادیں مانگتے ہیں۔ عزادار شام کو چودھرانے کی ساتویں میں شرکت کرتے ہیں۔ آٹھویں کو تعزیے دار شام کے چراغاں میں مصروف رہتے ہیں۔ صرف بلاقی کا تعزیہ اٹھتا ہے۔ رات میں نوجوان، ضعیف، والدین اپنے بچوں کے ساتھ روشنی دیکھنے کے لئے ملیح آباد کا چکر لگاتے ہیں۔ نویں کو خاموشی رہتی ہے کہیں کہیں سے ماتم اور مرثیوں کی دھیمی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ دسویں کو عزادار اپنے گھر سے غسل کرکے نکلتے ہیں اور اپنے تعزیوں کے ساتھ کربلا کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔ عورتیں اور مرد فاقہ کرتے ہیں اور عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ کربلا میں ماتم اور ماتمی دھنوں میں شدت آ جاتی ہے۔ تعزیے ٹھنڈے کئے جاتے ہیں۔ گیارہویں محرم کا اجتماع مرزا گنج میں ہوتا ہے (اس کی ابتدا جوش ملیح آبادی کے والد نے کی تھی) اِس اجتماع میں دور دور سے مرثیہ خواں آتے ہیں۔ ساری رات کی مرثیہ خوانی، لنگر اور سبیلوں کے بعد صبح کو حیرت ملیح آبادی کے مرثیے کے ساتھ تعزیے ٹھنڈے کر دیے جاتے ہیں۔ اِس کے علاوہ ملیح آباد کے گھروں میں بھی

۱۔ صفی پور کا محرم (مضمون) سید محمد عسکری، ماہنامہ شیعہ عزاداری نمبر، ۱۹۱۲، ص ۳۱۔

۲۔ ملیح آباد میں محرم، (مضمون) عظمت ملیح آبادی، راشٹریہ سہارا، محرم نمبر، ۳۰ جنوری ۲۰۰۷، ص ۶۶۔

محرم منانے کا اہتمام ہوتا ہے۔ جوش ملیح آبادی کے مکان میں اُن کی دادی کے لئے خاص طور سے امام باڑہ بنوایا گیا تھا جہاں تعزیہ رکھا جاتا ہے اور سیدانیاں مرثیہ پڑھتی ہیں۔ گھروں میں خوشبو، چوڑی، سرخی، مہندی استعمال نہیں ہوسکتی تھیں۔[1]

محمودآباد[2]

ریاست محمودآباد کے حکمراں اپنے جذبۂ محبت اہل بیت کے لئے مشہور تھے۔ امیر الدولہ راجہ امیر حسن خاں صاحب اپنے ساتھ بہترین معماروں کو لے کر عراق گئے اور روضۂ کربلا جیسا ہی روضہ تعمیر کروایا بس بڑے اور چھوٹے کا فرق ہے۔ راجہ محمد علی خاں صاحب نے کئی گاؤں وقف فرمائے جن سے اِن مشاہد اور مدرستہ الواعظین کا تعلق ہے۔

امام باڑے

قلعہ محمودآباد کے نزدیک جو امام باڑہ بارہ دری ہے اُس میں سات جھاڑوں کا یاقوتی ایسا ہے جو آپ اپنی مثال ہے۔ یہاں کے علموں اور پٹکوں کی خوبصورتی دیکھنے کے لائق ہے۔ قلعہ کی محل سرا میں دو بڑے امام باڑے ہیں۔ مہاراجہ محمد علی خاں کے امام باڑے ہیں۔ شاہنشاہ تیمور کا علم ہے جو ۷ ربیع الاول کو بعد مجلس امام باڑے سے بارہ دری جاتا ہے۔

محمودآباد بستی میں ایک پرانا امام باڑہ موسومہ بہ سید عطا حسین بعہد راجہ مقیم الدولہ علی خاں قبل از غدر ۱۸۵۷ء میں تعمیر ہوا تھا۔ امام باڑہ داروغہ محمد بخش صاحب میں ٦ محرم کو والیان ریاست محمودآباد اپنا اپنا مرثیہ پڑھتے تھے لکھنؤ کے شعراء و روساء وارد گرد کے روساء بڑی تعداد میں اِس مجلس میں شریک ہوتے تھے۔

امام باڑہ داروغہ دلدار حسین میں ہندوستان کے مشہور ذاکرین مجلسوں کو خطاب کر چکے ہیں۔ امام باڑہ چودھری صاحب مہاراجہ صاحب مرحوم نے اپنے ماموں کی یادگار میں تعمیر کرایا تھا اور بستی کا سب سے بڑا امام باڑہ ہے۔ امام باڑہ داروغہ باسو صاحب اپنی زیبائش کے لئے بہت مشہور ہے۔

مجالس عزا

یکم محرم سے ۹ محرم تک محمودآباد میں ۲۰ - ۲۵ مجالس روزانہ ہوتی ہیں۔ پہلی مجلس قلعہ کی محل سرا میں والیان محمودآباد پڑھتے ہیں۔ مہاراجہ محمودآباد کی موروثی جائداد میں سے بہت کچھ مہاجر جائداد قرار دے کر حکومت نے اپنے قبضہ میں لے لی۔ قلعہ مہر بند کر دیا گیا۔ مہاراج کمار محمد امیر حیدر صاحب کی کوششوں سے قلعہ تو کھل گیا ہے۔ مہاراج کمار صاحب اور

---

۱. ملیح آباد میں محرم، (مضمون) عظمت ملیح آبادی، راشٹریہ سہارا، محرم نمبر، ۳۰ جنوری ۲۰۰۷ء، ص ٦٦۔

۲. عزاداریِ محمودآباد ضلع سیتاپور، حاجی سید علی حسن رتال، راشٹریہ سہارا محرم نمبر جنوری ۲۰۰۷ء، ص ۵۲۔

مہارانی کنیز عابد صاحبہ کی بدولت عزاداری اسی طرح ہوتی ہے جس طرح ریاست کے زمانے میں تھی۔ یکم محرم سے ۸ ربیع الاول تک مجالس کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

٦ محرم کی شب کو روضۂ کربلا سے مہندی اُٹھتی ہے۔ اب وہ پہلے جیسی بات تو نہیں ہے لیکن روایت کے ساتھ برقرار ہے۔

۷ محرم کو علموں کا جلوس خوشباشان محمود آباد کی طرف سے نکلتا ہے۔ شب کو قلعہ میں ختم ہوتا ہے۔ اسی تاریخ کو رات میں قلعہ میں بہت سادہ طریقہ سے مہندی کا جلوس اُٹھتا ہے۔ یکم سے سات محرم تک روضۂ کربلا میں عمومی لنگر تقسیم ہوتا ہے۔

۸ محرم کو قلعہ سے ایک جلوس صبح کو تابوت، گہوارہ و ذوالجناح علموں کے ساتھ نکلتا ہے جو مخصوص امام باڑوں میں ہوتا ہوا بستی میں گشت کرتا ہوا رات نو دس بجے کے درمیان قلعہ پر ختم ہوتا ہے اور حاضری تقسیم ہوتی ہے۔

۹ محرم کو بہت سی مجالس ہوتی ہیں اِس شب تعزیے چوک میں آتے ہیں گرد و نواح کا مجمع زیارت کے لئے اُمنڈ پڑتا ہے۔ دیہاتی مجمع (خاص طور سے مستورات) دہے روتا ہوا آتا ہے (دہے اودھی بھاشا میں واقعات کربلا کے متعلق نظمیں ہوتی ہیں) شب بھر سر و پا برہنہ لوگ زیارت کے لئے عزاخانوں اور گھروں میں جاتے ہیں۔ جا بجا جائے شربت کی سبیلیں لگتی ہیں اسی ابتدائے شب میں محیر العقول منت اکثر بے اولاد مرد اور عورتیں کرتی ہیں بعض لوگ دوسری اہم مرادیں بھی مانگتے ہیں اور منتیں بھی کرتے ہیں۔ وہ تعزیہ خانوں یا کربلا میں کھڑے ہو کر لوبان دان ہاتھ میں لے کر دعا مانگتے ہیں اِس کے بعد عصر عاشور تک نہ بیٹھتے ہیں نہ کھاتے پیتے ہیں نہ حوائج ضروری سے فراغت کرتے ہیں۔

۱۰ محرم قریب ایک بجے قلعہ سے تعزیوں کا جلوس اپنی عزا کی شان و شوکت کے ساتھ برآمد ہوتا ہے۔ سوز خواں مرثیہ پڑھتے ہیں آہستہ آہستہ یہ جلوس امام باڑے دار وغہ دلدار حسین صاحب مرحوم پہنچتا ہے اور مرثیہ خوانی ختم ہو جاتی ہے۔ محلّہ پیغمبر پور کے سینکڑوں تعزیے اور محلّہ کڑہ میاں علی صاحب سے جلوس میں شامل ہوتے ہیں۔ درگاہ حضرت عباسؑ کے برابر جب ذوالجناح پہنچتا ہے اس کی کیفیت عجیب ہوتی ہے۔ وہ بے خودی میں سیدھا کربلا جا کر ضریح اقدس کے سامنے سر جھکا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ ہزاروں لوگ اِس کیفیت کو دیکھنے کے مشتاق ہوتے ہیں۔ یوم عاشور گزرنے کے بعد شب میں آٹھ نو بجے تابوت شام غریباں اُٹھتا ہے جو قلعہ سے بغیر روشنی اور باجے کے کربلا جاتا ہے۔ اِس میں شرکت کرنے والے سب برہنہ سر و پا ہوتے ہیں۔

۲۵ محرم کو تابوت جناب زین العابدینؑ اٹھتا ہے۔ قلعہ میں سوز خواں مرثیہ پڑھتے ہیں اور عاشور کی طرح کربلا میں جا کر دفن ہوتا ہے۔

محمود آباد میں چہلم ۲۲ صفر کو ہوتا ہے۔ اِس کی بھی شان اور جلوسوں کی طرح ہوتی ہے۔

۲۸ صفر جلوس تابوت جناب امام حسنؑ بھی قدیم روایات کے مطابق کربلا میں دفن ہوتا ہے۔ ۴ ربیع الاول [illegible] کا تابوت بھی اسی شان و شوکت سے کربلا جاتا ہے۔ ماہ ربیع الاول کا یہ مہینہ عزاداری محرم سے لے کر آخر ۸ ربیع الاول تک یادگار ہوتا ہے۔ قلعہ میں محلسرا کی مجالس بہت پر اثر ہوتی ہیں بستی محمود آباد کی مجلسیں بھی پر خلوص ہوتی ہیں۔

۷ ربیع الاول کو بعد مجلس علم مبارک راجہ صاحب کے امام باڑے سے نکلتا ہے اور باغ سے ہوتا ہوا بارہ دری امام باڑہ میں پہنچتا ہے۔

۸ ربیع الاول کے جلوس عزا کے لئے بڑی تعداد میں دور دور سے مشتاقان زیارت آکر جمع ہوتے ہیں یہ جلوس عظیم مجمع کے ساتھ قلعہ سے برآمد ہوتا ہے۔ انجمنیں نوحہ و ماتم کرتی چلتی ہیں۔ ہزاروں سے اوپر کا مجمع سر و پا برہنہ عیدگاہ تین بجے کے قریب پہنچتا ہے۔ عیدگاہ سے گہوارۂ علی اصغر برآمد ہوتا ہے بعدہ جلوس درگاہ حضرت عباس پہنچتا ہے یہاں سے ۲۷ شہدا کے تابوت برآمد ہوتے ہیں (یہ جلوس ۴۸ سال قبل مرحوم راجہ محمد امیر احمد خاں صاحب نے قائم کروایا تھا)۔ تابوت درگاہ سے نکلنے کے بعد انجمن سجادیہ اور انجمن حیدری ماتم کرتی ہیں ذوالجناح کی کیفیت قابل دید ہوتی ہے۔ تعزیوں اور تابوتوں کے دفن ہونے کے بعد انجمن حیدری روضہ کربلا اور انجمن سجادیہ روضۂ نجف جاتی ہے۔ محمود آباد میں ۱۴ رمضان المبارک سے ۲۱ رمضان تک محرم کے ایسا سماں رہتا ہے۔ اِن ایام میں مشہور ذاکرین مجالس کو خطاب کرتے ہیں۔

سیتاپور[1]

شہر سیتاپور کے محلہ قصیارہ، بنگلہ و کوٹ کے مومنین ۲۹/۲۸ ذی الحجہ کو محرم کے چاند نمودار ہونے کے بعد استقبال عزا کے نام سے مجالس شروع کر دیتے ہیں۔ رویت ماہِ محرم ثابت ہونے کے بعد شہر کی قدیم انجمن گلدستہ حیدری کی طرف سے جلوس علم امام باڑہ کلاں سے برآمد ہو کر شہر کا گشت کرکے اِس امام باڑے میں آکر اختتام پذیر ہوتا ہے جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اہل شہر کو معلوم ہو جائے کہ محرم شروع ہوگیا ہے۔ ہر طرف یا حسین کے فلک شگاف نعرے گونجنے لگتے ہیں۔ اہل سنت بھی محرمی باجے کے ذریعہ محرم کے چاند ہونے کی اطلاع دیتے ہیں۔

یکم محرم سے صبح ۷ بجے سے رات ۱۲ بجے تک شیعہ حضرات کے گھروں میں مجالس عزا، مرثیہ و سوز کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے۔ تقریباً ۱۷۔۱۸ مجالس روزانہ ہوتی ہیں۔ ذاکروں کو موضوع دئے جاتے ہیں جن پر وہ مجالس کو خطاب کرتے ہیں۔ یکم اور دو محرم کی رات محلہ عالم نگر سے تعزیہ کا جلوس برآمد ہوتا ہے جس میں نوحہ خوانی اور سینہ زنی ہوتی ہے۔ اہل سنت

---

[1] یہ معلومات جناب شاہد رضا صاحب نے فراہم کی مولف از حد ممنون ہے۔ پروفیسر رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۳۳۰۔

حضرات بھی شرکت کرتے ہیں لیکن ماتم حسین میں سینہ زنی یا گریہ زاری نہیں کرتے۔ جلوس کے آگے ڈھول اور تاشے ماتمی دھن بجاتے ہوئے شہر کا گشت کرتے ہیں۔

۳ محرم کو رکشا چلانے والے (جن میں ہندو اور سنی رکشا چلانے والے بھی شامل رہتے ہیں) ایک تعزیہ اٹھاتے ہیں۔

۴ محرم کو محلہ ڈاک بنگلہ افسر کالونی کے رہنے والے اہل سنت حضرات اِسی تزک و احتشام کے ساتھ جلوس تعزیہ برآمد کرتے ہیں۔

۵ محرم محلہ گدیانہ کے اہل سنت حضرات بشمولیت اہل ہنود ایک تعزیہ اور ذوالجناح کا جلوس باجے گاجے کے ساتھ برآمد کرتے ہیں۔

۶ محرم کو دھوبی ٹولہ کے باہر چوک پر دھوبیوں کا تعزیہ رکھا جاتا ہے (جس میں مسلمان اور ہندو دونوں ہی کی شرکت ہوتی ہے)۔ اسی دن جوگی ٹولہ کے امام باڑے کے باہر جوگی لوگ تعزیہ رکھتے ہیں۔ دونوں تعزیے رات کو اٹھتے ہیں اور "دھوبی جوگی" کے نام مشہور ہیں۔

۷ محرم شیعہ حضرات کی طرف حضرت قاسم کی مہندی کا جلوس تحت امام باڑہ جعفریہ سے برآمد ہوتا ہے اور شہر کا گشت کرتا ہوا دیر رات میں امام باڑہ کلاں محلہ قصیارہ میں ختم ہوتا ہے۔

اسی شب میں شہر کے اہل سنت حضرات کی جانب سے ساتویں کا جلوس برآمد کیا جاتا ہے جس میں ذوالجناح، تخت و علم ہوتے ہیں۔ اہل سنت حضرات عقیدت کے طور پر شربت، مہندی، ملیدہ لیکر امام باڑے کلاں آتے ہیں وہیں نذر، فاتحہ اور منت و مرادوں کو امام حسینؑ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ ان میں کثیر تعداد میں اہل ہنود حضرات بھی ہوتے ہیں۔ ہر طرف عقیدت کا ماحول ہوتا ہے۔

۸ محرم امام باڑہ حاجی صاحب واقع محلہ شیخ سرائے میں شیعوں کی طرف سے ایک قدیمی مرثیہ کی مجلس ہوتی ہے اور جلوس ذوالجناح برآمد ہوتا ہے جبکہ اہل سنت حضرات محلہ مردھی ٹولہ سے ایک جلوس ذوالجناح برآمد ہو کر شہر کا گشت کرنے کے بعد ۹ محرم کو اختتام پذیر ہوتا ہے۔

۹ محرم شب عاشور کی یاد میں ایک جلوس علم انجمن شمع حیدری برآمد کرتی ہے جس میں سینہ زنی اور نوحہ خوانی بھی ہوتی ہے۔ یہ جلوس امام باڑہ کلاں میں تمام ہوتا ہے بعدہ آگ پر ماتم ہوتا ہے جس میں چند اہل ہنود اور اہل سنت بھی شریک ہوتے ہیں۔ اسی شب کو مومنین کے علاوہ غیر مسلم حضرات بھی اپنے اپنے گھروں کے سامنے عقیدت اور احترام سے تعزیہ رکھتے ہیں اور سبیلوں کا انتظام بھی کرتے ہیں۔

۱۰ محرم یوم عاشورہ کو انجمن گلدستۂ حیدری کی جانب سے صبح ۷ بجے امام باڑہ کلاں سے جلوس برآمد ہو کر تقریباً ۱۰ بجے مختار فاطمہ کی کربلا میں پہنچتا ہے۔ جلوس میں خاصی تعداد میں ماتم دار قمع اور چھری کا ماتم کرتے ہیں۔ بعد ختم جلوس اعمال عاشورہ بجالائے جاتے ہیں۔ اسی روز دن میں تقریباً دو بجے شیعہ حضرات کے گھروں میں رکھے تعزیے اجتماعی طور پر جلوس کی شکل میں اٹھائے جاتے ہیں۔ سہ پہر میں محلہ قضیارہ میں پھر ایک مجلس ہوتی ہے جس میں شہادت امام مظلوم کا مرثیہ پڑھا جاتا ہے۔ بعد مجلس ذوالجناح کا جلوس برآمد ہوتا ہے اُس کے بعد فاقہ شکنی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

دس محرم کی رات کو اہل سنت حضرات و اہل ہنود حضرات ہزاروں کی تعداد میں شہر سیتاپور اور قرب وجوار کے تعزیے دار اپنے تعزیے لے کر کربلا مختار فاطمہ آتے ہیں۔ تعزیہ کی تدفین کا سلسلہ دیر رات تک چلتا ہے۔

امام باڑہ جعفریہ اور امام باڑہ کلاں میں مجالس شام غریباں منعقد ہوتی ہیں۔

۱۱ محرم سے ۲۴ محرم تک عزاخانہ مظاہر حسین صاحب محلہ بنگلہ سیتاپور میں روزانہ سہ پہر کو مجالس کا انعقاد ہوتا ہے۔ ۲۴ محرم کی رات میں جلوس وتابوت حضرت امام زین العابدینؑ برآمد ہوتا ہے۔ ۱۱ محرم سے ۶ ربیع الاول تک امام باڑہ کلاں میں زیر انتظام انجمن گلدستۂ حیدری رات میں مجالس کا اہتمام کرتی ہے۔

۱۲ محرم کو امام مظلوم کا تعزیہ کربلا سیلم پور میں جلوس کی شکل میں لے جایا جاتا ہے وہیں اسے دفن کیا جاتا ہے۔

۱۹ محرم کو شہر میں بسنے والے کمہار، دیگر اہل ہنود اور اہل سنت تعزیہ رکھتے ہیں جو دو شب وروز چوک پر رکھے جانے کے بعد جلوس کی شکل میں شہر کا گشت کر کے محرمی باجوں کے اہتمام کے ساتھ ٹھنڈے کر دئے جاتے ہیں۔

یاد اور ماتم حسین کے لئے سیتاپور میں مختلف مسالک کے لوگوں نے بہ شمولیت اثنا عشری سات عزاخانے اور تین کربلائیں بنوائیں۔

امام باڑے

۱۔ امام باڑہ کلاں محلہ قضیارہ
۲۔ امام باڑہ سجادیہ محلہ قضیارہ
۳۔ امام باڑہ حاجی صاحب محلہ شیخ سرائے
۴۔ امام باڑہ جعفریہ محلہ بنگلہ۔
۵۔ امام بارگاہ فارغ محلہ قضیارہ
۶۔ امام باڑہ جوگی محلہ

۷۔ امام باڑہ دھوبن ٹولہ محلہ مردہی

کربلائیں

۱۔ کربلا حاجی صاحب نگرا روڈ

۲۔ کربلا سیلم پور

۳۔ کربلا مختار فاطمہ

امام حسینؑ کے دسویں کا جلوس تابوت اور علم شیعہ حضرات کی طرف سے امام باڑہ کلاں سے برآمد ہو کر امام باڑہ جعفریہ لایا جاتا ہے جہاں مجلس کے ساتھ جلوس کا اختتام ہوتا ہے۔

۲۸ محرم کو بیسویں کے نام سے محلہ شیخ سرائیں میں تعزیہ رکھے جاتے ہیں۔ جو جلوس کی شکل میں ۲۹ محرم کو مختلف عزاخانوں سے ہوتے ہوئے کربلا مختار فاطمہ تک جاتے ہیں۔

۹ صفر امام حسین کی چھوٹی صاحب زادی کی شہادت کے تحت تابوت رکھے جاتے ہیں جو ۱۰ صفر کی شب میں جلوس تابوت سکینہ کی شکل میں کربلا مختار فاطمہ میں دفن کئے جاتے ہیں۔

۱۹ صفر کی تاریخ کو پوری رات مجالس، نوحہ خوانی، مرثیہ خوانی، گریہ زاری، سینہ زنی کا سلسلہ جاری رہتا ہے صبح کو چہلم کا جلوس امام باڑہ فارغ سے اٹھ کر نوحہ خوانی، سوز خوانی، سوز و سینہ زنی کے ساتھ کربلا حاجی صاحب پہنچایا جاتا ہے جہاں پر دفن لاشۂ امام مظلوم کی منظر کشی کے دلسوز مناظر پیش کئے جاتے ہیں۔ دستہ جابر کا برآمد ہونا، قافلہ بنی اسد کا تربت امام مظلوم بنانا ایسے مناظر ہیں جو خصوصاً قابل دید ہیں اور سیتاپور کی تاریخ عزاداری میں خاص ہیں۔

۵ ماہ ربیع الاول کو چپ تعزیہ برآمد ہوتا ہے۔ اسی شب میں قدیمی تعزیہ امام باڑہ کلاں اور ڈیوڑھی میر مظفر حسین صاحب میں رکھے جاتے ہیں۔

۶ ربیع الاول کی صبح انجمن ذوالفقار حیدری کی جانب سے ایک جلوس تابوت و علم برآمد ہو کر کربلا مختار فاطمہ پہنچایا جاتا ہے۔ اس میں قمع اور چھری کا ماتم ہوتا ہے۔ رات کو دونوں قدیمی بڑے تعزیے بھی ایک جلوس کی شکل میں اٹھائے جاتے ہیں جو دیر رات گئے تک نوحہ خوانی اور سینہ زنی کے ساتھ گشت کرتے ہوئے کربلا مختار فاطمہ میں دفن کئے جاتے ہیں۔ اس تعزیہ میں چھری کا ماتم بھی ہوتا ہے۔

۷ ربیع الاول کو امام باڑہ کلاں میں انجمن گلدستہ حیدری کی جانب سے الوداعی مجلس کا انعقاد ہوتا ہے۔

۸ ربیع الاول کو صبح پہلے امام باڑہ جعفریہ میں حضرت امام عسکریؑ کے شہادت کے عنوان سے مجلس کا اہتمام کیا جاتا ہے

اس کے فوراً بعد امام باڑہ سجادیہ میں ایام عزا کا آخری دن کے عنوان سے ایک مجلس و جلوس کی برآمدگی ہوتی ہے جو دن بھر گشت کے بعد کربلا حاجی صاحب سہ پہر کو پہنچتا ہے جہاں ۲۷ تابوتوں کی برآمدگی کے بعد جلوس کا اختتام کر دیا جاتا ہے۔ سیتاپور کی عزاداری میں شیعہ حضرات کے ساتھ دوسرے مسالک و مذاہب کے حضرات بھی خلوص و احترام سے شرکت فرماتے ہیں۔ آج تک کوئی ہنگامہ نہیں ہوا جو ہمارے ملک کی گنگا جمنی تہذیب کی علامت ہے۔

خیرآباد میں بھی عزاداری کی قدیمی روایت ہے یہاں کا تعزیہ خاص طور پر مشہور ہے۔

زیدپور (ضلع بارہ بنکی)[1]

زمانہ قدیم سے سادات کی بستی ہے اور یہاں عزاداری کی روایت بھی بہت قدیم ہے۔ یہاں پانچ عزاخانے مشہور ہیں۔ قدیم امام باڑہ جو کئی سو سال پرانا ہے محرم میں یہاں صبح سے شام تک مجالس کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ۶ محرم کو مہندی کا جلوس میر بنیاد حسن کے امام باڑے ختم ہوتا ہے۔ یہاں ۲۰ صفر کا جلوس مخصوص ہوتا ہے اور کافی اہمیت رکھتا ہے۔ ختم مجلس پر عماری و ذوالجناح عزاخانے میں آتے ہیں۔ اِس جلوس میں گھوڑے پر نقارہ، عماری محمل و کجاوہ، اونٹوں پر شبیہ گہوارہ، کئی نقرئی تربتیں اور ذوالجناح وغیرہ ہوتے ہیں۔ اِس جلوس کے ساتھ دستۂ حیدری کے نوحہ خواں نوحے پڑھتے اور ماتم سینہ زنی کرتے چلتے ہیں۔ ۲۱ صفر کو وصی محمد کا تعزیہ اٹھتا ہے۔ ۲۴ صفر کو کمسن بچوں کا جلوس نکلتا ہے ایک جلوس ۲۸ رجب کو مدینہ سے حضرت امام حسین کی روانگی کے موقع پر برآمد ہوتا ہے جس میں کل سامان سفر ہوتا ہے۔ ۹ ذی الحجہ کو مجلس عزا کے بعد تابوت جناب مسلم برآمد ہوتا ہے اور تمام بستی میں نوحہ خوانی ہوتی ہے۔

رُدولی[2]

رُدولی کا محرم بھی شاندار ہوتا ہے جس کی خوبصورت جھلکیاں قاضی عبدالستار کی تحریروں میں ملتی ہیں۔

اترپردیش کے ضلع فیض آباد میں شہر ردولی کئی لحاظ سے اہمیت کا حامل ہے۔ یہ نہ صرف ایک تحصیل کا مقام ہے بلکہ یہاں کی عزاداری بھی مشہور ہے۔ جس میں اہل سنت اور ہندو حضرات بھی شریک ہوتے ہیں۔ نواب شجاع الدّولہ نے ۱۷۶۴ میں لکھنؤ جاتے ہوئے ردولی کے محلّہ صوفیانہ میں قیام فرمایا وہاں ایک مجلس ہو رہی تھی جس میں شریک ہو کر نواب

---

1. پروفیسر رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۳۲۲۔
2. پورواچل میں عزاداری کا آغاز، (مضمون) سراج الحسن صاحب ردولوی، مشمولہ ماہانہ خلافت (ہندی) لکھنؤ، محرم نمبر، دسمبر ۲۰۱۱، ص ۲۷ و ۲۸۔ ردولی میں عزاداری کے متعلق معلومات جناب متین اخلاق نقوی صاحب نے فراہم کی۔ مؤلفِ کتاب ہذا شکرگذار ہے۔

صاحب نے امام باڑے کی تعمیر کا حکم دیا جو آج بھی بڑا امام باڑہ کہلاتا ہے چودھری ارشاد حسین نے جو امام باڑہ تعمیر کروایا وہ فن تعمیر کا حسین نمونہ ہے۔ یہاں دودھا دھاری میں کئی مساجد ہیں اور ایک امام باڑہ آج بھی موجود ہیں جسے کاشی رام جیسوال نے تعمیر کروایا تھا۔

ردولی میں تعزیے بڑی تعداد میں بنتے ہیں اور اتر پردیش کے کئی ضلعوں میں بھیجے جاتے ہیں۔ یہ بانس، مومی کاغذ، ابری، دفتی وغیرہ سے تیار کئے جاتے ہیں۔ اِن کی تیاری ماہ رمضان سے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ تعزیے بنانے والے اہل حرفہ کے لئے یہ آمدنی کا ایسا ذریعہ ہے جس سے اِن کے خاندان کا پورے سال کا خرچ چلتا ہے۔ انہیں کاریگروں میں سے کئی ایسے بھی ہیں جو خلوص واحترام کے ساتھ خود بھی تعزیہ داری کرتے ہیں۔ تعزیہ بنانے والے زیادہ اہل تسنن ہیں۔ ردولی میں اہل تشیع کے تقریباً ۴۰۰ گھر ہیں جن میں تقریباً سبھی میں تعزیہ رکھا جاتا ہے۔ ۳ ہزار گھر اہل سنت کے ہیں جن میں چند ایسے بھی ہیں جہاں عزاداری خصوصاً تعزیہ داری ہوتی ہے۔ اسی طرح کچھ ہندو حضرات بھی اپنے گھر میں تعزیہ رکھتے ہیں۔

ردولی میں استقبال عزا کا سلسلہ ۲۵ ذی الحجہ سے ہی شروع ہو جاتا ہے اور ۲۹ ذی الحجہ سے عزائے حسین کی آوازیں سنائی دینے لگتی ہیں۔ محرم کا چاند دکھائی دیتے ہی ردولی شہر میں جلوس و مجالس کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ مجلسوں کا دور صبح فجر کی نماز سے نماز عشاء کے بعد دیر رات گئے تک جاری رہتا ہے۔ ردولی میں ایک روایت ہے جس کے مطابق تعزیے گھروں سے جلوس کی شکل میں امام باڑے لائے جاتے ہیں۔

پہلی محرم صبح ۶ بجے مجلسوں کا سلسلہ درگاہ حضرت عباس سے شروع ہو کر رات گیارہ بجے ایس ایم قاسم کے یہاں ختم ہوتا ہے مرکزی مجلس حسینیہ ارشادیہ میں ہوتی ہے جسے پہلے ابن حسن نونہروی مرحوم، پروفیسر شبیہ الحسن مرحوم خطاب کرتے تھے۔ آج کل پروفیسر ایم حجت وثیقہ عربی کالج، فیض آباد خطاب فرماتے ہیں۔

۲ محوم: ارشادیہ امام باڑے سے جلوس علم برآمد ہوتا ہے۔ اس میں ردولی کے ایم .ایل. اے. رُشدی میاں، امام باڑے ارشادیہ کے متولی جناب مکی میاں تہذیب کے ساتھ ساتھ ہزاروں کی تعداد میں لوگ ہوتے ہیں۔ گشت کے بعد جلوس اِسی امام باڑے میں واپس آتا ہے اس میں لکھنؤ کی انجمن فردوسیہ اور ردولی کی انجمن غریب الوطن کے صاحب بیاض شبیہ نوحہ خوانی کرتے ہیں۔

۳ محرم: چودھری ہاشم کے یہاں سے جلوس کا آغاز ہوتا ہے۔

۴ محرم: مولوی جعفر مہدی متخلص بہ رزم ردولوی کے گھر سے جلوس برآمد ہوتا ہے (رزم ردولوی ایک مشہور سخنور تھے جن کے یہاں آکر جناب نجم آفندی قیام فرماتے تھے)۔ چودھری اکبر مہدی کے گھر سے روانہ ہونے والا یہ جلوس رات بھر گشت کرتا ہے۔ ۴ محرم کی شام کو ہی چودھری عون صاحب کی طرف سے عام دستر خوان کا اہتمام ہوتا ہے یہاں کی مجلس

میں جناب عشرت لکھنوی مرثیہ پڑھتے ہیں۔ سبطین حسین مرحوم کے عزاخانے میں مجلس ہوتی ہے قاسم مہدی ۲۰۰۰ ٹائمس خطاب کرتے ہیں ادر سوز خوانی رضوان صاحب اور پیش خوانی محسن صاحب کرتے ہیں۔

۵ محرم: کوڑھا سادات سے جلوس شروع ہوتا ہے۔ سید پور میں عابد پردھان کے یہاں مجلس کا اہتمام ہوتا ہے۔ جناب رضوان محسن، راشد صاحب وغیرہ سوز خوانی اور پیش خوانی کرتے ہیں جس میں دور دور سے انجمنیں اور ردولی کی انجمن غریب الوطن کی طرف سے سوز خوانی ہوتی ہے۔ سید پور گاؤں میں لنگر کا اہتمام ہوتا ہے۔

۷ محرم: اہل تشیع مہندی کا جلوس برآمد کرتے ہیں۔ اِس جلوس کا آغاز آصفیہ کلاں امام باڑے سے ہوتا ہے۔

۸ محرم: حسینیہ ارشادیہ سے جلوس برآمد ہوتا ہے۔ اِس رات کو ایک عظیم الشان جلوسِ علم اہل سنت حضرات بھی برآمد کرتے ہیں۔ اِس جلوس کا آغاز محلہ ریٹھی تلہ سے ہوتا ہے۔ اِس میں لوگ بڑی تعداد میں شریک ہوتے ہیں۔ اونٹ، ہاتھی، گھوڑے وغیرہ بھی جلوس کا حصہ ہوتے ہیں، براق کی شبیہ ہوتی ہے۔ ماتمی انجمنیں اِس میں نوحہ اور زنجیر کا ماتم کرتی ہیں جو صبح ۵ بجے ختم ہوتا ہے۔ سات محرم سے ۹ محرم تک اہل سنت کے تقریباً ایک سو جلوس برآمد ہوتے ہیں اِن میں بہت سے ہندو ہوتے ہیں یہ سید پور پہونچتے ہیں۔

۹ محرم: بڑے امام باڑے سے یہ جلوس دوپہر ۱۲ بجے برآمد ہوتا ہے اور شہر کے راستوں پر گشت کے بعد سبطین حسین مرحوم کے عزاخانے پر آتا ہے اس کے بعد رضوان شبیہ اور آخر میں بُھلئی کے امام باڑے سے ہوتا ہوا رات کو تقریباً تین بجے امینیہ امام باڑے پر ہی اختتام پذیر ہوتا ہے۔ یہ جلوس عزاداروں کے گھروں پر بھی جاتا ہے۔ کبھی کبھی تو اس کی واپسی میں نماز فجر کا وقت ہو جاتا ہے۔

۹ محرم کو ارشادیہ امام باڑے میں روشنی اور سجاوٹ کا اہتمام ہوتا ہے جس کو دیکھنے غیر مسلم، سنی، اور شیعہ سب ہی پہنچتے ہیں۔ لوگ صبح عاشور کے جلوس کی زیارت کرتے ہیں۔ اِسی رات کو حسینی پیک ہاتھ میں تلوار، سر پہ صافہ کمر میں ڈوری، قدیمی فوجی پوشاک پہن کر پیروں میں گھنگرو باندھ کر تقریباً بیس میل کا سفر طے کرتے ہیں اور یا حسینؑ کی صدا لگاتے ہیں یہ لوگ رات بھر نہ سوتے ہیں نہ بیٹھتے ہیں۔

۱۰ محرم: یوم عاشور کو عزاداری اپنے اپنے گھروں سے تعزیے لے کر کربلا جاتے ہیں۔ دس محرم کو ہی اہل سنت ایک بڑا جلوس برآمد کرتے ہیں جس میں قرب و جوار کے لوگ بھی شریک ہوتے ہیں۔ ردولی میں دو کربلائیں ہیں۔ (ایک دودھا دھاری میں اور دوسری کربلا امام باغ میں ہے)۔ روز عاشورہ کو جلوس ارشادیہ امام باڑے سے شروع ہوتا ہے اور امام باغ میں تمام ہوتا ہے۔ اِس میں بڑی تعداد میں لوگ شامل ہوتے ہیں۔ شام کو مختلف مذاہب کے لوگ امام باغ کربلا میں فاتحہ خوانی میں شرکت کرتے ہیں۔ لوگوں کا یہ ماننا ہے کہ یہاں جو منت اِس موقع پر مانی جاتی ہے وہ جلد ہی پوری ہوتی ہے۔

ردولی کی عزاداری میں ایک قابل ذکر بات یہ بھی ہے کہ سید پور میں ہندو حضرات بڑی تعداد میں شہیدان کربلا کا ماتم کرتے ہیں۔ غیر مسلم لوگ نوحہ خوانی، سینہ زنی اور تعزیہ داری کرتے ہیں۔ ایک خاص بات یہ ہے کہ یہاں ہندو حضرات جو پیکی بنتے ہیں اعمال عاشورہ بجالاتے ہیں۔ نماز عاشورہ میں شامل ہوتے ہیں تقریباً ۸۰۰ سو پیکی نماز پڑھ کر امام عالی مقام کو نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

۱۳ محرم اور ۲۱ محرم کو بھی ماتمی جلوس نکالے جاتے ہیں جو شہر میں گشت کرتے ہیں اور درگاہ حضرت عباس پر جاتے ہیں۔ ۲۱ محرم کا جلوس وہیں تمام ہوتا ہے۔ ۱۳ محرم کو ڈاکٹر امیر عباس سجاسد کا جلوس علم برآمد ہوتا ہے اور ردولی کا سب سے لمبا راستہ طے کرکے رات کو واپس آتا ہے بعدہ ایک مجلس ہوتی ہے جسے نسیم صاحب فیض آبادی خطاب فرماتے ہیں۔

ردولی میں سوز خوانی کی روایت بہت قدیم ہے اور اعلیٰ درجے کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بانی سوز خوانی میر محمد بخش یہیں کے رہنے والے تھے۔ یہاں کی مرثیہ خوانی بھی مشہور ہے۔ جناب مولانا ابن حسن نونہروی نے ردولی سے ہی مجلس پڑھنا شروع کیا اور آخری سانس تک منبر سے جڑے رہے۔ مولانا نونہروی ۲۹ ذی الحجہ سے شبِ تک ردولی کے ارشادیہ امام بارگاہ میں مجالس کو خطاب کرتے تھے لیکن یوم عاشور کو لکھنؤ میں اپنے دولتکدہ پر ہی ماتم کرتے تھے۔ کسی دوسرے شہر میں نہیں جاتے تھے۔

ردولی کے شعراء نے بھی حضرت امام حسینؑ اور شہدائے کربلا کو نذرانۂ عقیدت پیش کرنے میں شہرت حاصل کی۔ زائر ردولوی فرماتے ہیں:

حسین آپ کا کردار آئینہ ہے مگر　　نگاہ جیسی ہو ویسا دکھائی دیتا ہے
زائرؔ مرے رسول کی عظمت نہ پوچھئے　　یہ وہ نبی ہے جس کا نواسہ حسین ہے

ردولی کی عزاداری کا اپنا خاص ہی انداز اور الگ ہی بلند مقام ہے۔

بلگرام[1]

بلگرام (ضلع ہردوئی اتر پردیش) بلگرام کے امام باڑے اپنا مرکزی رول (یعنی مجالس، ماتم، مذہبی رسومات) کے علاوہ تہذیبی ثقافتی اور سماجی ضروریات کو بھی پورا کرتے ہیں۔ بلگرام کے امام باڑوں میں بچوں کی دینی تعلیم بھی ہوتی ہے۔ کئی امام جمعہ و جماعت درس و تدریس کے علاوہ علاج بھی کرتے تھے کیونکہ وہ حکمت بھی جانتے تھے، نماز جنازہ پڑھاتے تھے اور روز مرہ کے مسائل میں رہنمائی بھی کرتے تھے۔ اُن کے فرائض کے صلہ میں محنتانہ کی ادائیگی امام باڑہ سے وابستہ جائداد سے ہوا کرتی

---

۱. بلگرام کے تناظر میں تہذیب محرم، (مضمون) ڈاکٹر سید جعفر رضا بلگرامی، راشٹریہ ہت ساپتاہک، (ہندی) لکھنؤ، محرم نمبر، ۱۷ دسمبر ۲۰۱۰ء، ص ۱۸-۱۹۔

ہے۔ امام باڑوں میں تجہیز و تکفین کا مکمل انتظام ہمہ وقت رہتا تھا۔ قرآن کے پاروں کے ذاتی سیٹ رکھے ہوتے تھے۔ مرحومین کے ایصال ثواب کی مجلس یہیں ہوا کرتی تھیں۔ ایام عزا میں تمام پیشہ ور، کاریگر، بڑھئی، لوہار، مشعلچی، باجے والے، درزی، قصائی، باورچی، حلوائی وغیرہ اپنی ذمہ داریاں نبھاتے تھے۔ مرثیہ خوانوں کے ساتھ ساتھ حسینی کارندوں کے گھر بھی دونوں وقت کھانوں کے خوان بھیجے جاتے تھے۔ ایام عزا کے ختم ہونے پر حسینی مہمان کو ایک جوڑا کپڑا، ایک سیر شکر اور پانچ روپے دے کر رخصت کیا جاتا تھا۔ امام باڑے کی جانب سے ہر ایک گھرانے کو عہدے تقسیم کئے جاتے تھے ایک گھرانہ "قاسم" کہلاتا جس کا کام مجلسوں میں حصہ تقسیم کرنا ہوتا تھا۔ ایک گھرانا "سینی بردار" ہوتا تھا جس کا کام حصے کی سینی پکڑنا ہوتا تھا۔ کوئی گھرانا درگاہی کہلاتا تھا جو درگاہ کے انتظام کی ذمہ داری سنبھالتا تھا تو کوئی گھرانا "فراش" کہلاتا تھا جو امام باڑے میں فرش بچھاتا تھا۔ کوئی گھرانا علمدار کہلاتا تھا جس کا کام جلوس میں علم پکڑنا ہوتا تھا۔ یہ عہدے گھرانوں کی شناخت بن چکے ہیں جو نسل در نسل منتقل ہوتے آئے ہیں اور اُن کے لئے اتنے باعث فخر ہیں کہ ذرا سی بھی حق تلفی برداشت نہیں ہوتی۔ جس گھرانے والے مرثیہ کا جوابی بند بولتے ہیں وہی بولیں گے اِس عمل کی کارکردگی امام باڑوں کی دین ہے۔

بلگرام کے مردانہ امام باڑوں کے علاوہ زنانہ امام باڑے بھی ہیں جو عام اصطلاح میں بیٹیوں کے امام باڑے کہلاتے ہیں۔ ایام عزا کے علاوہ یہاں ۱۳ رجب، ۱۵ شعبان، ۱۸ ذی الحجہ کو میلاد کی محافل بھی ہوتی ہیں۔ انہیں میلادوں میں محلے کی نئی بیاہی دلہنوں کو امام باڑے میں نشان کے نیچے بٹھا دیا جاتا ہے جہاں اُن کی نقاب کشائی ہوتی ہے۔ اُس کے بعد اپنے سسرالی رشتہ داروں کے گھروں میں بے روک ٹوک آ جا سکتی ہیں اور اپنے شوہروں سے دوسروں کی موجودگی میں بھی مخاطب ہو سکتی ہیں۔ اِس نقاب کشائی سے قبل کوئی بے تکلفی سرعام سرزد ہو جاتی تو اُن پر نگاہیں اُٹھتی تھیں۔ حمل کے پانچویں ماہ میں "پنچوانسا" کی رسم اسی زنانے امام باڑے میں ادا کی جاتی تھی۔ بچوں کی ولادت کے بعد نوزائیدہ کو لے کر پہلی بار امام باڑے آتی تھی جسے پیر پھیرنا کہا جاتا تھا۔ اسی طرح بیوہ عدت پوری ہونے پر پیر پھیرنے امام باڑے آتی تھی۔ فصل کی نئی چیز جیسے ککڑی، خربوزہ، آم وغیرہ تو نذر نیاز ہو کر پاس امام باڑے ضرور بھیجی جاتی تھی۔ شادی کی ابتدائی رسومات امام باڑے میں ہوتی تھیں۔ دولہا مسجد کے علاوہ امام باڑے میں بھی جاتا تھا۔ رجب، شعبان، رمضان، عید، ذی الحجہ اور محرم میں با کثرت نذر و نیاز حصہ اور کھانے وغیرہ امام باڑے بھیجے جاتے تھے جن سے اِن امام باڑے کے ارد گرد بسنے والے مساکین و بیواؤں کی کفالت ہوتی تھی۔ امام باڑے اجتماعی زندگی میں مرکزی اہمیت رکھتے تھے اور مذہبی، سماجی، ثقافتی اقدار و رسومات کے امین و آئینہ دار ہوتے تھے۔

عزاداری

چاند رات سے پہلے ہی عزاخانے سجادئے جاتے ہیں۔ محرم کا چاند اجتماعی حیثیت سے دیکھا جاتا ہے۔ شام کو ہر محلے کے زنانے امام باڑے میں خواتین اور مرد جمع ہو جاتے ہیں۔ میراثنیں خاموش بیٹھی رہتی ہیں۔ جیسے ہی چاند دیکھنے کا ڈنکا بجتا ہے یہ میراثنیں اندر داخل ہو جاتی ہیں۔ عورتیں گریہ کرنے لگتی ہیں اور اپنی چوڑیاں امام چوک پر بڑھانے لگتی ہیں۔ بڑے امام باڑے میں تمام مرثیہ خواں امام چوک پر صف آرا ہوتے ہیں اور باری باری مرثیہ کا ایک بند پڑھتے ہیں۔ یہ دراصل حلف اٹھانے کی ایک رسم ہے کہ وہ دوران مجالس اور جلوسوں میں مرثیہ پڑھنے کے پابند رہیں گے۔ گھر کی ضعیفہ عزاخانہ تنہا چھوڑ کر نہیں جاتی، فرش عزا پر نماز پڑھتی ہیں اور عزاخانے میں روشنی کرتی ہیں۔ تمام جلوسوں میں باجن دار صرف ماتمی دھن بجاتے ہیں۔ زنانی اور مردانی مجلسوں کی نشست و برخاست کے آداب کی پابندی سختی سے ہوتی ہے۔ بزرگ سر محفل اور نوجوان پیچھے بیٹھتے ہیں۔ اگر مجلس شروع ہونے کے بعد کوئی آتا ہے تو وہیں بیٹھ جاتا ہے۔ صفوں کو پھلانگتے ہوئے آگے بڑھنا سخت معیوب ہے۔ کچھ بزرگوں کی جگہ طے ہوتی ہے وہ آکر وہیں بیٹھتے ہیں۔ بڑی مجلسوں اور جلوسوں کے مرثیے متعین ہیں کہ اُس جگہ یا اُس مکان کے آگے یہ مخصوص مرثیہ پڑھا جائے گا۔ اِس کے علاوہ محلوں کے مرثیوں کے سیٹ اور دھنیں جداگانہ ہیں۔ مرثیوں اور اُن کے دھنوں سے یہ بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کس محلے سے کون سی زیارت اُٹھی ہوئی ہے۔ مجلسوں کا تبرک کبھی دروازے پر تقسیم نہیں کیا جاتا، محفل میں ہی تقسیم کیا جاتا ہے۔

بڑے شہروں میں تعزیوں کے ڈھانچے بانس کے بنائے جاتے ہیں اور دفنا دیئے جاتے ہیں۔ یہ تعزیے ہر سال تیار کئے جاتے ہیں۔ بلگرام میں اِس طرح کے چھوٹے تعزیے گھر کے عزاخانوں میں رکھنے کے لئے تیار کئے جاتے ہیں۔ جلوسوں میں اٹھنے والے تعزیے مستقل ہوتے ہیں۔ محلہ سید واڑہ کے بڑے تعزیے کا تخت، بارہ دری اور گنبد لکڑی کا بنا ہوا ہے یہ تعزیہ تقریباً ڈھائی سو سال پرانا ہے اِس کے گنبد کا طول چار فٹ نوانچ اور دور ۱۶ فٹ دوانچ ہے۔ اِس کو ۳۲ کہار اٹھاتے ہیں۔ یہ ہر سال صرف بڑھا دیا جاتا ہے فقط سہرے دفنا دئے جاتے ہیں۔ محلہ میدان پورے کے صوفی گھرانے کا سفید تعزیہ کا ڈھانچا بھی لکڑی کا ہے یہ ٹوٹ کا بنا ہے اور پورے تعزیے کا ڈھانچا ایک بکس میں سما جاتا ہے۔ اِس کو سفید نین کلاث کے کپڑے سے اِس طرح منڈھا جاتا ہے کہ ایک بھی شکن نظر نہیں آتی یہ تاج محل جیسا نظر آتا ہے۔ اِس کے صرف سہرے دفنا دئے جاتے ہیں۔ بڑے تعزیے اور سفید تعزیے کو ڈھکنے والا مخصوص گھرانہ ہے جس کا فن ہنر مندی دیکھنے سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ شہروں کے غیر مستقل تعزیے محض عقیدت کے مظہر ہیں جبکہ قصبات کے مستقل تعزیے کاٹھ کے ہوتے ہیں جن سے ہر پیشہ ور مسلک رہتا ہے یہ حسینی کارندے کہلاتے ہیں۔ یہ مستقل تعزیے عقیدت کے مظہر کے علاوہ ایک تہذیبی علامت بھی ہیں۔ بلگرام میں قدرتی علم بھی برآمد ہوتا ہے۔ یہ علم ٹیل کا بنا ہوا ہے۔ جسے ایک صاحب حیدرآباد سے لائے تھے لیکن گھر

میں چوری کے سبب وہ علم والا بکس غائب ہو گیا اور باوجود بسیار تلاش کے نہیں مل سکا ایک دن ایک صاحب کو خواب میں بشارت ہوئی کہ کنویں میں ہے (علم کا بکس چوروں نے کنویں میں پھینک دیا تھا) وہاں سے علم لا کر کوٹھی میں رکھا گیا۔ ۷ محرم کو اہل سنت تقریباً ڈیڑھ بجے دن میں اِس علم کا جلوس نکالتے ہیں۔ کیونکہ اِس علم کا ملنا قدرت مالک جہاں کے سبب تھا اِس لئے اسے قدرتی علم کہتے ہیں۔

بلگرام کے بزرگ واسط سے آئے تھے جو کربلا کے پاس ایک قصبہ ہے۔ اِن بزرگوں کے خاندانوں میں کچھ کربلا سے متعلق واقعات سینہ بہ سینہ چلے آ رہے ہیں۔ اسی لئے یہاں عزاداری کی خاص رسمیں ہیں جو اور جگہ نہیں ملتیں۔ بالخصوص "ڈنکا" ۷ محرم کو زنانہ امام باڑے کی ڈیوڑھی کے قریب بارہ دری کے مقام پر سب جمع ہو جاتے ہیں خشک مٹی لا کر کوٹ کر دائرے میں بچھا دی جاتی ہے جس پر نقارہ رکھا جاتا ہے جب اطمینان کر لیا جاتا ہے کہ سب معزز حضرات آ گئے تو ایک بزرگ "یا علی" کی صدا بلند کرتے ہیں نقارے پر چوٹ پڑتی ہے اور اُس کے ساتھ ہی مرثیہ خواں بند پڑھنا شروع کر دیتے ہیں جس کو مجمع بلند آواز سے دُہراتا ہے:

آج قاسم کی عجب طرح سے تیاری ہے سر پہ سہرا ہے بندھا آنکھوں سے خوں جاری ہے

یہ مجمع گھر گھر جا کر منت کے نشان لاتا ہے پھر اِن نشانوں کے ساتھ جلوس بڑے امام باڑے پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے۔ در اصل یہ رسم ایک واقعہ کی یاد دلاتی ہے نویں کی شب کو جب ابن سعد سے گفتگو ناکام ہو گئی اور جنگ یقینی ہو گئی تو امام حسینؑ نے صورت حال کا جائزہ لینے کے بعد اپنے رضاعی بھائی علی ابن القطیر کو شیعیان بصرہ کے پاس اپنی نصرت کے لئے بھیجا۔ یہ گلے میں نقارہ ڈال کر بصرہ کے گلی کوچوں میں گھومے اور لوگ نیزے لے کر اِن کے ساتھ نکلتے رہے۔ ابن لاعود اسلمی کی سرکردگی میں یہ جمعیت چل پڑی لیکن کوفہ اور شام کی فوجوں کی کثرت کی وجہ سے غاضریہ سے آگے نہ بڑھ سکے۔ اِس لئے یہ امام کی مدد کو نہ پہنچ سکے۔ جب جانے کا موقع ملا تو امام حسینؑ کو عجب حال میں دیکھا۔ شیعیان بصرہ کوئی مدد نہ کر سکے تو یا علی کا نعرہ لگاتے واپس ہوئے۔ لیکن امام کو جس عالم میں دیکھا تھا اُسے نہ بھلا سکے۔ اہل بصرہ کے لئے یہ قومی نعرہ بن گیا یہ واقعہ اِن لوگوں کے لئے نجی واقعہ بن گیا۔ سادات بلگرام نے بھی ڈنکے کو عزاداری کا جزو بنا لیا۔

۷ محرم کی شام کو زنانہ امام باڑے کے باہر چبوترے سے جو تخت کی زیارت اُٹھتی ہے اُس سے بیواؤں کی عقیدت خاص طور سے وابستہ ہے۔ مشاہیر بلگرام میں سے ایک صاحب کی شادی شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے خاندان میں ہوئی تھی۔ دلہن کے چھوٹے بھائی میر عبداللہ بھی ساتھ آئے۔ بلگرام میں اِن کا ۷۰ برس کے سن میں انتقال ہوا۔ یہ دادا پیر کے نام سے مشہور ہوئے۔ اِن کی قبر زنانہ امام باڑے کے باہری صحن میں ہے اِن کے کہے بند پڑھے جاتے ہیں جو بھی جلوس میں شریک ہوگا وہ اِس مرثیے کو ضرور پڑھے گا:

سلام اُس کے دولہا کو سہرا بندھا کے　　چلا مرنے بنری کو بیوہ بنا کے

اِس جلوس کو اِس لئے بیواؤں کی زیارت کے لئے مخصوص کر دیا کیونکہ اِس سے انہیں تسکین ملتی ہے۔ عورتیں زنانہ امام باڑے میں تخت اور ڈولا اٹھنے کے وقت جمع ہوتی ہیں۔ سبز کپڑوں کو تخت سے چھوا کر اپنے بچوں کو پہناتی ہیں۔ جب تک بچے کپڑے نہیں پہن لیتے تخت دادا پیر کی قبر پر رکھا رہتا ہے۔ اور مندرجہ بالا شعر عورتیں دہراتی ہیں۔

صبح دم تعزیہ چوک پر رکھا جاتا ہے تو مجمع طواف کرتا ہے اور یہ قطعہ پڑھا جاتا ہے۔

این دم دمِ عزا بود　　آہ و فغان بجا بود

این غمِ مصطفیٰ بود　　ماتم بہ مرتضیٰ بود

سات پھیروں کے بعد طواف ختم ہو جاتا ہے یہ واقعہ نویں کے شب کی یاد دلاتا ہے جب امام حسینؑ نے انصار ان حسینؑ سے کہا تھا تم لوگ میرے ساتھ جان کیوں دیتے ہو۔ جہاں چاہو چلے جاؤ۔ انصار جوش محبت و عقیدت سے حسینؑ کے گرد پروانہ وار صدقے ہونے لگے۔ آج بڑے تعزیے کے گرد طواف اسی کی یاد دلاتا ہے۔ ڈنکا، زیارت، تخت اور طوافِ تعزیہ اسلاف کی یاد دلاتے ہیں۔

بین المللی تہذیب

بلگرام کے اہل سنت کے تعزیوں میں بھی باقاعدہ علم اٹھائے جاتے ہیں (جیسے سفید تعزیہ) مرثیے پڑھے جاتے ہیں۔ اکھاڑے نہیں کھیلے جاتے۔ اہل سنت مسجد بھی اٹھاتے ہیں۔ غالباً یہ تعزیہ سے وابستہ بدعت کے تصور کو ختم کرنے کے لئے اور حسین کی محبت نے یہ نئی زیارت ایجاد کی کہ تعزیہ نہیں تو مسجد تو اٹھا سکتے ہیں۔ یہ کاٹھ کی بنی مسجد کا نمونہ ہوتی ہے جو قرآنی عربی فن اور مرقع فن مصوری و خطاطی سے سجی ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ حسین کی عقیدت سے وابستہ ہے اس لئے ہر طبقے میں مقبول ہے۔

دس محرم کو مسجد کی اِس زیارت کے سامنے ایک مرثیہ پڑھا جاتا ہے:

"ایک دن مسجد سے آتے تھے امیر المؤمنین"

یہ مسجد پانچ محلوں میں گشت کرتی ہے جس میں اہل ہنود بھی شامل ہیں جو سبیلیں رکھواتے ہیں جب یہ مسجد سید واڑا پہنچتی ہے محلہ کے مرثیہ خواں مرثیہ پڑھتے ہیں بالخصوص اِس مرثیہ کا انتظار ہوتا ہے اور جب یہ پڑھا جاتا ہے تو سبھی متاثر ہوتے ہیں:

لوٹ لیا بنجارہ بن میں، بن میں کھڑی بنجارن روئے　　جس کا راول مارا بن میں، بن میں کھڑی بنجارن روئے

ہندو حضرات بھی مرثیہ پڑھتے ہیں۔ جب ایک بجے سید واڑے سے یہ زیارت گزرتی ہے تو مائیں فاقہ شکنی کرنے اپنے بچوں کو اپنا دودھ پلاتی ہیں۔ شام کو بڑے تعزیے میں شریک ہونا ہندو شرفاء اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔ اس تعزیے میں اہل سنت اور اہل ہنود کی اکثریت ہوتی ہے۔ آس پاس کی بستیوں سے بھی لوگ آجاتے ہیں ۳۲ کہار اس تعزیے کو لے کر چلتے ہیں۔ محلہ میدان پورے کے صوفی اپنا تعزیہ چھوڑ کر اِس تعزیے میں شریک ہو کر فوراً ہی واپس چلے جاتے ہیں۔ ہندو عورتیں اپنے گھروں کی چھتوں پر تھالی میں چاول اور لوٹے میں پانی لئے تعزیے کا انتظار کرتی ہیں۔ تعزیے آنے پر اس پر چاول پھینکا کرتی ہیں اور تعزیے کے نیچے پانی بہاتی ہیں یہ حسین کی بھوک پیاس کو خراج عقیدت پیش ہے۔ یہ تعزیہ گنگا جمنی تہذیب کا مظہر بن چکا ہے۔

بلگرام میں محرم کی فضا چھائی رہتی ہے۔ بازار میں قلعی کا سامان نمایاں نظر آئے گا۔ قلعی کرنے والے اپنے ہاتھ پاؤں کو دھوتے دکھائی دیں گے۔ ہندو نائن گھر گھر مخصوص مجالس کی خبر دیتی ہیں۔ نانبائی، کہار، قصائی وغیرہ سب اپنی ذمہ داریاں نبھانے میں مستعد نظر آتے ہیں۔ محرم بلگرام کے عوام کے دل و دماغ پر اس قدر چھایا ہوا ہے کہ کسی مجمع میں کوئی آکر شریک ہوتا تو لوگ کہتے ہیں "یاایھاالناس" یہ حسین کے خطبوں کا مشہور طرز خطاب ہے۔ کسی کی اگر تبرک تقسیم کرنے والے کے پاس تک رسائی نہیں ہو پا رہی تو وہ کہتا ہے "ھل من ناصر ینصرنا" (کوئی ہے جو میری مدد کرے) یہ حسین کی آواز استغاثہ ہے۔ ماتمی دستے یا حیدر کہہ کرکے ماتم شروع کرتے ہیں اور یا حسین کہہ کر ختم کرتے ہیں۔ اِن دنوں بس کنڈکٹر بھی "یا حیدر" کہہ کر بس چلواتا اور "یا حسین" کہہ کر بس رکواتا ہے۔

۸ محرم کو جناب عباس کی مجالس بہت ہوتی ہیں۔ ہر جگہ مرثیہ خواں اپنے بازوں کے ساتھ نہیں پہنچ سکتے ایک جگہ ایک صاحب نے مرثیہ خواں سے اصرار کیا تو اُس نے معذوری ظاہر کی۔ صاحب خانہ نے کہا بازو نہیں تنہا ہی پڑھ دیجئے۔ جب وہ مرثیہ خواں تنہا پڑھنے بیٹھے تو ایک سامع نے پوچھا بازو کہاں ہیں۔ مرثیہ خواں نے جواب دیا "کٹ گئے"۔ بلگرام کے کرخنداروں کی باہر بیاہی بیٹیاں جب محرم میں بلگرام آنے کا قصد کرتیں ہیں تو شوہروں سے کہتی ہیں کہ ۴ محرم کو نہ آیئے گا کیونکہ ۴ محرم کو ہی حسین کا قاتل کربلا پہنچا تھا۔

بقول جناب جعفر رضا بلگرامی:

"امام باڑے، درگاہیں، عزاخانے، تعزیے، علم، تابوت، ضریح، ذوالجناح، کلاوا، مہندی، گہوارہ، مرثیہ و نوحہ خوانی، ماتم، زیارت انسانی جذبات کے مادی اور غیر مادی مظاہرات ہیں۔ اقدار اور جذبات کی ہم آہنگی نے عقیدت کے رنگ پیدا کئے ہیں یہ معاشرتی تہذیب کی بنیاد اور تمام تہذیبی سطحوں پر عملی مشاہدے کی جھلکیاں ہیں۔ اقدار و جذبات کے امتزاج نے عزاداری کے مادی عناصر پھر اُن سے متاثر سماج نے طرز و انداز کے ایسے پیکر

فراہم کیے جن سے ملکر ایک منظم اور مربوط تہذیب کی تشکیل ہوئی جو ہندوستانی تہذیب کا ایک اٹوٹ حصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کاروبار ہستی میں کوئی مماثلت پاکر زندگی بے اختیار اِس لے پر گنگنا اٹھتی ہے۔ اس کے علاوہ اِس تہذیب نے ہر طبقے ہر نوع اور ہر خیال کا لب و لہجہ اختیار کر کے اُن کو اپنا بنالیا ہے تاکہ ظرف کے فرق کے اعتبار سے ہر تہذیبی یونٹ حسینی بازگشت بن جائے"[1]۔

سنڈیلہ[2]

سنڈیلہ (ضلع ہردوئی) یہاں کے محرم کی خصوصیت یہ ہے کہ اور جگہ شیعہ حضرات جلوس نکالتے ہیں جس میں سنی حضرات شرکت کرتے ہیں علم، مہندی، دلدل، گہوارہ؛ شیعہ حضرات اپنے گھروں سے نکالتے ہیں اہل سنت اِس میں حصہ لیتے ہیں لیکن سنڈیلہ میں یہ جلوس سنی حضرات اپنے گھروں سے نکالتے ہیں اور شیعہ شرکت کرتے ہیں۔

فیض آباد[3]

محمد شاہ (رنگیلے) کے عہد میں آگرہ کے صوبیدار سعادت خاں کو اودھ کا علاقہ ۹ ستمبر ۱۷۲۲ء کو دیا گیا تھا۔ اودھ کے علاقے میں عزاداری تو پہلے بھی ہوتی تھی لیکن اِن کے زمانے میں فروغ ہوا اور محرم کا جوش اور خلوص سے اہتمام کیا جانے لگا۔ فیض آباد کی مسجد کے چبوترے پر فقیر پاتی شاہ نے تعزیہ رکھا۔ منصور علی خاں صفدر جنگ نے فیض آباد کو اپنا دارالحکومت قرار دیا۔ اِن کی بیگم صدر جہاں بیگم نے یہاں موتی باغ میں ۱۷۶۴ء میں ایک امام باڑہ اور مسجد بنوائی۔ نواب جلال الدین حیدر ملقب بہ شجاع الدولہ نے اپنی بیگم کے لئے موتی محل میں ایک امام باڑہ بنوایا۔ بہو بیگم نہ صرف خود عزاداری کرتی تھیں بلکہ بھتیجوں کے گھر جاکر تعزیوں کی زیارت کرتی تھیں۔ نواب سرفراز الدولہ نے بھی ایک امام باڑہ بنوایا تھا۔ خواجہ سرا جواہر علی خاں نے فیض آباد میں کاٹھ کا امام باڑہ بنوایا جسے خواجہ سرا داراب بیگ نے پختہ بنوایا اور اس میں توسیع کی۔ فیض آباد میں نامور مرثیہ گو شعراء ہوئے ہیں۔ شاہی دور ختم ہوا۔ پایۂ تخت حکومت فیض آباد سے لکھنؤ آگیا لیکن امام باڑوں میں محرم کی عزاداری کی روایت آج بھی قائم ہے۔ مجالس عزا، نوحہ خوانی، ماتم ہوتا ہے علم کے جلوس نکلتے ہیں۔

---

۱. بلگرام کے تناظر میں تہذیب محرم، (مضمون) ڈاکٹر سید جعفر رضا بلگرامی، راشٹریہ سہارا، (ہندی) لکھنؤ، محرم نمبر، ۱۷ دسمبر ۲۰۱۰ء ص ۱۸-۱۹۔

۲. پروفیسر رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۳۳۱۔

۳. ایضاً، ص ۳۲۵ تا ۳۲۷۔

جلال پور[1]

قصبہ جلال پور (ضلع فیض آباد) یہاں اہل حرفہ مسلمانوں کی اکثریت ہے اور یہ عزاداری میں پیش پیش نظر آتا ہے۔ چونکہ رات سے ہی جلوس نکلنا شروع ہو جاتے ہیں۔ پہلا جلوس نکبور سے ذوالجناح کا، دوسرا قصبہ جلال پور کا ٹونس ندی کے کنارے واقع امام باڑہ حسن خاں کا جلوس اور تیسرا محلّہ بازید پور کا جلوس خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ۱۳ محرم کو مسجد جعفری سے بنی اسد کا جلوس نکلتا ہے جو دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔

رائے بریلی[2]

رائے بریلی میں عزاداری کا سلسلہ ۲۹ ذی الحجہ سے شروع ہو جاتا ہے۔ اِس دن سید صفی عباس کے مکان سے علم مبارک کا جلوس برآمد ہوتا ہے اور سید مجتبیٰ حسین کے امام باڑہ محلّہ قضیانہ جاتا ہے اِس کے بعد سے تمام عزاخانوں میں مجالس کا سلسلہ یکم محرم سے ۹ محرم تک رہتا ہے۔

پہلا جلوس: پہلی محرم کو جلوس تعزیہ ارشاد حسین صاحب کے مکان محلّہ جہان آباد سے رات ۷ بجے برآمد ہوتا ہے اور کہاروں کا اڈہ کھنّی تلہ ہوتا ہوا واجد علی صاحب کے عزاخانے خالی سہاٹ جاتا ہے۔

دوسرا جلوس: ۶ محرم کو علم مبارک کے ساتھ سرفراز حسین صاحب کے عزاخانے چھوٹی بازار سے شب ۸ بجے برآمد ہوتا ہے اور رفیوجی کوارٹرس، مچھلی بازار، سبزی منڈی، کبیر گنج، کہاروں کا اڈہ، جہان آباد ہوتا ہوا چھوٹی بازار میں عزاخانہ سرفراز حسین صاحب میں واپس آ جاتا ہے۔

تیسرا جلوس: روز عاشورہ کو علم و تعزیے کے ساتھ صبح جواد حسین مرحوم کے عزاخانہ کھنّی تلہ سے برآمد ہوتا ہے اور کہاروں کا اڈہ گلاب روڈ اور قلعہ بازار ہوتا ہوا مسجد قبا قضیانہ جاتا ہے۔

روز عاشورہ کو ہی ایک اور جلوس علم و تعزیہ دن میں ۱۱ بجے وصی رضا صاحب کے عزاخانہ وزیر گنج سے برآمد ہوتا ہے اور تلہ کوٹ، کھترانہ محلّہ، قلعہ بازار ہوتے ہوئے مسجد قبا قضیانہ جاتا ہے۔

پانچواں جلوس: قضیانہ کے تمام عزاخانوں سے تعزیوں کے جلوسوں کو شامل کر کے مسجد قبا سے دوپہر ایک بجے برآمد ہوتا ہے جو کربلائے سید مجتبیٰ حسین مرحوم جاتا ہے جہاں تعزیے دفن کئے جاتے ہیں۔

مجلس شامِ غریباں: شب میں سات بجے سید مجتبیٰ حسین کے عزاخانے میں یہ مجلس ہوتی ہے۔ اِس کے بعد علم شام

---

۱. رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۳۳۱۔

۲. رائے بریلی میں یاد سید الشہداء کی روایت، (مضمون) ظہیر عباس نقوی راشٹریہ سہارا محرم نمبر، ص ۴۹۔

غریباں اِسی عزاخانہ سے برآمد ہوتا ہے اور قضیانہ ہوتے ہوئے کربلائے سید مجتبیٰ حسین مرحوم تک جاتا ہے۔

مجالس عشرہ: عشرۂ محرم کے بعد پہلا عشرہ ظفر مہدی مرحوم کے عزاخانہ قلعہ میں شب ۸ بجے، بارہویں محرم کو ہوتا ہے۔ دوسرا عشرہ ۲۰ محرم اشفاق حسین صاحب کے عزاخانہ قضیانہ میں رات ۸ بجے ہوتا ہے۔ تیسرا عشرہ امام باڑہ جواد حسین مرحوم کھنی تلہ میں ہوتا ہے۔ چوتھا عشرہ نواب محمد علی مرحوم کے عزاخانہ تلیا کوٹ میں رات ۸ بجے ہوتا ہے۔ پانچواں عشرہ جناب کاظم مرزا صاحب کے عزاخانہ جہان آباد میں شب ۸ بجے ہوتا ہے۔ چھٹا عشرہ جناب محمد تقی صاحب کے عزاخانہ سید راجن میں شب ۸ بجے ہوتا ہے۔

دیگر جلوس بعدِ عشرۂ محرم

۱۱ محرم کو جلوس تعزیہ عزاخانہ سید واجد علی مرحوم خالی سہاٹ سے صبح ۸ بجے برآمد ہوتا ہے جو خالی سہاٹ، سرجو پور ہوتے ہوئے کربلا سید واجد علی تک جاتا ہے۔ ۱۲ محرم کو عزاخانہ سرفراز حسین چھوٹی بازار سے جلوس و تعزیہ برآمد ہوتا ہے جو رفیوجی کوارٹرس، مچھلی بازار، کیپر گنج ہوتا ہوا کربلا سید گنج جاتا ہے۔ ۲۰ محرم کو رات ۸ بجے جلوس و تعزیہ ظفر مہدی صاحب کے عزاخانہ قلعہ سے برآمد ہوتا ہے اور گلاب روڈ، کہاروں کا محلہ، سبزی منڈی، کیپر گنج ہوتا ہوا واپس آ جاتا ہے۔

۲۰ محرم کے بعد پہلے اتوار کو جلوس یعسوب الحسن صاحب کے عزاخانے گلاب خانے سے صبح ۸ بجے برآمد ہو کر کہاروں کا اڈہ، جہاں آباد ڈبل پھاٹک ہوتا ہوا قومی قبرستان جاتا ہے۔ ۲۴ محرم کو تابوت عابد بیمار عزاخانہ اشفاق حسین قضیانہ سے برآمد ہو کر کربلائے مجتبیٰ حسین جاتا ہے۔ عزاخانہ جواد حسین کھنی تلہ سے بعد ختم عشرہ جلوس تعزیہ شروع ہوتا ہے جو کہاروں کا اڈہ، کیپر گنج ہوتا ہوا کربلا سید گنج جاتا ہے۔ عزاخانہ نواب محمد علی صاحب تلہ کوٹ سے صفر کے پہلے اتوار کو ایک جلوس تعزیہ صبح آٹھ بجے برآمد ہو کر دریا گنج، جگپال تال، جہان آباد ہوتا ہوا قومی قبرستان جاتا ہے۔

۱۲ صفر کا جلوس علم مبارک نزد ریلوے اسٹیشن سے شروع ہو کر گھنٹہ گھر، چوراہا کیپر گنج ہوتا ہوا اولاً وصی نقوی صاحب کے مکان دوم مظاہر حسین مرحوم کے مکان محلہ جہان آباد جاتا ہے وہاں سے کہاروں کا اڈہ، گلاب روڈ، قلعہ بازار، قضیانہ ہوتے ہوئے کربلا مجتبیٰ حسین مرحوم پہنچتا ہے۔ اِس جلوس کا انتظام انجمن سجادیہ کرتی ہے۔

چہلم

جلوس چہلم سید الشہداء شہر میں ۲۰ صفر کے بعد پہلے اتوار کو برآمد ہوتا ہے۔ اِس میں بیرونی انجمنیں بھی شریک ہوتی ہیں اِس کا انتظام انجمن سجادیہ کرتی ہے۔ اس جلوس کے قائم کرنے میں باقر مہدی مرحوم، محمد مہدی مرحوم، غلام حسین مرحوم، کے

اسمائے گرامی کے ساتھ ہی لالہ پنچم کا نام بھی شامل ہے (جنہوں نے برابر ہر معاملے میں (مقدمات میں) بھی شیعہ حضرات کا ساتھ دیا اور ہندوؤں کو بھی ساتھ جوڑا) یہ جلوس آٹھ بجے صبح سید جواد حسین کے عزاخانہ قمی محلہ سے برآمد ہوتا ہے۔ کہاروں کا اڈہ، گلاب روڈ، قلعہ بازار ہوتا ہوا مجتبٰی حسین صاحب کے عزاخانے قضیانہ جاتا ہے جہاں تمام ماتم کرنے والی انجمنیں نوحہ خوانی کرتی ہیں۔ اسی وقفہ میں ایک انجمن عزاخانہ سجاد حسین صاحب مرحوم میں نوحہ خوانی کرتی ہے اس کے بعد یہ جلوس عزاخانہ مجتبٰی حسین مرحوم سے برآمد ہو کر کربلائے مجتبٰی حسین جاتا ہے۔ چہلم ۲۰ صفر اور ۸ ربیع الاول کو دن بھر سبھی عزاخانوں میں دورے کی مجالس کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

اہل سنت کی عزاداری

یہاں سنی حضرات بھی عزاداری میں برابر کے شریک ہوتے ہیں خود بھی عزاداری کرتے ہیں۔ شہر میں "بڑا تعزیہ" (جس کے بانی سید راجو صاحب مرحوم تھے) امام چوک سید راجن میں ۷ محرم کو رکھا جاتا ہے اور روز عاشورہ تک اِس تعزیے میں سلام اور نوحے کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ عشرہ کو جلوس تعزیہ نکلتا ہے جو سید راجن اور قلعہ بازار سے گزرتا ہے۔ ۷ محرم کو تہ کوٹ میں آگ کا ماتم بھی اہل سنت حضرات بڑے خاص انداز میں کرتے ہیں۔ ۹ تاریخ کو ذوالجناح کا جلوس امام باڑہ جہان آباد سے برآمد ہوتا ہے۔ اِس کا انتظام اہل سنت حضرات ہی کرتے ہیں۔ یہ جلوس جہان آباد اور کہاروں کے اڈے وغیرہ سے گزرتا ہے۔ ۹ محرم کو ہی "لال کرتی" تعزیہ کا جلوس برآمد ہوتا ہے جو سول لائنز، ڈاک خانہ وغیرہ سے گزرتا ہے۔ ۷ محرم کو بچوں کا تعزیہ اور مصیبتوں کا تعزیہ بھی رکھا جاتا ہے۔ ۱۲ محرم کو شیخ واڑہ سے نورن بائی کا تعزیہ برآمد ہوتا ہے جو قلعہ بازار وغیرہ سے گزرتا ہے۔ اِس کے علاوہ روز عاشورہ شہر میں سینکڑوں تعزیے اہل سنت حضرات رکھتے ہیں اور لنگر وغیرہ تقسیم کرتے ہیں۔

جائس[1]

جائس (رائے بریلی) سیدوں کی قدیم بستی ہے۔ پہلے یہ بھر قوم کا ایک قلعہ تھی جو سید سالار مسعود غازی کے ہاتھوں ۴۱۸ھ میں فتح ہوا لیکن دوبارہ ہندوؤں کے زیر اقتدار آگیا۔ ۵۹۰ھ میں سید نجم الدین سبزہ واری (جو سلطان محمود غزنوی کی فوج میں مقدمتہ الجیش کے کمانڈر تھے) نے اِس کو تسخیر کیا۔ مقدمتہ الجیش کی رعایت سے اِس جگہ کا نام جیش پڑا (بعض مورخین نے جائس کا اصلی نام جائے عیش بتایا ہے جو قابل قبول نہیں ہے)۔ قصبہ کے سادات انہیں کی نسل سے ہیں اور انہیں کے زمانے سے عزاداری شروع ہوئی جو تقریباً ۸۰۰ سال پرانی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جائس میں عزاداری کا آغاز تو تیمور کے حملے سے پہلے

[1] مولوی عبدالقادر: تاریخ جائس دوحۂ ہاشمیہ مصنفہ سلطان العلماء مولوی سید محمد، ص ۳۳۵ تا ۳۳۷۔

ہو چکا تھا۔ میر شرف الدین نے قصبہ کو منظم اور باضابطہ طریقے سے آباد کیا ہر قوم، قبیلہ کو رہائش کے لئے ایک محلّہ دیا گیا اور ہر محلّہ میں ایک امام باڑہ تعمیر کرایا گیا جو بڑا دورا کہلاتا ہے یہ بڑا دورا (باڑہ دروازہ ائمہ اثنا عشری کی مناسبت سے بارہ محلوں میں تھا۔ جہاں اجتماعی طور پر عزاداری ہوتی تھی[۱]۔

اِس کے علاوہ تاریخ فیروز شاہی سے پتہ چلتا ہے کہ فیروز شاہ تغلق نے ۷۸۰ھ میں جلوس و تعزیہ و محرم پر بندشیں عائد کر دی تھیں اور اپنے ایک فرمان کے ذریعہ اُس نے جائس کی کربلائے کٹرہ ڈلیہ کو بھی منہدم کرا دیا تھا۔ یہ کربلا ۱۲۱۲ھ تک سادات نصیر آباد اور جائس کی مشترکہ کربلا تھی جہاں تعزیے دفن ہوتے تھے۔

جائس کی عزاداری کی ابتدا وہاں کے قدیم ترین امام باڑے محلّہ عتبابہ سے بھی ہوتی ہے جہاں آج بھی اسی انداز سے مجلس عزا برپا ہوتی ہے یعنی ذکر، خطبہ اور مجلس عربی اور فارسی میں پڑھی جاتی ہے۔ عربی میں منبر پر خطبہ پڑھا جاتا ہے اور حاضرین بیچ بیچ میں یا علی یا علی دہراتے ہیں۔ پھر ہر شہید کے متعلق دس روز تک فارسی میں ذکر ہوتا ہے۔

شیر شاہ سوری کے عہد سے اکبر کے زمانے تک سادات جائس خانہ بدوشی اور جلا وطنی کی زندگی گزارتے رہے کیونکہ انہوں نے ہمایوں کا ساتھ دیا تھا۔ اکبر کے زمانے میں یہ پھر اپنے وطن میں آباد ہوئے[۲]۔ جن میں سید سادات مخدوم سید جلال الدین حسین اور جہانیاں جہاں گشت کے پوتے سید عبداللہ بخاری کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے[۳]۔ شاہ جہاں کے عہد میں جب جائس نور جہاں کے بھانجے احمد بیگ کے تحت آیا تو یہاں کچھ مغل آباد ہوئے۔ مرزا عاشور بیگ جنہوں نے بعہد نواب سعادت علی خاں محلّہ تمبانہ سے ساتویں محرم کو جلوس مہندی کی بنا کی تھی انہیں کی نسل سے تھے[۴]۔

۱۱۹۵ھ میں نواب آصف الدولہ کے عہد میں جب الماس خاں نے لکھنؤ میں کالا امام باڑہ کے پاس اپنی مسجد تعمیر کرائی اور اُس کا سنگ بنیاد جائس کے مولوی میر صادق علی سے رکھوایا تو اِس کے صلہ میں انہیں جو ایک لاکھ روپیہ دیا گیا اسے میر صادق نے جائس میں ایک عالی شان امام باڑے کی تعمیر میں صرف کر دیا۔ نواب امجد علی شاہ کے دورِ حکومت میں میر علی محمد نے بھی اپنا امام باڑہ تعمیر کروایا اور عزاداری کی بناء کی۔ غرضیکہ جائس کی عزاداری کی روایت بہت قدیم ہے۔ اِس قصبہ کی اہمیت مولوی دلدار علی کی وجہ سے اور بھی زیادہ ہے[۵]۔

---

۱. عابد حسین سہمرامی: تاریخ جائس (بحوالہ کاروان حیات شہید اعظم نمبر ۱۳۹۱ھ ص ۴۲)۔
۲. اکبر علی: انساب اکبر قلمی (بحوالہ کاروان حیات مذکورہ بالا)، ص ۴۳۔
۳. مکتوبات سید محمد حسن رضوی قلمی (بحوالہ کاروان حیات مذکورہ بالا)، ص ۴۳۔
۴. ایضاً۔
۵. جائس کی عزاداری، (مضمون) علمدار نقوی جائسی ایڈوکیٹ، ص ۵۵، راشٹریہ سہارا، محرم نمبر، ۳۰ جنوری ۲۰۰۷ء۔

عزاداریٔ محرم

جائس میں عزاداریٔ شہدائے کربلا کی تاریخ ساڑھے آٹھ سو، نو سو سال پرانی ہے۔ یہاں کے مراسم استقبال ایام عزا نے جلوس سے شروع ہو جاتے ہیں جو رویت ہلال کے بعد نماز مغربین کے بجالانے کے بعد عرب سردار کی مسجد سے برآمد ہو کر حسینیہ سرکار حسین میں ختم ہوتا ہے۔ اِس کے بعد یہیں مجلس عزا برپا ہوتی ہے اِس طرح مجالس کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس شب کی دوسری مجلس کنچانہ کے امام باڑے حسینیہ وقف ثانیہ حسینیہ سید کلب عباس مرحوم، امام باڑہ صدر سیدانہ، اور محلہ ہاشمی میں ہوتی ہیں۔ یہ مجالس روزانہ شب کو ہوتی ہیں اور یہ سلسلہ عاشورہ تک جاری رہتا ہے۔ ایام عزا میں دن میں بھی مجلسیں ہوتی ہیں۔ نماز ظہرین و مغربین کے لئے مجالس کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ یکم محرم سے ۶ محرم تک نشان کا جلوس صدر امام باڑہ سیدانہ اور امام باڑہ محلہ ہاشمی سے شب میں برآمد ہوتے ہیں۔ ۵ محرم حسینیہ فخر قوم کلب عباس مرحوم سے جلوس علم اور مہندی شب میں برآمد ہوتا ہے۔ ۶ محرم کو دن میں میر سید یوسف حسین کے مکان سے علم برآمد ہوتا ہے اور ۶ محرم کی شام کو حسینیہ فخر قوم سے علم و ذوالجناح کا جلوس برآمد ہوتا ہے جس کا گشت تقریباً شب بھر رہتا ہے۔ ۷ محرم کو محلہ ہاشمی امام باڑے اور میر سید یوسف حسین کے مکان سے جلوس مہندی برآمد ہوتے ہیں جن میں علم اور حضرت علی اصغر کا جھولا بھی ہوتا ہے۔ ۸ محرم کو حسینیہ کمیدان صاحب مرحوم اور امام باڑہ صدر سیدانہ سے علم و ذوالجناح کے جلوس برآمد ہوتے ہیں جن کی سجاوٹ بہت دیدہ زیب ہوتی ہے جس میں پھولوں کا استعمال ہوتا ہے۔ ۸ محرم کے اِس علم پر بلا تفریق مذہب وملت عرضیاں چڑھائی جاتی ہیں۔ اور حسینیہ کمیدان کے جلوس کے پیچھے ہندو اور مسلمان عورتیں اختتام جلوس کے وقت تک ساتھ ساتھ رہتی ہیں۔ ۹ محرم کو حسینیہ فخر قوم میں ایک خصوصی مجلس برائے ایصال ثواب آقائے سرکار مولانا کلب حسین قبلہ اول منعقد ہوتی ہے اِس کے بعد حسن مرتضیٰ صاحب کے مکان سے علم و تابوت کا جلوس برآمد ہوتا ہے جو پھاٹک کا جلوس کہلاتا ہے اِس کے اختتام کے بعد حسینیہ سرکار حسین سے جلوس برآمد ہوتا ہے بعدہٗ امام باڑے میں مجلس ہوتی ہے۔ اِس کے بعد تمام قصبے میں تعزیوں کی زیارت کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو صبح عاشور تک جاری رہتا ہے۔

روز عاشور

علی الصباح فخر قوم امام باڑے سے جلوس تعزیہ برآمد ہوتا ہے اِس جلوس میں راستے میں ۳۰ اور تعزیے شامل ہو جاتے ہیں جو قضیانہ ہوتے ہوئے گدی تالاب کی کربلا جاتا ہے جہاں تعزیے ٹھنڈے کئے جاتے ہیں اِس کے بعد اعمال عاشورہ بجالائے جاتے ہیں۔ عاشورہ کے دن صدر امام باڑہ سے چھپّر کھٹ کا جلوس برآمد ہوتا ہے جو ۵ بجے شام کو ختم ہوتا ہے اِس کے بعد پتھر حویلی میں فاقہ شکنی کی مجلس ہوتی ہے۔ اِس کے بعد دوسری مجلس طالب رضا کے مکان پر ہوتی ہے۔ نماز ظہرین

کے فوراً بعد حسینیہ وقف ثانیہ میں شام غریباں کی مجلس ہوتی ہے۔

۱۱ محرم کو تمام دن مجالس کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور ۵ بجے حسینیہ صدر سیرانہ سے تربت کا جلوس برآمد ہوتا ہے جو قاسم پورا اسٹیشن کے پاس کٹرہ ڈیہہ کی کربلا میں جاکر ختم ہوتا ہے اِس کے بعد امام باڑہ توپ خانہ اور امام باڑہ محلّہ ہاشمی سے تربت کے جلوس برآمد ہو کر کربلا جاتے ہیں۔ ۱۲ محرم کو امام حسین کے سوئم کے سلسلہ میں امام باڑوں پر قرآن خوانی اور مجالس عزامنعقد ہوتی ہیں۔ ۱۳ محرم کو بچوں کا جلوس و تابوت برآمد ہوتا ہے اور آگ کا ماتم ہوتا ہے۔

عشرہ کی مجالس عزا میں مخصوص مجالس ہیں: ۵ محرم امام باڑہ ہاشمی مولانا ببر علی صاحب کی مجلس حسین کے بعد علم برآمد ہوتا ہے۔ حسینیہ فخر قوم کی مجلس جس کے بعد مہندی کا جلوس برآمد ہوتا ہے۔

۷ محرم حسینیہ رضا محمد صاحب کی مجلس اسی شب حسینیہ طالب رضا مرحوم میں ہوتی ہے بعدہ علم برآمد ہوتا ہے۔

۸ محرم کو حسینیہ نادر محل میں مجلس (جس میں علم برآمد ہوتا ہے) اور اِس کے بعد سید علی محمد صاحب کربلائی کے امام باڑہ کی مجلس (جس میں علم بھی برآمد ہوتا ہے جس کی ذاکری نفیس احمد صاحب فرماتے ہیں۔) حسینیہ وقف ثانیہ کی مجلس جس میں علم برآمد ہوتا ہے۔

۹ محرم کو ہی نادر محل کی مجلس بعدۂ شبیہ برآمد ہوتی ہے۔

جائس کے عشرۂ محرم کی عزاداری میں جلوس کے درمیان نہ کوئی بیٹھ سکتا ہے نہ بیڑی سگریٹ پی سکتا ہے۔ بلا تفریق مذہب و ملت سب شریک ہوتے ہیں۔ اہل سنت حضرات بھی مراسم عزا بجالاتے ہیں۔ ۵، ۶ اور روز عاشورہ کو جلوسِ علم، تابوت ذوالجناح برآمد کرتے ہیں۔ سینہ زنی اور نوحہ خوانی کرتے ہیں۔ اہل سنت حضرات کے مراسم عزا کے انعقاد میں مولانا شاہ علی حسن صاحب جائسی کی جدو جہد کو بڑا دخل ہے۔

محرم کی طرح اربعین میں جائس میں مجالس اور جلوس ہائے عزا، ۷ صفر سے ۲۰ صفر تک ہر روز برآمد ہوتے ہیں۔ ۲۷ اور ۲۸ صفر کی شب میں حسینیہ سرکار حسینی میں حضرت امام حسینؑ کی مجلس ہوتی ہے اور فجر کو یہیں سے تابوت برآمد ہوتا ہے۔ ۲۹ صفر کو اسی حسینیہ سے عترت رسول خدا کا تابوت برآمد ہوتا ہے جو تقریباً ۵ بجے شام کو متولی حسینیہ سرکار حسینی سید نقیر شیر صاحب ایڈوکیٹ کی کربلا میں ختم ہو جاتا ہے۔ یہ جلوس بھی انفرادیت کا حامل ہے۔

الہ آباد[1]

گنگا جمنی تہذیب کے امین اِس شہر میں محرم پر بھائی چارے کا رنگ نمایاں ہے۔ سنی حضرات، شیعہ عقیدے والے کربلائی یاد اپنے اپنے طریقے سے مناتے ہیں اور اِس میں غیر مسلم آبادی بھی پورے احترام کے ساتھ شریک ہوتی ہے۔ الہ آباد میں عزاداری کے سلسلے میر ہدایت ارادت خاں کے عہد (۱۶۳۵ء) سے جڑتے ہیں جو مغلیہ حکومت کے الہ آباد میں صوبیدار تھے اور شیعہ عقیدے کے مسلمان تھے انہوں نے عزاداری کو فروغ دیا اور اِس شہر کی موجودہ عزاداری کے بہت سے پرانے نقوش اِس دور کی یادگار ہیں۔ میر صاحب کے ورثاء نے اِس روایت کو آگے بڑھایا نئے امام باڑے بنے اور نئی عزاداریاں قائم ہوئیں۔ اب الہ آباد میں عزاداری دو ماہ اور ۸ دن (یکم محرم سے ۸ ربیع الاول تک) جاری رہتی ہے۔ چاند رات سے لے کر یوم عاشورہ تک اہل تسنن جلوس نکالتے ہیں۔ اِن کا "بڑا تعزیہ" اور "بڈھا تعزیہ" تو لوگوں میں بہت مقبول ہیں۔ اِس کے علاوہ اٹالا اور رسول پور کے علم اور روضہ چک سے اٹھنے والا جھولے کے جلوس بھی خاصے اہم ہیں۔ اِن جلوسوں میں نوجوان فن سپاہ گری کا مظاہرہ کرتے ہوئے چلتے ہیں۔ شہر کے مختلف علاقوں میں جناب قاسم کی مہندی کے جلوس بھی اٹھائے جاتے ہیں۔ الہ آباد میں عزاداری کے سلسلہ میں تین محلے مرکزی حیثیت رکھتے ہیں:

۱- چوک امام باڑہ

۲- سبزی منڈی

۳- دریاباد

عاشورہ کو سنی حضرات ایک تعزیہ نکالتے ہیں۔ چھ محرم کو منڈی سے جلوس ذوالجناح نکلتا ہے ۷ ربیع الاول کو جلوس عماری بڑا گاؤں سے اور ۸ ربیع الاول کو کراری سے جلوس عماری برآمد ہوتا ہے[2]۔ کراری میں عزاداری بڑے اہتمام سے ہوتی ہے[3]۔

دریاباد اور منڈی میں شیعہ حضرات کی کثرت ہے۔ محرم اور چہلم میں بہت عزاخانے ہوتے ہیں۔ تقریباً ہر گھر میں مجلس ہوتی ہے اور ہر روز کئی کئی ماتمی جلوس اٹھائے جاتے ہیں۔ اِن جلوسوں میں مرثیہ اور نوحے پڑھے جاتے ہیں اور لوگ جوش سے سینہ زنی کرتے ہیں۔ چک بخشی بازار، دائرہ شاہ اجمل، اور کریلی کالونی میں بھی عزاداری کا سلسلہ قائم ہے۔ نویں اور

---

۱. الہ آباد کی عزاداری، (مضمون) احمد اکبر، ص ۳۹، راشٹریہ سہارا، دہلی، محرم نمبر، جنوری ۲۰۰۷۔

۲. رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں عزاداری، ص ۳۳۲/ ملاحظہ کیجئے جان فاسٹر ٹریولز ان انڈیا۔

۳. ایضاً۔

دسویں کو عزاداری کا عروج ہوتا ہے۔ جن گھروں میں دس دن کی عزاداری نہیں ہوتی وہاں شب عاشور کو تعزیہ رکھا جاتا ہے۔ ساری رات نوحہ وماتم کے بعد صبح تعزیوں کو علاقے کی کربلا میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ جب جب محرم کے تعزیوں کو لے کر کشیدگی پیدا ہوئی دونوں فرقوں کے بزرگوں نے مثبت مداخلت کرکے مسئلہ حل کر دیا۔ ایک بار دسہرہ اور روز عاشورہ ایک ہی دن پڑ گئے تھے لیکن جلوس حسب معمول نکالے گئے۔ ۱۹۳۸ء جب فرقہ واریت سے ماحول مکدر تھا کسی نے کوتوالی پر بینر لگا دیا تھا جس میں لکھا تھا ہم الہ آباد کے ہندو اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ محرم کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ جب ۱۹۴۸ء میں تقسیم وطن کے بعد کے اثرات کے تحت محرم کے جلوس نہ نکالنے کا فیصلہ کیا تھا تو شہر کے ہندوؤں نے حکام کے ساتھ مل کر عزاداروں سے اپنا یہ فیصلہ بدلنے کی گزارش کی چنانچہ جب ۷ محرم کو کتابو میاں کا تاریخی جلوس اٹھایا گیا تو اُس میں ہندو مسلمانوں سے زیادہ تعداد میں تھے۔ الہ آباد کی یہ مشترکہ تہذیبی وراثت آج بھی قائم ہے اور الہ آباد کا محرم فرقوں کی آپسی محبت کا ایک سبق ہے۔

پوروانچل میں عزاداری

بنارس[1]

ہندوؤں کے تیرتھوں میں بنارس کا اہم مقام ہے۔ یہ شنکر جی کی نگری مانی جاتی ہے۔ اِس شہر میں بھی عزاداریِ امام حسین بہت پر خلوص عقیدت اور احترام کے ساتھ ہوتی ہے۔ یہاں عزاداری کب شروع ہوئی کہنا مشکل ہے لیکن اِس کی صدیوں پرانی روایت آج بھی قائم ہے۔ کچھ عزاخانے تو تین سو سال پرانے ہیں ہر محلہ میں امام چوک ہے جہاں تعزیے رکھے جاتے ہیں۔ شہر میں یوں تو ہر محلے میں شیعہ ہیں لیکن عزاداری میں غیر شیعہ حضرات بھی حصہ لیتے ہیں۔ شہر کے بیچ میں درگاہ فاطمین ہے جہاں مولیٰ علی، حضرت فاطمہ، مولیٰ حسین، شہزادی زینب، شہزادی سکینہ اور مولیٰ عباس کے روضے ہیں جہاں معجزات ہونے کی خبریں آتی رہتی ہیں۔ اِس درگاہ میں شیخ علی حزین کا مزار ہے۔ شیخ صاحب نجومی، عامل، فقیر، شاعر اور عبادت گزار تھے۔ درگاہ فاطمین بنانے کے لئے شیخ حزین کو زمین راجا بنارس بلونت رائے اور چیت سنگھ نے دی تھی۔ یہ درگاہ ۵۲ بیگھہ زمین پر بنائی گئی تھی۔ فاطمین میں عاشورہ کے دن تقریباً ۳۰۰ تعزیے ٹھنڈے کئے جاتے ہیں۔ شہر میں چوک، دال منڈی، ہڈہا سرائے، نئی سڑک، للا پورہ میں شیعوں کی اچھی آبادی ہے اِن کی تین انجمنیں ہیں (انجمن حیدری، انجمن جوادیہ، اور ماتمی انجمن جوادیہ رجسٹرڈ) اِس علاقے میں درجنوں قدیمی عزاخانے ہیں جس میں عزاخانہ امجدیہ، بی رضی کا عزاخانہ، شبر

۱۔ شیو کی کاشی میں حسینؑ کی عزاداری (مضمون) گلفام حسین رضوی ص ۳۶، راشٹریہ ہیت ساپتاہک لکھنؤ، محرم نمبر، ۷ دسمبر ۲۰۱۰ء۔

صاحب کا عزاخانہ، مرزا حیدر حسین کا عزاخانہ، عزاخانہ میر امام علی مہدی بیگم، نواب کی ڈیوڑھی، حکیم کاظم کا عزاخانہ اور خواجہ بنو کا عزاخانہ بہت خاص ہے سبھی عزاخانے ۱۵۰سال سے زیادہ قدیم ہیں۔ تیسری محرم کو نواب کی ڈیوڑھی سے علم کا جلوس نکلتا ہے جو درگاہ فاطمین تک جاتا ہے۔ خواجہ بنو کے عزاخانے سے پانچویں اور آٹھویں محرم کا تاریخی جلوس نکلتا ہے جس میں جناب سید مرتضٰی عباس شمسی صاحب تقریر کرتے ہیں اور انجمن حیدری نوحہ ماتم کرتی ہے اِس جلوس کا اہتمام مناظر حسین عرف منجو بھائی کرتے ہیں۔ اسی تاریخی جلوس میں بھارت رتن استاد بسم اللہ خاں صاحب شہنائی پر نوحوں کی ماتمی دھنیں پیش کرتے تھے اب یہ روایت اِن کے بیٹے قائم رکھے ہوئے ہیں۔

چھٹی محرم کو پکی سرائے کے عزاخانے سے نکلنے والا جلوس اپنی نوعیت کا انوکھا ہے جو ۳۶ گھنٹے لگاتار چلتا رہتا ہے اور آدھے شہر کا چکر لگا کر آٹھویں کی صبح پکی سرائے کے عزاخانے میں اختتام پذیر ہوتا ہے۔ اِس میں جلوس میں سینکڑوں کی تعداد میں ہندو حضرات منت مانگتے ہیں اور ذوالجناح پر چاندی اور سونے کے نیبو چڑھاتے ہیں۔ شہر کا ایک اور قدیمی عزاخانہ سرّیہ میں لاٹ کا عزاخانہ ہے جسے صدر امام باڑہ بھی کہا جاتا ہے۔ اِس کے آس پاس بہت سے شیعوں کے محلے ہیں۔ اِس علاقے میں بہت سی انجمنیں ہیں جن میں انجمن حسینیہ، جعفریہ، عزاداری حسینی، انصار حسینی، کاروان کربلا، ناصریہ، عابدیہ، نصیرالمؤمنین اور غلام میثم تمار خاص ہیں۔ اِس علاقے کے شیعہ حضرات انصار برادری کے ہیں، بنارسی ساڑی کی بُنائی کا کام کرتے ہیں۔ اِن کے یہاں یکم محرم سے دس محرم تک کام بالکل بند رہتا ہے اور دس دن گھر میں چولہا بھی نہیں جلتا۔ مجلسوں کے تبرک اور نذر حسین کے نام پر جو کچھ ملتا ہے اُسے ہی یہ لوگ دس دن تک کھاتے ہیں۔ اِس علاقے کے تقریباً ۱۵۰ تعزیے سنی حضرات کے ہیں اور ۱۰ جلوس تقریباً شیعہ حضرات کے صدر امام باڑے میں ٹھنڈے کئے جاتے ہیں۔ گنگا پار محلہ رام نگر میں بھی شیعوں کی خاصی آبادی ہے دو انجمنیں ہیں انجمن محافظ عزا اور انجمن عباسیہ۔ رام نگر میں کئی عزاخانے ہیں جس میں سید علی رضا عرف ننھے بھائی کا عزاخانہ تقریباً ۳۰۰ سال پرانا ہے۔ اِس کے علاوہ حیدر رضا صاحب کا عزاخانہ، علی انور صاحب کا عزاخانہ، مرزا بلاقی کا عزاخانہ، نظیر احمد صاحب کا عزاخانہ، منت حسین کا عزاخانہ اور نواب مرزا صاحب کا عزاخانہ خاص ہیں۔ محرم کے دنوں میں یہاں تقریباً ۲۰ مجالس روزانہ ہوتی ہیں۔ رام نگر میں ہی پانچویں محرم کو مہاراجہ پربھو نارائن سنگھ کی منت کا جلوس قلعے سے نکلتا ہے جسے شیعہ اور سنی دونوں حضرات اٹھاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ۳ محرم، ۵ محرم، ۹ محرم اور عاشور کے دن شیعوں کے جلوس نکلتے ہیں جس میں شیعہ نوجوان زنجیر اور قمع کا ماتم کرتے ہیں۔ اِس کے علاوہ سنی حضرات کے تقریباً ۲۰ تعزیے اٹھائے جاتے ہیں۔ بنارس میں ایک محلہ شوالہ ہے جو عزاداری کے لئے مشہور ہے۔ یہاں تین انجمنیں ہیں۔ نشان علی، نشان گلزار عباسیہ، اور قاسمی عباسیہ۔ یہاں کے عزاخانوں میں جانی صاحب کا عزاخانہ، لڈو بی بی کا عزاخانہ، صدن صاحب کا عزاخانہ، عزاخانہ ڈپٹی جعفر بخت، عزاخانہ عالم حسین صاحب اور کرمیئے کا عزاخانہ خاص ہے۔ سونا پورہ میں

کمہار کا امام باڑہ معروف ہے۔ اِس کمہار کو کھودنے پر ضریح ملی تھی اُسے پاک جگہ پر رکھا نویں محرم کو اُس میں سے گریہ اور ماتم کی آوازیں آئیں۔ اُس نے شیعہ حضرات سے دریافت کرکے ایک امام باڑہ بنوادیا۔ یہاں نویں محرم کو منت ماننے کے لئے سنی اور ہندو حضرات کی بھیڑ ہوتی ہے۔ شوالہ میں ہی پوسٹ آفس کے پاس سڑک پر ایک ہریجن خاندان کا بڑا تعزیہ رکھا جاتا ہے۔ جہاں شیعہ نوحہ پڑھتے ہیں۔ درگا کنڈ میں آس پاس کوئی مسلم گھر نہیں لیکن وہاں بھی ایک عزاخانہ ہے۔ یہاں سے آٹھویں محرم کا جلوس شان سے نکلتا ہے۔ جس میں اونٹ، ہاتھی پر علم اور شہنائی پر ماتمی دھن بجتی ہے۔ ذوالجناح کے ساتھ انجمن گلزار عباسیہ نوحہ اور ماتم کرتی ہے یہ جلوس کمہار کے امام باڑے میں جاکر ختم ہوتا ہے۔ نویں محرم کو انجمنوں کے گشتی علم نکلتے ہیں جو صبح کمہار کے عزاخانے پر جاکر اختتام پذیر ہوتے ہیں۔ دسویں محرم کا جلوس مرزا داؤد بخت کے عزاخانے سے انھکر گنگا کنارے جاکر ختم ہوتا ہے۔ اِس جلوس کو انجمن نشان علی اٹھاتی ہے اِس کے علاوہ گوری گنج سے دلدل کا جلوس برآمد ہوتا ہے جو گنگا کنارے اختتام پذیر ہوتا ہے۔ یہ جلوس انجمن قاسمیہ عباسیہ کے زیر اہتمام اٹھایا جاتا ہے۔ اِس کے علاوہ سنی حضرات کا جلوس دولہا قاسم ساری رات امام باڑوں کا گشت کرکے صبح شوالہ میں آکر ختم ہوتا ہے۔ بنارس کے مغربی کنارے پر محلہ اردلی بازار ہے جہاں تقریباً دس عزاخانے ہیں۔ یہاں کے خاص عزاخانوں میں ماسٹر ظہیر کا عزاخانہ، زیارت حسین صاحب کا عزاخانہ، جانی صاحب کا عزاخانہ، ایڈوکیٹ مظہر عباس کا عزاخانہ اور میر غلام عباس کا عزاخانہ بہت خاص ہیں۔ میر غلام عباس کے عزاخانے کی نسوانی عزاداری مشہور ہے یہاں یکم محرم سے ۲۰ صفر تک لگاتار مجالس ہوتی ہیں جسے محترمہ زوجہ افضل اور محترمہ متین حیدر نقوی خطاب فرماتی ہیں۔ چوتھی محرم کو اِس عزاخانے سے جناب عون و محمد کا تابوت نکلتا ہے اور ساتویں محرم کو حضرت قاسم کی مہندی اُٹھائی جاتی ہے جس میں منت ماننے والی عورتوں کی بھیڑ ہوتی ہے جو ہاتھ میں شمعیں لے کر مسجد اور امام باڑے کے صحن میں منت مانتی ہیں۔ اسی عزاخانے سے ۸ ویں محرم کا جلوس برآمد ہوتا ہے۔ ۸ ویں کا ایک اور جلوس جناب زیارت حسین صاحب کے عزاخانے سے نکلتا ہے جس میں انجمن امامیہ نوحہ پڑھتی اور ماتم کرتی ہے۔ ۹ محرم کی شب کو ماسٹر ظہیر کے عزاخانے سے گشتی علم کا جلوس تمام رات گشت لگاکر فجر کی نماز سے پہلے عزاخانہ غلام عباس میں پہنچتا ہے جہاں الوداعی مجلس کے بعد نوجوان سر پر کفن باندھ کر ہاتھ میں حضرت عباس کا علم لے کر دہکتے انگاروں پر ہائے حسین ہائے حسین کہتے گزرتے ہیں آگ میں چلنے والوں میں سب سے آگے ہاتھ میں قرآن لئے عزادار ہوتے ہیں اِن کے پیچھے نوجوان ہوتے ہیں جو علم لئے ہوتے ہیں، الوداعی نوحہ پڑھا جاتا ہے۔

دسویں محرم کی صبح امام باڑے کے صحن میں مومنین اعمال عاشورہ کرتے ہیں اِس کے بعد ماسٹر ظہیر کے عزاخانے سے ذوالجناح کا جلوس نکلتا ہے جس میں انجمن امامیہ کے نوجوان زنجیر اور قمع کا ماتم کرتے ہیں اِن کے بدن لہولُہان ہو جاتے ہیں جسے دیکھ کر لوگ زار و قطار روتے ہیں یہ جلوس ۴ کلومیٹر کا فاصلہ طے کرکے درگاہ فاطمین پہنچتا ہے۔ راستے بھر نوحے پڑھے

جاتے ہیں۔ دسویں محرم کی شب میں مظاہر حسین کے عزاخانے میں شام غریباں کی مجلس ہوتی ہے۔ گیارہویں محرم کو عزاخانہ حکیم دالمنڈی سے لٹے ہوئے قافلے کا جلوس نکلتا ہے جس میں سواری پڑھتے ہوئے نوجوان فاطمین جاتے ہیں۔ بنارس میں مجالس کا سلسلہ یکم محرم سے شروع ہو کر ۸ ربیع الاول تک چلتا ہے۔ سات ربیع الاول کا وداعی جلوس بہت مشہور ہے جس میں پدم بھوشن استاد بسم اللہ خاں شہنائی پر نوحہ سناتے چلتے تھے۔ ایک اور جلوس ہاتھی اور اونٹ پر نکلتا ہے۔ چودہ صفر کو امام باڑہ میر غلام عباس میں ایک نسوانی شب بیداری ہوتی ہے جس میں ذاکرہ خطاب کرتی ہیں اور شبیہ تابوت علی اکبر اٹھایا جاتا ہے۔ بیس صفر کو عزاخانہ ماسٹر ظہیر سے عماری کا جلوس نکلتا ہے۔ اردلی بازار میں ہی بی بی الفت کا عزاخانہ ہے جس میں دس دن سنی حضرات مجالس کرتے ہیں۔ شیعوں کا آخری جلوس ۸ ویں ربیع الاول کو مرحوم شبر صاحب کے عزاخانے دال منڈی سے نکلتا ہے۔ اِس تاریخی جلوس میں پوروانچل کے تقریباً تمام ضلعوں کے زائرین آتے ہیں۔ اِس جلوس کو انجمن حیدری چوک اٹھاتی ہے۔ یہ جلوس درگاہ فاطمین جا کر تمام ہوتا ہے۔

شہر کے علاوہ بنارس ضلع کے متعدد دیہات میں شیعہ، سنی اور ہندو مل کر عزاداری کرتے ہیں جن میں دُلئی پور، کولیوا، نیتھی گاگٹ، بڑاگاؤں، چوراد غیرہ کی عزاداری اور تعزیہ داری مشہور ہے۔ بنارس ہندوؤں کا شہر ہے۔ بھجن کیرتن کے بیچ میں عزاخانوں سے ہائے حسین کی صدا بھی سنائی پڑتی ہے کیونکہ حسین کو اہل بنارس انسانیت کا رہنما مانتے ہیں۔

جونپور

قرون وسطیٰ کے اِس شہر (جسے شاہجہاں نے شیراز ہند کہا ہے)[1] نے شرقی حکومت کا دارالسلطنت ہونے کی وجہ سے بڑی ترقی کی ہے۔ یہاں کی مسجدیں، قلعے، مقبرے، خانقاہیں اور امام باڑے فن تعمیر کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ انہیں الگ "جونپور طرز تعمیر" کا نام دیا گیا ہے[2]۔ ملک اشرف خواجہ جہاں نے سلطنت دہلی کی قوت کو کمزور پا کر ۱۳۹۸ء میں اپنی خود مختاری کا اعلان کرتے ہوئے سلطنت شرقیہ کی بنیاد رکھی اور جونپور کو پایۂ تخت قرار دیا۔ اُس وقت اِس سلطنت کے ماتحت قنوج، کڑہ، سنڈیلہ، ڈلمئو، بہرائچ، بہار، ترہٹ وغیرہ تھے۔ خواجہ جہاں نے ایک مخصوص "خمس" (حق امام عصر) کے نام سے جمع کرنی شروع کر دی تھی[3]۔ حالانکہ اُس نے کوئی امام باڑہ نہیں بنوایا لیکن شہر کے مخصوص عزاخانوں کی مجلسوں میں شریک ہوتا تھا۔ ایام عزا میں

۱. شیخ محمد اکرام: آب کوثر ص ۵۰۸ دلی ۱۹۵۲ء سید اقبال احمد تاریخ سلاطین شرقی وصوفیائے جونپور، ص ۳۲ تا ۳۷۔
۲. مولوی محمد فصیح الدین: دی ہسٹری آف شرقی مونومینٹس اِن جونپور، بدایوں ۱۹۲۲ء، ص ۲-۳۔
۳. رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۳۱۸۔

اُس کے محل میں عزاداری ہوتی تھی اور وہ محرم کے زمانے میں شیعوں کی طرح اور کام ترک کر دیتا تھا[1]۔ شاہی خزانے سے مجالس کے لئے ہر سال مالی امداد ضرور دیتا تھا۔

جونپور میں خواجہ جہاں کے عہد سے پہلے بھی عزاداری ہوتی تھی۔ یہ روایت ۱۳۶۰ء میں قائم ہو چکی تھی۔ بڑی تعداد میں امام باڑوں کی تعمیر ہوئی۔ حضرت مولانا مخدوم سید علی نصیر نے ۱۳۷۱ء میں جونپور کا پہلا عزاخانہ اپنی جائے رہائش کے نزدیک محلّہ نصیر خاں عرف چھتری گھاٹ میں تعمیر کروایا اور باقاعدہ عزاداری شروع ہو گئی[2]۔ وقت کے ساتھ اِس عمارت میں بھی تبدیلی ہوتی رہی۔ جونپور کا دوسرا امام باڑہ فاطمہ بی بی معروف بہ باہوا بیگم (جو مولانا علی نصیر کی اولاد میں سے تھی) نے اُس زمین پر تعمیر کروایا تھا جو شہزادہ نصیرالدین نے اپنی جونپور کی گورنری کے دوران انہیں دی تھی۔ انہوں نے بازار محلّہ اور عزاخانہ بنوایا۔ یہ عزاخانہ امام باڑہ دالان کے نام سے جانا جاتا ہے[3]۔

خواجہ جہاں نے اپنی زندگی میں ہی دو سید زادوں (سید مبارک اور سید ابراہیم) کو اپنا ولیعہد مقرر کیا تھا اور انہیں نظام حکومت بھی سونپ دیا تھا۔ چنانچہ خواجہ کے انتقال کے بعد اب سید مبارک شاہ تخت نشین ہوا تو اُس نے خمس اور عزاداری کو ویسے ہی برقرار رکھا۔ سید مبارک شاہ کا عہد حکومت بہت مختصر تھا۔ اِس کے بعد سید ابراہیم شاہ تخت شاہی پر متمکن ہوا اُس نے عزاداری کو فروغ دیا۔ عزاخانہ (خانقاہ نوحہ گراں) اسی کے عہد میں تعمیر ہوا۔ یہ عزاخانہ اُس جگہ بنایا گیا جہاں خواجہ جہاں اور سید مبارک شاہ کی قبریں تھیں۔ اُسے بھی یہیں دفن کیا گیا تھا اور اُس کی وصیت کے مطابق اُس کی قبر پر تعزیہ بھی رکھا جاتا تھا۔ ابراہیم شاہ نے ۷ اسال (۱۴۰۲ تا ۱۴۵۷ء) تک راج کیا۔ اِس کی مذہب پرستی اور علم پروری کے سبب صوفیائے کرام جونپور پہنچ گئے۔

حضرت سید عثمان شیرازیؒ درویش باصفا و حق آگاہ، علوم ظاہری و باطنی میں اکمل سلوک و معرفت میں بے مثال تھے آپ بعہد تیمور شیراز (ایران) سے دہلی آئے۔ بعدۂ زمانہ سلطان ابراہیم شاہ شرقی جونپور آئے اور یہیں مستقلاً سکونت اختیار کی۔ شاہ ابراہیم کے بھائی کے خاص درباری ملک خالص نے اِن کے لئے مسجد، خانقاہ و مدرسہ تعمیر کرایا[4] اسی دور میں حضرت مخدوم سید جہانگیر اشرف سمنانی جونپور آئے اور مسجد میں قیام کیا۔ آپ کے دوران قیام محرم کا مہینہ شروع ہوا آپ نے صحن

---

۱. جونپور میں عزاداری امام حسین (مضمون) عارف حسین جونپوری، راشٹریہ سہارا دہلی، محرم نمبر جنوری ۲۰۰۷ء، ص ۴۷۔

۲. جونپور میں عزاداری کی روایت: تاریخی جائزہ (مقالہ) ڈاکٹر سید محمد عامر راہ اسلام، ص ۱۷۲۔

۳. جونپور کی عزاداری (مضمون) علی ضامن ترمذی، سرفراز، لکھنؤ، محرم نمبر، ۱۹۴۲ء۔

۴. تجلی نور، حصہ اول، سیرت اولیائے، جونپور نامہ، ص ۴۵، ابراہیم شاہ شرقی کا بھائی اور اِس کا خاص درباری ملک خالص مخلص اور دیگر اُمراء شاہی حضرت عثمان شیرازیؒ سے بیحد عقیدت رکھتا تھا لہٰذا اِس نے اِن کے لئے ایک مسجد (مسجد خالص الخلص معروف بہ چار انگل کی مسجد جو دریبہ محلّہ جونپور میں ہے) خانقاہ شیرازی اور مدرسہ تعمیر کرایا (یہ مسجد اب محکمۂ آثار قدیمہ کی ملکیت ہے)۔

مسجد میں علم نصب فرمایا اور عشرہ بھر اعتکاف رہا۔ آپ نے اکبر پور (فیض آباد ضلع) میں مستقلاً قیام کیا۔ سید محمود شاہ شرقی نے محلہ بیگم گنج میں ایک عالیشان عزاخانہ تعمیر کروایا۔ اِس عزاخانے کو سکندر لودی نے تباہ کر دیا مختلف ادوار میں اس کی تعمیر ہوتی رہی۔ آج اس کو صدر امام باڑہ مانا جاتا ہے۔ اِس کی ملکہ راجے بی بی نے بھی ملا سعید علی داؤد کے لئے مسجد نماز گاہ (لال دروازے) کے متصل ایک عزاخانہ بنوایا جسے سکندر لودی نے مسمار کرا دیا صرف ایک چوک بچا تھا جس پہ ملا سعید علی داؤد کے افراد عزاداری کرتے تھے۔

سید حسین شاہ شرقی نے عزاداری کو ہر ممکن ترقی دی۔ اِس نے تقریباً ۲۸ سال حکومت کی۔ جامع الشرق کے جنوبی دروازے کے سامنے ایک عزاخانہ اور تعزیہ رکھنے کا چوک تعمیر کرایا۔ جامع الشرق بڑی مسجد میں بھی حسین شاہ کی طرف سے حوض کے سامنے ایک تعزیہ رکھا جاتا تھا جسے مولوی کرامت علی جونپوری نے انگریزی دور حکومت میں بند کروا دیا۔ وہ تعزیہ اب سید حسین شاہ شرقی کی قبر کے سامنے رکھا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں حسین شاہ نے اپنے بزرگوں کے بنوائے عزاخانوں میں عزاداری کو فروغ دیا ۱۴۸۶ء میں سکندر لودھی نے حسین شاہ شرقی کو ہرا کر جونپور کو دلی کی سلطنت میں ملا لیا۔ اپنے ۶ ماہ کے قیام میں شرقی حکومت کے نام سے منسوب ہر چیز کو تباہ کیا۔ خانقاہوں، مدرسوں، خاص طور پر عزاخانوں کو اِس طرح مسمار کروایا کہ اُن کی دوبارہ تعمیر ناممکن ہو گئی (حالانکہ یہی لودھی فرمانروا، دہلی میں یوم عاشور کو خوب خیرات کرتا تھا، غم حسین مناتا تھا) البتہ شہزادہ حسین خاں نے بعد میں ایک معمولی شہ نشین بنا کر نوحہ گراں کی عزاداری باقی رکھی۔ جونپور میں شرقی خاندان کے پہلے فرمانروا خواجہ جہاں ملک مسرور سے لے کر آخری تاجدار سلطان حسین شاہ شرقی تک سبھی سید الشہداء حضرت حسینؑ کے عزادار تھے اور اثنائے عشری تھے۔[1]

لودھیوں کے بعد مغلیہ دور حکومت میں اکبر نے منعم خاں کو جونپور کا گورنر مقرر کیا جو شیعہ اثنا عشری تھا اُس نے محلہ لکھرا میں ایک مسجد اور خانقاہ ذاکراں تعمیر کروائیں۔ اُس کے دور میں جونپور پھر عزاداری کا مرکز بن گیا۔ ہمایوں کے ساتھ ایران سے فوجی افسر اور سپاہی آئے تھے اُن میں سے سید احسن اخوند میر کو اکبر نے ماہل کا علاقہ عطا کیا۔ اِنہوں نے وہاں ایک مسجد اور عزاخانہ تعمیر کروایا اور ایران کے رواج کے مطابق ایام عزا میں شبیہ ذوالجناح کا جلوس نکالا[2]۔ (نوابین اودھ بھی اِس عزاخانے میں دلچسپی رکھتے تھے جو بعد میں اُن کی عزاداری اور امام باڑے بنانے کا محرک بنا)۔ مغلیہ دور میں نواب محسن خاں کی مسجد اور عزاخانہ تعمیر ہوا۔ حکیم محمد کمال نے دریائے گومتی کے کنارے ایک مسجد اور عزاخانہ تعمیر کروایا۔ جونپور میں عہد

---

[1] مولوی خیر الدین عابدی: تاریخ عزاداری جونپور، ص ۲۷۔

[2] رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۳۲۰۔

جہانگیر میں بھی عزاداری کا یہ سلسلہ قائم رہا خواجہ اخوند میر کے فرزند سید علی زیارت عتبات سے واپسی پر نشان رسول اللہ اور نشان کف دست حضرت علی لائے اور محلہ باغ ہاشم میں ایک احاطہ تعمیر کرواکے اِس میں (۱۶۶۲ء) نصب کر دئے یہ عمارت پنجہ شریف کہلاتی ہے اور اِسے مرکزی امام باڑے کے بعد دوسری جگہ حاصل ہے خصوصاً عشرۂ محرم کے پہلے پنجشنبہ کو شہر سے تعزیے و علم مع طبل کے یہاں آتے ہیں لوگ مسور کی کھچڑی، پلاؤ، زردہ وغیرہ پر نذر دلاتے ہیں۔ ۲۰ رمضان کو یوم شہادت حضرت علی پر عزاخانہ صدّو گھاٹ سے تعزیہ مع طبل کے جاتا ہے اور ماتم دار یہاں روزہ افطار کرتے ہیں۔

سید اخوند میر کے خاندان کے ایک فرد نے موضع امام پور میں روضۂ حضرت حسینؑ کی شبیہ یعنی کربلا بنوائی جہاں مجالس اکثر ہوتی ہیں۔ شاہ مرتضی نے حمزہ پور میں عہد شاہ عالم میں ایک زیارت گاہ بنوائی جہاں حضرت علی کا نشانِ دست اور حضرت عباس کے روضے کی اینٹ لاکر نصب کی گئی۔ یہاں بھی نوچندی جمعرات کو عزاخانوں سے طبل و علم آتے ہیں۔اِس کے علاوہ جونپور میں تقریباً ۱۳۸ شاہی اور قدیمی عزاخانے موجود ہیں اِن میں عزاداری ہو رہی ہے۔ (جس کی تفصیل مولوی خیر الدین عابدی کی کتاب تاریخ عزاداریٔ جونپور میں درج ہے)[۱]۔ سید اخوند میر کے خاندان کے آخری برسر اقتدار راجہ خاں نے موضع اِنگلی میں عزاخانہ اور مسجد تعمیر کی تھی۔ (۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں راجہ ارادت خاں کو شہید کیا گیا) روضۂ امام پور پنجہ شریف حمزہ پور وغیرہ شہر کی دوسری زیارت گاہیں ہیں۔ برٹش راج میں سید کرامت علی کی وجہ سے عزاداری ممنوع قرار دے دی گئی تھی لیکن جب یہ بندشیں ختم ہوئیں تو مراسم عزاداری کو زمینداری اور تعلقہ داری نظام کی وجہ سے سماجی اور معاشی حمایت ملی اور اِس کا فروغ ہوا۔ اِس دور میں جونپور شہر اور اطراف جونپور میں عزاخانے تعمیر ہوئے۔ جلوسوں کی تعداد بڑھی، شاہان اودھ کی وجہ سے مرثیہ گوئی کو فروغ ہوا۔ اِس زمانے کے عزاخانوں میں قابل ذکر عزاخانے ہیں مفتی ہاؤس، مفتی حیدر حسین اجمیری، ذوالقدر بہادر دریبہ، ناظم علی خاں نقی پھاٹک، قاضی صاحب کا امام باڑہ سیاہ، پوتی کا امام باڑہ خواجہ درست، بلوا گھاٹ کے عزاخانے محرم کے دنوں میں تو ہر شیعہ کا گھر امام باڑے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ جونپور میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ کربلا پان دریبہ جاتے ہیں (یہ کربلا شہر کے شمال مغرب کے آخری حصہ جگدیش پور میں واقع ہے۔ اِس کا بہت عالیشان دروازہ ہے جن میں قدم رسول اور روضۂ حضرت عباس بھی شامل ہیں۔ یہ مغل بادشاہ محمد شاہ کے دور میں شیخ فتح محمد عرف نگلی میاں الہ آباد کے ناظم کے رسالہ دار نے تعمیر کرائی تھی)۔ نصیب خاں کی منڈی میں واقع عزاخانہ ناظم علی خاں میں مجالس عزا متواتر ہوتی رہتی ہیں۔ مجلس میں سوز خوانی، سلام، مرثیہ خوانی، مذہبی بیان، نوحہ ماتم ہوتا ہے۔ مرثیہ خوانی میں لگ بھگ چھ افراد مل کر پڑھتے ہیں۔ اِس کے بعد ذاکر کا بیان ہوتا ہے۔ جس میں حمد و ثنا،

۱۔ جونپور میں عزاداری امام حسینؑ (مضمون) عارف حسین جونپوری، راشٹریہ سہارا، محرم نمبر، ۳ جنوری ۲۰۰۷ء، ص ۴۷۔

ضیلت رسولؐ اور اہل بیت، فضائل اور دعا، کربلا کے شہداء کے فضائل اور مصائب کی تفصیل، ظالموں کی ایذا رسانی ماتم او ر یارت ہوتی ہے۔ دسویں محرم کو خصوصی مجالس ہوتی ہیں۔ اُس روز جونپور میں بہت مجمع ہوتا ہے۔ ملہار روڈ پر مفتی محلے کے پاس صدر امام باڑے سے ملحقہ کربلا میں لگ بھگ ایک لاکھ لوگ موجود ہوتے ہیں۔

ضلع جونپور کی تحصیل مچھلی شہر میں ایک عظیم الشان خوبصورت طلائی ضریح موجود ہے یہ ضریح عزاخانہ مراد علی حاکم جونپور (تعمیر ۱۸۳۰) میں رکھی ہے۔ ضریح کے صدر دروازے پر خط ثلث میں آیت الکرسی لکھی ہے، مختلف نقش و نگار اور خطاطی کے بہترین نمونے ہیں۔ یہ ضریح ۱۸۵۷ء کے غدر کے زمانے میں فیض آباد کے امام باڑہ شجاع الدولہ سے چند ملاح بذریعہ کشتی لائے تھے۔ شہر میں شور ہوا تو حاکم جونپور مراد علی نے اِسے پانی میں ڈبو دیا اور غدر فرو ہونے کے بعد پانی سے نکال کر اپنے امام باڑے میں رکھوادی۔ مچھلی شہر میں میر احمد علی کی کربلا تاریخی اہمیت کی حامل ہے۔

جونپور کے جلوس

محرم کی چاند رات میں محلہ بارہ دریہ کے لوگ قدم رسول سے مٹی لاکر چوک بناتے ہیں۔ یہ روایت ۱۸۴۳ء سے قائم ہے جو وقف رسمیہ بی بی کے زیر اہتمام ہے۔ ۶ محرم کو محلہ کنگھرا سے مفتی ابرار صاحب کے امام باڑے سے تقریباً ۲ کلومیٹر کا جلوس شاہراہ عام سے گزرتا ہے۔ ۸ محرم کو امام باڑہ ناظم علی خاں کا شاندار جلوس برآمد ہوتا ہے جس میں لوگ بلا تفریق مذہب و ملت شریک ہوتے ہیں۔ ۹ محرم کو میر گھر امام باڑے کا جلوس علم و ذوالجناح برآمد ہوتا ہے[1]۔ عاشورہ کو مجلس شام غریباں ہوتی ہے۔ جناب علی امام صاحب اولاد سید علی نقی سرکار میر گھر رقمطراز ہیں۔ عزاخانہ میر گھر اور مسجد میر سید خلیل اللہ صاحب نے تعمیر کرائے۔ اُن کی اولاد اِس امام باڑے میں مجالس ماتم کا اہتمام کرتی ہے اور نو محرم کو جلوس علم و ذوالجناح برآمد کرتی ہے۔ آرائش کا انتظام کرتی ہے[2]۔ ماضی بعید میں ذوالجناح کے جلوس کے لئے مہاراجہ بنارس کی جانب سے گھوڑے کا خصوصی طور پر اہتمام کیا جاتا تھا یہ سلسلہ ۱۸۵۷ء کے غدر سے پہلے تک جاری رہا۔ آج بھی جونپور کی میونسپل کارپوریشن جلوس کے لئے روشنی کا انتظام کرنے میں مدد کرتی ہے۔

---

[1] جناب علی امام صاحب نے یہ معلومات فراہم کیں، مؤلف ممنون ہے۔

[2] خواجہ عثمان شیرازیؒ کے فرزند سید عبداللہ خاں کے دو فرزند میران خواجہ سید محمد جونپوری اور میران خواجہ سید احمد تھے۔ موخرالذکر کی نسل سے میر سید خلیل اللہ ہوئے جنہوں نے عزاخانہ میر گھر اور مسجد تعمیر کروائی۔ اِن کی اولاد میں میر سید سجاد علی اور اُن کے دو فرزندان میر سید محمد تقی اور میر سید علی نقی سرکار نے یکم تا دہم محرم اِس عزاخانے میں مجالس غم منعقد کیں۔ ۹ محرم کا قدیم جلوس علم اور ذوالجناح عصر حاضر میں سید محمد سجاد رضوی اور سید محمد تقی رضوی بن سید کبیر رضوی (اولاد میر علی نقی کے توسط سے برآمد کیا جاتا ہے)۔

۷ محرم کو ہر محلہ اور قریہ سے حضرت قاسم کی مہندی کا جلوس نکلتا ہے جس میں بارہ دریہ میں معصوم حسین کے امام باڑے سے وقف بکاتی بی بی تقی پھاٹک سے جلوس ذوالجناح برآمد ہو کر امام باڑے سے متعلق چوک پر واپس آتا ہے۔ ۸ محرم کو ہی پوستی خانہ کا جلوس ذوالجناح اور اسی وقف امام باڑہ نبی صاحب سے برآمد ذوالجناح راستے میں ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ شہر میں اتنے جلوس نکلتے ہیں کہ پورا شہر ماتم کدہ نظر آتا ہے۔

صفر کی پہلی نوچندی کو امام باڑہ والان سے جلوس برآمد ہو کر صدر امام باڑہ جاتا ہے۔ مفتی محلہ میں یکم محرم اور امام باڑہ کلو مرحوم میں ۲۸ ذی الحجہ کو آگ پر ماتم ہوتا ہے۔

جونپور کا مشہور زمانہ چہلم کا جلوس اٹھارہویں صدی کے اوائل سے شاندار روایت کے ساتھ برابر نکل رہا ہے۔ اس کے قائم کردہ شیخ محمد اسلام تھے جو ذاکر اہل بیت بھی تھے اور پہلوان بھی۔ اُن کو قاضی شہر نے بلاوجہ گرفتار کروایا تھا لیکن ۱۹ صفر کو اُن کی رہائی معجزاتی طور پر ہوئی۔ انہوں نے شب عاشور رکھا ہوا اپنا تعزیہ اٹھایا۔ کئی لوگوں کے اصرار سے یہ جلوس لمبی دوری طے کر کے صدر امام باڑہ پہنچنے لگا۔ اِس جلوس کا تزک و احتشام دن بدن فزوں ہوتا جاتا ہے۔ اِس کے علاوہ ۲۱ رمضان المبارک کو حضرت علی کی شہادت ۲۸ صفر حضرت امام حسن کی شہادت اور وفات رسول اکرم کی عزاداری بھی ہوتی ہے۔ ۸ ربیع الاول کو لٹے ہوئے قافلے اور امام علی نقیؑ کی شہادت پر مجالس اور جلوس کا انعقاد ہوتا ہے۔ جونپور میں بڑا گاؤں کا جلوس عماری ۸ ربیع الاول کو برآمد ہوتا ہے۔ یہ جلوس بھی مرکزی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ دور دور سے لوگ اِس میں شرکت کے لئے آتے ہیں۔

جرول[1] (ضلع بہرائچ)

جرول میں یکم محرم سے عشرہ مجالس شروع ہو جاتی ہیں۔ کئی حضرات کے یہاں ۱۰ دنوں تک برابر مجلسیں ہوتی رہتی ہیں۔ اِن کے علاوہ زنانی مجلس قریب قریب ہر گھر میں ہوتی ہیں اور اس کا سلسلہ شب میں بعد نماز مغرب باڑہ حسینیہ مصاحب علی مرحوم سے شروع ہوتا ہے۔ ٦ محرم کو شب میں امام باڑہ مصاحب علی صاحب مرحوم میں مردانی مجلس ہوتی ہے جس کو باہر سے آئے ذاکرین خطاب کرتے ہیں (یہ تقریباً ایک صدی سے جاری ہے) ۷ محرم کو امام باڑہ انصاریان دکھنا (اہل سنت) سے برآمد ہو کر پورے موضع کا گشت کرتا ہے۔ واپس آکر اسی امام باڑے میں مجلس ہوتی ہے۔ مجالس کا یہ سلسلہ ہر مکان پر جاری رہتا ہے۔ ۹ محرم کو جلوس شب عاشور بڑے امام باڑے سے شروع ہوتا ہے۔ اِس سے قبل بخشش علی مرحوم کے

۱۔ عزاداری جرول (بہرائچ) (مضمون) محمد ذکی، ص ۵۵، محرم نمبر ۲۰۰۷ء، کاروان حیات، شہید اعظم نمبر، ص ۹۰۔

امام باڑے سے ذوالجناح برآمد ہوتا ہے جو پوری شب گشت کرکے قبل نماز فجر امام باڑے مصاحب علی میں تمام ہوتا ہے اور ذوالجناح بڑھا دیا جاتا ہے۔ ۱۰ محرم کو صبح حسینیہ محمود حسین صاحب سے تابوت و علم و تعزیہ برآمد ہوتا ہے اور وہیں سے عشرے کا جلوس شروع ہوتا ہے۔ بعدہٗ امام باڑہ انصاریان (اہل سنت) سے ڈیڑھ سو سال قبل قدیم کاٹھ کا تعزیہ نکلتا ہے جو کوتوالی پر آکر روک دیا جاتا ہے۔ اِس کے بعد پورا جلوس جردل کے جلوس کے ساتھ کربلا جاتا ہے۔

۱۱ محرم کو مجلس حسینیہ مصاحب علی مرحوم میں منعقد ہوتی ہے۔ ۱۲ محرم کو سوئم کی مجلسیں تمام امام باڑوں میں ہوتی ہیں۔ ۲۳ محرم امام زین العابدینؑ کی شہادت کے سلسلہ میں شب بیداری ہوتی ہے۔ دو ماہ آٹھ دن تک مجالس کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ ۲۸ صفر کو ایک مجلس حسینیہ مصاحب علی صاحب میں بعد نماز مغرب کے ہوتی ہے۔ یہ صبح ۹ بجے ختم ہو جاتی ہے۔ اِس کے فوراً بعد امام باڑہ انصاریان (اہل سنت) سے جلوسِ تعزیہ شروع ہو جاتا ہے جس میں باہر کی انجمنیں شریک ہوتی ہیں۔ جلوس بازار سے ہوتا ہوا اخلاق حسین صاحب کے مکان پر آتا ہے وہاں سے جلوس گہوارہ نکلتا ہے جب یہ جلوس بڑے امام باڑے پہنچتا ہے تب بخشش علی مرحوم کے امام باڑے سے جلوس تابوت اور ذوالجناح برآمد ہوتا ہے جو کوتوالی چبوترے پر ہوتا ہوا منشی جواد علی کے امام باڑے پر پہنچتا ہے۔ وہاں سے قدیم جلوس گہوارہ برآمد ہوتا ہے اور ذوالجناح ہر امام باڑے جاتا ہے اور رودائن کے امام باڑہ محمود حسین کے یہاں جاکر جلوس واپس ہوتا ہے اور امام باڑہ انصاریان (اہل سنت) میں تعزیہ رکھ کر صرف ذوالجناح اور مقامی انجمنیں جلوس کی واپسی پر گشت کرتی ہوئی قبل نماز فجر حسینیہ صاحب مصاحب علی میں آتی ہیں جہاں وداعی مجلس ہوتی ہے اور ذوالجناح بڑھا دیا جاتا ہے۔ اِس کے فوراً بعد انجمن عزائے حسینی بڑے امام باڑے میں آگ پر ماتم کرتی ہے جس کی ابتدا محمد ذکی صاحب نے ۱۹۵۷ء میں کی تھی۔ ۲۹ صفر کو ٹھیک ۷ بجے صبح وداعی مجلس حسینیہ مصاحب علی میں منعقد ہوتی ہے اسی دن ۱۰ بجے دن امام باڑہ انصاریان (اہل سنت) سے تعزیہ کا جلوس برآمد ہوتا جس میں مقامی اور بیرونی انجمنیں نوحہ خوانی کرتی ہیں اور انجمن عزائے حسین قمع کا ماتم کرتی ہے۔ دو بجے کے وقت یہ جلوس تعزیے اور علم کے ساتھ جردل پہنچتا ہے وہاں خطیب الایمان صاحب کے یہاں سے جلوس ذوالجناح برآمد ہوتا ہے جو ڈیرا قاضی جاتا ہے۔

بہرائچ شہر

بہرائچ میں مشترکہ عزاداری کا رواج عام ہے۔ اِس ریاست کے نوابین قزلباش خاندان سے تعلق رکھتے تھے لہٰذا بہرائچ، نواب گنج اور علی آباد علاقوں میں شاندار طریقے سے عزاداری ہوتی ہے۔ ریاست کا ایک عالیشان امام باڑہ بھی ہے۔ اِس کے علاوہ نواب صاحب کا امام باڑہ اور سید اولاد حسین کا امام باڑہ بھی مشہور ہیں۔ یہاں کا ذوالجناح کا جلوس بہت اہم ہوتا ہے جو دلدل ہاؤس سے برآمد ہوتا ہے۔ یہ جلوس سات محرم کو نکلتا ہے تقریباً ۲۴ گھنٹے گشت کے بعد کربلا میں اختتام پذیر ہوتا ہے۔ اِس

میں تمام لوگ بلا تخصیص مذہب وملت حصہ لیتے ہیں۔ بہرائچ میں گھروں میں دلدل رکھنے کا عام رواج ہے اسی لئے یہاں کے مکانوں کا دروازہ بڑا بنایا جاتا ہے تاکہ دلدل اندر داخل ہوسکے۔

ضلع اعظم گڑھ[1]

مغلیہ دور میں سرکار جونپور صوبہ الہ آباد کے تحت تھی جو ۴۱ محال (پرگنوں) پر مشتمل تھی۔ اِن میں پورا موجودہ ضلع اعظم گڑھ جونپور میں شامل تھا یہاں کے زیادہ تر مشاہیر جونپوری کہلائے۔ اعظم گڑھ ۱۸ دسمبر ۱۸۳۲ء میں مستقل ضلع قرار پایا۔ جس کے کلکٹر مسٹر ٹامس تھے۔ اعظم گڑھ کا ذکر تو مغلیہ زمانے میں بھی ہوا ہے۔ تزک جہانگیری کے سال چہارم میں دولت خاں کا تذکرہ موجود ہے جو آگرہ جا کر مسلمان ہوگیا تھا جسے منصب ملا تھا۔ اِن کے بعد اِس کا بھتیجا ہربنس ریاست کا مالک بنا جس نے بھی اسلام قبول کر لیا اُس کے دو بیٹے (اعظم خاں اور عظمت خاں ہوئے) اعظم خاں نے اعظم گڑھ کی بنیاد ۱۶۶۵ء میں ڈالی اور ایک کوٹ، محلہ کوٹ میں بنوایا جو اعظم گڑھ کہلایا (عظمت خاں نے عظمت گڑھ بسایا)۔ موجودہ اعظم گڑھ کے مشہور قصبات ہیں ماہل، سرائے میر، نظام آباد، مبارک پور، جہاں سنی حضرات کے علاوہ ہندو مذہب کے ماننے والے بھی کثیر تعداد میں ہیں۔ نوابان اودھ کے دور حکومت میں اعظم گڑھ کے قریات وقصبات میں عزاداری کو بہت فروغ ہوا چونکہ یہ حکمران عزاداری اور یادگار شہدائے کربلا قائم کرنے پر بہت زور دیتے تھے اِس لئے کئی سنی گھرانے والوں نے بھی جاگیر، معافی اور دوسری مراعات حاصل کرنے کے لئے امام باڑے تعمیر کروائے اور عزاداری کرنے لگے۔

اعظم گڑھ شہر

اعظم گڑھ شہر میں زمانہ قدیم سے ہی عزاداری پورے جوش وخروش کے ساتھ ہوتی ہے۔ یہاں ایک مرکزی جگہ ہے جو "کربلا میدان" کے نام سے معروف ہے جو رقبہ کے اعتبار سے ۳۰ ایکڑ پر مشتمل ہے۔ اِس میں امام باڑہ، مسجد، روضۂ امام حسینؑ قدم رسولؐ اور دفن گاہ واقع ہے۔

یہی وہ مرکزی مقام ہے جہاں پر تمام جلوس ہائے عزا اختتام پذیر ہوتے ہیں۔

شہر میں مختلف امام باڑے ہیں جن میں ایام عزا خصوصاً عشرۂ اولیٰ میں مجلسوں کا سلسلہ رہتا ہے۔ چند معروف امام باڑوں کے نام یہ ہیں:

۱۔ ضلع اعظم گڑھ میں عزاداری کی روایت (مقالہ) ڈاکٹر علاءالدین خاں، ص ۵۵؛ ہندوستان میں سنت عزاداری محرم سیمنار، راہ اسلام (خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی) جون ۲۰۰۷ء۔

۱۔ امام باڑہ قاضی سرفراز حسین۔ محلّہ کٹرہ۔

۲۔ امام باڑہ چوک پرانی سبزی منڈی۔

۳۔ امام باڑہ مغل بیگ۔

۴۔ امام باڑہ راجہ منوپور (اِس امام باڑے کے احاطے میں ایک مسجد بھی ہے)۔

۵۔ امام باڑہ حیدری بیگم – محلّہ تکیہ۔ (اِس امام باڑے کے کچھ حصے میں ایک مسافر خانہ ہے جس کا نام "عبدالحق" مسافر خانہ ہے)۔

۶۔ امام باڑہ محلّہ کوٹ۔

۷۔ امام باڑہ محلّہ قلعہ۔

۸۔ امام باڑہ پیر کا تعزیہ۔

۹۔ امام باڑہ میر پیتھو۔

جلوس ہائے عزاء

۳ محرم کا جلوس: یہ جلوس شہر کے مختلف راستوں سے گذرتا ہوا کربلا کے میدان میں اختتام پذیر ہوتا ہے۔

۵ محرم کا جلوس: یہ جلوس مختلف امام باڑوں سے برآمد ہوتا ہے اور کربلا کے میدان میں تمام ہوتا ہے۔

۷ محرم کا جلوس: یہ جلوس بھی مختلف امام باڑوں سے برآمد ہوتا ہے اور کربلا کے میدان میں اختتام پذیر ہوتا ہے۔

۸ محرم کا جلوس: محرم کے جلوسوں میں سب سے اہم جلوس آٹھ محرم کا ہوتا ہے جو امام باڑہ مغل بیگ سے برآمد ہوتا ہے۔اور شہر کے مختلف علاقوں سے گذرتا ہوا کربلا کے میدان میں اختتام پذیر ہوتا ہے۔

چہلم کا جلوس: اِس کا شمار بھی مرکزی جلوسوں میں ہوتا ہے۔ جس میں مقامی اور بیرونی انجمنیں شریک ہوتی ہیں۔ یہ جلوس امام باڑہ میر پیتھو سے برآمد ہوتا ہے۔ اور کربلا کے میدان میں ختم ہوتا ہے۔

محرم کے تمام جلوسوں میں اہل سنت حضرات خاص طور پر بریلوی مسلک کے لوگ شیعوں کے شانہ بہ شانہ رہتے ہیں۔ اور اپنے طور پر بھی تعزیے کا جلوس برآمد کرتے ہیں[1]۔

۱۔ شہر اعظم گڑھ میں عزاداری کی معلومات مولانا عارف اعظمی صاحب سے دستیاب ہوئی۔ مؤلف متشکر ہے۔

غیر مسلم حضرات بھی تعزیوں کے جلوسوں میں خلوص و احترام کے ساتھ شریک ہوتے ہیں۔ معتقدین منتیں مانتے ہیں اور تعزیوں پر چڑھاوا چڑھاتے ہیں۔ راستے میں سبیلوں کا انتظام کرتے ہیں۔

ضلع اعظم گڑھ میں کچھ گاؤں ایسے ہیں جہاں شیعہ آبادی اکثریت ہے جیسے شیولی، پتار پور، برسرائمہ، پاری پر، خطیب پور، مٹھن پور، فتن پور، شاہ (دیوئت)، شیخ پورہ، غوث پور، بجھسر وغیرہ۔ علاوہ ازیں اعظم گڑھ کے اور بہت سے گاؤں ہیں جہاں شیعہ آباد ہیں۔ اِن کے ساتھ ہندو اور اہل سنت بھی رہتے ہیں جو امام مظلوم سے عقیدت رکھتے ہیں۔ عزاداری کے تعلق سے قصبہ مبارک پور، موضع برسرائمہ، شیخ پور، کچھراگاؤں بجھسر، شیولی، پتار پور، شاہ دیوئت، ناہر پور اور ڈوراں گاؤں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

قصبہ مبارک پور

کڑا مانک پور الہ آباد کے حاکم راجا سید مبارک شاہ نے ہمایوں بادشاہ کے دور حکومت میں یہ قصبہ آباد کیا تھا۔ یہاں عزاداری کی روایت بہت قدیم زمانے سے قائم ہے۔ نوابان اودھ کے زمانے میں مولانا رمضان علی شاہ پنجاب کے علاقے سے یہاں آئے وہ اثنا عشری مذہب کے عالم و مبلغ تھے۔ اُنھوں نے یہاں ایک شاندار امام باڑہ نواب شجاع الدولہ کے عہد میں بنوایا۔ نواب سعادت علی خاں کے زمانے میں اسی امام باڑے کے اندر چبوترا اور پنجہ بنوایا گیا۔ امام باڑے کے برآمدے میں دو مچھلیاں بنی ہوئی ہیں۔ محراب میں سن تعمیر ۱۲۰۹ھ ہے لیکن اندر شمال مشرق کے گوشے میں ۱۲۱۶ھ درج ہے۔ مبارک پور کے محلہ کٹرہ میں نواب واجد علی شاہ کی ایما پر کسی وزیر نے ۱۲۰۴ھ میں ایک اور امام باڑہ بنوایا تھا جس میں کل نو گنبد ہیں مرکزی گنبد بڑا ہے عمارت چونے اور اینٹ کی بنی ہوئی ہے۔ اِس امام باڑے کے نام ۱۶۸۴ء کے وقف بورڈ کے کاغذات میں ۴۱۰ ایکڑ زمین درج ہے۔ قصبہ مبارک پور میں کوئی سید نہیں ہے۔ اِس قصبہ کے سنی بھی تعزیہ اٹھاتے ہیں اُن کا علاحدہ جلوس نکلتا ہے۔ محلہ پرانی بستی (لال چوک) محلہ پورہ رانی، اسلام پورہ سے ۸ محرم اور ۱۰ محرم کو سنی علم اور تعزیے اٹھاتے ہیں۔ سنیوں کی ایک انجمن ہے جس کا نام ہے اظہار حسینی۔ اِس کے اراکین علم اٹھاتے ہیں جلوس نکالتے ہیں ہندو نذر و نیاز عقیدت سے کرتے ہیں لیکن جلوس نہیں نکالتے۔

مبارک پور میں کئی امام باڑے ہیں جن میں چند کے نام ہیں امام باڑہ دولہا بابا، محلہ پورہ باغ، امام باڑہ دلہن محلہ پورہ، امام باڑہ سیف علی شاہ محلہ شاہ پورہ، ایوان علمدار حسینی محلہ پورہ صوفی، عزاخانہ زہرا حسینی باغ، بیت العزاء محلہ پورہ خضر، ایوان ابوطالب محلہ پورہ خواجہ، امام باڑہ چٹانی، محلہ پورہ رانی، امام باڑہ پھاٹک والا محلہ پورہ دیوان، امام باڑہ زینبیہ پرانی بستی۔

یکم محرم کو چاند نمودار ہوتے ہی مجالس شروع ہو جاتی ہیں اور یہ سلسلہ ۸ ربیع الاول تک چلتا ہے۔ قصبہ مبارکپور میں کئی انجمنیں ہیں جن میں سے چند ہیں۔ انجمن انصار حسینی، انجمن معصومیہ، انجمن عزادار حسینی وغیرہ۔ ۱۹۵۰ء تک مجلسوں میں نصف سے زائد سنی شریک ہوتے تھے، نوحہ سنتے تھے جلوس میں بھی ان کی تعداد زیادہ ہوتی تھی لیکن عزاداری کے خلاف سنی علماء کے پرچار اور اِس رسم کو بدعت بنانے کی وجہ سے سنیوں کی شرکت کم ہو گئی۔ اب بھی ۱۰% سنی عزاداری کی روایت پر قائم ہیں۔

برسرائمہ

یہ سادات زمینداروں کا گاؤں ہے۔ اِس میں شیعوں، سنیوں اور ہندوؤں کی ملی جلی آبادی ہے۔ یہاں عزاداری کی پرانی روایت ہے۔ اہل سنت بھی عزاداری میں حصہ لیتے تھے۔ اِن کے اپنے امام چوک ہیں۔ شب عاشور اور یوم عاشور کو اِن کے دو تعزیے پیش پیش ہوتے ہیں۔ اِس کے علاوہ منت کے لئے ہندوؤں کے چھوٹے چھوٹے ۴۰ تعزیے نکلتے ہیں۔ اِس گاؤں کا ہنسو رام ہریجن ۸ محرم کو علم نکالتا ہے، مجلس کا انعقاد کراتا ہے، تبرک بھی تقسیم کراتا ہے۔ لیٹو رام، راجدیو لوہار اور رام دھنی خود تعزیے اُٹھاتے ہیں۔

برسرائمہ کے شیعہ ماہ محرم کی تمام رسمیں ادا کرتے ہیں۔ مرکزی امام باڑے سے نویں، دسویں محرم کو لکڑی کی ضریح نکالتے ہیں۔ اِس کے علاوہ آگ پر چلنے کی رسم ادا ہوتی ہے جس میں سنی لڑکے علم لے کر چلتے ہیں اور آگ کو راکھ کر دیتے ہیں۔ برسرائمہ سے لگی سنیوں کی بستی دیوریا ہے یہاں بھی تعزیے نکلتے ہیں اور حسینی باغ میں جمع ہوتے ہیں۔ دیوریا میں شیعہ اور سنی مل کر نوحہ و ماتم کرتے ہیں۔ برسرائمہ میں مرکزی امام باڑے کو شامل کرکے پانچ امام باڑے ہیں۔ یہاں انجمن اصغریہ قائم تھی ۱۹۷۶ء میں انجمن تسکین فاطمہ قائم ہوئی۔ اِس گاؤں میں ایک "باب الحوائج" بھی قائم ہے۔ بارگاہ حسینی تقریباً دو سو سال قدیم ہے۔ جس کی تجدید ۹ فروری ۱۹۶۷ء کو ہوئی۔ اِس کی دیواروں پر شہدائے کربلا کے نام درج ہیں۔ اِس کے صدر دروازے پر لکھا ہے:

یہ ارض پاک ہے سب احترام کرتے ہیں　　یہاں فرشتے بھی انجم سلام کرتے ہیں

شیخ پورہ/ غوث پورہ

یہ بستی ندی کنارے ہے اور تین سو سال قبل قائم ہوئی۔ اِس میں شیعہ سنی کے علاوہ ہندوؤں کی مختلف ذاتیں آباد ہیں۔ یہاں کی آبادی ڈھائی تین ہزار نفوس ہیں۔ شیخ پورہ کے باہری حصے میں سادات کے گیارہ اور چھ گھر غیر سید شیعوں کے ہیں۔ یہ موضع دوہرے نام سے جانا جاتا ہے۔ ایک مسجد (خستہ حالت میں) ہے جس میں شیعہ اور سنی نمازیں پڑھتے ہیں۔ یہاں ایک

امام حسین چوک ہے اور کل چار امام باڑے ہیں۔ حکیم احسان حسین کا امام باڑہ جو تقریباً ڈیڑھ سو برس پہلے تعمیر ہوا تھا اب زمین بوس ہو چکا ہے صرف آثار باقی ہیں۔ اِس امام باڑے کی عزاداری "جھنکو" زنِ حلال خور کرتی ہے۔ حکیم احسان قصاب کا امام باڑہ تقریباً ڈھائی سو سال پہلے حکیم قصاب کے بزرگ جناب سدھو نے شیخ محمد حسام کے زمانے میں تعمیر کرایا۔ سید شبیر الحسن کا امام باڑہ اِس کی تعمیر ۲۳ سال قبل ہوئی۔ اِس کی تعمیر سید رضا شاہ نے کرائی طرز تعمیر اور وسعت کے حساب سے اچھا امام باڑہ ہے۔

اِس بستی میں کوئی اراضی وقف نہیں ہے عزاداری سے متعلق مجلس ماتم جلوس تعزیہ داری وغیرہ عزادار اپنے وسائل سے کرتے ہیں۔ ایام عزا میں مجالس ہوتی ہیں، ذوالجناح اور تابوت کا جلوس بھی برآمد ہوتا ہے۔ شام غریباں کی مجالس بھی امام باڑے میں برپا ہوتی ہیں۔ زنانی مجلسوں کا انعقاد مستورات کرتی ہیں ذاکری بھی اِن سے متعلق ہیں۔ نوحہ وماتم کے لئے باہر سے بھی انجمنیں بلائی جاتی ہیں۔ موضع میں کوئی زیارت گاہ نہیں ہے۔ انجمن یادگار حسینی کا اِس موضع کی عزاداری میں اہم حصہ رہا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ اِس موضع میں کوئی کربلا نہیں ہے۔

موضع شیولی

یہاں شیعہ اور سنی دونوں آباد ہیں۔ اِس گاؤں میں تقریباً ۲۰۰ گھر شیعوں کے ہیں۔ گاؤں کو بسانے والے سید محی الدین بن واسط علی ہیں۔ گاؤں میں کل ۲۲ امام باڑے ہیں۔ عشرہ محرم میں پورے دس دن ۲۴ گھنٹے مجالس کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ چاند رات سے جلوس بھی شروع ہو جاتا ہے اور ۲۰ محرم تک بلا ناغہ کسی نہ کسی امام باڑے سے جلوس برآمد ہوتا ہے۔ یکم محرم کو امام باڑہ محمد غفور مرحوم سے علم مبارک برآمد ہوتا ہے اور دوسری محرم کو یہاں سے تابوت برآمد ہو کر پورے گاؤں کا گشت لگا کر یہیں ختم ہوتا ہے۔ ۴ محرم کو تابوت، ۵ محرم کی شب میں ذوالجناح ۶ محرم کو تابوت جناب قاسم برآمد ہوتا ہے۔ ۷ محرم کو محلہ راجا پٹی سے علم مبارک برآمد ہو کر تمام گاؤں کا گشت کرکے قریب موضع بھدولی جاتا ہے اور واپس آکر راجہ پٹی میں تمام ہوتا ہے۔ آٹھ محرم کو بھدولی سے علم اٹھتا ہے اور راجہ پٹی کے امام باڑے قصر حسینی سے تابوت حضرت عباسؑ برآمد ہوتا ہے جس میں کربلا کی منظر کشی ہوتی ہے۔ ۹ محرم کو تابوت حضرت علی اصغر امام باڑہ قصر حسینی سے برآمد ہو کر کربلا لے جایا جاتا ہے اور شب عاشور ٹونس ندی کے کنارے ایک مجلس ہوتی ہے جسے ذاکر خطاب کرتے ہیں۔ اِس کے بعد گاؤں سے لوگ خاموش ماتم کرتے ہیں یہ جلوس امام باڑہ محمد غفور پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔ اِس کے علاوہ یوم عاشور کا خاص جلوس برآمد ہوتا ہے جس میں گاؤں کے سبھی لوگ بلا تفریق مذہب وملت شریک ہوتے ہیں۔ ۱۱، ۱۲، ۱۳ محرم کو بھی جلوس نکلتے ہیں۔

موضع شاہ دیوئت

اِس موضع میں شیعوں کی کثیر آبادی ہے اور عزاداری کی روایت ہے۔ یہاں مجالس اور جلوسوں کا سلسلہ پورے سال چلتا ہے۔ ہر ماہ کی پہلی جمعرات کو امام باڑہ جعفریہ سے نوچندی کا علم برآمد ہوتا ہے جو ۸ بجے شب میں کربلا میں تمام ہوتا ہے۔ ماہ محرم کا چاند نمودار ہوتے ہی ایک جلوس امام باڑہ جعفریہ سے برآمد ہو کر پورے گاؤں کا گشت لگا کر کربلا تک جاتا ہے۔ یکم محرم کو ہی موضع کے تمام امام باڑے علم و ضریح، تابوت و تعزیہ سے سج جاتے ہیں اور مجالس شروع ہو جاتی ہیں۔ پورا عشرہ عزاداری میں گزر جاتا ہے۔ ۷ اور ۱۰ محرم کو کو بڑے جلوس بھی برآمد ہوتے ہیں۔ ساتویں کا جلوس شہزادہ قاسم کی یاد میں اثر محل کے امام باڑے سے برآمد ہوتا ہے۔ آگ پر ماتم ہوتا ہے جگہ جگہ سبیلیں لگائی جاتی ہیں۔ انجمن فروغ عزا اور انجمن فروغ اعزا اصغریہ جلوس کے ساتھ نوحہ و ماتم کرتی ہیں۔ رات میں جلوس کربلا پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔

موضع پٹار

سادات کا یہ گاؤں اپنے آبا و اجداد کی روایت کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔ چھ سات غیر سادات کے گھر ہیں اور پچیس تیس گھر سادات کے ہیں۔ گاؤں کے بیچ میں ایک چھوٹی مسجد اور دو امام باڑے (چھوٹی اور بڑی پٹی) گاؤں میں ایک پختہ امام چوک ہے جہاں علم نصب کئے جاتے ہیں اور تعزیے رکھے جاتے ہیں۔ نیز عشرہ محرم میں مومنین نذر و نیاز کرتے ہیں۔

یکم محرم سے مستورات گھروں میں اور مومنین امام باڑوں میں مجالس عزا میں منہمک ہو جاتے ہیں۔ پانچ و چھ کی رات کو بڑی پٹی کے امام باڑے سے جھولا علی اصغر و تابوت علی اکبر برآمد ہو کر ایک بڑے جلوس کی شکل میں پورے گاؤں میں گشت لگاتے ہوئے چھوٹی پٹی کے امام باڑے تک رات میں تین بجے پہنچتا ہے۔ رات کے آخری حصے میں جھولا اور تابوت چھوٹی پٹی کے امام باڑے میں رکھ دیا جاتا ہے اور مومنین کے ہٹ جانے کے بعد پردہ نشین خواتین بند امام باڑے میں صبح تک ماتم کرتی ہیں۔

۸ محرم کو بڑی پٹی کے امام باڑے میں مجلس کا انعقاد ہوتا ہے۔ یوم عاشورہ کو چھوٹی پٹی کے مرکزی امام باڑے کے صحن میں تمام عزاخانوں کے تعزیے لائے جاتے ہیں اور یہاں سے نوحہ خوانی، سینہ زنی اور زنجیری ماتم کے ساتھ ایک بڑے جلوس میں دفن گاہ تک پہنچا دیئے جاتے ہیں اور گریہ زاری کے بعد دفن کر دئے جاتے ہیں۔ اِس کے بعد فاقہ شکنی کا اہتمام ہوتا ہے۔ شام غریباں کی مجلس برپا ہوتی ہے۔ عزاخانے میں شمعیں اور روشنی گل کر دی جاتی ہے اور غضب کا گریہ ہوتا ہے۔

ناہر پور

قصبہ ماہل کے قریب ایک گاؤں ناہر پور ہے جہاں شیعہ آباد ہیں اور عزاداری کے مراسم ادا کرتے ہیں۔ ۱۹۹۷ء میں یہاں انجمن حسینیہ یوک دل قائم ہوا جس کے سکریٹری کنہیالال (کیوٹ) ہیں اِس تنظیم کے ڈیڑھ سو سے زیادہ ممبر ہندو ہیں یہ لوگ باقاعدہ عزاداری کرتے ہیں۔ تعزیہ اٹھاتے ہیں اور فاقہ شکنی کرتے ہیں۔ یوم عاشورہ کو ہندو ممبران لائی چنا کا انتظام کرتے ہیں جبکہ سنی ممبر چائے کا انتظام کرتے ہیں۔ ہندو نوحہ خوانوں میں بلدیو پرشاد، رام لال (نائی) ماتا پرساد (بنیا) رام پلٹ (بنیا) کاما پرشاد، بنارسی رام وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ماتم کرنے والے لڑکوں کی بھی خاصی تعداد ہے جو ماتم کرنے کے لئے دوسرے شہروں میں جاتے ہیں۔

ڈوراواں

سکٹری تحصیل میں ڈوراواں گاؤں آباد ہے یہ خالص چوہانوں (ہندو) کی بستی ہے۔ یہاں محرم میں ہر سال گاؤں والے تعزیہ اٹھاتے ہیں اور یا حسین کی صدا سے ماحول کو غمناک بنا دیتے ہیں۔ قصہ مشہور ہے کہ نوکڑی چوہان کے تینوں بیٹے لاولد تھے انہوں نے بارگہ حسینؑ میں دعا مانگی کہ اگر اُن کو اولاد ہوئی تو وہ محرم میں تعزیہ نکالیں گے۔ اُن کی مراد پوری ہوئی، تین بیٹے ہوئے جن کا نام سالم، دینا، رام چین رکھا گیا۔ انہیں بھائیوں کی ساتویں پشت کے لوگ اِس گاؤں میں آباد ہیں کل ۷۰ گھر کی آبادی ہے[1]۔ دھرمو، بال گووند اور گنجن نے عقیدت سے تعزیہ بنایا تھا اُسے قرب وجوار کے گاؤں میں گشت کراکے دفن کر دیا تھا۔ یہ روایت آج تک جاری ہے۔

محرم کی نویں کو تعزیے کے ساتھ جلوس نکالا جاتا ہے جس میں گاؤں اور قرب و جوار کی بستیوں جیسے بلو سرائے، سندر سرائے، (پٹھان بستی) اور املی پور کے تعزیوں کے ساتھ اِس گاؤں کا تعزیہ بلو سرائے کی سرحد پر جمع ہوتا ہے اور یوم عاشورہ کو اِن تینوں تعزیوں کو ایک ساتھ میدانِ کربلا میں دفن کر دیا جاتا ہے[1]۔

عزاداریِ حسینؑ میں اِس بستی کے یہ لوگ خاص دلچسپی لیتے ہیں۔ بدھو چوہان، راج دیو، سیتا، سمہ بلی، دیپ چند، ستیہ دیو، لوٹن، بہاری، منی لال، رام لال، مہندر، راجکمار، راجا رام سنجے، گلاب چوہان، دشرتھ چوہان بجرنگی وغیرہ۔ اِس گاؤں والوں نے بتایا کہ اولاً تعزیہ بنانے کا سامان برما اور عرب سے منگایا گیا تھا۔ سب سے چھوٹے بھائی رام آدھین نے اپنے ہاتھ سے تمبور بنایا تھا جو تین سو سال بعد آج بھی محفوظ ہے۔ اُس میں لگایا گیا چاندی کا علم، سونے کا جھومر، آج بھی موجود ہیں۔ تعزیہ بنانے میں کپڑا، ستارہ، چادر ڈنڈے، چوکی اور چاندی کا استعمال روایت کے مطابق کیا جاتا ہے اور یہ بیر کی لکڑی سے بنایا جاتا ہے[1]۔

۱۔ ضلع اعظم گڑھ میں عزاداری کی روایت (مقالہ) ڈاکٹر علاء الدین خاں، سمینار راہ اسلام مذکورہ بالا، ص ۶۴۔

کرہاں[1] (مئو ناتھ بھنجن)

میر شمس الدین طاب ثراہ المعروف بہ میر شمسی ایران سے ہندوستان آئے اور کرہاں میں سکونت پذیر ہوئے۔ آپ نے روضہ کے قریب عاشور کے دن سہرے دفن ہوتے ہیں۔ آپ کا مکان "سوکھی" کے نام سے مشہور ہے جو عزاخانہ سید محمد علی کے نام سے بھی جانا جاتا ہے۔ آپ کے ورثا، بڑی دھوم دھام سے محرم مناتے ہیں۔ میر شمسی نے کرہاں میں عزاداری شروع کی اور آپ کے ورثاء نے اپنی کل جائداد عزاداری کے لئے وقف کر دی۔ ورثائے میر شمسی زمیندار تھے انہوں نے عزاداری کو فروغ دیا۔ زمینداری کی وجہ سے مراسم عزاداری بڑی شان و شوکت کے ساتھ انجام پاتے تھے۔ عزاخانوں میں بیش بہا جھاڑ فانوس تھے۔ قیمتی علم پٹکوں سے ضریح مبارک سجی رہتی تھی۔ کرہاں میں چاند رات سے ہی مجلسوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ڈھول تاشوں کے ذریعہ مجلسوں اور جلوسوں کی اطلاع دی جاتی ہے۔ مجلسوں میں حدیث خوانی سے پہلے سوز، سلام اور مرثیہ پڑھا جاتا ہے۔ ۷ محرم کو دن میں ۲ بجے علم مبارک قصبہ میں گشت کرتا ہے جن راستوں سے یہ جلوس گزرتا ہے اُس کی صفائی انجمن حسینیہ کی نگرانی میں ہوتی ہے۔ گاؤں میں خاصی تعداد میں امام چوک ہیں جہاں علم رکھا جاتا ہے۔ نوحہ خوانی انجمن حسینیہ کرتی ہے۔ لوگ نذر و نیاز کرتے ہیں۔ علم کے جلوس کی واپسی ۶ بجے شام کو عزاخانہ احمد صاحب میں ہوتی ہے۔ نویں کی شام کو کپڑے کے تعزیوں کا گشت زیر اہتمام انجمن حسینیہ عزاخانہ احمد علی سے شروع ہوتا ہے جس میں بیرونی ماتمی دستے بھی شریک ہوتے ہیں۔ انجمنیں نوحہ خوانی، سینہ زنی اور زنجیر کا ماتم کرتی ہوئی درگاہ میر شمسی جاتی ہیں بعدہ ایک مجلس عزا ہوتی ہے۔ ۲ بجے یہ جلوس ختم ہوتا ہے۔ شب عاشور تعزیوں کا گشت عزاخانہ سید علی رضا سے برآمد ہو کر امام چوک پر رکھا جاتا ہے۔ اِس کے بعد میر موسیٰ اور ڈاکٹر شبیہ کے عزاخانوں سے تعزیے برآمد ہو کر چوک پر رکھے جاتے ہیں۔ اور تقریباً ۱۱ بجے شب عزاخانہ احمد علی سے کپڑوں کے تعزیوں کا جلوس برآمد ہو کر ۲ بجے درگاہ پہنچتا ہے۔ جس کے فوراً بعد انجمن حسینیہ کی جانب سے آگ کا ماتم ہوتا ہے جسے دیکھنے کے لئے ہزاروں لوگ عورتیں بچے بلا تفریق مذہب و ملت جمع ہوتے ہیں۔ بعدہ مجلس عزا ہوتی ہے۔ جس میں ذاکر خطاب کرتے ہوئے پس منظر واقعہ کربلا پر روشنی ڈالتے ہیں۔

یوم عاشور کو تقریباً ۲ بجے دن قرب و جوار کے تمام تعزیے درگاہ میر شمسی پر لائے جاتے ہیں جس میں اہل سنت کا "پنجو" تعزیہ بھی ہوتا ہے جو جلوس میں سب سے آگے ہوتا ہے۔ علم اور تعزیوں کے جلوس کا گشت ڈھائی بجے دن سے شروع ہوتا ہے۔ انجمنیں نوحہ خوانی اور سینہ زنی کرتی ہیں۔ یہ جلوس صدر بازار (حسینی باغ) ۴ بجے پہنچتا ہے اور مومنین اہل سنت کی جامع مسجد میں نماز ادا کرتے ہیں پھر جلوس معین راستوں سے ہوتا ہوا درگاہ میر شمسی پہنچتا ہے جہاں کربلا میں سہرے دفن

---

[1] کرہاں کا محرم (مضمون) سید علی رضا، ص ۶۰، راشٹریہ سہارا، محرم نمبر، جنوری ۲۰۰۷ء۔

کئے جاتے ہیں اور اجتماعی طور پر فاقہ شکنی ہوتی ہے۔ اِس کے بعد مجلس شام غریباں کا انعقاد ہوتا ہے۔ ۱۱ محرم کو انجمن حسینیہ کی جانب سے مجلس منعقد ہوتی ہے ۱۲ محرم کو عزاخانوں میں امام مظلوم کی مجلس ہوتی ہے۔ کرہاں کی عزاداری میں ہندو، اہل سنت شریک ہوتے ہیں۔

گورکھپور[۱]

گورکھپور شہر میں میاں صاحب کا امام باڑہ بہت مشہور ہے جس کی تاریخ ۱۷۷۴ء میں سید روشن علی شاہ کی آمد سے شروع ہوتی ہے۔ روشن علی صوفی تھے جن کا زیادہ تر وقت عبادت یا مراقبے میں گزرتا تھا۔ سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور اپنے زمانے میں اِن کا احترام بہت تھا۔ اِن کے کشف و کرامات کے قصے بہت مشہور ہیں۔ جن میں سے ایک پیش خدمت ہے۔ نواب آصف الدولہ نے دیکھا جنگل میں ایک صوفی سردی کے موسم میں آگ کے پاس یاد خدا میں غرق تھا۔ اُن کے پاس کوئی گرم کپڑا نہیں تھا۔ نواب صاحب نے اپنی بیش قیمتی شال اُسے دی جسے صوفی نے دھونی کی آگ پر رکھ دیا شال جل کر خاک ہو گئی۔ نواب صاحب ناراض ہوئے تو صوفی نے آگ سے چمٹے سے اُسی طرح کی شالیں نکالنا شروع کر دیں۔ شالوں کا وہاں ڈھیر لگ گیا۔ نواب صاحب نے اُس صوفی کے امام باڑے کے لئے دس ہزار روپے کی نذر دی اور محصول معاف ۱۶ گاؤں دیئے۔ بعد میں دو تعزیے (ایک سونے اور ایک چاندی کا) اور علم بھجوایا ۱۷۹۷ء میں نواب آصف الدولہ نے موجودہ امام باڑے کی بیرونی دیواریں اور بیرونی دروازے تعمیر کروادئے اور اِن کی تزئین کاری کروائی۔ امام باڑے کے اندرونی حصے میں لکھا ہے کہ یہ مذہبی عمارت ۱۲۱۳ھ میں نواب آصف الدولہ کے وزیر الملک، صوبیدار یحییٰ خاں نے تعمیر کروائی۔ ایک مشہور روایت کے مطابق ۱۷۷۹ء میں امام باڑے کی تعمیر کے وقت چھت میں لگانے والا شہتیر چھوٹا پڑ گیا تو صوفی صاحب نے خدا سے دعا کی اور لٹھا بڑا ہو گیا جو اب تک امام باڑے میں محفوظ ہے۔ میاں صاحب کا وصال ۱۲ مئی ۱۸۱۸ء کو ہوا تھا۔

صوفی روشن علی شاہ سے ملنے آس پاس کی ریاستوں کے حکمراں آتے تھے۔ رُدرپور، بہرائچ، ستاسی وغیرہ کے راجا نے امام باڑے کے لئے نقد اور زمینی نذرانے دیئے۔ کوشامبی کی رانی لال کنوری دیوی نے امام باڑے اور صوفی کی دھونی کے لئے اپنے علاقے کے آدھے جنگل دیئے تھے۔ جس کا دستاویزی ثبوت آج بھی میاں صاحب کے ورثاء کے پاس موجود ہے۔

امام باڑہ صوفی روشن علی صاحب کی زندگی میں ہی مشہور ہو گیا تھا مگر اس کا عروج اِن کے جانشین احمد علی شاہ کے دور میں ہوا۔ اِن کے زمانے میں محرم کا جلوس بہت شان و شوکت سے برآمد ہوتا تھا۔ جلوس پانچویں، نویں اور دسویں کو نکلتے تھے۔ یہ کبھی کبھی سات کلومیٹر لمبا ہو جاتا تھا۔ عام طور پر یہ مانا جاتا ہے کہ امام باڑے میں رات کو ایک لاکھ چراغ روشن

۱۔ گورکھپور میں صوفی میاں صاحب کے یہاں عزاداری، (مقالہ) ڈاکٹر فرحت نسرین، راہ اسلام (مذکورہ بالا) ۲۰۰۷ء، ص ۸۳-۸۸۔

رہتے تھے۔ غریبوں میں پورے مہینے کھچڑا بانٹا جاتا تھا۔ میاں صاحب جب جلوس میں سب سے آگے چلتے تھے تو ان کا لباس پانچ کلیوں کا کرتا، ساڑھے چار میٹر لمبا سفید صافہ ہوتا تھا وہ کرتے کے اوپر ڈھائی میٹر لمبی سفید سادی شال ڈالے رہتے تھے۔ موجودہ میاں صاحب عدنان فرخ شاہ بھی یہی لباس پہنتے تھے۔ پہلے میاں صاحبان محرم کے علاوہ عوام میں نہیں دیکھے جاتے تھے لیکن اب اتنی خلوت نشینی ممکن نہ رہ سکی۔ سید جواد علی شاہ نے تو بال کٹوادئے پہلے متولی صاحبان بال نہیں کٹواتے تھے۔ ۱۸۵۷ میں گورکھپور کے ناظم محمد حسن کی سربراہی میں امام باڑے کو لوٹا گیا۔ ۳۴۰۰۰ ہزار کی مالیت کا سامان لوٹ لیا لیکن سونے چاندی کے تعزیوں کو کسی نے ہاتھ نہیں لگایا وہ آج تک محفوظ ہیں۔ انگریزی حکومت نے دوبارہ قیام کے بعد ۵ ہزار روپے اور چوالیس گاؤں دیئے۔ اِس امام باڑے کی طرف سے آج ۴ مدارس اور ۹ دیگر تعلیمی ادارے چلائے جارہے ہیں۔ محرم کے جلوسوں میں گورکھپور کے سبھی لوگ شریک ہوتے ہیں۔

غازی پور[1]

غازی پور میں مسلمانوں کی آمد کا آغاز سید سالار امیر مسعود غازی علوی بن سید سالار سے ہوتا ہے۔ سید سالار ملک مروان اور اُن کے رفقا کو سلطان محمد غزنوی نے تبلیغ واشاعت کی مہم پر بھیجا تھا اور اُن کے زمانے میں ملک علوی اور ملک طاہر بمقام مئو اور ملک مروان بمقام شادی آباد غازی پور آئے تھے۔ اِن کے مزارات اسی مقام پر ہیں۔ بادشاہ محمد بن تغلق کے زمانے میں راجا ماندھاتا چکوہ کو امیر سید مسعود تبریزی نے شکست دی تو انہیں فاتح غازی پور کی حیثیت سے ملک السادات خاں غازی کے خطاب سے نوازا گیا۔ اسی کے نام پر غازی پور نام رکھا گیا۔ سید سالار مسعود غازی چوتھے امام زین العابدین بن حسینؑ کی نسل سے تھے۔ اِس زمانے میں اِس علاقے میں شیعہ بستیاں عالم وجود میں آئیں۔

غازی پور میں تاج پور، کامون، بھور، مانٹہ، جلال آباد، ظہور آباد، رچاون پور، گنگولی، ہونڈرہی، حسین پور، زنگی پور، دیوکھٹیا، محمد پور، غازی پور شہر، صدام بگھئی پور، چلبلیا، سادات بھوئیں، درس پور، محمد پور کسم، نڑواں، درگاتھان وغیرہ ہیں۔ عبدالرحمٰن صدیقی "تذکرہ مشائخ غازی پور" میں رقمطراز ہیں کہ نواب فضل علی کے دور میں ضلع غازی پور میں اہل تشیع کو زیادہ ترقی حاصل ہوئی۔ جگہ جگہ امام باڑے تعمیر ہوئے اور عزاداری کی بنیادیں قائم ہوئیں خصوصاً زنگی پور، نونہرہ، پارہ، گنگولی، دیوکھٹیا، گھونسی جلال آباد، تاج پور، ڈیمہ، بحری آبادی سادات، چلبلیا (جہاں سادات کی کثیر تعداد تھی عزاداری کا کافی عروج ہوا[2]۔ آج کل عزاداری میں ہر طبقے کے لوگ شریک ہوتے ہیں۔ سبیلیں لگاتے ہیں اور شربت کا انتظام

۱. اترپردیش کے ضلع غازی پور میں عزاداری کی روایت (مقالہ) ڈاکٹر عذرا عابدی ص ۳۳۶-۳۵۱۔

۲. عبدالرحمٰن صدیقی: تذکرہ مشائخ غازی پور، ص ۴۵۔

کرتے ہیں۔ ۱۹۴۷ء تقسیم وطن سے پہلے یہاں ایام محرم میں امام باڑوں میں چراغاں کیا جاتا تھا۔ قندیلیں اور ہری لال شمعیں روشن ہوتی تھیں۔ روشنی و کارچوبی کے کام کی چمک دمک، سونے اور چاندی کے علموں اور پنجوں کی جگمگاہٹ، اُن کے پٹکوں کی سجاوٹ زردوزی کے کام پر کرن کی جھالر کی زیبائش اور در و دیوار کی آب و تاب سے امام باڑے بقعۂ نور بن جاتے تھے۔

محرم کا چاند نمودار ہوتے ہی عورتیں اپنی چوڑیاں توڑ دیتی تھیں، زیورات اُتار دیتی تھیں۔ لوگ سیاہ اور سبز رنگ کا لباس پہن لیتے تھے۔ جگہ جگہ مجلس عزا منعقد ہوتی تھیں۔ گھر گھر تعزیہ داری ہوتی تھی مختلف قسم کے جلوس نکلتے تھے، لوگ مجلسوں اور جلوسوں میں شریک ہوتے تھے اور تعزیوں کی زیارت کرتے تھے۔ ماتمی لباس میں لوگوں کی بھیڑ ہر طرف رواں دواں نظر آتی تھی۔ اِس دور میں مختلف چیزوں (چاندی سے لے کر لکڑی اور کاغذوں) کے تعزیے بنائے جاتے تھے۔ عام طور پر تعزیے کربلا میں دفن کر دئے جاتے تھے مگر قیمتی چیزوں کو واپس لا کر امام باڑوں میں رکھ دیا جاتا تھا۔ تھوڑی بہت تبدیلیوں کے ساتھ یہ دستور آج بھی تمام ضلع غازی پور میں قائم ہے۔

غازی پور کے دیہی علاقے میں عزاداری، نونہرہ

نونہرہ گاؤں غازی پور سے ۱۵ کلومیٹر دور واقع ہے یہاں شیعہ حضرات کے گھروں کی تعداد ۳۰۰ کے آس پاس ہے۔ گاؤں میں کئی قدیم امام باڑے ہیں جن میں حکمن بی بی کا امام باڑہ، حیدری بی بی کا امام باڑہ، نمبردار صاحب کا امام باڑہ، حسینیہ امام باڑہ، بنگلے والوں کا امام باڑہ خاص ہیں۔ امام باڑوں میں عشرہ محرم کی مجالس بپا ہوتی ہیں۔ تین کربلائیں یہاں موجود ہیں۔ ایک چلسر کربلا (پورب محلہ کی سرپرستی میں) دوسری پیارے پور کی کربلا، تیسری اِسی کے قریب ہے جسے مظفر میاں کی کربلا یا محسن میاں کی کربلا کے نام سے جانا جاتا ہے (آج کل بوسیدہ حالت میں ہے) ایک روضہ حضرت عباس مسجد سے ملی جگہ پر تعمیر ہوا اب یہ روضہ جلوس و ماتم کا ایک اہم مرکز بھی بن گیا ہے۔ ۷، ۸ اور ۹ محرم کی مجالس خاص طور سے قابل ذکر ہیں اور تحت خوانی سے جڑی ہوئی ہیں۔ نمبردار صاحب کے امام باڑے میں سات محرم کی قدیم مجلس کے بعد ذوالجناح برآمد ہوتا ہے۔ جس میں میرانیس کا یہ مشہور مرثیہ پڑھا جاتا ہے:

ہے نمک خوان تکلم یہ فصاحت میری　　ناطقے بند ہیں سن سن کے بلاغت میری

اسی طرح آٹھویں محرم کو مردانی مجلس میں میر واحد کا مشہور مرثیہ پڑھا جاتا ہے:

اے قلم دامن کاغذ پہ گہر ریز ہو پھر　　اے سخن منتظم نظم دل آویز ہو پھر
اے خرد غیرت شبدیز سبک خیز ہو پھر　　اے زباں صورت شمشیر علی تیز ہو پھر
ڈھنگ ضرب اسد حق کا نظر آ جائے　　معرکہ خیبر و خندق کا نظر آ جائے

۷ محرم کی شب میں جلوس عزا برآمد ہوتا ہے جس میں زنجیر کا ماتم ہوتا ہے اور نوحہ پڑھا جاتا ہے:

مومنوں عباس وفا کر گئے ۔۔۔ بھائیوں کو شہ پہ فدا کر گئے

شب عاشورہ میں بھی جلوس عزا برآمد ہوتا ہے جو پورے بنگلہ کے بعد امام باڑے پر ختم ہوتا ہے جہاں آگ پر ماتم کیا جاتا ہے۔ روز عاشورہ تعزیے دفن کرنے کے لئے کربلا لے جائے جاتے ہیں۔ تعزیے کو چوک یا عزاخانے سے اُٹھانے کے قبل مرثیے کے چند بند پڑھے جاتے ہیں۔ مثلاً صبح کے وقت "جب ہوئی ظہر تلک قتل سپاہ شبیر" سہ پہر کے وقت "حضرت کو جمعہ ظہر عجب اضطرار تھا" ہر عزاخانے میں پڑھے جاتے ہیں۔ پورب محلے کا تعزیہ چلسر کی کربلا میں دفن ہوتا ہے۔ عصر کے وقت مرحوم سید شبیر حسن کے دروازے پر چربن (بھُنا ہوا چاول، مسور کی دال، مٹر، چنا) اور چائے کے ساتھ فاقہ شکنی ہوتی ہے پھر شام کے وقت الگ الگ عزاخانوں میں شام غریباں کی مجالس ہوتی ہیں۔ ایک مردانی مجلس کا اہتمام بنگلہ پر ہوتا ہے۔

اِس گاؤں میں عشرۂ مجالس اور دوسرے کاموں میں خواتین کا بھی برابر کا حصہ ہوتا ہے۔ دن اور شب میں مردانی مجالس کے ساتھ زنانی مجالس بھی منعقد ہوتی ہیں جن میں سوز خوانی، تحت خوانی اور ذاکری کے لئے مختلف خواتین تعاون کرتی ہیں۔ نونہرہ میں ماہ محرم میں پورے دس دن تک دوپہر اور شب دونوں ہی وقت طعام پیش کیا جاتا ہے۔

نونہرہ کے محرم میں اہل ہنود اور اہل سنت بھی تعاون کرتے ہیں۔ اہل تسنن میں حنفی لوگ عزاداریٔ محرم کرتے ہیں اور چوک پر تعزیہ رکھتے ہیں۔ اِن دونوں کی دو انجمنیں (انجمن ملت اسلامیہ اور عباسیہ) بھی ہیں جو ۷، ۹ محرم اور شب و روز عاشورہ میں عزاداری کا اہتمام کرتی ہیں اور گشت کرتے ہوئے ماتم کرتی ہیں۔ سنی حضرات کی طرف سے جگہ جگہ چائے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

ہندو حضرات بھی عزاداری میں دلچسپی لیتے ہیں، ماتمی جلوسوں کی زیارت کرتے ہیں۔ روز عاشورہ کو نوحہ خوانوں سے ہندی یا بھوجپوری میں نوحوں کی فرمائش کرتے ہیں جیسے۔

جیون میں سما جاتے ہردیہ میں جگہ پاتے ۔۔۔ شبیر مدینہ سے گر ہند میں آجاتے

یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ سید احمد صاحب مرحوم کے امام باڑے میں جو چاندی کا تعزیہ رکھا ہوا ہے اُسے گپتا ذات کے ایک ہندو نے ہدیہ کیا تھا۔ اسی طرح نمبردار صاحب کے امام باڑے میں چاندی کے کئی علم ہندو حضرات کی طرف سے چڑھائے گئے تھے۔

جب روز عاشورہ کو تعزیوں کا جلوس چلسر کی کربلا کی طرف روانہ ہوتا ہے تو ہندو حضرات کی بستی بھی راستے میں پڑتی ہے۔ جب وہاں تعزیہ پہنچتا ہے تو ہندو لڑکیاں اور عورتیں صاف ستھرے لوٹے میں پانی لاکر تعزیے کے سامنے اُنڈیل دیتی ہیں اور ہاتھ جوڑتی ہیں۔

پارہ

یہ قدیم بستی حضرت قطب الدین کے صاحبزادے جناب دوست محمد نے بسائی تھی اور نام محمد پور رکھا تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ اِس کا نام پارہ ہو گیا۔ محرم کا چاند دکھائی دیتے ہی گھر گھر سے یا حسین کی صدا آتی ہے۔ مجلس کی ابتدا سوز خوانی سے ہوتی ہے۔ سید حسین صاحب، میر ناظم صاحب، فیروز علی صاحب مرتضائی بی بی کے امام باڑوں میں شب و روز مجالس کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ۷ محرم کو میر فیروز صاحب کے امام باڑے سے علم کا جلوس برآمد ہوتا ہے جس میں سید آفاق صاحب ہر امام باڑے اور چوک کے قریب مرزا دبیر کے مرثیے کے بند پڑھتے ہیں۔ شب عاشور تمام عزاخانے ہر خاص و عام کے لئے کھول دئے جاتے ہیں۔ ہر قوم کے لوگ شمعیں اور اگربتیاں جلاتے ہیں۔ ذوالجناح کا جلوس بھی برآمد ہوتا ہے جو میر صاحب کے امام باڑے پر پہنچتا ہے۔ آفاق صاحب اِس موقع پر مونس لکھنوی کے قدیمی مرثیہ کے دو بند پڑھتے ہیں۔

مومنو مرنے کو میدان میں جاتے ہیں حسینؑ — بیبیاں روتی ہیں ہتھیار لگاتے ہیں حسینؑ
منھ سے منھ پیاسی سکینہ کو لگاتے ہیں حسینؑ — اشکِ خوں چشم مبارک سے بہاتے ہیں حسینؑ
چاند سے جسم پہ کپڑے ہیں کفن کی صورت
نگہ یاس سے تکتے ہیں لبن کی صورت

پارہ گاؤں میں محرم کے دنوں میں منتی مجالس کا اہتمام بھی کیا جاتا ہے جس میں سُنی اور ہندو حضرات بھی شامل ہوتے ہیں۔ ایک منتی مجلس چندر ریکا یادو، چندر لالہ، پھیکو اور ہریجن خاتون نکی دیوی کی طرف سے ہوتی ہے۔ نکی دیوی ہر شب جمعہ کو امام باڑہ کی چوکھٹ پر شمع و اگربتی روشن کرتی ہیں۔

نظام پور

پارہ سے دو کلومیٹر دور شمالی حصہ میں واقع نظام پور کے پٹھان حضرات کپڑے کا بنا تعزیہ لاکر جلوس تعزیہ میں شامل کرتے ہیں اور تعزیہ دفن کرنے کے بعد اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاتے ہیں۔

حسین پور

محرم کے دنوں میں زنانی اور مردانی مجالس کا اہتمام ہوتا ہے۔ لیکن مغرب کے بعد زنانی مجالس نہیں ہوتیں۔ شب عاشورہ کا جلوس بھی یہاں برآمد نہیں ہوتا۔ عاشورہ کے دن بعد نماز ظہر تعزیہ و علم کا جلوس کربلا کی طرف جاتا ہے۔ یہاں شیعہ اور سنی حضرات مل کر تعزیہ داری کرتے ہیں۔ سنی حضرات باقاعدہ مجالس میں شرکت کرتے ہیں۔ تبرک جو بھی صاحب خانہ تیار کراتا ہے اُس میں پانچ حصے الگ کر لئے جاتے ہیں۔ بعد مجلس اِس تبرک کی نیلامی ہوتی ہے۔ سب سے زیادہ بولی لگانے والے

کو یہ تبرک رقم لے کر دیا جاتا ہے۔ اِس رقم کو انجمن کی آمدنی میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ اس رقم سے انجمن عباسیہ جلوس کا اہتمام اور متعلقہ انتظامات کرتی ہے۔

گنگولی

یہ گاؤں کئی نامور شخصیات کا آبائی وطن ہے۔ سادات حضرات کی آبادی ۳۰۰ کے آس پاس ہے جو محرم کرنے کے لئے اپنے وطن آتے ہیں۔ اِس گاؤں میں پانچ امام باڑے مردوں کے تین امام باڑے عورتوں کے ہیں۔ یہاں کی قدیم انجمن "انجمن حسینیہ" ہے جس کے ذمہ گاؤں میں برآمد ہونے والے تمام جلوسوں، زنجیری ماتم اور آگ پر ہونے والے ماتم کی ذمہ داری ہے۔ مجالس میں زیادہ تر تحت اللفظ کا چلن ہے۔ ہندو حضرات بھی عزاداری میں اپنا تعاون پیش کرتے ہیں۔ گاؤں کی آبادی کو "اُتر پٹی" اور "دکھن پٹی" میں تقسیم کیا گیا ہے دونوں ہی پٹیوں میں عزاداری کی روایت نبھائی جا رہی ہے۔ یوم عاشورہ کا جلوس گنگولی میں سہ پہر کو محلّہ تکیہ سے برآمد ہوتا ہے جب تک دوسرے گاؤں کے سنی حضرات کے تعزیے نہ آ جائیں آگے نہیں بڑھتا۔ شام غریباں کی مجلس کے ساتھ یوم عاشورہ اختتام پذیر ہوتا ہے۔ ایام محرم میں دوپہر میں مجالس کے بعد حاضری کا انتظام کیا جاتا ہے۔

گنگولی گاؤں کے محرم کے سلسلے میں ایک بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اب سے ۵۰ سال قبل انصاری برادری کے ایک شخص جناب منظور احمد صاحب نے چہلم کی شروعات کی۔ وہ بڑی عقیدت کے ساتھ چہلم کا اہتمام کرتے تھے۔ دھیرے دھیرے اِس میں ترقی ہوئی، لوگ اِس میں اپنا تعاون کرتے گئے اور اس میں ترقی ہوتی گئی۔

ارزانی پور

۲۸ رجب کا جلوس مشہور ہے جسے سفر مدینہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جو مدینہ سے حضرت امام حسینؑ کی روانگی کی یاد تازہ کرتا ہے۔ اِس موقع پر مجلس ہوتی ہے اور جلوس برآمد کیا جاتا ہے۔ جلوس میں اونٹوں پر عماریاں، علم وغیرہ برآمد ہوتے ہیں۔ اُس کے بعد طعام کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔

زنگی پور[1]

بنارس سے ۸۰ کلومیٹر دور زنگی پور ضلع غازی پور کا حصہ ہے۔ یہ نام تنزانیہ میں زنجبار سے اخذ کیا گیا تھا کیونکہ ۹ویں صدی میں زنجبار کے ایک عالم نورالدین زنگی یہاں آئے تھے اسی زمانے (۸۰۴ھ) میں ترمذ (ایران) سے ایک اور عالم محمد عجال

[1] زنگی پور ضلع غازی پور میں محرم کی کچھ یادداشتیں، (مقالہ) سید وحید ظفر عابدی، راہ اسلام مذکورہ بالا، ۲۰۰۷ء، ص ۲۱۶۔

ترمذی یہاں آئے تھے۔ انہیں کے خاندان کے ایک اور بزرگ سید ابا بکر عرف سید محمد صاحب، سید محمد عجال صاحب سے علم حاصل کرنے یہاں آئے اور یہاں قیام کیا۔ نورالدین زنگی صاحب کی اولاد آگے نہیں چلی۔ عجال ترمذی صاحب کے خاندان کے متعلق بھی معلومات نہیں۔ سید ابا بکر ہی یہاں کے مورث اعلیٰ ٹھہرے۔ زنگی پور کسی زمانے میں شیعہ اسلامی علوم کا مرکز تھا یہاں بہت سے جید علماء، مجتہد، ادباء اور شعراء پیدا ہوئے۔

زنگی پور میں تیس سے زیادہ خاندان ایسے ہیں جن کے یہاں ایک دو یا تین مجالس عزا ایام محرم میں پابندی سے ہوتی ہیں۔ دس ایسے خاندان ہیں جن کے اپنے خاندانی امام باڑے ہیں جہاں پہلی سے دسویں محرم تک پابندی سے مجلسیں ہوتی ہیں۔ پہلی محرم سے ۸ ربیع الاول تک بڑی تعداد میں ماتمی جلوس نکلتے ہیں جنہیں یہاں کی چند مقامی انجمنیں یا کچھ خاندان منظم کرتے ہیں۔ اِن کی تعداد بہت ہے۔ ایک جلوس جو علامتی جلوس ہے نو محرم کی رات کو نکلتا ہے جسے "ملنی" (یعنی ملنا) کہتے ہیں جو اتحاد کا مظہر ہے۔

دو بہت خوبصورت سجے ہوئے تعزیوں کے جلوس گاؤں کے دو مختلف مقامات سے نکلتے ہیں ایک جو سید غضنفر علی کے امام باڑے سے نکلتا ہے جس کا تعزیہ "براق" رسول اللہ کی معراج سے متعلق علامت) کہلاتا ہے اِس میں شیعہ، سنی اور ہندو سبھی ہوتے ہیں۔ دوسرا علی گنج محلے سے نکلتا ہے اِس میں ایک بہت خوبصورت تعزیہ اور ایک لکڑی کا گھوڑا (ذوالجناح) کی شبیہ ہوتی ہے۔ شرکائے جلوس میں ہندو مسلمان سب ہوتے ہیں۔ یہ جلوس رات بھر بستی کے گشت لگاتے ہیں۔ صبح ۳ بجے ملتے ہیں پھر کوئی عالم اِس مجمع کو خطاب کرتا ہے۔ اپنی تقریر میں وہ کربلا کا مقصد، تفصیلات، اہمیت شہادت، اتحاد و یگانگی کی اہمیت پر تقریر کرتا ہے۔

محرم کی ۱۹ ویں تاریخ کو صدر امام باڑے میں نئے انداز کی مجلس ہوتی ہے جس میں غیر شادی شدہ نوخیز اور نوجوان حصہ لیتے ہیں۔ تین چار دن پہلے سے ہی لڑکوں، نوجوانوں میں جوش و خروش ہوتا ہے۔ وہ بزرگوں کی مدد سے تیاری کرتے ہیں اور پھر مجلس میں منبر پر اپنی صلاحیتوں اور کمالات کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ ایک بہت با مقصد اور تربیتی ادارہ ہے۔

۲۰ محرم کو بڑا جلوس نکلتا ہے جسے "دسواں" کہا جاتا ہے۔ یہ کربلا کے ننھے شہید حضرت علی اصغر کی یاد میں منظم کیا جاتا ہے آس پاس کے علاقے میں یہ بہت مشہور ہے۔ لگ بھگ ۱۰۰ سال سے نکل رہا ہے۔ اس میں بھی تمام فرقوں اور مذاہب کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔ مجلس کو مشہور ذاکر خطاب کرتا ہے۔ مختلف انجمنیں نوحہ خوانی کرتی ہیں۔ یہ جلوس صدر امام باڑے سے شروع ہو کر تمام بستی کا گشت کرتا ہے۔ آخر میں سب سے بڑی مقامی انجمن ماتم کرتی ہے۔ زنگی پور کے زنجیری ماتم کی خصوصیت یہ ہے کہ اِس میں زنجیر جس میں چھریاں لگی ہوتی ہیں وہ سینے پر ماری جاتی ہیں۔ جبکہ اور بستیوں میں یہ زنجیر پشت پر ماری جاتی ہے۔ جلوس صبح ۷ بجے مجلس کے بعد صدر امام باڑے پر ختم ہوتا ہے جس میں صرف مصائب پڑھے جاتے ہیں۔

گونڈہ کی عزاداری[1]

شہر گونڈہ میں عزاداری محرم ۲۹ ذی الحجہ سے شروع ہو جاتی ہے۔ شہر میں سادات کی آبادی بہت کم ہے ۵۶ تھی صرف ۲ مکان قدیمی سادات خاندانوں کے تھے۔ کچھ ملازم پیشہ حضرات نے بھی یہاں مستقل سکونت اختیار کر لی ہے۔ شہر میں چار بڑے امام باڑے ہیں۔ (نبوریا کا امام باڑہ، امداد حسین مرحوم کا امام باڑہ اور گونڈہ کے ہندو راجا کا بنوایا ہوا بڑا امام باڑہ (جس کے لئے کافی جائداد وقف ہے۔ وہ سنیوں کے ہاتھ میں ہے) اور چوتھا امام باڑہ انجمن اتحاد المومنین کا جو چوک کے قریب واقع ہے (جس کی عمارت عالی شان ہے، نقاشی عمدہ اور تعمیر اچھی ہے) یہاں محرم کا پہلا جلوس علم ۲۹ ذی الحجہ کو انجمن اتحاد المومنین کی جانب سے محلہ کھڑیا سے اُٹھتا ہے اور چوک کے امام باڑے میں آتا ہے۔ اِس میں دور دور کی ماتمی انجمنیں شرکت کرتی ہیں اور نئے نئے نوحے اِس طرح سناتی ہیں کہ سننے والے گریہ کرنے لگتے ہیں۔ دوسری محرم کو اہل سنت کی جانب سے عظیم الشان جلوس تعزیہ محلہ نحس پورہ سے ۸ بجے شب کو اُٹھکر نصف شب کے بعد بڑے امام باڑے پہنچتا ہے۔ تقریباً ۲۵ ہاتھ اونچا یہ تعزیہ ہوتا ہے۔

۵ محرم کو انجمن اتحاد المومنین کا جلوس تابوت شب میں برآمد ہوتا ہے اور نصف شب کے بعد امام باڑہ نبوریا میں اختتام پذیر ہوتا ہے۔

۷ محرم کو ذوالفقار کا جلوس اہل سنت کی طرف سے برآمد ہوتا ہے جو صبح ۸ بجے محلہ موچیان سے شہر کا گشت کرتا ہوا رات کو ۸ بجے کربلا پہنچتا ہے۔ شہر میں ہر طرف ماتم حسین کی صدا گونجتی ہے۔ ۸ محرم کو ۸/۳۰ بجے شب میں قدیمی امام باڑے میں حضرت ابوالفضل عباس علمدار کا تابوت اُٹھتا ہے۔ ہر شخص جو اِس جلوس میں شریک ہوتا ہے برہنہ سر و برہنہ پا ہوتا ہے۔ اِس جلوس تابوت میں لکھنؤ سے آئی اور قرب و جوار کی ماتمی انجمنیں شریک ہوتی ہیں چوک اور امام باڑے میں زنجیری ماتم ہوتا ہے۔

۹ محرم کو تمام امام باڑوں پر روشنی کی جاتی ہے۔ محرمی باجوں کی آواز کے ساتھ ماتم داروں کی آوازیں گونجتی ہیں۔ لوگ امام باڑوں کی زیارت کرنے آتے ہیں۔ دیہی علاقے سے آئی عورتوں کی زائرین ٹولیاں اپنی بولی میں دوہے پڑھتی ہیں۔ اِس شب لڑکے اور نوجوان پائیک بنتے ہیں مخصوص ماتمی لباس میں وہ ہاتھ میں طاؤس کا پر لئے غولوں میں نکلتے ہیں۔ ایک غول میں تقریباً ۳۰۰ لوگ ہوتے ہیں۔ یہ ہر تعزیہ خانے میں دوڑتے ہوئے پہنچتے ہیں۔ رات کو ۳ بجے متولی امام باڑے کا صدر دروازہ بند کرکے دوسرے دروازے سے نکل جاتا ہے۔ زائرین اور پائیکوں کا مجمع صدر دروازے پر لگ جاتا ہے اور پون یا ایک

---

1. گونڈہ کی عزاداری، (مضمون) ڈاکٹر سبطین رضوی ساغر گونڈوی، ص ۵۳، نظارہ ابوالفضل عباس نمبر، ۷ اگست ۱۹۵۶۔

گھنٹہ ماتم ہوتا ہے۔ ایک تند ہوا کا جھونکا چلتا ہے تعزیے کا گنبد ہلنے لگتا ہے۔ اور صدر دروازہ زور دار آواز کے ساتھ خود بخود کھل جاتا ہے۔ اسے بشارت کہا جاتا ہے۔

۱۰ محرم کو علی الصباح انجمن اتحاد المومنین سے جلوس علم و تعزیہ برآمد ہو کر ۱۲ بجے کربلا پہنچتا ہے جہاں اعمال روز عاشورہ مومنین کرتے ہیں۔ یہ اعمال وغیرہ باغات میں ہوتے ہیں۔ گونڈہ ضلع میں عزاداری بغیر کسی اختلاف کے شیعہ اور سنی مل کر کرتے ہیں وہاں کبھی کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔

قصبہ اترولہ

یہاں سادات کی بہت آبادی ہے۔ زمانۂ ماضی میں یہاں ۱۶ امام باڑے اور دو مسجدیں تھیں۔ عشرۂ محرم کی مجالس کا اہتمام بقر عید سے ہی ہونے لگتا ہے۔ چاند رات کو امام باڑے اور سادات کے گھروں میں عزاخانے سج جاتے ہیں۔ صف ماتم بچھ جاتی ہے۔ یکم محرم کی صبح ۴ بجے سے مجالس کا اہتمام ہوتا ہے اور یہ سلسلہ رات بارہ بجے تک چلتا ہے۔ بڑی رانی صاحب اترولہ دس دن عقیدت سے ماتم کرتی ہیں اور باہر سے ذاکرین اور سوز خوانوں کو بلواتی ہیں۔ اترولہ کے بانس کے اور ابرق کے تعزیے مخصوص لوگ بناتے ہیں جنہیں "گمن گنڈہ" کہتے ہیں۔ اِن لوگوں کو سادات اترولہ نے بسایا تھا۔ اِس قصبہ میں سات محرم کو دو بجے دن میں سنی حضرات کی طرف سے علموں کا شاندار جلوس نکلتا ہے جس میں تقریباً ڈیڑھ ہزار علم ہوتے ہیں۔ یہ لوگ زنجیری ماتم کرتے ہیں اور تبلیغی نوحے پڑھتے ہوئے شہر میں گشت کرتے ہوئے رات ۸ بجے رانی صاحب کی کوٹھی سے ہوتے ہوئے دیہات چلے جاتے ہیں۔ سات محرم کو ہی رات ساڑھے آٹھ بجے حاجی طلّن کے امام باڑے سے ایک عظیم الشان جلوس علم، تابوت، ذوالجناح اور مہندی کا جلوس برآمد ہوتا ہے۔ حضرت قاسم کا تابوت اُٹھتا ہے۔ ساتویں تاریخ کو گھوڑا کھونٹے سے کھولا جاتا ہے۔ امام باڑے میں سجایا جاتا ہے۔ آگ پر ماتم ہوتا ہے۔

بلرام پور

سادات کی مختصر بستی ہے صرف ایک امام باڑہ ہے۔ عشرۂ محرم میں روزانہ چھ سات مجالس ہوتی ہیں۔ آٹھویں کا علم دن میں شاندار طریقے سے برآمد ہوتا ہے۔ یہاں مشہور شاعر علی سردار جعفری صاحب کے خاندان میں عزاداری ہوتی تھی جس کا تفصیلی تذکرہ اُن کی کتاب "لکھنؤ میں پانچ راتیں" میں ملتا ہے۔

کرنیل گنج

شیعیان علی کی آبادی بالکل نہیں ہے۔ اہل سنت حضرات دس دن محرم عقیدت کے ساتھ کرتے ہیں۔ تعزیے اور ضریحیں دسویں محرم کو ہر چوک پر نظر آتے ہیں۔ امام باڑوں پر روشنی کی جاتی ہے۔

موضع کنٹوا

شیعیان علی کی اکثریت ہے۔ باہر سے ذاکرین و واعظین مجالس کو خطاب کرنے کے لئے آتے ہیں۔ ایک مسجد ہے اور چھ امام باڑے ہیں۔ جن میں عشرۂ محرم میں برابر مجالس کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اِس کے علاوہ بچوں اور جوانوں کی انجمنیں بھی قائم ہیں جو نوحہ خوانی اور ماتم کرتی ہیں۔ ۴، ۶، اور ۸ محرم کو علموں اور تابوتوں کے جلوس نکلتے ہیں۔ یہاں زنجیری ماتم بھی ہوتا ہے۔

موضع اکبر پور

سادات کے ۱۹۵۶ء میں صرف دس گھر تھے دو امام باڑے ہیں جن میں عشرۂ محرم کی مجالس برابر ہوتی رہتی ہیں۔ ۴ محرم اور ۶ محرم کو تابوت اور علم کا جلوس نکلتا ہے جس میں شہر کی انجمنیں بھی شریک ہوتی ہیں۔

صحبا پور

سادات کی مختصر آبادی ہے لیکن بقر عید سے ہی ماہ محرم کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں۔ ایک امام باڑہ ہے جس میں عشرہ محرم میں روزانہ مجالس ہوتی ہیں۔ ۷ محرم کو مہندی کا جلوس برآمد ہوتا ہے، نوحہ خوانی ہوتی ہے۔

اِندر پور

شہر گونڈہ سے ۶ کلومیٹر کے فاصلے پر واقع اِس گاؤں میں ہندوؤں کی اکثریت ہے۔ شب عاشور میں وہاں ایک برہمن کے گھر میں ایک بڑا تعزیہ رکھا جاتا ہے۔ محرمی باجا بجایا جاتا ہے۔ ایسے ہی کئی ہندو گھروں میں چھوٹے چھوٹے تعزیے رکھے جاتے ہیں۔

عزاداریِ ہلور[1] (ضلع سدھارتھ نگر)

متشرع سیدوں کی بستی ہے۔ یہاں ۹ ذی الحجہ سے عزاداری کی فضا قائم ہو جاتی ہے اور اسی دن سے جنگی نقارے بجنا شروع ہو جاتے ہیں۔ دیہاتی عورتیں پوربی زبان میں داہا (منظوم واقعات کربلا) پڑھتی ہیں۔ صبح عاشور اکثر آس پاس کے دیہاتوں

---

[1] ہلور کی عزاداری کی معلومات جناب مولانا سید غلام حسنین صاحب اور ڈاکٹر علی سلمان رضوی صاحب سے حاصل ہوئی۔ مؤلف ممنون ہے۔

کے مرد داہااور جھراپڑھتے ہوئے پیک صغرا کی حیثیت سے ہلور آتے ہیں[1]۔

یہ بستی ۱۷۲۲ء میں بسی۔ صفوی دور میں امام ہفتم موسیٰ کاظمؑ کی اولاد میں سے دو بھائی محمد مسلم شاہ معروف بہ میرا بابا (جن کا مزار آج بھی مرجع عوام وخواص ہے) اور شاہ عبدالعظیم بھی یہاں آئے اور ہلور ضلع بستی اترپردیش میں مقیم ہوگئے۔ یہاں پہلے تھارو قبیلے والے رہتے تھے۔ لیکن اب سادات کی بستی ہے۔ ۹۷% شیعہ ہیں ۲% سنی حضرات اور ۱% دیگر حضرات ہیں۔ مگر یہ لوگ بستی کے باہر سڑک کے پار بسے ہیں۔ ایک طرف غیر شیعہ آبادی ہے۔ دوسری طرف ہندو آباد ہیں۔ یوں تو ہر گھر میں عزاداری ہوتی ہے۔ عزاخانے ہیں لیکن تقریباً ۱۲ امام بارگاہیں ہیں، جن میں درگاہ حضرت عباسؑ، بڑا امام باڑہ، بازار والا امام باڑہ، امام باڑہ فہیم بابا، امام باڑہ بابل بابا بہت مشہور ہیں۔ ۷ مساجد ہیں۔ ایک کربلا ہے جس میں روضہ حضرت زینبؑ روضہ حضرت امام رضاؑ اور روضہ جناب سکینہ بنے ہوئے ہیں۔ یہاں قومی قبرستان اور شیعی قبرستان ہے۔

یہاں کے لوگ تعلیم یافتہ ہیں۔ خاص طور پر ان کی مذہبی معلومات اچھی ہے۔ گفتگو ہو یا کوئی تقریر۔ اچھے سوالات کرتے ہیں۔ مدلل جرح کرتے ہیں۔ ماتمی جلوس نکالتے ہیں جن میں شبیہ تابوت، علم، ذوالجناح وغیرہ نکالے جاتے ہیں۔ دو بڑی ماتمی انجمنیں ہیں جن کے نام فروغ ماتم اور گلدستہ ماتم ہیں۔ جوانوں کی انجمنیں عروج ماتم اور غنچۂ ماتم ہیں۔ لیکن دوسری جگہوں پر یہ انجمن حیدری ہلور کے نام سے جانی جاتی ہیں۔

غیر مسلم اور سنی حضرات چائے، شربت، پانی کی سبیلیں رکھتے ہیں، منت مانتے ہیں اور تعزیہ کی زیارت کرتے ہیں۔ اہل حدیث کے پروپگنڈے نے یہاں کچھ اثر ڈالا ہے۔ اہل سنت عزادار اب کچھ دور ہوگئے ہیں۔

۱۔ پروفیسر رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، مذکورہ بالا، ص ۳۳۰۔

باب دہم

بنگال، بہار، مدھیہ پردیش، جھارکھنڈ

بنگال

بنگال و بہار کے علاقے میں شیخ جلال الدین تبریزی کی آمد سے اسلام کو فروغ ہوا لیکن شیعیت کی ترویج اٹھارہویں صدی میں ہوئی جب اورنگ زیب کے معتمد دیوان بنگالہ مرشد قلی خاں نے خود مختاری کا اعلان کیا۔ بنگال، بہار، اڑیسہ کے علاقے اُس کے زیر اثر آ گئے۔ اِس علاقے کے اکثر نواب شیعی عقاید رکھتے تھے۔ یہاں عزاداری کے فروغ کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ سورت اور ہگلی کے تجارتی مراکز میں خصوصاً بحری تجارت کے تاجر خاندانوں (بوہرے اور خوجے گجرات میں اور بنگال میں اصفہانی و شیرازی) نے مستقلاً سکونت اختیار کر لی تھی۔ حاجی محمد حسن نے اپنی ۴۵ ہزار سالانہ کی آمدنی کی جائداد امور خیر یہ کے لئے وقف کر دی تھی جن سے شیعیت کو تقویت ملی۔ حاجی محمد حسن نے اپنی سالانہ آمدنی کے ۹ حصے کئے اُن میں سے ۳ حصے امام باڑہ ہگلی کی نگہداشت، مجالس محرم اور دوسرے مراسم کے اخراجات اور فاتحہ خوانی کے لئے وقف کر دئے تھے۔ مرشدآباد شیعہ ثقافتی مرکز بنا۔ میر قاسم نے شیعہ علماء کو زمینیں اور وظائف دیئے۔ علیم اللہ طباطبائی شاہ حیدرؒ سید محمد علی (جنہوں نے مقفیٰ عربی میں حالات پنجتن لکھے) ملا محسن کاسی، مولوی نصیر داؤد علی خاں، محمد حسین خاں، قاضی غلام مظفر (داروغہ عدالت علی مودودی خاں) وغیرہ نامور شیعہ علماء تھے۔ علی وردی خاں عصر کی نماز سے فارغ ہو کر علمی اور دینی مجالس منعقد کرتا تھا جس کا تذکرہ شیخ محمد اکرام نے "سیر المتاخرین" میں کیا ہے۔

کلکتہ (کولکاتا)

کلکتہ میں آغاز عزاداری ایرانی تاجروں کے طفیل سے ہوا۔ یہ لوگ بغرض تجارت یہاں آئے اور سکونت اختیار کی۔ امام باڑے تعمیر کرائے حاجی کربلائی اور اصفہانی کے امام باڑے وجود میں آئے۔ ہندوستانی مسلمانوں نے بھی امام باڑے بنوائے۔ گول کوٹھی، نذر علی کے اوقاف اور امام باڑہ بی بی انارو اِس کے ثبوت ہیں۔

انگریزی ملازمین کمپنی، علماء، فورٹ ولیم کالج میں کام کرنے والے بہت سے لوگ شیعہ تھے جو عزاداری کرتے تھے۔ مجلس خوانی کی قدیم ترین کتاب اِسی شہر کے پریس میں چھپی (امیر حیدر بخش حیدری کی گل مغفرت یا دہ مجلس یہاں شائع ہوئی تھی)۔ نواب واجد علی شاہ اودھ کے تخت سے معزول کرکے کلکتہ میں لاکر مٹیا برج اور فورٹ ولیم میں رکھے گئے۔ بادشاہ اودھ نے مراسم عزاداری اِس طرح منائے کہ کلکتہ دوسرا لکھنؤ بن گیا۔ واجد علی شاہ اور اُن کے نرم مجلسیں کرتے تھے۔ اسد منزل اور سبطین آباد میں تو امام باڑے تھے ہی جہاں واجد علی شاہ عشرے کرتے تھے۔ شاہی خاندان کے ایک فرد قمع قدر نے حضر پور میں ایک حسینیہ تعمیر کروایا جو ٹیپو کے امام باڑے کے نام سے مشہور ہے۔

کلکتہ میں شیعوں کی تعداد خاصی ہے جو ایام عزا میں جلوس و مجالس کا اہتمام کرتے ہیں اور سوگ مناتے ہیں۔ کلکتہ میں جلوس ہائے عزا میں تین حلقے ہوتے ہیں۔ پہلا ایرانی یا مغلوں کا جن کی مخصوص طرز نوحہ خوانی اور ماتم ہے دوسرا کشمیریوں کا اور تیسرا مقامی شیعوں کا جن میں لکھنؤ، فیض آباد، جونپور اور نوگاواں سادات کے شیعہ شامل ہوتے ہیں۔ (انجمن شمشیر عباسی کا ابوالفضل العباس نمبر ۱۳۹۱ھ) جلوس ہائے عزا کی بنیاد مرزا مہدی مشکی کے ہاتھوں پڑی ویسے عشرے بھر جلوس نکلتے رہتے ہیں۔

ہگلی

اِس شہر میں حاجی محمد حسن مرحوم کا عظیم الشان امام باڑہ ہے جس کے اخراجات پورے کرنے کے لئے بہت بڑا وقف ہے یہاں مجالس ہوتی ہیں اور دیگر رسوم عزاداری بھی منائی جاتی ہیں۔

مرشد آباد

مرشد آباد میں بھی محرم کی تقریبات ہوتی ہیں۔ تعزیوں اور علموں کے جلوس نکلتے ہیں ماتم اور مجالس ہوتی ہیں۔

بولپور (شانتی نکیتن)

بولپور شانتی نکیتن میں شیعہ آبادی بہت کم ہے۔ اُن میں بھی وہ لوگ شامل ہیں جو ملازمت کے سلسلے میں یہاں آئے ہیں۔ لیکن عرفانی سلسلہ بہت پرانا ہے۔ اسی سلسلے سے وابستہ لوگ عزاداری کرتے ہیں۔ دور حاضر میں اِس کی روح رواں سید مرشد علی القادری ہیں جو عزاداری کے لئے ایک وسیع میدان خرید کر اِس تحریک کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ لائٹ بازار بولپور میں ایک امام باڑہ تعمیر کیا ہے جس کا نام زینبیہ رکھا گیا ہے۔ محرم کا چاند نظر آتے ہی عزاداری شروع ہو جاتی ہے۔ نوحوں مرثیوں اور مجالس کی آوازیں بلند ہونے لگتی ہیں۔ یہ آوازیں معینہ وقت کی پابند نہیں ہیں۔ ایک گروپ آتا ہے سینہ زنی کرتا

ہے اور چلا جاتا ہے۔ اِس کے بعد دوسری ٹولی آتی ہے۔ یوم عاشور کو بہت مجمع ہوتا ہے۔ ایک اندازے کے مطابق تقریباً ایک لاکھ تک نفوس ہوتے ہیں۔ ہر طرف یا حسین یا عباس کی آوازیں بلند ہوتی ہیں۔ ہاتھوں کا زبردست ماتم ہوتا ہے۔ زنجیری ماتم بھی ہوتا ہے۔ لیکن اِس طرف کم ہی لوگ مائل ہیں۔ عشرۂ محرم میں قادری سلسلے کی طرف سے برابر لنگر جاری رہتا ہے اور حضرت امام حسینؑ کے صدقے میں بول پور علاقے میں کوئی بھوکا نہیں رہتا۔

عشرۂ محرم کے بعد جمعرات یا سوئم، دسویں، بیسویں کو بھی مجالس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ چہلم کے روز یوم عاشور جیسی شان نظر آتی ہے۔ البتہ دور دور تک عزادار نظر آتے ہیں۔ جناب زینبؑ کو اُن کے بھائی اور اصحاب کا پرسہ نوحہ خوانی، ماتم زنی کے ذریعے ضرور دیا جاتا ہے۔ غرض کہ سید مرشد قادری کی کوششوں اور انہماک سے شانتی نکیتن جیسے عالمی شہرت یافتہ علاقے میں کلکتہ اور مرشد آباد جیسی فضا قائم ہو رہی ہے۔

بہار میں عزاداری

عظیم آباد (پٹنہ)

بہار میں بھی عزاداری کی روایت خاصی قدیم ہے۔ سبھی اضلاع میں اسے خلوص و احترام سے منایا جاتا ہے۔ خاص طور پر پٹنہ کا عشرہ، سپر اور تعزیہ کا جلوس بہت مشہور ہے۔ بہت سے ایرانی النسل امراء عظیم آباد میں سکونت پذیر ہو گئے تھے اِس لئے یہاں محرم میں بہت جوش ہوتا ہے۔ پٹنہ شہر میں عزاداری دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک عوامی یعنی مجلس، ماتم و جلوس جس میں باجا نہیں ہوتا بس ماتم اور گریہ زاری ہوتی ہے۔ دوسرا تعزیہ داری کہلاتا ہے جس میں سپر بھی نکالی جاتی ہے اور باجے وغیرہ ساتھ ہوتے ہیں۔

ماتمی جلوسوں کا سلسلہ ۶ محرم سے شروع ہو جاتا ہے۔ علم کا پہلا جلوس حکیم سید محمد عسکری صاحب نے ۱۰۰ سال سے بھی زائد عرصہ پہلے قائم کیا تھا۔ آپ نے اِس علم کو محلہ نوزر کٹرہ میں قائم کیا تھا۔ نواب بہادر ولایت خاں کا قائم کردہ جلوس ۷ محرم کو برآمد ہوتا ہے۔ ۹ محرم کو ذوالجناح کا جلوس بھی نکلتا ہے۔ یوم عاشورہ کو مجلس شام غریباں سے پہلے ۳ کلومیٹر تک مسلسل زنجیری ماتم ہوتا ہے۔ شیعہ اور سنی دونوں شریک ہوتے ہیں۔

پٹنہ شہر کے خاص امام باڑے ہیں۔ امام باڑہ چمرو ڈنڈیہ پہلے یہاں امام چوک تھا جسے محلہ معروف گنج میں تول کا کام کرنے والے چمرہ نے قائم کیا تھا۔ وہ ۱۰ محرم کو تعزیہ رکھتا تھا جو بہت مقبول ہوا۔ لوگوں کی مرادیں برآنے لگیں۔ نواب سید محمد حسن خاں رضوی کے شادی کے کئی برس بعد بھی کوئی اولاد نہیں تھی انہوں نے یہاں دعا مانگی جو مستجاب ہوئی۔ آپ کو ۱۸۶۲ء فرزند پیدا ہوا۔ نواب صاحب نے اِس امام چوک کا پورا خرچ اپنے ذمہ لے لیا اور ۷ محرم کو یہاں ایک عمارت

بنوائی۔ ہر سال ہزاروں روپے جلوس پر خرچ ہوتے ہیں۔ یہاں کی نوچندی مشہور ہے۔ امام باڑہ نوذر کٹرہ اور یہاں کی عزاداری صفوی شہزادوں کی قائم کردہ ہے۔ شہزادہ رستم علی کے پوتے نوروز علی نے ایک محل تعمیر کرایا جس میں ایک مسجد، عزاخانہ اور کربلا تعمیر کروائی۔ اِس خاندان کے کسی بزرگ نے عشرہ کو خواب میں دیکھا کوئی دریا میں چیز قائم ہے جو بہت روشن ہے۔ اُس کی شکل سپر جیسے ہے چنانچہ سپر کو بھی اسباب عزا میں شامل کرلیا گیا اور وہ بڑی سپر کے نام سے مشہور ہوئی۔ الحاج نواب احمد خاں مرحوم کے امام باڑے واقع محلہ دولی گھاٹ کی عزاداری بھی بہت مشہور ہے۔ نواب صاحب نے کربلائے معلیٰ میں سات سال قیام کیا تھا۔ جب ہندوستان واپس آئے تو دو عدد شبیہیں ضریح مبارک کی ساتھ لائے اور عزاخانے شہر میں قائم کئے۔ ایک ضریح مبارک تو اپنے مکان محلہ دولی گھاٹ کے امام باڑے میں اور دوسری سنگی والا محلہ کے عزاخانے میں رکھی۔ دونوں جگہ عزاداری ہو رہی ہے۔ دولی گھاٹ میں عزاداری تو ۱۳۴۴ھ سے ہو رہی ہے۔

کرنل کلب علی خاں مرحوم کا عزاخانہ عظیم آباد میں ۱۸۰۰ء میں تعمیر ہوا۔ کرنل صاحب نے دو عزاخانے اِس شہر میں تعمیر کرائے۔ ایک محلہ دیوان (نوذر کٹرہ کہلاتا ہے) میں اور دوسرا محلہ سلطان گنج نزد سنگی مسجد۔ دونوں عزاخانوں کے لئے بڑا حصہ وقف کیا۔ سلطان گنج کے امام باڑے میں انجمن عباسیہ کی طرف سے الوداعی مجلس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ عشرہ محرم کے دوران حسینیہ گلزار باغ میں یکم تا ۹ محرم ۱۰ بجے دن میں مجالس عزا کا انعقاد کیا جاتا ہے یہ امام باڑہ نواب عبداللہ خاں نائب صوبیدار عظیم آباد نے سربلند خاں کے زمانے میں تعمیر کرایا تھا۔ جب نواب علی عظیم خاں آخری ناظم غازی پور نے عظیم آباد میں سکونت اختیار کی تو عزاخانہ تعمیر کرایا جس کو تقریباً دو سو سال ہو گئے۔ یہ عظیم آباد کا بہترین عزاخانہ ہے۔ یہاں یوں تو سال بھر ایصال ثواب کی مجالس کا اہتمام کیا جاتا ہے لیکن ۹ محرم کی مجلس میں بہت مؤمنین جمع ہوتے ہیں اور مجلس میں گریہ زاری بھی خوب ہوتی ہے۔ بڑی حویلی جہاں میر عبداللہ رضوی نے ۱۷۸۰ء میں عزاداری قائم کی تھی آج عظیم آباد کی عزاداری میں اہم ہے۔ یہ خاندان نیشاپور سے ہندوستان آیا، دہلی، میرٹھ اور فیض آباد مین قیام پذیر ہوا۔ ۱۷۸۰ء میں عظیم آباد میں وارد ہوا۔ ۱۸۰۰ء میں اپنا مکان تعمیر کرایا جو بڑی حویلی کے نام سے مشہور ہے۔ عزاداری ۲۰۰ سال سے زائد سے قائم ہے۔ کربلا شاہ باقر میں محرم اور چہلم کے دوران سبھی تبرکات رکھے جاتے ہیں۔ شام غریباں کی مجلس بھی انجمن حیدری کے زیر اہتمام اسی کربلا میں منعقد ہوتی ہے۔ یہ کربلا صوفی بزرگ شاہ باقر مرحوم نے قائم کی۔ آپ کا سلسلہ شاہ ارزان سے ملتا ہے جن کے چوتھے خلیفہ شاہ بسنت ایک ہندو بزرگ تھے جن سے شاہ باقر کو بیعت حاصل ہوئی اور علیحدہ خانقاہ بنانے کی اجازت ملی۔ اِس سلسلے کے پہلے داتا پیر بھوڑ ہیں۔ دونوں جگہ آج تک تعزیہ داری ہوتی ہے۔ کربلا شاہ باقر میں چہلم کی مجلسیں اور عزاداری قائم ہیں جبکہ داتا پیر بھوڑ سے آج بھی تعزیہ نکلتا ہے اور عشرہ محرم میں مجالس ہوتی ہیں۔

گیا

گیا کا تاریخی امام باڑہ جو کربلا کہلاتا ہے رام شِلا پہاڑ کے دامن میں پھلگوندی کے سامنے واقع ہے۔ یہ امام باڑہ قومی یکجہتی کی علامت ہے کیونکہ وقف نامہ اور عدالت کے فیصلے کے مطابق یہاں کے بورڈ کا صدر ضلع جج ہوگا اور مستقل ممبر [illegible] شیعہ دو سنی اور ایک ہندو لائف ممبر رہیں گے۔ ۱۹ویں صدی کے اوائل میں یہاں کے زمیندار مہری پرشاد کی اہلیہ جو محب اہل بیت تھیں اور ہر سال محرم میں مجالس اور فاتحہ خوانی پابندی سے کرتی تھیں کربلائے معلیٰ گئیں تو واپسی میں اپنے ساتھ چند تبرکات لائیں جن کا یکم محرم سے رنگ سرخ ہو جاتا ہے اور دس روز تک یہی کیفیت رہتی ہے۔ اِن تبرکات میں کچھ مٹی، ایک ٹوٹی ہوئی تلوار اور ایک نعل (گھوڑے کی) بھی شامل تھیں انہیں گھر میں نہ رکھ کر ایک روضہ بنوا کر اس میں رکھ دیا گیا۔ اِس میں باقاعدہ عشری مجالس اور مہندی کا جلوس ماتم ہر سال کرایا گیا۔ محرم کی مجالس میں شیعہ اور سنی حضرات نوحہ خوانی کرتے ہیں۔

میر شفاعت حسین کا امام باڑہ تقریباً ۱۰۰ سال پرانا ہے۔ چونکہ میر صاحب کے اولاد نہیں تھی۔ آپ نے اپنی ساری جائداد وقف کر دی۔ آج کل یہ شیعہ وقف بورڈ کی تحویل میں ہے۔ مومنین گیا کی نگرانی میں اِس میں عشرہ مجالس اور جلوس و تبرکات قائم ہیں۔ فیروزہ بائی اور سلطانی کا امام باڑہ اُنیسویں صدی کے اواخر سے ۲۰ویں صدی کے وسط تک مجالس کے لئے مشہور رہا۔ پیشے سے رقاصہ اور موسیقار ہونے کے باوجود ایام عزا میں سوائے یاد حسین اور ذکر حسین کوئی دوسرا مشغلہ نہ تھا۔ آپ کی مجالس میں مقامی ذاکرین اور مرثیہ خواں پڑھتے تھے۔ تبرک ایک زمانے میں چاندی کی طشتری میں خشک میوے ہوا کرتا تھا بعد میں تانبے کی پلیٹ میں تبدیل ہو گیا۔ گیارہ محرم کے جلوس میں پستہ اور بادام کی ہوائیوں سے بھرپور شربت گلاس سمیت تقسیم ہوا کرتے تھے۔ یہ مجالس سلطانی کی زندگی تقریباً ۱۹۶۰ تک قائم رہیں۔ جناب خورشید نواب ایڈوکیٹ کے خاندان کے گھر پر عشرہ دوران مجلس قائم ہوا۔ گیا کی قدیم عشرہ مجالس میں سید حسن صاحب مرحوم کے امام باڑہ، مرزا اقبال حسین مرحوم کا امام باڑہ کا ذکر ضروری ہے۔ جناب صداقت علی کا امام باڑہ بھی بہت مشہور ہے۔ بڑا باغ کا امام باڑہ بہت قدیم ہے۔ داروغہ جعفر حسین کا امام باڑہ تو اب نہ رہا لیکن ان کا قائم کردہ ۶ محرم کا ذوالفقار کا جلوس آج بھی قائم ہے۔ ۷ محرم کو بڑا باغ امام باڑہ سے ذوالفقار کا جلوس برآمد ہوتا ہے۔ جناب سجاد خاں زردار جنت کا امام باڑہ ابھی باقی ہے۔ ایک بڑا امام باڑہ عبدالحکیم مرحوم ریلوے ملازم کا قائم کردہ ہے۔

گیارہ محرم کو گیا شہر میں جلوس نکلتا ہے جو یہاں کی خصوصیت ہے۔ اِس عظیم الشان جلوس میں دوسرے شہروں سے مومنین آکر شرکت کرتے ہیں۔ مقامی غیر مسلم عقیدتمند بھی شریک ہوتے ہیں۔ ایک مقدمے کی جیت پر خوشی کے اظہار کے لئے یہ جلوس نکالا گیا تھا۔ اب روایت بن گیا ہے۔ یہ جلوس ۹ بجے شیعہ مسجد سے شروع ہو کر کربلا جا کر تمام ہوتا ہے۔

کُھجوا (ضلع سیوان)

بہار میں سیوان ضلع کا قصبہ کُھجوا عزاداری کے لئے مشہور ہے۔ اِس کا سب سے بڑا مرکز سرکاری امام باڑہ ہے جو تقریباً ۲۰۰ سال پرانا ہے۔ اِس کے بانی دیوان ناصر علی مرحوم تھے۔ ہندوستان کے مشہور ذاکرین یہاں مجلسوں کو خطاب کر چکے ہیں۔ دوسرا امام باڑہ خان صاحب ہے جس کے بانی سید موسیٰ رضا (صدر شعبہ سماجیات پٹنہ یونی ورسٹی) کے پردادا سید رعایت حسین مرحوم اور اُن کے بھائی سید ریاست حسین تھے۔ اِس امام باڑہ میں ایک مسجد ایک مدرسہ اسلامیہ بھی تھا جسے فی الحال دوسری جگہ منتقل کر دیا گیا ہے۔ یہ امام باڑہ ۱۰۰ سال قدیم ہے یہاں عشرہ کی عزاداری ہوتی ہے۔ سید محمد رضی کا امام باڑہ محلہ ادھیارہ میں واقع ہے۔ اِسے پروفیسر حسن عسکری (مشہور تاریخ داں پٹنہ یونی ورسٹی) کے بزرگوں نے بنوایا تھا۔ اِس سے ملحقہ ایک مسجد بھی ہے۔ کُھجوا کا ایک تاریخی امام باڑہ شہزادہ غلام حسین کا ہے جو محلّہ بنگلا میں واقع ہے۔ یہ محلّہ مشہور ہے یہاں سے معروف ہستیاں وابستہ رہی ہیں۔ اُن کا تعاون اِس امام باڑے کی عزاداری کو ملا ہے۔

کھجوا سے ایک دینی رسالہ "اصلاح" ۱۰۰ سال قبل جاری کیا گیا تھا اب اسے لکھنؤ منتقل کر دیا گیا ہے۔ اِس کے بانی حکیم علی اطہر صاحب مرحوم تھے۔ سیوان، گوپال گنج، چھپرا میں سنی حضرات کی اکثریت ہے لیکن محرم کو یہاں اہمیت حاصل ہے۔ لوگ عشرہ منانے اِس قصبے میں آتے ہیں۔ تعزیہ، سپر، دلدل، علم اور جلوس کے لئے گاؤں کے لوگ آپس میں چندہ کرتے ہیں۔ حسن پور، بالیٹھا، میر گنج، برہاریہ میں بڑے جلوس نکلتے ہیں۔ یہ طاقت اور شناخت کا مظاہرہ بھی ہے اور جوش روایت بھی۔ اِس میں کچھ بریلوی اثر ہے۔ کچھ غیر ملکوں میں کام کرنے والے شیعوں کی عقیدت بھی جو پیٹروڈالر کی آمدنی سے ملا روپیہ وطن بھیجتے ہیں۔ آج عزاداری کھجوا کی پہچان بن چکی ہے۔

علی نگر پالی (ضلع جہان آباد)

پالی گاؤں کی عزاداری کی اپنی روایت ہے۔ یہاں چھوٹے بڑے سبھی عزاداری میں حصہ لیتے ہیں۔ سترہویں صدی میں یہاں ایک صوفی بزرگ سید میر باسط (جن کا سلسلہ نسب امام زین العابدین سے ملتا ہے) صوبہ بہار کے ایک شہر بہار شریف کے گاؤں مسیان سے آئے تھے۔ اِن کے بعد دوسرے خاندان بھی ہجرت کر کے یہاں آئے۔ میر معصوم موضع قاضی دولت پور سے اپنے شاگردوں کے ساتھ یہاں آئے تو یہ سبز و شاداب علاقہ انہیں پسند آیا۔ سترہویں صدی کے پرآشوب عہد میں جب سادات پر ظلم ہوئے تو وہ بڑے شہر چھوڑ کر گاؤں، قصبوں کی طرف منتقل ہو گئے۔ ۱۷ویں اور ۱۸ویں صدی میں یہاں کربل کتھا پڑھی جاتی تھی۔ ایک امام باڑہ تھا وہ بھی خام جسے میر باسط کے خاندان والوں نے بنوایا تھا (میر بشارت علی مدراس میں ملازم تھے وہ روپیہ بھیجتے تھے۔ اُن کے بھائیوں نے اُس رقم سے ایک چھوٹا خام امام باڑہ قائم کیا تھا) اسی میں عزاداری ہوتی

تھی۔ ۱۲۹۱ھ میں خان بہادر مولوی سید خیرات احمد کی زوجہ بی بی امت الفاطمہ نے انتقال کیا تو خان بہادر صاحب نے امام باڑہ کی پختہ تعمیر کرانے کا ارادہ کیا۔ مرحومہ کے زر و مال کو کام میں استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ ۱۳۲۹ھ میں سید خیرات احمد خود سخت علیل ہوئے تو آپ نے اپنے منصوبہ کو جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہنچانے کا ارادہ مصمم کیا اور پختہ عمارت تعمیر کرا دی۔ یہ امام باڑہ وسیع و عریض احاطے میں واقع ہے۔ اِس کے علاوہ ایک مسجد، تعزیہ خانہ اور ایک امام چوک اسی امام باڑے کے احاطے میں ہیں۔ ۱۸۵۷ء سے قبل یہاں ایک کھپرہ پوش مسجد تھی۔ میر اشرف علی اور میر شہامت علی نے ایک کھپرہ پوش خام مسجد شیعہ حضرات کے لئے بنوائی جسے سید خیرات احمد نے ۱۳۱۰ھ میں پختہ کرایا۔ تقریباً ۱۲۵سال قبل جب خان بہادر مولوی خیرات احمد کی والدہ کا انتقال ہوا تھا تو مرزا وحید خلف الصدق میر انیس لکھنوی نے یہاں مجلس میں مرثیہ خوانی کی تھی۔

پالی کی عزاداری کو چار ادوار میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا دور ۱۷ویں صدی کا جب خام امام باڑہ تھا کوئی باقاعدہ نظام عزاداری نہیں تھا یہ سلسلہ ۲۰۰ سال چلا۔ دوسرا دور جب پختہ امام باڑہ وجود میں آیا۔ عزاداری کا باقاعدہ نظام بنا۔ انجمن امامیہ علی نگر پالی کے نام سے ایک وقف نامہ تیار ہوا اور عزاداری کو اجتماعی شکل دے دی گئی یہ اس دور کا ایک واقعہ ۱۸۹۲ء میں علم محترم نکالے جانے پر پابندی لگنے کا ہے جس کے خلاف عدالت میں مقدمہ لڑ کر جیت حاصل کی گئی۔ پہلی بار ۱۸۹۷ء میں جلوس علم نکالا گیا۔ تیسرا دور ۱۹۴۷ء کا پر آشوب دور تھا۔ پالی کے آس پاس کے گاؤں میں فرقہ واریت نے گھروں کو تباہ کیا۔ لوگ ہجرت کر کے پاکستان گئے یا ہندوستان میں ہی دوسری جگہوں پر منتقل ہو گئے لیکن پالی کی بستی پوری طرح محفوظ رہی۔ چوتھا دور بیسویں صدی کے آخر کے قریب تھا جب پالی کے امام باڑے میں آگ لگ گئی قدیم ضریح مقدس اور دیگر تبرکات نذر آتش ہو گئے۔ اگر کچھ بچا تو صرف قرآن مجید جو ضریح کے اندر رکھا تھا۔ اہل علی نگر نے امام باڑے اور ضریح مقدس کو خوبصورت شکل دے دی۔

آج بھی عزاداری جوش و خروش سے جاری ہے۔ یکم محرم سے ایک روز قبل امام باڑہ شہ نشین پر نشان اور دروازے پر دو بلند سیاہ علم لگا دئے جاتے ہیں۔

چاند رات کو تمام محبان اہل بیت کربلا کے قریب سبز ٹوپی پہن کر محرم کا چاند دیکھتے ہیں اور یا حسین کے نعرۂ ماتم بلند کرتے ہیں۔ اِس سے پہلے امام باڑے کو سجایا سنوارا جاتا ہے۔ ماتم ۱۲ بجے رات تک جاری رہتا ہے۔ شب میں بزرگ امام باڑے میں سوتے ہیں تاکہ علم نصب کیا جائے اور تنہائی نہ ہو۔ زمین پر سیاہ فرش بچھا دیا جاتا ہے۔ ۲۹ کی شب کو ہی پہلی مجلس (عام طور پر حدیث خوانی) بی بی اصغری کاظمی کی طرف سے ہوتی ہے۔ اگر چاند نہیں ہوتا تو ۳۰ ذی الحجہ کو مجلس بی بی نرجس کاظمی کی طرف سے ہوتی ہے۔

یکم محرم کو پہلی مجلس صبح دس بجے سید امیر علی اکبری کی طرف سے امام باڑے میں ہوتی ہے جس میں میر انیس کا مشہور مرثیہ "فرزند پیمبر کا مدینے سے سفر ہے" پڑھا جاتا ہے۔ دوسری مجلس سید علی ضامن کی طرف سے سید مرحوم عباس کے گھر پر ہوتی ہے۔ اِس میں بھی انیس کے مرثیے کو پڑھا جاتا ہے۔ بعدہٗ ایک مختصر نوحہ "لاچار حسینا، بے یار حسینا" پڑھا جاتا ہے۔ ایک نوحہ خواں ہوتا ہے دونوں طرف بازوزانو کے بل بیٹھتے ہیں تمام مومنین فرش عزا پر شدید رقت کے ساتھ آہستہ آہستہ ماتم کرتے ہیں۔ تیسرا اور آخری شعر نوحہ خواں کھڑا ہو کر پڑھتا ہے۔ اِس کے بعد مومنین شدت سے ماتم کرتے ہیں جو چار پانچ منٹ جاری رہتا ہے۔ یکم محرم کی تیسری مجلس مرحوم سید شہزاد حسن معصوی کے گھر ہوتی ہے۔ اِس میں بھی میر انیس کا مرثیہ پڑھا جاتا ہے۔ چوتھی مجلس سہ پہر کو امام باڑے میں ہوتی ہے۔ اِس میں مولانا سید کلب حسین قبلہ ذاکر فضائل و مصائب سید الشہداء فرماتے ہیں۔ شب میں صرف ایک مجلس ہوتی ہے۔ مجلس سے قبل مومنین گاؤں کے باہر مخصوص کھیت سے مٹی لاتے ہیں جسے شب عاشور میں تعزیوں میں رکھا جاتا ہے اور یوم عاشور کو دفن کیا جاتا ہے۔ جب مٹی لینے جاتے ہیں تو یہ نوحہ پڑھا جاتا ہے:

اے شہ کے عزادارو کرو گریہ زاری پھر آیا محرم

جب مٹی لے کر آتے ہیں تو یہ پڑھتے ہیں:

جب شہ نے خبر پائی ہوا کوفے میں بے سر مسلم مرا بھائی

مجلس میں سید مبارک حسن حدیث خوانی کرتے ہیں۔

دوسری محرم کو پہلی مجلس سلطان باغ میں بی بی لطیف النساء کی طرف سے ہوتی تھی جس میں میر انیس کے مرثیے سے آغاز ہوتا تھا اب یہ مرحوم سید ضیاالحسن کی طرف سے امام باڑے میں ہوتی ہے۔ سید تنویر الحسن مرثیہ خوانی کرتے ہیں۔ دوسری مجلس مرحوم سید منظور مہدی کی طرف سے مرحوم سید عباس حیدر کے گھر پر ہوتی ہے۔ اِس میں مرثیہ خوانی ہوتی ہے۔ تیسری مجلس مرحوم سید افتخار احمد کی طرف سے امام باڑے میں ہوتی ہے۔ تینوں مجالس نماز ظہر سے قبل ختم ہو جاتی ہیں۔ چوتھی مجلس سہ پہر مرحوم سید مظفر حسین کاظمی کی طرف سے امام باڑے میں ہوتی ہے جس میں کسی جدید مرثیہ گو کا کلام پڑھا جاتا ہے۔ شب کی مجالس میں حدیث خوانی ہوتی ہے۔ دوسری محرم کی مجالس کا اختتام سید منور حسن کی طرف سے ہونے والی مجلس میں سید رضا حیدر کی حدیث خوانی سے ہوتا ہے۔

تیسری محرم کو پہلی مجلس مرحوم سید ظہیر حسن آفتاب کے گھر پر ہوتی ہے جس میں اُن کے صاحبزادے سید ظہور الحسن حدیث خوانی کرتے ہیں۔ دوسری مجلس پہلی مجلس کے فوراً بعد سید احسن امام کے گھر پر ہوتی ہے۔ جناب سید مبارک حسن خطاب فرماتے ہیں۔ تیسری مجلس حسن اکبری صاحب کی طرف سے امام باڑے میں منعقد ہوتی ہے جس میں انیس کا مشہور

مرثیہ پڑھا جاتا ہے' جب کربلا میں داخلۂ شاہ دیں ہوا" جسے جناب ارشاد حسن معصومی پڑھتے ہیں۔ آپ میر انیس کا یا اپنے والد سید شہزاد معصومی کا مرثیہ پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد مومنین نماز ظہر کے لئے مسجد جاتے ہیں۔ سہ پہر کی مجلس سید خیرات احمد مرحوم کے گھر (جسے کرہ کہا جاتا ہے) پر ہوتی ہے۔ سید تنویر الحسن مرثیہ خوانی کرتے ہیں۔ شب کی مجلس امام باڑے میں سید آل حسن مرحوم کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس میں حدیث خوانی ہوتی ہے۔

چوتھی محرم کو سید شہزاد حسن معصومی کی طرف سے مرحوم سید عزادار حسن معصومی کے گھر پر مجلس برپا ہوتی ہے۔ اس میں مرثیہ خوانی ہوتی ہے۔ دوسری مجلس مرحوم سید راحت حسین کمال کی طرف سے امام باڑے میں منعقد ہوتی ہے۔ جس میں سید قائم معصومی مرثیہ خوانی کرتے ہیں۔ تیسری مجلس سید مطیع احمد کی طرف سے سید سلمان حسین کے نئے مکان پہ ہوتی ہے جس میں مرثیہ خوانی ہوتی ہے۔ چوتھی مجلس سہ پہر مرحوم سید غضنفر حسین کی طرف سے امام باڑے میں ہوتی ہے اس میں بھی مرثیہ خوانی ہوتی ہے۔ سہ پہر کی مجلس کے بعد سے نماز مغرب میں جو وقت ہوتا ہے اس میں کونڈے کی نذر کی ادائیگی ہوتی ہے۔ سب سے پہلا کونڈا سید سجاد حسین زیدی و سید علی محمد زیدی کے گھر پر ہوتا ہے۔ چوتھی محرم کی آخری مجلس امام باڑے میں مرحوم حکیم سید محمد صالح کی طرف سے ہوتی ہے جس میں حدیث خوانی ہوتی ہے۔

اسی دن سے تعزیے کو سجانے سنوارنے کا کام شروع ہو جاتا ہے۔ یہ ذمہ داری سید علی محمد زیدی کے سپرد ہے۔

پانچویں محرم: مجالس کا سلسلہ سید نیاز حسن کاظمی کے گھر سے شروع ہوتا ہے۔ دوسری مجلس مرحوم سید عباس حیدر کے گھر پر ہوتی ہے جس میں میر انیس کا مرثیہ جناب قاسم کے احوال کا پڑھا جاتا ہے۔ اس کے فوراً بعد امام باڑے میں انجمن امامیہ کی میٹنگ ہوتی ہے۔ سہ پہر کی مجلس مرحوم سید شمس الحسن کی طرف سے امام باڑے میں ہوتی ہے۔ سہ پہر کی مجلس کے بعد کونڈے (نذر امامؑ) کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ شب کی مجلس سے قبل مٹی لائی جاتی ہے۔ جب جلوس مٹی لینے جاتا ہے تو جناب حر کے حال کا نوحہ پڑھتے ہیں اور واپس آتے وقت جناب عون و محمد کے حال کا نوحہ پڑھا جاتا ہے۔ پانچویں کی آخری مجلس مرحوم سید آل حسن اعجاز کی طرف سے امام باڑے میں ہوتی ہے جس میں حدیث خوانی ہوتی ہے۔

۶ محرم: پہلی مجلس سید جمیل حسین کاظمی کے گھر ہوتی ہے جس میں مرثیہ خوانی ہوتی ہے۔ دوسری مجلس مرحوم سید عارف حسین کی طرف سے سید عباس حیدر صاحب کے گھر پر گذشتہ ۲۵ برسوں سے ہو رہی ہے۔ اس میں میر انیس کا مشہور مرثیہ "جو زنداں شام کا ہے" پڑھا جاتا ہے۔ سید ارشاد حسن معصومی سلام پڑھتے ہیں۔ (جب بنالیا ہم نے تم کو رازداں اپنا۔) اس کے بعد سید تنویر الحسن میر انیس کا مرثیہ پڑھتے ہیں۔ "زنداں میں مضطرب تھے اسیران نوحہ گر" اس کے بعد مختصر نوحہ "فریاد خدا کی، گردوں نے جفا کی" سید نیاز حسن کاظمی پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد تردیج اور مجلس کے بعد حاضری حضرت عباس کا اہتمام ہوتا ہے۔ یہ سلسلہ آٹھویں محرم تک چلتا ہے۔ تیسری مجلس امام باڑے میں سید ذوالفقار احمد اور سید میثم زیدی کی

طرف سے ہوتی ہے جس میں سید جون زیدی کسی جدید شاعر کا مرثیہ پڑھتے ہیں۔ اِس کے بعد چند گھروں میں کونڈے کا اہتمام ہوتا ہے۔ آخری مجلس مرحوم سید آباد امام کی طرف سے امام باڑے میں ہوتی ہے۔

۷ محرم: سید اقبال احمد صاحب کے گھر پر پہلی مجلس اور دوسری مجلس مرحوم سید ظفر امام صاحب کے یہاں ہوتی ہے جس میں حضرت عون و محمد کا مرثیہ پڑھا جاتا ہے۔ نماز ظہر کے بعد فقیری کی نذر ہوتی ہے ہندوستان میں عزاداری میں زیادہ تر سیاہ لباس پہنا جاتا ہے لیکن پالی میں سبز لباس پہننے کا رواج ہے۔ نذر کیا ہوا سبز کرتا پہنتے ہیں۔ امام باڑے کے چوک پر سبھی مومنین کے نذر کے ٹوکرے رکھے ہوتے ہیں۔ جن میں چھڑی سے بندھے پیالے ہوتے ہیں۔ جنہیں پکڑ کر تمام بچے نذر کے بعد امام کا فقیر بن کر "حسینی فقیر" کہتے ہوئے گھروں پر جاتے ہیں۔ اِن فقیری کے پیسوں سے بارہ محرم میں تبرک منگوایا جاتا ہے۔ سہ پہر کی مجلس امام باڑے میں ہوتی ہے جس میں ہزاروں کی تعداد میں سامعین ہوتے ہیں جن میں سنی اور ہندو حضرات بھی شرکت کرتے ہیں۔ سید تنویر الحسن مجلس میں مرثیہ خوانی کرتے ہیں۔ اِس کے بعد کونڈے کا اہتمام ہوتا ہے اور مغربین کی نماز کے بعد مومنین پیک کی نذر کی تیاری میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ سہروں کی گشت ہوتی ہے جس کے سجانے کا کام اہل سنت اور الجماعت کے لوگ کرتے ہیں۔ اِس کے بعد گھروں سے پیک کا سامان آ جاتا ہے۔ امام باڑے کے برآمدے میں سجی چوکیوں کو چوک میں لایا جاتا ہے اور نذر ہوتی ہے۔ نذر کے بعد امام باڑے زائرین کے لئے کھول دیے جاتے ہیں۔ نذر کے بعد تمام پیکی امام چوک میں مرثیہ کے بندوں پر جھومتے ہیں پھر کربلا جاتے ہیں۔ نصف شب کو امام باڑے میں مجلس ہوتی ہے جو اُس وقت تک جاری رہتی ہے جب تک پیکی کربلا سے امام باڑے واپس نہ آ جائیں۔

۸ محرم: پہلی مجلس سے قبل علم محترم کو زنانہ امام باڑے میں سجا کر نصب کیا جاتا ہے۔ اُس کے سائے میں عورتوں کی مجلس ہوتی ہے۔ اُس وقت امام باڑے میں مردوں کی مجلس ہوتی ہے جس میں سلام مولوی سید خیرات احمد (جو انہوں نے ۱۳۱۵ھ میں پڑھا تھا) کا اور سید علی اکبر کاظمی کا مرثیہ "آج ہر دل پہ عجب غم کی گھٹا چھائی ہے"۔ اور آخر میں حضرت وحید کا مرثیہ "دیکھ کر بھائی کا خوں دل پہ چلا خنجر غم" سید سرفراز حسن کاظمی پڑھتے ہیں۔ مرثیہ کے بعد "یا سیدی، یا عباس" کا نعرہ لگا کر ماتم ہوتا ہے۔ پیکوں کے پیچھے لوگ زنانہ امام باڑے جاتے ہیں۔ علم کے نیچے پردوں کے پیچھے عورتوں کے پاس پہنچائے جاتے ہیں۔ جو چلہ باندھتی ہیں۔ پھر جلوس علم ڈھیبر کے قبرستان لایا جاتا ہے جہاں کچھ دیر علم رکھا جاتا ہے۔ وہاں سے جلوس امام باڑے کی طرف یہ نوحہ پڑھتے ہوئے واپس آتا ہے "مارا گیا عباس علمدار دلاور قربان علم پر" جب جلوس میر یعقوب حسین مرحوم کے پھاٹک کے پاس پہنچتا ہے وہاں سے دوسرا نوحہ پڑھتے ہیں "جو یائے برادر شیدائے برادر" سبھی علم کو اٹھانے کی سعادت حاصل کرتے ہیں اور امام چوک میں علم نصب کیا جاتا ہے۔ پھر زیارت حضرت عباس پڑھی جاتی ہے۔ امام چوک پر رکھے تمام تبرکات کو نذر دی جاتی ہے۔ نذر کے دوران مومنین سبز دھاگا ہاتھ میں باندھ کر اُس کو علم مبارک میں

باندھتے ہیں۔ پھر تبرکات تقسیم ہوتے ہیں اور مولوی سید خیرات احمد کے کمرے پہ حاضری کا اہتمام ہوتا ہے۔ آٹھویں کو دوسری مجلس سہ پہر کو ہوتی ہے۔ اِس میں حدیث خوانی ہوتی ہے۔ سہ پہر کی مجلس بی بی کنیز فاطمہ کی جانب سے ہوتی ہے۔ اِس کے بعد کونڈے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ بعد نماز مغربین امام باڑے میں سید عبادت حسین کی طرف سے آٹھویں کی آخری مجلس ہوتی ہے اِس کے فوراً بعد سپر کو گشت کے لئے نکالا جاتا ہے۔ اِس کے واپس آنے پہ نذر ہوتی ہے اور مومنین نے لئے حاضری کا اہتمام سید محسن امام مرحوم اور سید کنور انور کاظمی کے یہاں کیا جاتا ہے۔

۹ محرم: صبح سپر کا جلوس امام باڑے سے برآمد ہوتا ہے اور ڈھیبر کے قبرستان میں تمام تبرکات اور چوکیاں رکھ دی جاتی ہیں وہاں سے پیکی "بولو محمدی یا حسین" کا نعرہ لگاتے ہوئے تقریباً ایک کلومیٹر دور بمبئی گاؤں تک جاتے ہیں وہاں سے نذر کی چوکی لاتے ہیں اِس کے بعد پورا جلوس ڈھیبر سے امام باڑے کی طرف روانہ ہو جاتا ہے۔ مومنین یہ نوحہ پڑھتے ہوئے امام باڑے پہنچتے ہیں "می گفت بصد نالہ چنیں حضرت زہرا مظلوم حسینا"۔ امام باڑے میں تمام تبرکات کو چوکٹ پہ رکھ دیا جاتا ہے اور نذر کے بعد مجلس ہوتی ہے جو سید نہال حسن کی جانب سے ہوتی ہے۔ اِسے آج کل سید جاوید ہاشمی پڑھتے ہیں۔ دوسری مجلس سید ناصر حسین زیدی کے گھر پہ ہوتی ہے جس میں سید ارشاد حسن معصومی میر انیس کا مشہور مرثیہ "امام حسین اور ائمہ مسافر در کربلا" اِس مرثیے میں ایک مسافر امام حسین سے چند سوالات پوچھتا ہے اِس کا ایک بند ہے:

قدموں پہ لوٹ کر یہ پکارا وہ دردناک — اظہار اسم اقدس و اعلیٰ میں کیا ہے باک
بتلایئے کہ غم سے مرا دل ہے چاک چاک — چپ ہو گئے تڑپنے سے اُس کے امام پاک

یہ تو نہیں کہا کہ شہ مشرقین ہوں
مولیٰ نے سر جھکا کے کہا میں حسین ہوں

تیسری مجلس سید مصطفیٰ امام کے گھر پہ سید مبارک حسین صاحب پڑھتے ہیں۔

شب عاشورہ

نماز مغربین کے بعد پالی کے مومنین اعمال عاشورہ میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ تعزیوں کے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا جاتا ہے۔ اور طے شدہ مقامات پہ پہنچا دیا جاتا ہے۔ آدھی رات سے پہلے سپر کا جلوس بستی میں گشت شروع کرتا ہے۔ تعزیے کا پہلا جلوس سید آل حسن اعجاز صاحب مرحوم کے گھر سے امام باڑے آتا ہے۔ مومنین نوحہ پڑھتے آتے ہیں۔

اے مومنو لازم ہے تمہیں گریہ و زاری یہ آخری شب ہے — پھر تم کہاں، مجلس کہاں اور تعزیہ داری یہ آخری شب ہے

حکیم سید محمد صالح مرحوم کے گھر سے امام باڑے تعزیہ لاتے ہوئے یہ نوحہ پڑھا جاتا ہے:

"زینب شبِ عاشور یہی کہتی تھی رو رو یارب سحر نہ ہو"

پھر سید نثار احمد کے گھر سے تعزیہ لایا جاتا ہے۔ راہ میں اہل سنت، اہل ہنود اور عقیدت مند تبرکات کی زیارت کے لئے موجود ہوتے ہیں۔ تعزیے امام چوک پر رکھ دیے جاتے ہیں اور امام باڑوں میں روشنی کی جاتی ہے۔ وہاں سے علم مبارک کو چوک میں نصب کرتے ہیں۔ سب تبرکات آجاتے ہیں تو نذر دی جاتی ہے۔ اِس کے بعد پیکی حضرات چوک کے چاروں طرف گھومتے ہیں پھر کربلا روانہ ہو جاتے ہیں اور امام باڑے کے دروازے عقیدتمندوں کے لئے کھول دئے جاتے ہیں۔ لوگ دعائیں اور منتیں مانگتے ہیں۔ نصف شب کے بعد مومنین و مومنات چوک پر شمعیں جلا کر دعائیں مانگتے ہیں اور گریہ زاری کرتے ہیں۔ پوری رات امام باڑے میں رہتے ہیں۔ نمود صبح سے ایک گھنٹہ قبل مجلس شب عاشور امام باڑے میں ہوتی ہے جس کی ابتدا میر انیس کے مرثیے "جب رات عبادت میں بسر کی شہ دیں نے" جسے سید ارشاد حسن معصومی پڑھتے ہیں۔ اِس کے بعد سید علمدار حسین مصائب بیان کرتے ہیں لوگ مسجد میں فجر کی نماز پڑھ کر گھر واپس آتے ہیں۔

روز عاشور

پالی میں دس محرم کی صبح سے پہلے سپریں اور تعزیے چوک سے اُٹھا کر سید احمد کی درگاہ تک لے جائے جاتے ہیں۔ تعزیے وزنی اور بلند ہوتے ہیں۔ اِن دونوں تعزیوں کو اٹھانے کے لئے تیس آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اِن دونوں تعزیوں کو اہل ہنود بھی بڑی عقیدت کے ساتھ اُٹھاتے ہیں۔ درگاہ میں جو بزرگ دفن ہے اُن کی قبروں پر علم کا سایہ ڈالتے ہیں۔ پھر وہاں سے زنانے امام باڑے جاتے ہیں وہاں عورتوں کی مجلس ہو رہی ہوتی ہے۔ اُس امام باڑے سے پھول اور تبرکات کو طشت میں رکھ کر بچوں کے ہاتھوں جلوس میں بھیج دئے جاتے ہیں۔ خواتین امام باڑے کے دروازے پر ماتم اور آہ و بکا کرتی پہنچتی ہیں۔ جلوس ڈھیبر قبرستان کی طرف روانہ ہوتا ہے وہاں مومنین علم کو تبرکاً گلے میں لٹکا لیتے ہیں۔ پیکی یا حسین کا نعرہ لگاتے 'بمبئی گاؤں کا تعزیہ لینے چلے جاتے ہیں۔ کچھ وقفے بعد یہ جلوس امام باڑے کی طرف روانہ ہوتا ہے راستے میں نوحہ پڑھا جاتا ہے۔ "ڈیوڑھی پہ سواری شہ مظلوم کی آئی عشرے کی سحر کو"۔ امام باڑے میں تمام تبرکات کو چوک پر رکھ دیا جاتا ہے۔ تھوڑی دیر بعد جلوس کربلا کے لئے روانہ ہو جاتا ہے۔ خواتین ایک خاص مقام پر علم مبارک کی زیارت کے لئے جمع ہوتی ہیں۔ کربلا سے کچھ پہلے ایک جگہ علم رکھ دیا جاتا ہے اور اُس کے پھریرے کھول دئے جاتے ہیں۔ پھر جلوس یا حسین کہتا ہوا کربلا پہنچتا ہے۔ کربلا میں مرحومین کی قبر پر علم کا سایہ ڈالا جاتا ہے۔ کربلا کے بیچ میں ایک کنواں ہے جو اوپر سے بند ہے۔ بس ایک طاق نما حصے کو کھول کر تمام تبرکات (پھول) اُس میں ڈال دئے جاتے ہیں۔ کنوئیں کے اوپر علم کو اِس طرح رکھا جاتا ہے کہ اس کا ایک حصہ شمال اور دوسرا جنوب کی طرف ہوتا ہے۔ اِس کے بعد ایک بڑی سبز چادر سے علم مبارک کے پنجے کو ڈھانک

دیا جاتا ہے۔ مومنین زیارت حضرت عباس پڑھتے ہیں۔ زیارت کے اختتام کے بعد چند حضرات علم کو بڑھانے کے لئے وہاں رک جاتے ہیں۔ بقیہ سبھی حضرات کربلا واپس آجاتے ہیں۔ کربلا سے باہر آکر تمام مومنین اعمال روز عاشورہ جماعت سے ساتھ بجالاتے ہیں۔

عصر عاشور

عاشورہ کی آخری مجلس سہ پہر کو امام باڑے میں ہوتی ہے اِس سے قبل سپر اور تعزیے کو جلوس کی شکل میں امام باڑے سے رخصت کر دیا جاتا ہے۔ یہ تبرکات ڈھیبر پہنچا دیئے جاتے ہیں۔ اِس مجلس میں امام حسینؑ کی شہادت کا مرثیہ سید تنویر الحسن پڑھتے ہیں۔ مجلس کے بعد سید نیاز حسن کاظمی مخصوص تاریخی نوحہ پڑھتے ہیں:

حسینؑ حسینؑ حسینؑ شہید کربلا حسینؑ

نوحے کے ہر مصرعے پر مومنین حسینؑ حسینؑ حسینؑ کہتے ہیں۔ نوحے کے درمیان تمام تبرکات اور ضریح پر سجے ہوئے علم کو آخری منزل دی جاتی ہے۔ پردہ اٹھتا ہے تو عزاخانے کو سنسان دیکھ کر مومنین گریہ زاری کرتے ہیں۔ سر و سینہ پیٹتے ہوئے امام مظلوم کو رخصت کرتے ہیں۔ جب ماتم کا سلسلہ ختم ہوتا ہے تو مومنین زیارت پڑھ کر سپر اور تعزیے کے جلوس میں شامل ہو کر ڈھیبر کا رخ کرتے ہیں۔ وہاں کچھ دیر قیام کرکے کربلا کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ عشرے کا آخری نوحہ ہے "چہ کربلاست امروز، چہ کربلاست امروز" (یہ نوحہ آج کل سید فراز حسین کاظمی پڑھ رہے ہیں) کربلا سے دور پہلے اِس نوحے کو ختم کرتے ہیں۔ راستے میں مومنین اور دیگر جماعت کی طرف سے سبیلیں لگائی جاتی ہیں۔ مومنین شربت سے سیراب ہو کر امام تشنہ و مظلوم کو یاد کرتے ہیں۔ اِس کے بعد تبرکات کے ساتھ کربلا پہنچتے ہیں۔ کربلا پہنچنے کے بعد مومنین امام ضامن اور نارا بدھی اتارتے ہیں اور زیارت روز عاشورہ پڑھتے ہیں پھر نذر دی جاتی ہے۔ اِس کے بعد مومنین توشہ اور شربت آپس میں تقسیم کرتے ہیں جس سے فاقہ شکنی ہوتی ہے۔ بعد نماز مغربین مرحوم سید مہدی امام کے یہاں باقاعدہ فاقہ شکنی کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

شامِ غریباں

عشاء کے بعد امام باڑے کے باہر کے حصے کے فرش پر شام غریباں کی مجلس منعقد ہوتی ہے۔ ہر طرف اندھیرا غم آلود فضا۔ مومنین فرش پر بیٹھے ہوئے، پس پردہ خواتین بھی موجود ہوتی ہیں۔ سید ذی شان حیدر سلام پڑھتے ہیں۔ سید حیدر رضا مصائب اہل بیت اطہار بیان کرتے ہیں جس کا اختتام اُس واقعے سے ہوتا ہے جب اسیران کربلا کے لئے زوجۂ حر کچھ کھانا لے کر آئی تھیں۔ اِس کی منظر کشی اِس طرح کی جاتی ہے کہ طشت کو چند روٹی کے ٹکڑے، کوزے میں پانی اور

شمعیں روشن کرکے شبیہ کی شکل میں مومنین سے گزارا جاتا ہے۔ اُس وقت شدید گریہ زاری ہوتی ہے۔ مجلس کا اختتام نوحے سے ہوتا ہے۔

گیارہویں محرم

گیارہ محرم کی پہلی مجلس سید مہدی امام صاحب کے گھر پر ایصال ثواب کی ہوتی ہے جس میں حدیث خوانی ہوتی ہے۔ دوسری مجلس امام باڑے میں مرحوم سید حیدر عباس کی جانب سے ہوتی ہے۔ اِس میں مرثیہ پڑھا جاتا ہے۔ تیسری مجلس سید آل حسن اعجاز کی طرف سے زنانہ امام باڑے میں ہوتی ہے جس میں میر انیسؔ کا مرثیہ پڑھا جاتا ہے۔ چوتھی مجلس سہ پہر کربلا پر سید عباس حیدر کی طرف سے ہوتی ہے اِس میں بھی مرثیہ خوانی ہوتی ہے۔ آخری مجلس شب میں امام باڑے میں ہوتی ہے جس میں سید مشرف امام صاحب حدیث خوانی کرتے ہیں۔ یہ مجلس مرحوم سید ضیاء الحسن صاحب کی طرف سے ہوتی ہے۔

بارہویں محرم

صرف ایک مجلس دعا صبح کے وقت جمہور مومنین کی طرف سے امام باڑے میں ہوتی ہے جسے سید مبارک حسن پڑھتے ہیں۔ مجلس کے بعد چوک پر سات محرم کو فقیری کی جمع کی گئی تمام رقم سے منگوائے تبرکات پر نذر دی جاتی ہے۔

چہلم

۱۵ صفر کو پالی کا عزاخانہ پوری طرح سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ شہ نشین ضریح مقدس اور منبر کو پٹکوں اور پنجوں سے سجایا جاتا ہے۔ امام باڑے میں ویسی ہی رونق ہوتی ہے جیسے محرم کے دنوں میں ہوتی ہے۔ ۱۵ صفر سے مجالس کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ دن میں تین مجالس ہوتی ہیں یہ سلسلہ ۲۰ صفر تک چلتا ہے۔ ۱۹ اور ۲۰ صفر کو سپر کا جلوس نکلتا ہے جو مختلف راستوں سے ہوتا ہوا ڈھیبر پہنچتا ہے۔ وہاں سے لوگ نوحہ پڑھتے ہوئے امام باڑے واپس آتے ہیں۔ ۲۰ صفر کا منظر شب عاشور اور صبح عاشور جیسا ہوتا ہے۔ ۲۰ صفر سہ پہر کو الوداعی مجلس امام باڑے میں ہوتی ہے۔ اِس کے بعد نوحہ پڑھا جاتا ہے۔ امام باڑے سے جلوس نکلتا ہے۔ جس کا اختتام کربلا پر ہوتا ہے۔ شب میں مومنین کربلا میں دوبارہ جمع ہوتے ہیں اور مجلس کا انعقاد ہوتا ہے۔ ۱۵ صفر سے امام باڑے کی مجلس سے آغاز اور اختتام کربلا کی مجلس پر ہوتا ہے۔ اِن میں مرثیہ بھی پڑھا جاتا ہے اور حدیث خوانی بھی ہوتی ہے۔

زنانی عزاداری

پالی میں خواتین کی عزاداری کے محرک قاضی ریاست مرشدآباد سید حیدر رضا صاحب تھے۔ یہاں ایک زنانہ امام باڑہ ہے۔ ہر دور میں ذاکرہ کا وجود رہا ہے۔ سوز سلام مرثیہ خوانی میں خواتین کا اہم حصہ رہا ہے۔ علم، ماتم خواتین کی مجالس ماتم خاص طور پر شب ہشتم، شب عاشور، روز عاشور کی مجالس خاص اہم ہیں۔ گھروں پر بھی مجلسیں ہوتی ہیں۔ خواتین، بی بی زینب کا حق ادا کرتی ہیں۔ عورتیں تبرکات بناتی ہیں۔ بچوں کی مشک فقیری کا انتظام کرتی ہیں۔

علم کا مقدمہ

کچھ مسلمانوں نے علم کے جلوس کی مخالفت کی۔ معاملہ عدالت میں گیا۔ لیکن آخر کار عدالت سے اجازت ملی۔ سیکڑوں ہندو علم میں ساتھ چلے تھے۔

مظفر پور

بہار میں عزاداری کا خاص مرکز ہے یہاں محلہ چندواڑہ اور برہمپورہ میں قدیم مجالس قائم ہیں۔ چندواڑہ محلہ کمرہ میں کئی ماتمی انجمنیں ہیں۔ محرم کی عزاداری بڑے پیمانے پر ہوتی ہے۔ اِس کے علاوہ کلھوا اور بھیکن پور جیسے قصبات میں بھی مجالس علم تابوت کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

گوپال پور

گوپال پور میں حسین گنج، چھپرو، چندن چٹی اور سریا میں بھی محرم کی عزاداری پوری عقیدت کے ساتھ کی جاتی ہے۔ بہار میں عزاداری اور علم کے جلوسوں پر پابندی لگائی تو شیعہ، سنی اور ہندو متحد ہوئے (اِسی طرح ۱۸۷۲ میں جب گیا کے ڈپٹی مجسٹریٹ نے نقص امن عامہ کے خدشے کا بہانہ لے کر جلوس پر پابندی لگادی تھی) ۱۸۹۲ء سے متواتر آئینی احتجاج شروع ہوا۔ پٹنہ کے ڈپٹی کمشنر کو مرزا جلال الدین بخت بہادر زمیندار ٹیکاری نے عرضی بھیجی جس پر مختلف فرقے والوں کے دستخط تھے۔ کمشنر نے ۱۸۹۳ میں اِس پر غور کرنے کا وعدہ کیا۔ خیرات احمد سیکریٹری انجمن اسلامیہ شیعہ اور سنی فرقوں پر مشتمل ایک وفد کے ساتھ کمشنر سے ملنے گئے تو اُس نے ملاقات نہیں کی۔ ۱۸۹۴ میں بنگال حکومت نے ایک حکم مخالفت جلوس جاری کر دیا۔ پورے بہار خاص کر پٹنہ، مظفر پور، چھپرا، آرا میں احتجاجی جلسے ہوئے۔ پٹنہ میں نواب ولایت علی خاں نے ۲۲ فروری ۱۸۹۴ء میں احتجاجی جلسہ کیا۔ بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوئے۔ قراردادیں منظور ہوئیں۔ مختلف شہروں میں جلسے ہوئے۔ بہار ٹائمز نے سرکاری بندش کو بن سوچا سمجھا فیصلہ اور احمقانہ حکم قرار دیا۔ دی انگلش مین کلکتہ نے اِسے افسوسناک

بتایا۔ جہاں آرا بیگم (جلال الدین بخت کی بیوہ) نے امپیریل لیجسلیٹو کونسل میں سوال اٹھایا۔ ۱۸۹۶ء میں چوتھی بار حکومت سے اپیل کی۔ مارچ ۱۸۹۷ء میں شیعوں نے حکومت بنگال سے یہ پابندی ہٹانے کی مانگ رکھی تو اجازت مل گئی۔

شیخوپورہ

محرم کا چاند نظر آتے ہی ماحول سوگوار ہو جاتا ہے۔ لوگ سیہ پوشی اختیار کر لیتے ہیں۔ علم اٹھنے سے قبل شیعہ اپنے گھروں سے سر و پا برہنہ، آستین چڑھی، گریباں کھلا ہوا سوگوارانہ انداز سے نکلتے ہیں۔ عورتیں انہیں خدا حافظ کہہ کر رخصت کرتی ہیں۔ یہ ماتم دار کشنری میدان میں علم حضرت عباس بلند کرکے مختلف راستوں سے گزر کر امام باڑہ نواب تفضل حسین خان تک پہنچتے ہیں۔ درمیان راہ جگہ جگہ واقعات کربلا اردو، ہندی، بنگلا وغیرہ میں بیان کئے جاتے ہیں۔ ہندو بڑی عقیدت سے ماتمی دستوں کو کیوڑہ اور گلاب کا شربت پیش کرتے ہیں۔

مدھیہ پردیش

بھوپال

بھوپال کے نواب مذہب اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ اِس لئے اِس ریاست کی پرانی تاریخ میں شیعیت اور عزاداری کے آثار کہیں دکھائی نہیں دیتے۔ البتہ ۱۷۲۲ء میں ایک افغان سردار دوست محمد خاں نے قلعہ فتح گڑھ کی بنیاد رکھتے ہوئے جو شہر پناہ تعمیر کروائی اسی فصیل میں مختلف دروازوں میں سے ایک دروازے کو جو قلعہ سے متصل تھا "امامی دروازہ" کہا تھا۔ جس کے متعلق مشہور یہ ہے کہ اِس دروازے پر ہر سال یوم عاشورہ کو نئی بستی کے لوگ اپنے اپنے تعزیے لا کر جمع کرتے تھے اور یہاں سے کربلا لے جاتے تھے۔ یہ کربلا بھوپال شہر کے مغربی حدود پر تالاب کے کنارے واقع تھی اور تعزیہ سرائے کہلاتی تھی۔ اِس سے ظاہر ہے کہ بھوپال میں بھی عزاداری ہوتی تھی۔ البتہ شیعوں کے امام باڑے بہت کم تھے۔ صرف ایک امام باڑہ (جو خیر اللہ حسنی کے امام باڑے کے نام سے مشہور ہے) کا ذکر ملتا ہے۔ یہ غالباً ۱۸۱۲ء میں محاصرہ بھوپال کے معرکے میں موجود تھے اور شیخ امان اللہ حسینی کے بیٹے تھے جو ۱۸۰۰ء میں گلبرگہ سے آئے تھے۔ اِس کے علاوہ ۱۸۱۵ء کے قریب میر غلام علی کا تعزیہ دھوم سے نکلتا تھا جسے ریاست کے وزیر خاص شہزاد مسیح سر و پا برہنہ اپنے ہاتھ سے ڈوری پکڑ کر امامی دروازے تک لاتے تھے۔ اِس کے بعد حالات اِس طرح کے ہو گئے کہ ایک عرصۂ دراز تک بھوپال میں عزاداری ممکن نہ تھی اگر ہوتی بھی تھی تو چوری چھپے۔ یہاں تک کہ بھوپال میں جب نوابی دور کی جگہ جمہوری نظام قائم ہوا تو پہلا جلوس عزا نکالا گیا۔ لوگوں نے پہلے اِسے حیرت سے دیکھا پھر اِس میں شریک ہونے لگے۔

بیتول

مدھیہ پردیش کے گونڈ وانہ علاقے کے ضلع بیتول میں بلگرامی سیدوں کی آبادی ہونے کی وجہ سے وہاں سلسلۂ عزاداری آج تک جاری ہے۔ ادبھاریہ نامی قصبے میں ہریجن اور دیگر ہندو حضرات حضرت امام حسینؑ سے بے پناہ محبت اور عقیدت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اپنے مسائل کے حل اور ضروری کاموں کی کامیابی کے لئے حسین بابا کا تعزیہ اُٹھانے کی منت مانتے ہیں۔ ادبھاریہ میں سیدوں کا ایک امام باڑہ ہے جہاں دو علم کربلائی ہیں۔ عشرۂ محرم میں روزانہ مجالس ہوتی ہیں جن میں ہریجن اور آدی واسی کثرت سے شرکت کرتے ہیں۔ ۷ محرم کو مہندی اُٹھتی ہے۔ ۸ محرم کو تمام تعزیے اور علم امام باڑے کے صحن میں سجائے جاتے ہیں۔ عاشور کو جلوس عزا برآمد ہوتا ہے۔ جس میں دوران گشت میر انیس لکھنوی کے مراثی پڑھے جاتے ہیں۔ یہ جلوس کربلا گھاٹ پہنچتا ہے تو بعد نماز نوحہ خوانی اور ماتم علم بڑھا دیئے جاتے ہیں۔

جھار کھنڈ

آج جھار کھنڈ ایک الگ راجیہ بن گیا ہے لیکن ایک زمانے میں یہ صوبہ بنگال و بہار کا ہی ایک حصہ تھا۔ یہاں کے راجا دیو کرم کو گولکنڈہ کو سلطان ابوالحسن تاناشاہ نے ۱۰۵۰ھ میں یہ جاگیر برائے عزاداری بطور معافی عطا کی تھی۔ یہاں ۱۶۳۷ء سے ۱۹۵۱ء تک ریاست کی طرف سے عزاداری ہوتی تھی۔ سید محمد رضا مدنی (کاروان حیات شہید اعظم نمبر ۱۳۹۱ھ) رقمطراز ہیں۔

عشرہ محرم سے قبل مستقل امام باڑوں کی صفائی اور قلعی ہوتی تھی۔ چاند رات کو راجہ کے نوبت نقارے، قلعہ کے دروازے کی شہ نشین سے اتار کر ڈیوڑھی کے عاشور خانے میں رکھ دیئے جاتے تھے۔ چاند کا اعلان توپوں سے ہوتا تھا۔ راجہ صاحب خود دیوا ستھان کے نگراں کی حیثیت میں امام باڑے میں معائنے اور صفائی کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ فاتحہ خوانی کے بعد علم کا صندوق نکلتا تھا اور چاندی، لوہے، تانبے اور صندل کے پنجے معہ پٹکوں کے جن پر اعلیٰ کارچوبی کا کام ہوتا تھا مختلف عاشور خانوں میں رکھے جانے کے لئے تقسیم کر دیئے جاتے تھے۔ سونے کا علم، قطب شاہی سلطان کی دی ہوئی تلوار اور خود ڈیوڑھی کے عاشور خانے میں جو قلعہ کے پھاٹک ہی سے متصل ہیں، رکھے جاتے تھے۔ تقسیم علم کے بعد یہ ساری چیزیں بڑے ساگر میں غوطے کے لئے جلوس کی شکل میں لے جائی جاتی تھیں اور وہاں سے اپنے اپنے عاشور خانے پہنچائی جاتی تھیں۔ دس دن تک مجلسیں اور فاتحہ خوانیاں ہوتی تھی۔ اِن کے لئے تبرک، شکر، اگربتی، موم بتی، گیس کے ہنڈے اور مشعلیں ریاست کی طرف سے فراہم کی جاتی تھیں۔ ہر عاشور خانے کے لئے ایک امانت دار و ضاکار جن کو یہاں کی اصطلاح میں تبیا کہا جاتا ہے معین کئے جاتے تھے۔ اِن کا کام آثار مقدسہ کی نگرانی ہوتا تھا۔ یہ سلسلہ تین سو برس تک برابر جاری رہا۔

عزاداری کا یہ طریقہ دکنی تھا۔ چھٹی محرم سے جلوس کا سلسلہ شروع ہوتا تھا۔ ساتویں شب کو (یہاں ساتواں خون کہتے تھے) جلوس نکلتے وقت توپیں داغی جاتی تھیں۔ عموماً جلوس ڈیوڑھی کے عاشور خانے سے برآمد ہوتا یا وہاں شاہی طمطراق کے ساتھ قیام کرتا۔ جلوس کے آگے نشان کا ہاتھی ہوتا۔ ہر جلوس میں نوحہ خوانی کا ماتم لازم تھا۔ راجہ صاحب کی طرف سے علم اٹھانے والوں کو، دلدل پکڑنے والوں اور نوحہ خوانوں کو ایک دھوتی اور ایک انگوچھا دیا جاتا تھا۔ صبح عاشور جلوس کی روانگی سے قبل مہاراجہ صاحب اور اُن کے خاندان والے ستیہ دھوج کو سلامی دینے آتے۔ علم پر گلاب پاشی کرتے۔ نوحہ خوانی اور ماتم شروع ہو جاتا۔ کربلا پہنچ کر سارے علموں کو الگ الگ چادروں میں میت کی صورت لپیٹ دیا جاتا۔ سارے چراغ بجھا دیئے جاتے اور تین سو سالہ پرانا قطب شاہی نوحہ "الوداع الوداع شاہ شہیداں الوداع" دہراتے اپنی منزل کی طرف جاتے۔

باب یازدہم

جنوبی ہند میں عزاداری

آندھرا پردیش

آندھرا پردیش کے علاقہ میں حیدرآباد ریاست اور تلنگانہ کا علاقہ شامل ہے۔ ۱۹۴۸ء میں حیدرآباد میں جو پولیس ایکشن ہوا اُس کے بعد آصفجاہی حکومت کا دور ختم ہوا اور حیدرآباد کا علاقہ بھارت یونین میں ضم ہو گیا۔ عزاداری میں وہ تزک واحتشام نہیں رہا۔ تعزیوں اور جلوسوں کی بڑی تعداد ختم ہو گئی صرف بی بی کا علم روز عاشورہ کو نکالا جاتا ہے۔ موجودہ افسران اور اراکین جلوس کے ساتھ عزاخانے جاتے ہیں۔ سنی حضرات بھی بڑی تعداد میں مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں۔ کچھ لوگ اپنے گھروں میں ایک کمرہ عزاداری کے لئے مختص کر لیتے ہیں۔ چند لوگ اب بھی اپنے گھر کی دیواروں پر پریوں، فرشتوں، شیروں وغیرہ کی تصاویر بنوا لیتے ہیں۔ خاصی تعداد میں ہندو اب بھی چھوٹے عاشور خانوں کا انتظام سنبھالتے ہیں۔ آگ پر چلتے ہیں اور جلوس کے انتظام میں شریک ہوتے ہیں۔

حیدرآباد کے تبرکات اور حیرت انگیز واقعات[1]

بی بی کا علم (حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا) ہر سال نواب عظمت جنگ کی ڈیوڑھی دبیر پورہ سے برآمد ہوتا ہے اور ماتمی دستوں کے ساتھ شہر میں گشت کرتا ہوا مغرب کے وقت موسیٰ ندی کے کنارے چادر گھاٹ پل کے قریب ٹھنڈا کیا جاتا ہے۔ خواجہ غلام حسین مورخ گلزار آصفیہ میں لکھتے ہیں کہ یہ علم حیات بخش بیگم نے تیار کروایا تھا۔ اِس کی بنیاد اُس تخت کا ٹکڑا ہے جس پر حضرت علی نے حضرت فاطمہ زہرا (سلام اللہ علیہا) کے جسد مطہر کو غسل میت دیا تھا۔ ناصر الدولہ چوتھے نظام نے اِس پر بیش قیمت جواہرات کی نذر چڑھائی تھی۔ روایت ہے کہ ایک سال بارش نہ ہونے کی وجہ سے خشک سالی کی نوبت آ گئی

---

[1] حیدرآباد کے مقدس تبرکات اور بصیرت انگیز واقعات (مضمون) سید حیدر رضا: راشٹریہ ہت ساپتاہک لکھنؤ محرم نمبر ۶ دسمبر ۲۰۱۱ء، ص ۱۴۔

تھی۔ ناصر الدولہ نے علاوہ (امام باڑے) میں بارش کی دعا مانگی جو مستجاب ہوئی۔ موسلادھار بارش ہوئی منت کے مطابق نظام ناصر الدولہ نے نذر چڑھائی جو علم پر اب بھی آویزاں ہے۔ میر عثمان علی آصفجاہ نظام ہفتم نے اِس امام باڑے کو از سرِ نو تعمیر کرایا۔ البتہ صدر دروازہ و نقار خانہ ابھی تک قدیمی ہے۔ ۲۹ ذی الحجہ کو چاند نمودار ہوتے ہی اِس امام باڑے پر علم نصب ہوتا ہے۔ جب دس محرم کو اِس علم مبارک کا جلوس برآمد ہوتا ہے تو نقارہ اور نوبت اُلٹی کر دی جاتی ہے (یہ رسم عام طور پر بادشاہ کے انتقال پر کی جاتی ہے) علم ایک ہاتھی پر برآمد ہوتا ہے جس کے ساتھ ایک نشان کا ہاتھی چلتا ہے۔ چودہ علم نشان کے ہاتھی کے ہم سفر ہوتے ہیں۔ زائرین کا جلوس آج بھی اِس علم کے ساتھ ہوتا ہے۔

جناب سیدہ کے رومال مبارک کا ٹکڑا

اورنگ زیب اور تیمور سے منسلک واقعہ کا ذکر ہے۔ (جس کا تذکرہ پہلے ایران میں عزاداری کے سلسلے میں ہو چکا ہے)۔ تیمور لنگ نے جب حضرت حُر کی قبر کھدوانی چاہی تو علماء نے کہا اس کے لئے جناب حُر کے ورثا کی اجازت ضروری ہے۔ بہت منت سماجت کے بعد ورثاء نے اجازت دے دی۔ جب قبر کھودی گئی تو دیکھا حضرت حُر کے سر پر حضرت سیدہ کا رومال اب بھی بندھا ہوا تھا۔ تیمور اُس رومال کا ایک ٹکڑا (۲×½۲-۲) کاٹ کر تبرک کے طور پر لے آیا۔ اورنگ زیب کا فرمان مصدرہ ۱۷ شوال مطابق ۱۰۶۹ھ کا، اس صندوقچے کے ساتھ رکھا ہوا جس کا ترجمہ بھی ساتھ ہے جس میں واضح تحریر کیا گیا ہے کہ اس تبرک کو امیر تیمور قبر حُر سے نکال کر لایا تھا۔ مزید لکھا ہے کہ اِس مسئلے میں شریعت کے قاضی الملک ملا احمد اور دوسرے علمائے کرام و مفتیانِ عظام سے استفتاء کیا گیا اُن سب نے کہا یہ متبرک ترین چیز ہے۔ (اِس فرمان میں اورنگزیب نے واضح طور پر لکھا ہے کہ یہ تبرک حضرت فاطمہ کی چادر مطہرہ کا ٹکڑا ہے جسے امام حسینؑ نے حضرت حُر کو میدان کربلا میں عطا کیا تھا) وہ مغلیہ حکمرانوں کے پاس پہنچا جن سے یہ آصفجاہی خاندانوں کے ہاتھوں میں آیا۔ یہ ٹکڑا سونے کے ایک صندوقچے میں حفاظت کے ساتھ رکھا ہوا ہے۔ صندوقچہ پر پہلی مہر امیر تیمور کی ہے اور سلاطین مغلیہ اور آصفیہ کی مہریں بھی لگی ہیں اور نگ زیب کا ایک فرمان (۱۰۶۹ھ) اِس کی تصدیق کرتا ہے۔ اِس تبرک کے پاس سلاطین آصفیہ کی تخت نشینی کی رسم ہوتی تھی۔

عاشور خانۂ حسینی علم

چار مینار سے تقریباً دو میل مغرب میں یہ عاشور خانہ ہے۔ محمد قلی قطب شاہ کے عہد میں ایک مصاحب علی آغا جو حج کے لئے گئے تھے وہاں انہیں امام جعفر صادقؑ کی تلوار حاصل کرنے کا شرف ملا۔ ہندوستان واپس آ کر انہوں نے یہ تبرک قلی قطب شاہ کو نذر کیا۔ سلطان نے اِس کے لئے ایک عاشور خانہ تعمیر کروا دیا، جاگیر عطا کی اور علی آغا کو اُس کا مجاور بنا دیا۔ علی آغا کے

پوتے داراب بیگ نے اِس عاشور خانے کی توسیع کی۔ راجا چندولال نے اِس میں نقار خانے کی تعمیر کا اضافہ کیا۔ اس عاشور خانہ کا لنگر تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ لنگر بیگم حیات بخش نے ولیعہد عبداللہ قطب شاہ کی خیریت سے واپسی پر منت پوری ہونے پر چڑھایا تھا ولیعہد کو لے کر ایک غصہ ور ہاتھی جنگل میں بھاگ گیا تھا بیگم حیات بخش نے منت مانگی تھی کہ ہاتھی کے لنگر کے ہموزن سونے کا لنگر چڑھاؤں گی۔ جب شہزادہ واپس آیا تو منت کے مطابق شہزادے کی کمر میں سونے کا لنگر (زنجیر) باندھ کر گولکنڈے سے پیدل حسینی علم کے عاشور خانے تک لایا گیا جہاں اُس نے حسینی علم پر پھول چڑھائے اور یہ زنجیر (لنگر) مفلسوں، ناداروں، حاجتمندوں مساکین میں بانٹ دی گئی۔ یہ رسم عام ہو گئی۔ لوگ محرم میں لنگر کا جلوس نکالتے ہیں۔ آصفجاہی سلاطین اِس واقعہ کو شاہی رسم کی طرح مناتے رہے۔ نظام ہفتم (میر عثمان علی) لنگر کے جلوس کی تقریب بچے محل سے ملاحظہ فرماتے تھے۔

پنجہ شاہ اور قدم رسولؐ

عبداللہ قطب شاہ میں یہ تبرکات شاہ ایران عباس صفوی کے وسیلے سے حاصل کئے۔ حیدرآباد کے بیشتر اولیائے کرام خصوصاً بابا شرف الدین میر مومن اور حضرت حسین شاہ ولی کے صندل یہیں سے برآمد ہوتے ہیں۔ عاشور خانہ قدم رسول میں آنحضرتؐ کے قدم مبارک کا نقش محمد علی اصفہانی (۱۹۹۶ھ میں) مدینہ منورہ سے لائے تھے۔ میر عثمان علی نے یہ عاشورہ خانہ بنوایا اِس میں کالے پتھر کے دو حوض ہیں۔ عاشور خانہ محلہ پنجہ شاہ ولایت گلزار حوض چار مینار سے مشرق کی سمت ہے۔ سیاہ پتھر پر حضرت علیؑ کے دست مبارک کا نشان ایک درویش منشی علی رضوی لائے تھے اِس عاشور خانے کی عمارت نظام علی خاں آصفجاہ ثانی نے تعمیر کرائی تھی۔

امام باڑہ سر طوق مبارک

آغا محسن خراسانی، شام سے سند کے ساتھ حضرت امام زین العابدینؑ کے طوق کے ٹکڑے لائے تھے یہ طوق حضرت کے گلے میں کربلا سے شام اسیر بنا کر لاتے وقت ڈالا گیا تھا۔ یہ سند دیکھ کر عبد اللہ قطب شاہ نے دارالشفا (مرکزی شفا خانے) کی عمارت کے ایک حصہ میں عاشور خانہ بنوا کر علم میں طوق کے ٹکڑے نصب کرا کے نصب کروا دیا۔

نعل مبارک

حضرت امام حسینؑ کی زرہ (خود) کا وہ حصہ جو ناک اور پیشانی پر پہنا جاتا تھا۔ یہ کسی طرح بیجاپور پہنچا تھا۔ ابراہیم قطب شاہ کو یہ تبرک یوسف عادل شاہ نے بھیجا تھا۔ ابراہیم قطب شاہ اسے علم میں شامل کر کے پتھر گھاٹی کے علاقے میں نصب کرا دیا

اور عاشور خانہ تعمیر کرا دیا۔ نظام علی خاں نے اِس عاشور خانے کو جاگیر عطا کی۔ شب عاشور یہ علم پتھر گھاٹی سے گشت کرتا ہوا بازار نور خاں میں ڈیوڑھی راجا راؤ کے ایک حصے میں جو عاشور خانہ (خوابگاہ کے نام سے مشہور ہے) میں رات بھر کے لئے رکھا جاتا ہے۔

علم حضرت عباس

حضرت نور الہدیٰ اور اُن کے بھائی حضرت مومن صاحب عراق سے حضرت عباس کے علم کے تین ٹکڑے اپنے ساتھ لائے تھے جنہیں لکڑی کے فریم میں آویزاں کروا دیا تھا۔ جس پر صندل کا لیپ لگایا جاتا ہے۔ یہ علم صبح عاشور دیوان ڈیوڑھی سے جہاں یہ نصب ہوتا ہے اٹھایا جاتا ہے۔ نعل مبارک اور علم حضرت عباس دونوں کی شکل اللہ کے لفظ سے مشابہ ہے۔

عزاداری

دلی کے مغل بادشاہ محمد شاہ عالم کے عہد میں حیدرآباد کے صوبیدار آصفجاہ اول نے خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ آصفجاہیوں کا مذہب سنت والجماعت تھا لیکن انہوں نے قطب شاہی تہذیب کو نہ صرف استحکام بخشا بلکہ اِن کے تمام آثار کی حفاظت کی۔ عزاداری کو احترام کے ساتھ باقی رکھا۔ نظام علی خاں آصفجاہ دوم سے اُن کے میر ساماں، میر نوازش علی خاں شیدا کے معروضہ پر بادشاہی عاشور خانے کی مرمت کرا دی، حفاظت کا انتظام کر دیا۔ شیدا کے کہنے پر ہی نعل مبارک عاشور خانے کے صحن کو وسیع کیا گیا۔ شیعوں کو مجالس عزا کی ادائیگی کی مکمل آزادی دی گئی۔ ناصر الدولہ نے بی بی کے علم کی زیبائش کے لئے آویزے دیئے نواب محبوب علی خاں آصفجاہ عزاداری میں حصہ لیتے تھے۔ میر عثمان علی خاں آصفجاہ نے تو اپنی زندگی میں محبت اہل بیت کے لئے وقف کر دی تھی۔ عاشور خانے کے تحفظ کے لئے ٹرسٹ قائم کئے۔ مراسم عزاداری کے لئے سہولتیں مہیا کیں۔ یکم محرم سے ۱۲ محرم تک عہد آصفجاہی میں حیدرآباد میں تعطیل عام ہوتی تھی۔ پھر اربعین وغیرہ کی بھی چھٹی ہوتی تھی۔ عاشور کے دن بی بی کا علم (جو حیدرآباد کی سلامتی کا علم ہے) ہاتھی پر نکالا جاتا ہے یہ شہر میں گشت کرتا ہے۔ اِس علم کی سواری کے لئے ایک ہاتھی خریدا گیا تھا جس کا نام غلام علی تھا۔ عاشور کے دن علم لے کر چلنے کے علاوہ سال بھر اِس سے کوئی اور کام نہیں لیا جاتا تھا۔ اِس کے مرنے کے بعد ایک ہتھنی خریدی گئی اُس کے بعد ایک ہاتھی خریدا گیا جس پر آج کل علم نکلتا ہے۔ یہ ہاتھی دوسرے تعزیوں میں بھی لے جایا جاتا ہے۔

حیدرآباد میں اتنے عاشور خانے اور علوے ہیں جن کا شمار مشکل ہے۔ شہر کے اندر ہی ۵۰، ۶۰ کے قریب قدیم عزاخانے ہیں اور جدید عاشور خانوں کی تعداد ۱۵ سے ۲۰ تک ہے۔ چند کے نام ہے قدیم عاشور خانہ مہدی اقبال، نعل مبارک، بادشاہی

عاشور خانہ، اور حضرت قاسم، الاوہ حضرت علی اکبر، امام باڑہ رین بازار، الاوہ یتیماں (پسران حضرت مسلم) عاشور خانہ چار نعل صاحب، سر طوق مبارک، فتح دروازہ، عاشور خانہ مہ لقا، عاشور خانہ پنج بھائی، بارگاہ ابوالفضل عباس، بڑا عاشور خانہ گولکنڈہ، حسینی علم، الاوہ بی بی، پنجہ ولایت شاہ، قدم رسولؐ، عاشور خانہ مولی علی، عاشور خانہ ملگا جگری، عاشور خانہ قطبی گورہ، عاشور خانہ شیر آباد، عاشور خانہ جمشید علی خاں، لوہے کی کمان عاشور خانہ قطبی گورہ، نقش کربلا وغیرہ۔ جدید عاشور خانوں میں عزاخانہ زہرا، یادگار خورشید، بیت القائم، یادگار حسینی، بارگہ فاطمہ، عاشور خانہ مسجد علی وغیرہ خاص ہیں۔

حیدرآباد کے مراکز عزا میں حسینیہ عنایت جنگ ڈیوڑھی کمال یار جنگ، بیت القائم، الاوہ سر طوق بیمار کربلا، حسینیؑ کوٹھی، عبادت خانہ حسینی خاص ہیں۔ یہاں مومنین کے بڑے اجتماعات ہوتے ہیں اور ڈھائی مہینے مجالس برپا ہوتی ہیں۔ عشرہ اول کی مجالس کا تو شمار ہی مشکل ہے۔ باقی عشروں میں روزانہ سو سوا سو مجالس ہوتی ہیں۔ مختلف محلوں میں شیعہ حضرات کے گھر پر جو مجالس ہوتی ہیں وہ آہ و بکا تک محدود ہیں۔ مومنین ایک دوسرے کے گھر جاتے ہیں۔ صبح سے رات کے گیارہ بجے تک اسی عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ یہ دورے کی مجلس کہلاتی ہیں۔ کھانے کے عام اوقات کے حساب سے (جن گھروں میں یہ مجالس ہوتی ہیں) تبرک میں کھانا کھلایا جاتا ہے۔ دورہ صبح سے شروع ہوتا ہے۔ جس گھر میں نماز صبح کے بعد پہلی مجلس ہوتی ہے وہاں شیر مال اور چائے کا تبرک ہوتا ہے۔ پھر ہر گھر میں نمک پارے، شکر پارے، نقل، دال سیو، کھاری بوندی، میٹھی بوندی، وغیرہ تبرک ملتا رہتا ہے۔ مجالس کا یہ سلسلہ جس گھر میں صبح ۹ بجے سے گیارہ بجے تک ہوتا ہے وہاں دال چپاتی تبرک میں دی جاتی ہے۔ دوپہر میں جس مومن کے گھر دورہ پہنچتا ہے وہاں کھچڑی، اچار یا کھٹا یا قبولی اور دہی کی چٹنی پیش کی جاتی ہے۔ ظہرین کے بعد پھر دورہ شروع ہوتا ہے جو دیر رات گئے تک جاری رہتا ہے۔ چار بجے کہیں تبرک ملے گا۔ رات کے کھانے میں وہی کھچڑی یا قبولی تبرک میں ملے گی۔ دورہ مختلف مومنین کے گھر مختلف اوقات میں پہنچتا ہے تاکہ ایک شخص پر ہی کھانے کا بار نہ پڑے۔ تبرک میں پہلے گلاس، پیالی، نمکدان، کٹورے، طشتری، مرتبان وغیرہ دیے جاتے تھے۔ سادگی کا خیال رکھا جاتا تھا۔ عزادار مومنین کے گھروں میں روزانہ استعمال کی کئی چیزیں پہنچ جاتی تھیں۔ اب یہ انداز تبرک بدل رہا ہے۔

حیدرآباد میں محرم میں سیاہ لباس پہننے کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ سیہ لباس شیعوں کی واضح شناخت بن گیا ہے۔ محرم کا چاند نمودار ہوتے ہی حیدرآبادی مسلم خواتین اپنے زیور اُتار دیتی تھیں۔ (سہاگ کی علامتیں لچھا اور چوڑیاں تک اتار دیتی تھیں) ہر قسم کے بناؤ سنگار سے اجتناب کرتی تھیں۔ گھر میں کھانا سادہ، نرم بستر استعمال نہیں ہوتا تھا۔ ہر گھر غم حسین میں سوگوار ہوتا تھا۔ مراسم عزا میں فقیری، مہندی، روٹ، شربت، کھچڑی، حاضری اور سقہ بننا۔ عصر عاشور کے بعد فاقہ کشی، ۱۱ محرم کو چراغوں کا کھانا، زیارت، دسواں، بیسواں، مہینہ اور چہلم کی فاتحہ اہم ہیں۔ پہلے یکم محرم سے اربعین تک لکھنؤ سے

مرثیہ خواں آتے تھے۔ یکم ربیع الاول سے ۷ ربیع الاول کے بیچ طرحی مسالمے ہوا کرتے تھے۔ اب مجالس ہی ہوتی ہیں۔ آج کل نوجوان نسل زیادہ انہماک سے شریک ہوتی ہے۔ یکم ربیع الاول سے ۷ ربیع الاول تک مجالس کا سماں پہلے عشرے جیسا ہی رہتا ہے۔ رات اور دن کہیں نہ کہیں مجلس برپا ہوتی ہی رہتی ہے۔

دکنی قبائل میں عزاداری

حیدرآباد کی پرانی ریاست کے قبائلی علاقے میں بھی محرم منانے کی روایت ہے۔ دکن کے گھنے جنگلوں اور مشرقی گھاٹ کی پہاڑی وادی میں بسنے والے قبیلوں میں بھی حضرت امام حسینؑ اور کربلا سے روحانی رابطہ ہے۔ گونڈ، بھیل، پاردی، کیکاڑی اور لسبارڈے قبائل محرم کا چاند نمودار ہوتے ہی تاڑ کے پتوں کا علم بنا کر ایک جھونپڑی پر نصب کر دیتے ہیں جو صرف مراسم عزا کے لئے ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ پہاڑی پر بنا ہوا ایک پرانا قلعہ بھی ہے جس کا ایک حصہ محرم میں کھولا جاتا ہے اور ۴۰ دن بعد بند کر دیا جاتا ہے۔

آندھرا کے دیہی علاقوں میں غیر مسلم خواتین کی عزاداری[1]

محرم کے دوران مراسم عزاداری غیر مسلم خواتین بہت عقیدت اور احترام سے مناتی ہیں۔ پیرلا پنڈاگا (عاشورہ محرم کے لئے آندھرا میں مقبول اصطلاح) کے موقع پر یہاں چھوٹے چھوٹے گاؤں اور قصبوں میں غیر مسلم زائرین اور عقید تمند پڑوسی راجیوں سے آکر جمع ہو جاتے ہیں۔ یوم عاشورہ کو پیرلو (یعنی علم) کا جلوس دیکھنے کے لئے بہت بھیڑ ہوتی ہے۔ اِن تقریبات میں مرد و زن سبھی حصہ لیتے ہیں جن میں مقامی تہذیبی رنگوں کی آمیزش صاف نظر آتی ہے۔ پرانے زمانے کے مقابلے میں آج عورتوں کا رول (حصہ) چند مخصوص رسومات تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔

حیدرآباد سے ۳۵ کلومیٹر دور ابراہیم پٹنم میں جہاں بارہ عاشور خانے ہوا کرتے تھے اب نئی تعمیرات کے سبب صرف ایک باقی بچا ہے۔ حالانکہ یہاں کوئی شیعہ نہیں ہے مگر محرم کی پہلی تاریخ کو یہاں علم کھڑے کر دئے جاتے ہیں اور سبھی لوگ یہاں بلا تفریق مذہب وملت اپنی عقیدتیں پیش کرنے آتے ہیں۔ عورتیں نہ صرف مختلف مرادوں کے لئے منت مانتی ہیں بلکہ ماتم بھی کرتی ہیں اور ہر سال اسی عقیدت سے محرم منانے کا عہد بھی کرتی ہیں۔ منتیں پوری ہونے پر تین دن کا روزہ رکھتی ہیں۔ کھچڑی اور سوکھے ناریل (گولا گری) کی قاشوں پر نظر دی جاتی ہے۔ عاشور خانے میں موجود مساکین و فقراء کو خیرات دی جاتی ہے۔ ایک زمانے میں اِس جگہ چھوٹے نعل صاحب، بڑے نعل صاحب، بی بی کا علم، چاند صاحب کا علم وغیرہ

---

1. آندھرا کے دیہی علاقوں میں غیر مسلم خواتین کی عزاداری (مضمون) رانی مکھرجی مشمولہ راشٹریہ سہارا محرم نمبر ۳۰ جنوری ۲۰۰۷، ص ۳۵۔

بطور خاص اُٹھائے جاتے تھے۔

شہر کاری کے سبب حیدرآباد کے نواحی علاقوں میں محرم کی گزشتہ آب و تاب باقی نہیں لیکن تلنگانہ سے متعلقہ آندھراپردیش کے ساحلی علاقوں میں محرم کے مراسم اب بھی زور شور سے منائے جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مدراس کے کپلیشور کے شیو مندر کے حوض میں کچھ علموں کو سِرایا جاتا ہے۔اِس تقریب میں مندر کے پجاری کے علاوہ مقامی افراد بھی عقیدت واحترام سے حصہ لیتے ہیں۔ علموں کو پانی میں ٹھنڈا کرنے سے قبل عورتیں ہندو رواجوں کے تحت علموں کی آرتی اتارتی ہیں۔

آندھراپردیش کے چتور اور نیلور (دو سرحدی اضلاع) میں محرم کی پہلی تاریخ سے ہی سب سرگرم ہو جاتے ہیں۔ مسلم اور غیر مسلم عورتیں پیرلا پنڈگا (علم) کے ارد گرد جمع ہو کر شربت، میٹھے مُرمُرے (ٹوٹے ہوئے میٹھے چاول) اور چنے کی بھنی دال کا نذرانہ پیش کرتی ہیں۔ عورتوں کی اکثریت اِن رسومات میں حصہ لیتی ہے۔ ہندوؤں میں جو بچے بہت منت مرادوں کے بعد پیدا ہوتے ہیں اُن کے نام میں حسن یا حسین لگا دیتے ہیں۔ جیسے رام حسن یا حسین رنگیا یا بی بی ناچاری وغیرہ۔ منت ماننے والی عورتیں نویں یا دسویں محرم کو نہا دھو کر آگ کا طواف کرتی ہیں اور آگ میں سوکھے ناریل کے ٹکڑے، کُم کُم یا پسی ہلدی ڈالتی ہیں۔ وہ تالی بجا کر آہنگ کے ساتھ آہ حسین کہتی ہیں۔ کچھ عقیدتمند گونڈام (آگ) پر سے گزرتے ہیں۔

یہاں کی عورتیں علامتی انداز میں محرم کرتی ہیں۔ علم یا پنجہ کے سامنے مٹی کا نیا برتن رکھ کر اُس پر ایک چراغ روشن کر دیا جاتا ہے۔ روزانہ علم پر پھولوں کا سہرا یا سیج چڑھائی جاتی ہے۔ عشرۂ محرم کے درمیان گوشت یا مچھلی کھانے سے اجتناب کیا جاتا ہے۔ دسویں محرم کو عورتیں اِس مٹی کے برتن کے سامنے طواف کرتے ہوئے اردو میں کربلا سے متعلق نظمیں گاتی ہیں جس کا لہجہ تیلگو ہوتا ہے لیکن جو نظم وہ گاتی ہیں اُس کے آدھے حصے کا بھی وہ مطلب نہیں جانتی۔

کرنول جو آندھراپردیش کا اہم شہر ہے۔ جس کی آبادی ۴۵% مسلمان حضرات کی ہے وہاں بھی محرم کی تقریبات میں آگ کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ یوں تو اونچی ذاتوں کی عورتیں اِن تقریبات میں حصہ نہیں لیتیں لیکن کوئی منت پوری ہونے یا منت ماننے کے لئے پیرلا چاوڑی کی زیارت کرتی ہیں۔ ان پڑھ ہونے کے باوجود دیہی عورتیں محرم سے واقف ہیں سوگ کے دنوں میں کوئی خوشی کی تقریب نہیں منائی جاتی، نہ شادی سگائی، یا بچہ ہونے یا اور کوئی خوشی کی تقریب نہیں مناتیں۔ نئے کپڑے نہیں خریدتیں نہ ہی نئے کپڑے اِن دنوں میں پہنتی ہیں۔ مفلسوں ناداروں کو خیرات دی جاتی ہے۔ معاشی طور پر کمزور عورتیں بھی یہ نیک کام کرتی ہیں۔

کرناٹک میں عزاداریِ شہیدانِ کربلا

دلی کی مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد دکن میں نئی ریاستوں کا قیام ہوا۔ صوبیداروں نے اعلان خود مختاری کر کے اپنے کو آزاد کر لیا۔ دکن میں کئی شیعہ ریاستیں وجود میں آئیں۔ موجودہ کرناٹک ریاست میں کئی پرانی ریاستیں شامل ہیں اِن میں سے میسور، ہولے نرسی پور (ضلع حسن) گلبرگہ شریف اور کلیانی کے محرم کا تذکرہ نیچے درج ہے۔

میسور[1]

میسور کا محرم قابل دید ہوتا ہے۔ محرم کا چاند نمودار ہوتے ہی چاروں طرف یا حسین کی صدائیں بلند ہونے لگتی ہیں۔ عاشور خانوں میں تابوت، علم، ضریح مبارک، گہوارہ وغیرہ سجا دئے جاتے ہیں۔ مجالس اور جلوس کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ مجالس میں یوں تو سلام، مرثیہ، مسدس، مخمس، قطعات و رباعیات پڑھے جاتے ہیں لیکن میسور والے کلام انیس و دبیر کو زیادہ پسند کرتے ہیں۔ سوز خوانی، نوحہ خوانی، بھی ہوتی ہے۔ محرم شروع ہوتے ہی سبھی عاشور خانوں کے دروازوں پر علم نصب کر دیا جاتا ہے۔ علم کو دکن میں "پنج" کہتے ہیں جو کہ سونے، چاندی، پیتل اور تانبے کے ہوتے ہیں۔ میسور شہر میں ۲۵ عاشور خانے ہیں جن میں ۲ ماہ ۸ دن تک عزاداری کا سلسلہ رہتا ہے جو چاند رات کی مجلس سے ہوتا ہے۔ یہ مجلس انجمن حسینیہ کی جانب سے ہوتی ہے۔ یہ مسجد جعفری لشکر محلہ میں واقع ہے[2]۔

عاشور خانے زیادہ تر منشی محلہ، راگی منڈی اور سجاد علی میں ہیں۔ راگی محلہ کے عاشور خانوں کے نام ہیں عسکری عاشور خانہ، بھکیری عاشور خانہ، رحیم دل کا عاشور خانہ، میر فیاض علی فیاضی کا عاشور خانہ اور جلوہ زار جس کی تعمیر ۱۹۵۰ء میں مکمل ہوئی۔ اِس عمارت کو میسور اسٹیٹ کے دیوان میر حمزہ حسین نے تعمیر کروایا۔ اِس کے نزدیک ہی بڑا نام کا عاشور خانہ ہے۔ سجاد علی اسٹریٹ میں بھی کئی عاشور خانے ہیں۔ قدیم فیاضی کے عاشور خانے میں ۲ ماہ ۸ دن تک سوگ منایا جاتا ہے۔ یہاں کی ضریح مبارک نواب حیدر علی نے نذر کی تھی۔ یہاں پنجہ، ذوالفقار اور جھولا بھی ہے۔ مشہور یہ ہے کہ ذوالفقار وہی ہے جو حضرت علی کے پاس تھی اور یہ جھولا بھی وہی ہے جو جناب علی اصغرؑ کا تھا۔ دیگر عاشور خانوں میں میر حیدر حسین کا عاشور خانہ، میر غلام حسین کا عاشور خانہ، میر نصرت علی کا عاشور خانہ، بڑے گھر کا عاشور خانہ، نئے گھر کا عاشور خانہ، الحاج میر اسد علی کا عاشور خانہ اور مقبول فیاضی کا عاشور خانہ وغیرہ ہیں۔

---

۱. میسور کا محرم: مضمون الحاج میر ناصر علی اور الحاج میر عارف علی، مشمولہ راشٹریہ سہارا، محرم نمبر، ۳۰ جنوری ۲۰۰۷، ص ۴۲-۴۳۔
۲. ایضاً۔

۷ محرم: میسور کی محرم کی ساتویں بہت مشہور ہے۔ لوگ دور دور سے شرکت کرنے آتے ہیں۔ جلوس دوپہر بعد برآمد ہوتا ہے۔ سبیل کا انتظام ہوتا ہے۔ پانی اور شربت پلایا جاتا ہے۔ منشی کے محلہ میں عاشور خانہ میر صاحب اور چچا بھائی نے عاشور خانے میں چہلم کی مجالس ہوتی ہیں۔ حیدر علی کے عاشور خانے میں ۱۱ محرم سے چہلم تک علم مبارک سجا رہتا ہے۔ سبیل کا جلوس مشک بہشتی پر ختم ہوتا ہے۔ اِس کے بعد سوگوار اپنے آپ کو زنجیروں میں باندھ کر علم مبارک کے سامنے گریہ کرتے خاموش جلوس نکالتے ہیں۔ ۳ بجے دن میں مجلس ساتویں کے عاشور خانے میں منعقد ہوتی ہے۔ جلوس سبیل حضرت قاسم کی یاد میں نکالا جاتا ہے۔ سب کی زبان پر ہوتا ہے "دولہا مرنے چلا ہائے واویلا" نزدیک ہی سرکار صاحب کا عاشور خانہ ہے جہاں سے علم برآمد ہو کر مرکزی جلوس میں شامل ہو جاتا ہے۔ جلوس میں علم خاصی تعداد میں ہوتے ہیں۔ سینہ زنی، زنجیر و قمع کا ماتم ہوتا ہے۔ جلوس میں سب کی زبان پر ہوتا ہے "کس شان سے لاتے ہیں شہنشاہ دو عالم قاسم کا جنازہ"۔ ۵ بجے شام کو یہ جلوس گریہ زاری کرتا عاشور خانے واپس آ جاتا ہے۔

۸-۹-۱۰ محرم: راگی محلہ سے بڑے نام کے عاشور خانے سے حضرت عباس کی مجلس ہوتی ہے۔ شب عاشور کو بڑی تعداد میں لوگ جمع ہو کر تمام رات گریہ کرتے ہیں۔ ۸ اور ۹ محرم کو مجالس ہوتی ہیں۔ قریب ہی کولار بڑا عاشور خانہ واقع اشوک روڈ اور میاں کا مکان عاشور خانہ ہے جہاں تمام رات مجلس ہوتی ہے۔ ۱۰ محرم کو جعفری مسجد سے جلوس برآمد ہوتا ہے۔ تمام عاشور خانوں کو سلامی دی جاتی ہے اور اختتام رشک بہشت (میسور کا سب سے بڑا عاشور خانہ جس کی تعمیر ۱۷۷۷ء میں ہوئی تھی جہاں سال بھر مجالس کا سلسلہ رہتا ہے) پر ہوتا ہے۔ مجلس شام غریباں دسویں کی شام کو منعقد ہوتی ہے۔

میسور میں ائمہ کی ولادت اور شہادت کی محافل و مجالس ہوتی ہیں۔ بی بی فاطمہ کی پیدائش کی تاریخ بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی ہے جس میں مستورات بڑی تعداد میں شریک ہوتی ہیں۔ ۱۹ رمضان کو علم سجائے جاتے ہیں۔ حضرت علیؑ کی شہادت کا سوگ ۳ دن تک منایا جاتا ہے۔ میسور میں آباد ایرانی خاندانوں میں عام طور پر شہادت نامے پڑھے جاتے تھے اور روضہ خوانی کا رواج عام تھا۔ جس میں روضۃ الشہدا پڑھی جاتی تھی بعد میں اردو مرثیے بھی پڑھے جانے لگے[1]۔

میسور کی موجودہ عزاداری کے متعلق ڈاکٹر رشید موسوی لکھتی ہیں:

"موجودہ زمانے میں ہر سال حضرت قاسم کا علم ایستادہ کیا جاتا ہے۔ اور ساتویں محرم کو علم کی سواری اٹھائی جاتی ہے۔ جس میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ شریک ہوتے ہیں۔ امام حسینؑ کے گھوڑے ذوالجناح کے نام سے ایک گھوڑے کو موسوم کرکے دسویں محرم کو گشت کرایا جاتا ہے۔ عام طور پر محرم کا چاند نظر آتے ہی تمام عزادار

[1] رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۳۴۷۔

عاشور خانوں سے اپنے سروں پر علم مبارک کے صندوقچے اُٹھائے درد بھرے انداز میں سوز پڑھتے ہوئے نکلتے ہیں اور گشت کرتے ہیں۔ پانچویں محرم حضرت علی اکبر کی سواری نکلتی ہے اور علم کا گشت ہوتا ہے۔ ساتویں کو سبیلیں پڑھتے ہوئے جلوس ماتم نکلتا ہے"[1]۔

ڈوڈبل پور

یہ پرگنہ خاص طور پر شیعیت کا مرکز بن گیا کیونکہ اِس کے اکثر نواب شیعہ مسلک رکھتے تھے جن کے اثر میں میسور میں عزاداری کو تقویت پہنچی۔ ڈاکٹر رشید موسوی نے نواب عباس قلی خاں کا خاص طور پر ذکر کیا ہے جس نے (۱۷۱۹ء) میں ایک امام باڑہ تعمیر کروایا تھا[2]۔ جب حیدر علی نے سلطنت خداداد کی بنیاد رکھی تو وہ خود اور اُس کا بیٹا ٹیپو سلطان شیعہ مسلک رکھتے تھے۔ لہٰذا اِن کے دربار میں کئی ایرانی علماء ملازم ہو گئے۔ جن میں نواب میر غلام علی خاں مشہدی (وزیر و سفیر) میر محمد صادق (وزیر اعلیٰ) میر سجاد علی فیاضی، میر غضنفر علی فیاضی اور میر عسکری علی فیاضی مشہور ہیں۔ میر سجاد فیاضی، غضنفر فیاضی اور میر عسکری فیاضی نے سری رنگا پٹنم میں امام باڑے تعمیر کروائے جن کا خرچ شاہی خزانے سے ملا کرتا تھا[3]۔

گلبرگہ شریف[4]

یہاں خواجہ بندہ نواز کی درگاہ ہے۔ خواجہ صاحب کا سلسلہ امام زین العابدینؑ سے ملتا ہے۔ اس درگاہ کے گنبد کے اندرونی دیوار پر نادِ علی کندہ ہے۔ گلبرگہ شریف میں عشرہ محرم میں روضۂ خرد کے سجادہ صاحب کے دیوان خاص میں محرم میں چاند رات سے علم مبارک ایستادہ ہوتے ہیں اور مجالس ہوتی ہیں۔ اِس کے علاوہ سید مہدی حسین عابدی داروغۂ باغات کے مکان واقع محلہ جگت میں علم مبارک ایستادہ کرتے ہیں اور مجالس عزا ہوتی ہیں۔ (سید مہدی صاحب نوگاواں سادات جے پی نگر کے متوطن تھے۔ ملازمت کے سلسلے میں یہاں آئے تو یہیں کے ہو رہے)۔ مولوی سید مرغوب احمد کا عاشور خانہ بھی ہے۔ مولوی صاحب کے مکان میں مجالس ہوتی رہتی تھیں۔ اُن کا ۴۰ سال قبل انتقال ہو گیا تھا انھوں نے اپنے مکان کا عاشور خانہ عزاداری کے لئے وقف کر دیا۔ اِس عاشور خانے کے نزدیک سید عزیز حسین عابدی صاحب کا مکان ہے جہاں مجالس منعقد ہوتی ہیں۔

---

۱. ڈاکٹر رشید موسوی: دکن میں مرثیہ اور عزاداری، ص ۸۸-۸۹۔
۲. ایضاً، ص ۸۲۔
۳. مولوی نذیر احمد میسور، بحوالہ رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۳۴۷۔
۴. گلبرگہ شریف کی عزاداری، (مضمون) سید سجاد حسین عابدی، راشٹریہ سہارا محرم نمبر ۳۰ جنوری ۲۰۰۷ء، ص ۴۳۔

مولوی سید علی احمد صاحب زیدی کے مکان (واقع مومن پورہ) میں زنانی مجالس ہوتی ہیں۔

ریلوے اسٹیشن کی آبادی میں ایرانی عاشور خانہ تعمیر ہوا ہے جہاں ہر سال علم مبارک ایستادہ کئے جاتے ہیں۔ عشرہ اس میں مجالس برپا کی جاتی ہیں جو شب عاشور تک ہوتی ہیں۔ دس محرم کو جلوس اِس عاشور خانے سے نکل کر تالاب محلہ مجت پر ختم ہوتا ہے۔ سینہ زنی کے ساتھ زنجیری ماتم بھی ہوتا ہے۔ لوگ بڑی تعداد میں شریک ہوتے ہیں۔

ہولے نرسی پور[1] (ضلع حسن)

میسور سے تقریباً ۱۰۰ کلو میٹر دور قصبہ نرسی پور جنگل کے علاقے کے پاس ہے۔ اِس قصبے میں تقریباً ۲۰ عاشور خانے ہیں جبکہ یہاں کی آبادی میں ڈھائی سو گھر شیعوں کے ہیں۔ یہاں عزاداری کو فروغ دینے والوں میں مولانا سید نظر حسین اور جناب بدھن بیگ صاحب کے اسمائے گرامی ہیں۔ مولانا وسیم حیدر نے اِس سلسلے کو اور وسیع تر کیا اور کئی جلوس قائم کئے جو پہلے برآمد نہیں ہوتے تھے۔ اِس قصبے میں محرم کا چاند نظر آتے ہی ماتم کی صدائیں گونج اُٹھتی ہیں۔ پہلے بچے حضرت علی اصغر کی شہادت یاد کرتے ہوئے عاشور خانوں میں جمع ہوتے ہیں جہاں علموں کو بکسوں (جنہیں یہاں پٹارے کہا جاتا ہے) میں محفوظ رکھا جاتا ہے۔ سب سے پہلا جلوس پٹاروں کا عزاخانۂ شہیدان کربلا سے برآمد ہوتا ہے۔ تمام صندوق عاشور خانے پہنچا دئے جاتے ہیں اور مجالس شروع ہو جاتی ہیں۔ موضع کیل کے تمام باشندے مع اہل و عیال نرسی پور میں عشرہ تک قیام پذیر رہتے ہیں۔ اسی طرح سے ۴ محرم تک صرف مجالس کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ پانچویں سے جلوس شروع ہوتے ہیں۔

پانچویں محرم: پانچویں محرم کی رات کو ایک مجلس عزاخانہ زینبیر میں منعقد ہوتی ہے۔ اِس کے بعد عاشور خانہ مرزا قاسم علی نمبر مرچنٹ سے جلوس نکلتا ہے۔ اِس جلوس میں جناب عون و محمد کے علم ہائے مبارک ہوتے ہیں جو شہید محلہ اور لشکر محلہ کا گشت کر کے اسی عاشور خانے میں تمام ہوتا ہے۔

ساتویں محرم: شیعہ محلہ ہولے نرسی پور میں سبیلیں لگادی جاتی ہیں (۸ تاریخ کو نماز ظہرین کے بعد سبیلی جلوس نکالا جاتا ہے جس میں سبیلی کے متعلق اشعار پڑھے جاتے ہیں) اِس تاریخ کو جہاں مجلس ہوتی ہے اِس عزا کا نام ساتویں کا عاشور خانہ رکھ دیا جاتا ہے۔ ڈھائی بجے دن میں مجلس گریہ منعقد کی جاتی ہے۔ اِس کے فوراً بعد جلوس برآمد ہوتا ہے جس میں چھوٹے بڑے سب ماتم کرتے ہیں۔ نوحہ خوانی بھی ہوتی ہے۔ پورے نرسی پور کا گشت لگا کر اسی قصبہ کی ہیماوتی ندی پر جلوس کا اختتام ہوتا ہے۔ وہاں شربت پلایا جاتا ہے۔

---

[1] ہولے نرسی پور میں عزاداری ضلع حسن (مضمون) میر شاہد علی کرناٹکی بشمولہ راشٹریہ سہارا محرم نمبر ۳۰ جنوری ۲۰۰۷ ص ۴۲۔۴۳۔

آٹھویں محرم: شب میں تقریباً ساڑھے نو بجے عاشور خانہ بارہ امام میں مجلس ہوتی ہے۔ بعدہٗ جلوس برآمد ہوتا ہے جو حضرت عباس سے منسوب ہے۔ اِس میں شرکت کرنے کے لئے میسور، بنگلور، شموگا، پرپائے پٹن، علی پور، چندرائے کیٹن وغیرہ سے مومنین آتے ہیں۔ اِس جلوس میں حضرت عباس کا علم برآمد ہوتا ہے اور جناب علی اصغرؑ کا جھولا اور مشعلیں بھی برآمد ہوتی ہیں۔ اِس جلوس میں نوحہ خوانی اور سینہ زنی ہوتی ہے۔

نویں محرم: دن بھر مجلسوں کا سلسلہ چلتا ہے۔ صبح ساڑھے نو بجے عاشور خانہ اکبریہ میں ایک مجلس ہوتی ہے۔ شب بیداری ہوتی ہے دوسرے مذاہب کے لوگ عزاخانے میں سلام اور نذرانہ عقیدت پیش کرنے آتے ہیں۔

یوم عاشورہ: بعد نماز فجر عاشور خانہ بارہ امام سے ایک جلوس برآمد ہوتا ہے جو قصبہ کی ندی پر جاکر ۱۰ بجے دن ختم ہوتا ہے۔ وہیں تمام مومنین اعمال عاشورہ بجالاتے ہیں اِس کے بعد ½۱۲ بجے دن عزاخانہ شہیدان کربلا میں مجلس ہوتی ہے۔ اِس کے بعد جلوس ذوالجناح نکلتا ہے۔ جو ساتویں کے عاشور خانے پر تمام ہوتا ہے وہاں آگ پر ماتم ہوتا ہے۔ اِس کے بعد جلوس تعزیہ نکلتا ہے جو ندی پر ختم ہوتا ہے جہاں علم بڑھائے جاتے ہیں۔ عزاخانہ شہیدان کربلا میں ماتم ختم ہوتا ہے۔ ساتویں کے عاشور خانے میں فاقہ شکنی کا انتظام ہوتا ہے۔ تمام مومنین مرزا قاسم علی صاحب نمبر مرچنٹ کے عاشور خانے میں فاقہ شکنی کرتے ہیں۔ عزاخانہ شہیدان کربلا میں شام غریباں ہوتی ہے۔ ۱۲ محرم کو سیوم کی فاتحہ خوانی کی مجلس ہوتی ہے۔ ۸ ربیع الاول تک مجلس کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

ہولے نرسی پور میں ۲۰ عزاخانے ہیں جن میں سے چند کے نام ہیں، ساتویں کا عاشور خانہ، عزاخانہ حسینیہ، عزاخانہ زینبیہ، بڑا عاشور خانہ، عزاخانہ اکبریہ، عزاخانہ شہیدان کربلا، عباسی عاشور خانہ، عاشور خانہ بارہ امام، عاشور خانہ ایرانی، عزاخانہ زینبیہ میں ۲۴ صفر سے ۲۸ صفر تک زنانی مجالس ہوتی ہیں۔ جناب زینب کے نشان سات پردوں میں نصب کئے جاتے ہیں۔ اِس پروگرام کو ثانئ زہرؑ کی مخصوصی کہا جاتا ہے۔ دور دور سے عورتیں شریک ہونے آتی ہیں۔

کلیانی[1]

ایک زمانے میں یہ مضبوط قلعے والی چھوٹی سی ریاست تھی۔ بہمنی سلطنت کے بعد یہ گولکنڈہ اور حیدرآباد کے قطب شاہی شیعہ خاندان کے تسلط میں آگیا۔ بعد میں یہاں کے حکمراں آصفجاہی خاندان کے وفادار رہے۔ بیدر اور رائچور کے درمیان واقع یہ علاقہ اب کرناٹک راجیہ کا حصہ ہے۔ کلیانی میں عزاداری کی ابتدا ۸۱ ویں صدی کے اواخر میں سید محمد بابر حسین نے

۱۔ آندھرا پردیش میں عزاداری۔ روایت، ماضی اور حال، (مقالہ) ڈاکٹر رحمت علی خاں، دوروزہ سمینار ہندوستان میں سنت عزاداری، راہ اسلام جنوری۔جون ۲۰۰۷ خانہ فرہنگ ایران۔ نئی دہلی، ص ۲۵۱۔

کی۔ نوابی دور کی عزاداری کی تفاصیل سید محمد جمال الدین حسین خاں کی کتاب، "کلیانی کا محرم" حیدرآباد ۱۹۴۹ میں دی گئیں ہیں۔ قمری مہینہ ذی الحجہ کے شروع ہونے پر گیارہ گولے داغے جانے کے بعد مراسم عزاداری کا آغاز ہوتا تھا۔ توشہ خانوں، عاشور خانوں کی چابیاں کلید برداروں کو دے دی جاتی تھیں۔ عاشور خانوں کی صفائی، قلعی، روشنی اور سجانے کا انتظام ہوتا تھا۔ علی غول (نجی فوج) لوگوں میں مشعلوں اور نوجوں کے جلوس کے ساتھ اطلاع پہنچاتی تھی۔ مختلف تاریخوں پر علم نصب کئے جاتے، علموں کے جلوس نکالے جاتے، مجالس زنانی اور مردانی ہوتیں جس میں مرثیہ اور نوحہ خوانی ہوتی تھی۔ ہر تین گھنٹے بعد معارفہ بجایا جاتا تھا۔ مختلف تاریخوں پر جلوس برآمد ہوتے جن میں سوانگ کی ٹولیاں بھی ہوتی تھیں۔ جانوروں کا معائنہ ہوتا تھا جن کو جلوس کے لئے منتخب کیا جاتا تھا۔ نواب فقیر بنتا، گلفروش بنتا، بھڑنگ کا سوانگ بھرتا (چہرے پر رنگ لگاتا، گلے میں جھولا لٹکاتا، اُسے خیرات دی جاتی تھی)۔ جانوروں کے لئے فقیری ناڑے پیش کرتا۔ علموں کو دھتیاں پیش کی جاتیں۔ ۶ محرم سے ۱۰ محرم تک مجالس کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ علموں کی گل پوشی حاضری کی تقسیم ہوتی۔ علم پر سہرے چڑھائے جاتے۔ نویں کو سب مٹی کی رکابیوں میں کھانا کھاتے۔ دھتیاں پیش کی جاتیں۔ دس دن گوشت کا استعمال بند رہتا۔ ۱۰ محرم کو آثار کی زیارت ہوتی (امام حسین تسبیح، موئے مبارک امام، کھال پر کوئی زبان میں لکھا امام عالی مقام کا خط) جلوس میں حضرت حسین کے نشان والا ہاتھی ہوتا۔ پھر نواب علم کے نزدیک چاندی کے بکس میں رکھی اماموں سے متعلق منیاتور تصاویر دیکھتا۔ دس محرم کو شاہی مطبخ بند رہتا نو تاریخ کو ہی کھانا تیار کر لیا جاتا تھا۔ کھانے کے بعد نواب سگِ حسین کا سوانگ بھر کر قبولی کھاتا پھر جلوس شروع ہوتا۔ آگے منبر کا علم اور سب سے پیچھے بی بی کا علم ہوتا، نواب اور عام لوگ علموں کی سلامی کے لئے ننگے پیر ہوتے۔ شام کو پترانت تالاب کے کنارے علم کھول دئے جاتے۔ سب علموں کو عرق گلاب اور دودھ سے دھویا جاتا تھا۔ پھر عطر لگایا جاتا۔ گل پوشی ہوتی بکسوں میں علم رکھ کر لے جایا جاتا۔ اُس کے بعد شربت اور حاضری کا کھانا ہوتا۔ روشنی اُتار دی جاتی تھی۔ مگر عرب مرفس کھیلتے رہتے تھے۔ رات ۱۲ بجے مزاعفر سے مدارات کی جاتی تھی۔

۱۱ محرم کو حیدر محل میں صبح نو بجے مجلس عزا میں شام کو تابوتوں پر گلفشانی ہوتی۔ گوسائیں لوگ عاشور خانے میں آتے تھے۔ صوفی قسم کے لوگ اونچا علم لاتے تھے جس میں پیڑوں کی ہری شاخیں نارنگیاں اور ہار وغیرہ لٹکے ہوئے رہتے تھے۔ نواب انہیں پر نذر دیتا تھا۔

۱۲ محرم شاہی مطبخ تلاوت قرآن پاک کے ساتھ کھلتا تھا۔ فاتحہ کے بعد کھچڑی پیش کی جاتی تھی۔ بارگاہ حسین پر فاتحہ پھر لکڑی کا گلال بادہٹا کر پھول چڑھائے جاتے تھے۔ اِس کے بعد موسیقی کی اجازت ہوتی تھی۔ حضرت غوث اعظم اور امام زین العابدین کی فاتحہ ہوتی۔ تمام تابوت نعمت خانہ حیدر محل میں رکھے جاتے تھے۔ سلام کے بعد الوداعی نوحے پڑھے جاتے تھے۔ اِس کے بعد

علموں کو ایک کمرے میں مہر بند کر دیا جاتا نواب صاحب کو چابیاں واپس کر دی جاتیں۔ مخصوص مجمع کی بریانی سے مدارات کی جاتی تھی۔ اِس کے بعد دسویں، بیسویں اور چہلم کی رسوم حیدر محل میں ہوتی جس میں سوانگ کے مظاہرے، مرثیہ خوانی روضہ خوانی اور دعوت وغیرہ ہوتی تھیں۔ اب نوابی دور کی شان و شوکت نہیں لیکن عزاداری کے علم جلوس مجالس اب بھی جاری ہیں۔

تمل ناڈو

مدراس

شہر مدراس میں شروع سے ہی شیعوں کی اچھی خاصی آبادی موجود تھی۔ سترہویں صدی کے شروع میں جب کرناٹک مغلیہ سلطنت کا حصہ بنا اور ۱۱۰۰ھ میں سعادت اللہ خاں یہاں کے صوبیدار مقرر ہوئے تو مرثیہ گوئی اور عزاداری کو فروغ ملا۔ یہاں بھی مجالس عزا میں زیادہ تر روضۃ الشہداء ہی پڑھی جاتی تھی۔ کہیں کہیں فارسی میں روضہ خوانی بھی ہوتی تھی۔ اِس کے علاوہ کبھی کبھی مقامی شاعروں کے تصنیف کئے مرثیے بھی پڑھے جاتے تھے۔ مراسم عزاداری عام طور پر دکنی طرز پر ہی ہوتی تھی[1]۔

یہاں محرم کا سب سے اہم جلوس ساتویں محرم کو نکلتا ہے جو آستانۂ قاسمیہ کوچہ اکبر صاحب سے بعد ظہر علم مبارک کے ساتھ نکل کر مشہور شاہراہوں پر گشت کرتے ہوئے دوبارہ وہیں آتا ہے۔ روز عاشورہ تمام شیعہ آستانۂ حضرت عباس میں جمع ہوتے ہیں۔ ایک ماتمی جلوس امام آباد کوچہ جان جہاں خاں سے صبح دس بجے نکل کر اسی آستانے میں پہنچتا ہے۔ گیارہ کی شب میں حسینی ٹرسٹ مدراس کی جانب سے "یوم الحسین" منایا جاتا ہے۔ اِس میں انگریزی، تامل اور اردو میں واقعات کربلا بیان کئے جاتے ہیں جس میں مسلمانوں کے علاوہ ہندو اور عیسائی بھی شرکت کرتے ہیں[2]۔

شیوگنگا

تمل ناڈو راجیہ کے ضلع شیوگنگا کے ایک گاؤں میں ایک زمانے میں ۱۳ شیعہ خاندان والے آکر مقیم ہوئے تھے۔ انہوں نے عزاداری اور تعزیہ داری کی روایت قائم کی۔ وہ شیعہ مہاجر خاندان تو کسی اور جگہ منتقل ہو گئے اب گاؤں میں ایک بھی گھر مومنین کا نہیں ہے لیکن گاؤں والے آج بھی ماتم کرتے ہیں، تابوت نکالتے ہیں وہ اِسے گاؤں کی سلامتی اور ترقی کا ضامن خیال کرتے ہیں اور اپنے لئے اِسے باعث خوش نصیبی مانتے ہیں۔

---

۱. ڈاکٹر رشید موسوی: دکن میں عزاداری، ص ۸۸-۸۹۔

۲. کاروان حیات۔ شہید اعظم نمبر، ص ۹۹۔

کیرالہ

ہندوستان کے مغربی ساحل سے ایران اور عرب کے تاجروں کا رابطہ اسلام کے آغاز سے پہلے کا ہے کیونکہ یہ ساحل ان کے تجارتی راستے پر تھا۔ یہاں عرب لوگ آکر بسے اور حکومت وقت کی طرف سے انہیں تحفظ اور مذہبی آزادی ملی۔ اسلام کا کیرالہ میں تعارف بھی خلیج فارس کے راستے سے ہوا۔ جو اسلام ابتدائی منزل میں یہاں پہنچا وہ ایرانیائی عرب کے معیار و اقدار کا امتزاج تھا جسے مصدقہ اسلام مان لیا گیا۔ اسلام کا تعارف جنوب مغربی ساحلی علاقوں سے ہوا۔ ساحلی شہروں میں عربوں نے پہلے اسلام قبول کیا۔ جنوبی ایشیا کے اسلام میں سنی اثرات کے علاوہ شیعہ اثرات بھی نظر آتے ہیں۔ یہاں لوگوں کے ناموں کے آخر میں علی، فاطمہ، حسن اور حسین کی موجودگی نظر آتی ہے مگر یہ شیعی عقائد کی طرف رہنمائی نہیں کرتی۔ جب کونڈوٹی تانگل ۱۸ ویں صدی کے ابتدائی حصے میں کونڈی پہنچے تو انہوں نے لوگوں سے شیخ کے سامنے ماتھا ٹیکنے پر اصرار کیا تو لوگوں نے اعتراض کیا اور علماء نے اِسے غیر اسلامی طریقہ بتایا۔ پورا ماپلا مسلمان طبقہ کیرالہ طبقہ دو حصوں میں بٹ گیا۔ پونانی کائی اور کونڈوٹی کائی (کائی معنی ہاتھ یعنی گروپ یا مسلک) اِس سلسلے میں عربی ملیالی ادب تخلیق ہوا جو دینیات کے مختلف رخوں اور فروعی حصوں سے تعلق رکھتا تھا۔ آخر کونڈوٹی تانگل کو یہ اعلان کرنا پڑا کہ "خدا میرا محافظ ہے" محمد میرے رسول اور علی میرے پیر ہیں" ۷۵۰ عیسوی سے ایرانی اسلام جس کا تاجر طبقہ تبلیغ اور نمائندگی کر رہا تھا اس کے ذریعے کربلا اُس کی عظمت اور اِس سے متعلق جذبات اور احساسات بھی پھیل رہے تھے۔ مالا بار میں جو صوفیت پھیلی وہ بیرونی اثرات سے مبرا تھی۔ ماپلا صوفیت کی اہم خصوصیت رسول اللہ اور آلِ رسول سے گہری محبت تھی۔ ماپلاؤں نے عربی رسم الخط میں لکھی ملیالی کو فروغ دیا جس میں دینی اعمال کو نظم کیا گیا۔ اِس کا بڑا حصہ رسول، آل رسول اور اصحاب رسول کی مدح و منقبت پر مشتمل تھا۔ لوگ اِن حصوں کو پڑھتے، آہ و بکا کرتے اور آنکھوں میں آنسو بھرے دعائیں کرتے رہتے۔ اِن نظموں میں رسول اللہ کے بعد فاطمہ زہراؑ مرکزی شخصیت تھیں۔ شادی بیاہ کے گیتوں میں فاطمہ عورتوں میں ہیرو کی حیثیت کی حامل رہی ہے۔

بوہرہ مسلم فرقہ جسے کسی زمانے میں کیرالہ کے ممتاز بیوپاری طبقوں میں شمار کیا جاتا تھا یہاں ۱۸ ویں صدی میں آکر مقیم ہوا۔ موجودہ دور میں اِن کے ۳۰ خاندان کالی کٹ، ۸ کنّور، ۲۵ کوچین، ۱۲ منگلور میں سکونت پذیر ہیں۔ یہ لوگ ۲ محرم سے ۱۰ محرم تک تبلیغ کرتے ہیں اور دس محرم کو فاقہ کرتے ہیں۔ پورا فرقہ عزاداری میں شریک ہوتا ہے۔

ماپلا پر کربلا کا تاثر گہرا اور دیرپا ہے۔ معاشرے کے لئے، انسان کی اپنی روح کے لئے اور حیات بعد از موت کے لئے شہادت کو اعلیٰ ترین قربانی مانا گیا ہے۔ ہزاروں لوگ پرتگالیوں سے لڑے اور جام شہادت پیا۔ جب ۱۷۹۲ء میں سری رنگا پٹنم کے معاہدے کے تحت برطانوی حکومت کے مالا بار کے انتظامیہ کو اپنے ہاتھ میں لیا تو اُنہوں نے زمینداروں کی طرفداری کرنے کی پالیسی بنائی جیمنیوں (روایتی مالکان زمین) اور برطانوی افسروں نے کاشتکاروں کو بری طرح دبانا شروع کیا تو اُس کا

شدید رد عمل ہوا جو لوگ کسی برطانوی افسر جیمنی کو قتل کرنے کا منصوبہ بناتے تو گروہ کے سب لوگ اُن کا قرضہ معاف کر دیتے۔ ایسے جانباز افراد بیویوں کو طلاق دیتے، سر منڈاتے اور اپنا سارا وقت عبادت اور ذکر میں گزارتے، مامبورم کے صوفی سید فضل کی دعائیں لیتے اور برطانوی پولیس پر حملہ کرکے ارادتاً شہید ہوتے۔ شہدا کو تقدس اور احترام ملتا تھا۔ اُن کی قبروں کا احترام ہوتا تھا۔ انگریزوں نے اِس تحریک کو کچلنے کے لئے ماپلا انسداد ایکٹ بنایا اور ۱۹۲۱ء کی تحریک کو ماپلا بغاوت کا نام دیا جو جابر حکومت کے خلاف اعلان آزادی تھا۔ اِس طرح کیرالہ کے مالا بار علاقے میں نوآبادیاتی طاقتوں کے خلاف جد و جہد میں کربلا کے اثرات نظر آتے ہیں[1]۔

۱۔ کیرالہ میں نوآبادیاتی طاقتوں کے خلاف جد و جہد میں کربلا کے اثرات، (مقالہ) پروفیسر کٹو علی، راہ اسلام جنوری۔ جون ۲۰۰۷ء، خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی، ص ۲۲۲۔

باب دوازدہم

مغربی ہند میں عزاداری

مہاراشٹر

ممبئ

ممبئ کی عزاداری مختلف ادوار سے گزری ہے[1]۔ شروع میں یہاں گجرات کی تاجر پیشہ قومیں مثلاً بوہرہ، خوجہ، چلیا عزاداری کرتی تھیں۔ ایک وہ وقت آیا جب انگریزی دور حکومت میں سو برس تک جلوس پر پابندی لگی رہی۔ عزاداری صرف تین گلیوں تک محدود تھی۔ مومنین راستوں اور شاہراہوں پر ماتم نہیں کر سکتے تھے۔ عزادار اپنے گھر سے سیہ لباس پوٹلی میں باندھ کر لاتے تھے اور امام باڑوں یا اپنے عزیزوں کے گھر جہاں مجلس عزا ہوتی تھی، اُسے پہنتے تھے تاکہ سیہ پوش ہو کر مجلس میں شریک ہو سکیں۔ آزادیٔ وطن کے بعد بندشیں ختم ہوئیں۔ ممبئ میں دوسرے علاقوں (شہروں اور دیہات) سے آنے والے لوگوں خصوصاً شیعہ سادات کی وجہ سے عزاداری کا فروغ ہوا۔ علامہ سید عباس رضوی صاحب حیدرآباد سے یہاں آکر سکونت پذیر ہوئے اور سیاسی و سماجی سطح پر اُنہوں نے اتحاد بین المسلمین کی کوشش کی، انجمنوں اور اداروں کی تشکیل ہوئی۔ اِن چند سو جیالوں نے ممبئ میں عزاداروں کی تعداد دس لاکھ تک پہنچا دی۔ مولانا رضوی نے مدن پورہ، ماہم اور مارکیٹ میں مجالس کا انعقاد کیا اور عزاداری کو یکم محرم سے ۸ ربیع الاول تک وسیع کر دیا۔ آج ممبئ میں جگہ جگہ مجالس عزا ہوتی ہیں۔ اِن مجلسوں کا یہ نظام، اوقات کی تقسیم کے ساتھ چہلم کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ مسجد ایرانیان یا مغل مسجد، اثنا عشری حضرات کے چندے سے تعمیر کی گئی فنڈ مسجد، اثنا عشری خوجہ حضرات کی تعمیر کردہ خوجہ مسجد اور محفل خراسان، اختر رضوی بلڈرز کا تعمیر کیا ہوا امام باڑہ زینبیہ (جس کا پرانا نام امام باڑہ ببر علی ہے) شوستری کا امام باڑہ، باقریہ امام باڑہ، یعقوب گلی اور ایمن کا امام باڑہ مجالس اور عزاداری کے مراکز ہیں۔ علاوہ ازیں شیعہ حضرات اپنے گھر میں علم سجاتے ہیں، تابوت اٹھاتے

---

[1] رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۳۴۹-۳۴۸۔

ہیں، ضریحیں رکھتے ہیں، مجالس منعقد کرتے ہیں۔ مرکزی مجلس مغل مسجد (مسجد ایرانیان) میں ہوتی ہے جو ٹیلی فون اور انٹرنیٹ کے ذریعے ہندوستان بھر میں اور ملک سے باہر بھی نشر ہوتی ہے۔ کروڑوں لوگ اِس سے فیض یاب ہوتے ہیں۔

آج ممبئی میں کئی جلوس نکلتے ہیں۔ ساتویں محرم کو بی آئی ٹی بلاکس بھنڈی بازار میں سابق صحافی اقبال ناطق کے گھر سے مہندی کا جلوس برآمد ہوتا ہے جس میں سبھی ماتمی انجمنیں شریک ہوتی ہیں۔ آٹھویں محرم کو شوستری کے امام باڑے میں مخصوص مجلس ہوتی ہے اور نویں کو ایک شاندار جلوس عزا نکالا جاتا ہے۔ شب عاشور میں امین کے امام باڑے میں زبردست ماتم ہوتا ہے اور ایرانی عزادار کربلا کا نقشہ پیش کرتے ہیں۔ دسویں محرم کو ممبئی میں دو جلوس برآمد ہوتے ہیں۔ پہلا رحمت آباد شیعہ اثنا عشری قبرستان پر ختم ہوتا ہے اور مولانا مرزا محمد اطہر شام غریباں کی مجلس پڑھتے ہیں، زور شور سے ماتم ہوتا ہے (پٹھان واڑی سے بھی ایک جلوس نکلتا ہے) دوسرا جلوس اربعین کو مغل مسجد (مسجد ایرانیان) سے شروع ہو کر رحمت آباد میں اختتام پذیر ہوتا ہے۔ اِن دونوں جلوسوں میں لاکھوں کا مجمع ہوتا ہے۔

ممبئی شہر اور مضافات کی دو سو سے زائد ماتمی انجمنیں اِن جلوسوں میں شریک ہوتی ہیں۔ آج ممبئی کی عزاداری امام باڑہ روڈ، حضرت عباس اسٹریٹ (خوجہ محلّہ) حسینیہ مارگ (بوہرہ محلّہ) کُرلا، باندرہ، گونڈی، سانتا کروز، جوگیشوری، پارلی روڈ (اندھیری روڈ) مالونی (ملاڈ) شہر سے باہر اطراف واکناف ممبئی، ممبرا، واشی، وستی، بھیونڈی اور کلیان تک پہنچ گئی ہے۔ آج شاہراہوں سے جلوس گزرتے ہیں۔ لوگ زنجیر و قمع کا ماتم اور سینہ زنی کرتے ہیں۔ نوحے اور مراثی پڑھتے ہیں۔ ذاکرین واقعات، رموز و نکات قربانیٔ حسینؑ بیان کرتے ہیں۔ ادارے اور افراد انگلش، ہندی، گجراتی، اور مراٹھی میں عوام کی معلومات کے لئے پمفلٹ شائع کرکے تقسیم کرتے ہیں۔ مختلف علاقوں میں سبیلیں لگائی جاتی ہیں جن میں شربت تقسیم کیا جاتا ہے۔ شیعوں کے علاوہ بوہرہ فرقے والے اور اہل سنت بھی سبیلیں لگاتے ہیں۔ گھاٹ کوپر، کُرلا، وکرولی، چمبور، سانتا کروز، اندھیری، جوگیشوری، ملاڈ، کھار، باندرہ، ممبرا وغیرہ میں ماتمی دستے علم لے کر جلوس کی شکل میں نکلتے ہیں[۱]۔

خاص مجلسیں صبح اور سہ پہر میں مدن پورہ، بیلاسس روڈ، علی عمر اسٹریٹ، حضوریہ اسٹریٹ وغیرہ مقامات پر ہوتی ہیں جس میں کثیر تعداد میں لوگ شریک ہوتے ہیں۔ دھابو اسٹریٹ، یعقوب اسٹریٹ، قصائی محلّہ، مدن پورہ، کولسا محلّہ، چونا بھٹی، کرنک بندر وغیرہ علاقوں میں تعزیوں کے جلوس برآمد کئے جاتے ہیں۔ پنجوں کے علم بھی اُٹھائے جاتے ہیں جنہیں شام کو سمندر کے پانی سے ٹھنڈا کیا جاتا ہے[۲]۔ عاشورہ کی سالانہ مجلس حسن آباد خرگاؤں میں ہوتی ہے جس میں اسمٰعیلیہ فرقے

۱۔ رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۳۴۹۔

۲۔ ممبئی میں عزاداری، مضمون راشٹریہ سہارا، محرم نمبر، جنوری ۲۰۰۷ء۔

والے شریک ہوتے ہیں۔ شہر میں کئی ماتمی انجمنیں ہیں جن میں سے انجمن جان نثاران خدام حسینی، انجمن معصومین، انجمن سادات جعفری، انجمن نوگاواں سادات وغیرہ خاص ہیں[1]۔

ناگپور

ناگپور پہلے مدھیہ پردیش میں تھا بعد میں یہ علاقہ مہاراشٹر ریاست میں ضم کر دیا گیا۔ یہاں عزاداری کی قدیم روایت ہے۔ عاشورہ کے جلوس میں ہندو بھی شریک ہوتے ہیں اور حصہ لیتے ہیں۔ کربلا کے راستے میں اتنا مجمع ہو جاتا ہے کہ راستہ چلنا مشکل ہو جاتا ہے۔ راجا بہادر راگھو جی راؤ کے عہد حکومت میں شاہی جلوس کے ساتھ ہاتھی، چیتے اور سپاہیوں کے دستے بھی چلتے تھے جو اِس جلوس کو یادگار بنا دیتے تھے۔ مسلمان میلے میں دکانیں لگاتے تھے اور سبز رنگ کے کپڑے پہنے، نعرے لگاتے چلتے تھے[2]۔

پربھنی[3]

اورنگ آباد سے دو سو کلو میٹر دور یہ ضلع مراٹھواڑہ میں واقع ہے۔ اب یہ ریاست مہاراشٹر کا حصہ ہے۔ پربھنی میں حضرت شاہ تراب الحق کی درگاہ ہے۔ مرزا زور آور علی بیگ جو ایرانی النسل تھے۔ بغرض تجارت یہاں آئے اور یہیں بس گئے۔ انہوں نے عاشور خانہ قائم کیا۔ ضلع پربھنی کے اطراف واکناف میں تقریباً ۴۰۰ شیعہ حضرات ہیں جو یا تو ملازمت پیشہ ہیں یا تجارت کرتے ہیں۔ یہاں کی عزاداری ۳۰۰ سال قدیم ہے۔ گذشتہ ۲۵ سال میں اِس کا بہت فروغ ہوا۔ عاشور خانہ پنجہ شاہ جو مرزا زور آور علی نے تعمیر کروایا تھا عزاداری کا مرکز ہے۔ ۹ محرم کو شب میں یہاں مجالس کا سلسلہ رہتا ہے جس میں دیگر اقوام کے لوگ بھی شریک ہوتے ہیں۔ امام باڑہ سید سجاد حسین کو امام باڑہ حکیم شبیر حسن میں ضم کر دیا گیا ہے۔ یہاں زنجیری ماتم ہوتا ہے۔ امام باڑہ حضرت عباس میں بھی عزاداری ہوتی ہے۔ جلوس یوم عاشورہ امام باڑہ پنجہ شاہ سے ۱۰ محرم کو نکلتا ہے۔ شاہراہوں سے گزرتا ہوا محلہ مسجد قادر صاحب پر ختم ہوتا ہے۔ جلوس کے ساتھ ہر مذہب و ملت کے ہزاروں لوگ شریک ہوتے ہیں۔ عزادار زنجیر اور قمع کا ماتم کرتے ہیں۔ جلوس عاشورہ ختم ہونے کے بعد مجلس شام غریباں منعقد ہوتی ہے جس کا انتظام متولی پنجہ شاہ مبارک کرتے ہیں۔ پھر فاقہ شکنی ہوتی ہے۔ عاشور خانہ پنجہ شاہ میں مرزا حیدر علی بیگ کے مکان میں خصوصی مجلس ہوتی ہے۔ مرثیہ خوانی اور نوحہ خوانی ہوتی ہے۔ بمکان سید شبیر حسین ۸ محرم کو مجلس ہوتی ہے جس میں حضرت

1. رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۳۴۹-۳۴۸۔
2. ٹائمز آف انڈیا (انگلش) ۱۴ اگست ۱۹۲۴ء۔
3. ضلع پربھنی مہاراشٹر کی عزاداری (مضمون) مرزا تراب، ص ۴۳-۴۲، راشٹریہ سہارا، محرم نمبر، ۳۰ جنوری ۲۰۰۷ء۔

عباس کی حاضری ہوتی ہے۔ تمام مومنین عقیدت اور احترام کے ساتھ حاضری میں شرکت کرتے ہیں۔ دیگر عقائد کے لوگ بھی تعزیہ کے نام سے علم اٹھاتے ہیں جس میں ہزاروں کا مجمع ہوتا ہے۔ ۱۰ محرم کو علم مبارک کی سواری نکلتی ہے۔ اسی دن بارہ امام کا تعزیہ بھی اٹھتا ہے جس میں امام حسینؑ کے روضۂ مبارک کی شبیہ ہوتی ہے اور ایک دلدل بھی ہمراہ ہوتا ہے۔

شہر و قصبات پونہ

پونے اور اس کے قصبات مثلاً منیجر اور جنیر میں شیعہ سادات جعفری کے محلے آباد ہیں جو زور شور سے عزاداری کرتے ہیں۔ اِس شہر میں ایرانیوں اور شیعہ بلوچیوں کی خاصی تعداد مقیم ہے۔ یہاں بھی عزاداری عقیدت کے ساتھ کی جاتی ہے۔

کامٹی

کامٹی میں چند شیعہ سادات خصوصاً حیدری، مسالے اور مقاصدے بھی منعقد کرتے ہیں اور اِسی عقیدت و احترام کے ساتھ مجالس عزا بھی برپا کرتے ہیں۔ دیگر مراسم عزاداری کا بھی اہتمام کرتے ہیں۔

مہاراشٹر ریاست کی تشکیل سے قبل یہ علاقے یا تو آصفجاہی سلطنت میں شامل تھے یا پھر کرناٹک یا مدھیہ پردیش کا حصہ تھے مثلاً اورنگ آباد، برار، خاندیش، احمد نگر یا بیجاپور جہاں قطب شاہی، نظام شاہی، عادل شاہی، برید شاہی حکومتوں کے زمانے میں عزاداری دھوم دھام سے کی جاتی تھی۔ اورنگ آباد میں اورنگ زیب کے دور حکومت میں شیعہ یا تو شاہی عتاب کے خوف سے برہانپور، احمد آباد کی طرف ہجرت کر گئے یا پھر تقیہ میں چلے گئے۔ کونکن میں بھی عزاداری نہ کے برابر ہے البتہ چند سنی مسلمان جو محبان آل رسول تھے اپنے گھروں میں دس دن تک روضۃ الشہداء کی مجالس خوانی کرتے تھے۔ آج بھی چند گھرانے ایسے ہیں جو سبیلیں بھی لگاتے ہیں اور عزاداری بھی کرتے ہیں۔

گجرات

داؤدی بوہرہ فرقے کی عزاداری[1]

گجرات کے ساحل پر مقیم تاجروں میں کئی مسلمان خاندان ہیں جو مصر، ایران اور عرب سے آئے اور یہاں مستقلاً سکونت اختیار کر لی۔ چند اسلامی مبلغین بھی آئے۔ سب سے پہلا نام بوہرا داعی کا ہے جو کھمبات میں آئے پھر پٹن گئے۔ انہوں نے بادشاہ

۱۔ داؤدی بوہرہ فرقے میں عزاداری (مقالہ) ڈاکٹر سریش مشرا، ص ۲۰۰، ہندوستان میں سنت عزاداری محرم دو روزہ سیمینار، راہ اسلام شمارہ نمبر ۲۰۳۔۲۰۴، جنوری۔جون ۲۰۰۷۔

کے علاوہ کھنئی، کمہار، کولی وغیرہ کو مسلمان بنایا[1]۔ اِن نو مسلموں میں خوجے، بوہرہ اور میمن شامل ہیں۔ اسماعیلیہ مذہب کے داعی نور شاہ ایک اور داعی سید صدر الدین اُن کے بیٹے کبیر الدین حسن عرف حسن دریا نے اِس علاقے میں تبلیغ اسلام کی۔ حسن دریا سہروردی سلسلے کے ذکر و مشاغل میں مصروف رہے۔ اسی کی تلقین کی مگر آپ کی اولاد کا مذہب اثنا عشری ہے۔ شیعہ بوہرے بھی گجرات میں تجارت کرتے ہیں۔ اِس وجہ سے گجرات میں عزاداری کے آثار مل جاتے ہیں۔

آٹھویں فاطمی خلیفہ مستنصر باللہ (۱۰۳۵ء تا ۱۰۹۴ء) کے عہد حکومت میں اسماعیلی فرقے کا بٹوارا مشرقی اسماعیلی یا نزاری بوہروں اور مغربی اسماعیلی یا مستعلی بوہروں میں ہوا۔ گجرات میں نزاری بوہروں کی نمائندگی خوجے کرتے ہیں۔ جبکہ مستعلی فرقے کی نمایندگی بوہرے کرتے ہیں۔ جنھیں عام طور پر داؤدی بوہرے کہا جاتا ہے۔ یہ نام انہیں داؤد بن قطب شاہ ستائیسویں داعی کی نسبت سے دیا گیا۔ دوسرے شیعوں کی طرح داؤدی بوہرے حضرت علی سے گہری عقیدت رکھتے ہیں اور علیؑ اور فاطمہ سؑ کے خاندانوں میں ہونے والے اماموں کی تصدیق کرتے ہیں۔ علیؑ اور فاطمہ سؑ کے خاندان کے اماموں کا انتخاب منصوص من اللہ ہونے کا حامی ہے۔ یہی بنیادی اصول بوہرہ فرقے کے اعلیٰ ترین رہنما کے تقرر میں عملاً اپنایا جاتا ہے۔ داؤدی بوہروں کے سربراہ داعی مطلق کہلاتے ہیں۔ انہیں سیدنا (یعنی ہمارا سردار) اور ہز ہولی نیس (تقدس مآب) بھی کہا جاتا ہے۔ اصل میں بوہرے انہیں امام کا درجہ دیتے ہیں۔

داؤدی بوہرہ فرقے کی تاریخ ہندوستان میں اِن کے ۲۳ویں داعی محمد عزالدین کے قیام پذیر ہونے سے شروع ہوتی ہے۔ ۲۳ویں سے ۳۳ ویں داعی کا صدر مقام (۱۰۶۵-۹۷۴ھ) احمد آباد رہا پھر ۳۴ویں سے ۳۸ داعی تک جام نگر، ۳۹ویں اور ۴۰ ویں داعی کا اُجین اور ۴۱ ویں داعی (۱۲۰۰-۱۱۹۳ھ) برہانپور منتقل ہو گئے۔ اُجین اور برہانپور میں صدر مقام بنانے کی وجہ سندھیا حکمرانوں کی فراخدلی تھی جنھوں نے مذہبی تحفظ کے ساتھ انہیں زمین دی۔ مذہبی ستم رانی کی وجہ سے داعیوں کا صدر مقام تبدیل ہوتا رہا اور بوہروں کو اپنے رہائشی اور زراعتی پیشے بدلنے پڑے۔ نتیجتاً جو بچا وہ بوہروں کا خانہ بدوش تجارتی طبقہ تھا۔ برطانوی حکومت کے قیام کے بعد ان پر یہ دباؤ ختم ہوا اور ان کے داعی مطلق نے سورت میں قیام کر لیا۔ داعی کا تسلط اپنے معتقدین پر مذہون، مکاسر، شیخ، عامل اور میاں صاحب کے ذریعے ہوتا ہے جو داعی کے نمایندے ہوتے ہیں۔ عامل وہ نمائندہ ہوتا ہے جو داعی سے "میثاق" حاصل کرتا ہے اور وہ چٹھی یا خط دیتا ہے جس کے دیندار بوہرے پابند ہوتے ہیں۔ عامل کی واضح اجازت کے بغیر کوئی مذہبی یا سماجی کام جائز نہیں مانا جاتا۔ شیخ بوہرہ فرقے کے علماء ہوتے ہیں۔ داعی اپنے اور اپنے نائبین کے اخراجات برداشت کرتا ہے۔ ہر فرد سے ٹیکس، خصوصی نذریں اور جرمانے وصول کئے جاتے ہیں۔

---

[1] آب کوثر، ص ۳۷۱-۳۷۰۔

مستعلی بوہروں (داؤدی) کے یہاں کا کیلنڈر اسلامی کیلنڈر سے کچھ مختلف ہے یہ چاند کے ظاہر ہونے پر مبنی نہیں ہے۔ اِس میں کچھ اِس طرح حساب مرتب کیا گیا ہے کہ ماہ رمضان میں ہمیشہ ۳۰ دن ہوتے ہیں۔

محرم: بوہرہ فرقے والے جو اپنی نمازوں کے سلسلے میں بہت محتاط ہوتے ہیں محرم میں سوگ منانے میں اتنے ہی مستعد ہوتے ہیں۔ اِن کے عامل اور مقامی ملا (میاں صاحب) پوری پابندی سے مجالس کرتے ہیں جن میں اسلام کی اخلاقیات اور بنیادی اصولوں کی تشریح، اسلام کی ابتدائی تاریخ، حضرت علی، حضرت حسنؑ و حسینؑ کی شہادت کے اسباب و واقعات اور بوہرہ فرقے کے لئے مفید معلومات دی جاتی ہے۔ یہ لوگ کربلا اور مکہ شریف بھی جاتے ہیں۔ موسیقی، رقص یا کسی بھی قسم کی نشہ آور چیزوں کے استعمال سے سختی سے پرہیز کرتے ہیں۔

پہلی محرم اسلامی سال کا پہلا دن ہونے کے باعث بوہرہ لوگ خوشی مناتے ہیں۔

۲ محرم سے ۹ محرم تک سوگ منایا جاتا ہے اور روزانہ صبح ۱۱ بجے سے ۲ بجے دوپہر تک وعظ ہوتا ہے جس میں گریہ زاری، مرثیہ خوانی اور نوحہ خوانی ہوتی ہے۔ اِس کے بعد نیاز (فرقے کا کھانا) ہوتا ہے۔ شربت اور دودھ کی سبیلیں لگائی جاتی ہیں۔ ماتم کی مدت اور شدت متواتر بڑھتی جاتی ہے لیکن ماتم میں کسی قسم کے ہتھیار یا اوزار کا استعمال کرنا ممنوع ہے۔ دس محرم کو لگ بھگ پورے دن کا فاقہ ہوتا ہے۔ مغرب کی نماز کے بعد فاقہ شکنی ہوتی ہے۔ دوپہر کا وعظ عشاء کی نماز تک چلتا رہتا ہے یہ کل ملا کر تقریباً ۸ گھنٹے کا ہوتا ہے۔ روزانہ تاریخوں اور وعظوں کو مختلف اہم مذہبی کرداروں سے منسوب کر دیا جاتا ہے۔

۲ محرم حضرت آدم نبی اللہ علیہ السلام، ۳ محرم حضرت نوح نبی اللہ علیہ السلام ۴ محرم حضرت ابراہیم نبی اللہ علیہ السلام ۵ محرم حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۶ محرم رسول اللہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۷ محرم حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ۸ محرم امام نخستین مولیٰ حضرت علی علیہ السلام ۹ محرم حضرت امام حسن علیہ السلام ۱۰ محرم حضرت امام حسین علیہ السلام۔

ہر وعظ کے آخری حصے میں کربلا کے واقعات کا ذکر ضرور شامل کر لیا جاتا ہے۔ مذہبی عملوں کے دوران آلتی پالتی مار کر بیٹھنا، کسی دیوار سے پیٹھ ٹکا کر سہارا لینا برا مانا جاتا ہے۔ صرف اِس طرح بیٹھنا صحیح مانا جاتا ہے کہ ٹانگیں جسم کے اوپری حصے سے دبی رہیں (غالباً دو زانو بیٹھنا مراد ہے) صرف اتنی ڈھیل ممکن ہے کہ جسم کے بوجھ کو کبھی کبھی ایک سے دوسری طرف منتقل کر لیا جائے۔ آٹھ یا نو محرم کو پوری دنیا کے بوہروں کو ایک کھانا دیا جاتا ہے جس میں ہر جگہ ایک سا سادہ کھانا ہوتا ہے۔ اِس کا خرچ داعی برداشت کرتا ہے۔ مختلف شہروں قصبوں وغیرہ میں داعی کے مقرر کردہ نمائندے اِس کے انتظامات کی دیکھ بھال کرتے ہیں۔

یوم عاشورہ: اِس روز بوہرے فاقہ کرتے ہیں۔ روز عاشورہ کے آخری حصے میں فاقہ شکنی کے لئے مسجد میں کھانا تیار کیا جاتا ہے۔ مغرب کی نماز کے بعد گھر واپس لوٹنے سے پہلے فاقہ شکنی ہوتی ہے۔ یہ کھانا بہت سادہ ہوتا ہے جو کہ دال حلیم (جو تین قسم کی دالوں اور گیہوں سے تیار کیا جاتا ہے) کا ہوتا ہے۔ مغرب کی نماز کے بعد شام غریباں کی مجلس ہوتی ہے۔ جس میں حضرت زینب سلام اللہ علیہا اور اُن کے مصیبت زدہ اہل خاندان کے مرثیے اور نوحے پڑھے جاتے ہیں۔ اُن کے صبر و سکون کے ساتھ فرائض کی ادائیگی کو اِن نوحوں میں بیان کیا جاتا ہے۔

موجودہ داعی سیدنا برہان الدین ہر سال کسی ایک شہر میں خود یوم عاشورہ کی رسوم کی سربراہی کرتے ہیں۔ ہر سال ہزاروں بوہرے اپنے داعی کے ساتھ محرم کی رسومات میں شرکت کرتے ہیں۔ عاشورہ کا پروگرام کہیں بھی منعقد ہو "جماعت" تمام بوہرہ شرکا کے قیام و طعام کا مفت انتظام کرتی ہے۔ آمد و رفت کے اخراجات بوہرہ خود برداشت کرتے ہیں جب ۲۰۰۱ میں یہ رسم دُبئی میں ہوئی تو دنیا بھر سے آئے ایک لاکھ بوہروں کو ہوٹلوں اور نجی گھروں میں ٹھہرایا گیا تھا۔ جو بوہرے شرکت نہیں کر سکے اُن کے لئے ویڈیو کیسٹیں ہوائی کوریئروں کے ذریعے دنیا بھر کی سو مساجد اور ۴ سو جماعتوں میں سے زیادہ تر کو بھیجے گئے۔ ۱۹۹۰ سے محرم کی عبادات کو نشر کیا جانے لگا۔ اب جماعتوں نے عاشور نشریات کو حاصل کرنے کے لئے انٹرنیٹ کا استعمال بھی شروع کر دیا ہے۔ اور ڈاکٹر سیدنا محمد برہان الدین کی آواز کو کوئی مجمع یا فرد کم و بیش فوراً ہی ڈاؤن لوڈ کرکے سن سکتا ہے اور سنایا جا سکتا ہے بہت سی جماعتیں اِن رسوم کو کلوز سرکٹ ٹیلی ویژن پر بھی دکھاتی ہیں۔ ممبئی میں بھی سیٹلائٹ کے ذریعے تیس (۳۰) سے زیادہ مرکزوں کو ٦٦٠ ٹیلی ویژن سیٹوں اور ۴۷ بڑے اسکرینوں پر ریلے کیا گیا۔

گجرات میں عزاداری تہذیبی زندگی کا حصہ ہے۔ یہ کسی ایک فرقہ تک محدود نہیں ہے۔ اسی لئے تقریباً پورے گجرات میں عزاداری میں شیعہ اور اہل سنت دونوں ہی شریک ہوتے ہیں۔ ہندو بھی اِس میں تعاون کرتے ہیں۔ سورت، بھاؤنگر، بڑودہ، تلاجا، ہوا، راجولا، کوری ناتھ، اُما، جعفرآباد، کانودر، آنند، کھمبات، رستم پورہ، گودھرا وغیرہ میں تعزیہ داری ہوتی ہے۔ جلوس تعزیہ اہل سنت بھی برآمد کرتے ہیں۔ بلکہ زیادہ تعزیے اہل سنت ہی نکالتے ہیں۔ شیعہ حضرات کے تعزیے کم ہوتے ہیں لیکن یہ مجالس ماتم کا انعقاد کرتے ہیں۔ ماتم کرتے ہیں۔ گجرات میں گودھرا جیسے مشہور شہر میں فرقہ پرستی نے اپنا زہر پھیلایا لیکن عزاداریِ حسین بدستور روایتی انداز میں ہوتی رہی۔ ہر شہر کی اپنی تعزیہ کمیٹی ہوتی ہے جس کے زیر انتظام تعزیے نمبر سے برآمد ہوتے ہیں۔

گجرات میں مہندی کا جلوس بہت جوش و خروش سے نکالا جاتا ہے۔ مرد اور عورتیں الگ الگ اپنے جلوس نکالتے ہیں۔ اِس میں بڑی بڑی سینیوں میں سوکھے میوے اور تازہ پھل، حلوہ، مہندی رکھ کر سینیوں کو سر پر رکھ کر نوحہ پڑھتے چلتے ہیں:

مہندی بنے قاسم کی اٹھاتی ہے سکینہ   ہجولیاں، مہمان بلاتی ہے سکینہ

آٹھ ربیع الاول کا جلوس بھی مشہور ہے جس میں عماری کا جلوس ہوتا ہے۔ عوامی سطح پر یوم عاشور اور اربعین (یوم چہلم) کا جلوس احترام، خلوص اور شان سے نکالا جاتا ہے۔ کھمبات اور احمد آباد کے متعلق معلومات درج ذیل ہیں۔

کھمبات[1]

پرانی ریاست ہے اور عزاداری کا خاص مرکز رہا ہے۔ یہاں کے حکمراں تعزیے کے جلوس نکالنے میں نہ صرف مدد کرتے تھے بلکہ خود بھی شریک ہوتے تھے۔ چونکہ یہاں کے نواب بھی شیعہ مسلک والے تھے۔ لہٰذا محرم کا چاند نمودار ہوتے ہی دو علم طلائی طغرے، چار خالص چاندی کے اور بارہ تانبے کے نواب مرزا جعفر علی خاں کی جانب سے نکلتے تھے۔ اِن علموں کو نواب کے شیعہ ملازمین اٹھاتے تھے۔ یہ علم امام باڑے سے نکال کر دیوان خانۂ خاص میں لائے جاتے تھے۔ وہاں ایک بہت بڑی ضریح رکھی ہوتی تھی۔ اِس کے سامنے فارسی میں روضہ خوانی ہوتی تھی۔ اِس کے بعد شربت تقسیم ہوتا تھا۔ پھر علموں کو نواب کی والدہ کے مکان میں لے جایا جاتا۔ وہاں بھی مجلس ہوتی تھی۔ اِن علموں کے ساتھ ایک خاص قسم کا علم ہوتا تھا۔ جس میں اکثر تبرکاتِ انبیاء اور ائمۂ طاہرین کے نقشے ہوتے تھے۔ اِس کو درویش اٹھاتے تھے اور اِس کے آگے سینہ زنی ہوتی تھی۔ چوتھی محرم کو نواب ہر امام باڑے میں زیارت کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ اور ہر تعزیہ خانہ میں تبرک رکھتے تھے۔ پانچویں کو خود نواب دیوان خانے میں تشریف لاتے اور مجلس عزا میں شریک ہوتے تھے۔ سات کو مہندی اٹھتی تھی۔ آٹھ محرم کو نواب سیاہ پوش ہو کر پا برہنہ اپنی والدہ کے مکان پر تشریف لاتے جہاں عربی و فارسی میں مجالس ہوتیں۔ ۹ محرم سے نواب علموں کے ہمراہ چلتے تھے اور تمام شرکائے جلوس سیہ پوش صبح عاشور تمام شیعہ اپنے اپنے امام باڑوں میں الوداع پڑھ کر نارنگ سیر کے تالاب پر تعزیئے دفن کر دیتے تھے۔ بڑودہ کے ہندو مہاراجہ بذات خود اس میں دلچسپی لیتے تھے۔ یہاں نوحے فارسی زبان میں پڑھے جاتے ہیں۔ مجلسوں میں لوگ شریک ہوتے ہیں۔ زیادہ تر تعزیے اہل سنت حضرات کے ہوتے ہیں۔ شہروں میں دیر رات تک تعزیوں کا گشت ہوتا ہے۔ کھمبات میں تعزیوں کے نمبر ہوتے ہیں اُسی ترتیب سے جلوس میں شریک ہوتے ہیں۔ یہاں کی ضریح بہت مشہور ہے جو لکڑی کی ہے اور بہت قدیم ہے۔ شہر کے سہ درے میں سے ضریح کو نکالنا بھی ایک آرٹ ہے جو اہل سنت حضرات کی روایت ہے۔ وہ اتنے برسوں سے سہ درے کے درمیانی دروازے سے ضریح نکالتے ہیں کہ اِس میں ماہر ہو گئے۔ دروازے میں جب ضریح داخل ہوتی ہے تو اتنی جگہ گھر جاتی ہے کہ صرف ایک نٹ جگہ دونوں طرف بچتی ہے۔ ضریح کی اونچائی بھی بہت ہے اور بہت وزنی بھی ہے۔ اِسی لئے اُس میں موٹے بانس اور

1. ماہنامہ شیعہ عزاداری نمبر، فروری ۱۹۱۲۔

بلیاں باندھ کر کندھے پر رکھ کر جلوس میں لایا جاتا ہے لیکن دروازے سے گزارنے کے لئے اُسے کاندھے کے بجائے ہاتھوں میں لے لیا جاتا ہے۔ اِس منظر کو دیکھنے کے لئے جم غفیر اکٹھا ہو جاتا ہے۔ تعزیے کے انتظام اور مشورہ کے لئے شہر میں تعزیہ کمیٹی ہے[1]۔

احمد آباد

یہاں تقریباً دس بڑے امام باڑے مشہور ہیں۔ جو زیادہ تر محلوں کے نام سے مشہور ہیں۔ (جمال پور بڑا امام باڑہ، تاج پور، پانچ پیپلی، جنت البقیع، محفل زہرا، وٹوا امام باڑہ، پرچم عباس، عزاخانۂ زہرا، کالو پور جوہاپ وا، وغیرہ)۔ تعزیوں میں ۹۷% اہل سنت کے اور تقریباً ۳% شیعہ حضرات کے ہوتے ہیں۔ سو سے زائد تعزیے نکلتے ہیں رات کو دیر تک گشت جاری رہتا ہے۔ انتظام، دیکھ بھال اور مشورے کے لئے تعزیہ کمیٹی ہے جس کے صدر جناب جے وی موہن ہیں۔ تعزیے کے نمبر مقرر ہیں۔ اُسی ترتیب سے نکالے جاتے ہیں۔ خاص جلوس مہندی یوم عاشورہ، اربعین (چہلم) اور ۸ ربیع الاول کے ہوتے ہیں۔ ماتمی مجالس کا انعقاد عزاخانوں میں ہوتا ہے جن میں معتقدین بڑی تعداد میں شریک ہوتے ہیں۔

شہر کے ہندو حضرات تعزیوں کے راستے میں چھڑکاؤ کرواتے ہیں، سبیلیں رکھواتے ہیں۔ انتظام میں تعاون کرتے ہیں[2]۔

---

۱. بشکریہ جناب مولانا سید اختر رضوی۔

۲. بشکریہ جناب مولانا سید محمد رضا غروی۔

باب نیز دہم

ہندو رجواڑوں میں عزاداری

مدھیہ پردیش

جھانسی

جھانسی کی ریاست ہندوستان کی تاریخ میں بہت مشہور ہے۔ یہاں کی رانی لکشمی بائی نے انگریزوں کا مقابلہ کرنے میں جو بہادری دکھائی اُس نے ہندوستان کے دل میں اُس کے تئیں عزت و احترام کا جذبہ پیدا کر دیا۔ آج بھی لوگ کہتے ہیں:
"خوب لڑی مردانی وہ تو جھانسی والی رانی تھی"۔

جھانسی میں مذہبی رواداری کی روایت بہت قدیم ہے۔ راجہ گنگا دھر راؤ ایک بار بنارس گئے وہاں انہیں ایک شخص کی کاریگری پسند آئی۔ اُسے وہ اپنے ساتھ جھانسی لے آئے۔ اُس مسلم کاریگر سے انہوں نے اپنے محل کے مندر کی سجاوٹ کرائی۔ اُس کاریگر نے جب کچھ مہینوں بعد بنارس جانے کی اجازت چاہی، کام ابھی مکمل نہیں ہوا تھا۔ راجا نے سبب پوچھا تو اُس نے کہا محرم کی عزاداری کرنی ہے۔ تعزیہ نکالنا ہے۔ گنگا دھر راؤ جی نے کہا اِس کے لئے بنارس کیوں جاتے ہو یہیں مراسم عزاداری پورے کرو اور تعزیہ کا جلوس نکالو۔ تمہارا تعزیہ راجا کی طرف سے نکلے گا۔ تبھی سے جھانسی میں تعزیہ داری ہوتی ہے اور اِسے اسٹیٹ کی طرف سے فروغ دیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے گنگا دھر راؤ کو تو امام مظلوم سے اتنا لگاؤ تھا کہ انہوں نے اپنی سادھی لکشمی تالاب (جہاں تعزیے غرقابی کے لئے لے جائے جاتے ہیں جسے یہاں کربلا کہا جاتا ہے) کے کنارے تعمیر کرنے کی وصیت کی تاکہ تعزیے اُن کی سادھی کے سامنے سے گزریں اور اُن کی روح کو فیوض و برکات حاصل ہوتے رہیں[1]۔

رانی جھانسی نے شہر میں تعزیہ داری کو فروغ دیا۔ اسٹیٹ کی طرف سے ہر برادری والے کو تعزیہ رکھنے کی سہولت مہیا کی جاتی تھی۔ دس محرم اور چہلم کے جلوسوں میں تعزیوں کے نمبر لگتے تھے جنہیں مثل کہا جاتا تھا۔ سب سے آگے مہارانی کا

---

[1] جھانسی میں عزاداری (مضمون) ڈاکٹر مشیر رضوی، راشٹریہ سہارا دہلی محرم نمبر ۳۰ جنوری ۲۰۰۷ء، ص ۶۵۔

تعزیہ ہوتا تھا۔ جس کا رانی صاحبہ رانی محل سے معائنہ کرتی تھیں۔ مختلف برادریوں کے تعزیے، ذاتوں نے جلوس سجاوٹوں، روشنیوں، باجوں، اکھاڑوں وغیرہ کے ساتھ نکلتے تھے۔ رانی صاحبہ اُن کا معائنہ کرکے انعامات تقسیم کرتی تھیں۔ اس سلسلے میں ایک روایت مشہور ہے۔ ایک بڑھئی نے لکڑی اور کاغذ کی بہت خوبصورت مسجد بنائی، لوگوں نے اُسے پسند کیا اور رانی صاحبہ نے اُسے اول انعام کا حقدار کہا۔ جب اُس بڑھئی کو انعام دینے کے لئے بلایا گیا تو اُس نے کہا میرا انعام تو یہی ہے کہ تعزیوں کے جلوس میں اول مثل میری ہو حالانکہ مثل کا پہلا نمبر تو جھانسی اسٹیٹ کا تھا اِس پر رانی صاحبہ کا تعزیہ چلتا تھا۔ رانی کے حفاظتی دستے کے اعلیٰ افسر سید صاحب نے کہا امام عالی مقام سے آگے تو اللہ کی ہی یادگار ہو سکتی ہے۔ آج بھی تعزیوں میں مسجد آگے چلتی ہے۔ لکشمی بائی کے تعزیے کو انگریزوں نے اسٹیٹ کا تعزیہ مان لیا۔ حصول آزادی کے بعد سے اِس کی ذمہ دار پولیس کوتوالی کے حکام نے لی۔ شاہی تعزیہ بنانے والا آج بھی اُس کی لاج رکھے ہوئے ہے[1]۔ یہ تعزیہ رانی محل میں رکھا جاتا ہے، برابر مرثیہ خوانی ہوتی ہے، تبرک تقسیم ہوتا ہے۔ ۷ محرم اور ۹ محرم کو مجلس عزا شیعہ حضرات کرتے تھے۔ کچھ دنوں یہ تعزیہ رانی محل کے چبوترے پر رکھا گیا۔ اب سڑک پار فٹ پاتھ پر رانی کی اِس یادگار کو رکھا جاتا ہے۔

جھانسی شہر میں لگ بھگ ۳۵ ہزار مسلمان مقیم ہیں جن کی تقریباً ۲۰ برادریاں ہیں۔ رانی صاحبہ کی طرف سے ہر برادری کے لئے ایک مسجد، ایک امام باڑہ اور ایک قبرستان کا انتظام کیا گیا جن میں چند رانی صاحبہ کے خود تعمیر کردہ ہیں۔ سب سے زیادہ نمایاں مباطی حضرات کا امام باڑہ ہے جو ایک سرنگ کے ذریعے قلعے سے جڑا ہے۔ رانی صاحبہ اسی سرنگ کے ذریعے محرم کی زیارت کے لئے آتی تھیں۔ شہر جھانسی میں صوفیوں کی یادگاریں بھی باقی ہیں جیسے درگاہ جیون شاہ، درگاہ بابا خاکی شاہ (اِن کے درشن کرنے رانی خود آیا کرتی تھیں) دولہا سید، بڑے پُل والے سید، منگل والے سید بابا، کالے سید بابا وغیرہ۔ شہر پناہ کے ہر دروازے پر مزارات و مقدس مقامات ہیں۔ جھانسی میں مسلم آبادی کی ذیلی برادریاں ہیں۔ شیعہ برادری، شیخ، پٹھان، منصوری، سبزی فروش، قریشی، تکیری، بساطی جمال، سقہ، سیفی، جوگی، فقیر، خواجہ سرا، حجام، رنگریز، نعل بند، انصاری، قلعی گر، دری گر، بھٹیاراں وغیرہ۔ اِن سبھی کی مساجد، قبرستان اور امام باڑے ہیں۔ ہر برادری کا تعزیہ شبیہ جلوس میں برآمد کیا جاتا تھا۔ آج بھی عزاخانوں کو محرم اور چہلم میں سجایا جاتا ہے۔ کچھ ہندو حضرات بھی اپنے تعزیے رکھتے ہیں، جیسے بابو لال جی کا تعزیہ جو محلہ نمبر ۹ میں سجایا جاتا ہے۔ اِن کے والد نے ایک کمرہ بشکل امام باڑہ وقف کر رکھا ہے۔ اِن کے والد گوالیار میں تعزیہ بناتے تھے لیکن اولاد نہ تھی۔ انہوں نے کربلا حکیم مہدی علی خاں واقع محلہ نئی بستی میں منت مانی۔ اُس کے بعد اِن کے یہاں سات بھائی اور بہن پیدا ہوئے جو آج بھی زندہ ہیں۔

---

[1] جھانسی میں عزاداری، (مضمون) ڈاکٹر مشیر رضوی، ص ۶۵، راشٹریہ سہارا، دہلی، محرم نمبر، ۳۰ جنوری ۲۰۰۷ء۔

اہل سنت حضرات جب تعزیے نکالتے ہیں تو اکھاڑے کھیلتے ہیں "یا علی زور سے بولو یا علی" کے نعرے لگاتے ہیں۔ کربلا تک اِسی ہجوم کے ساتھ تعزیے لے جاتے ہیں۔ محرم میں عورتیں نوحے بڑے دردانگیز لہجے میں پڑھتی ہیں جیسے "قبر اصغر پہ کہتی ہے مادر گھر چلو شام ہوتی ہے اصغر" لنگر بانٹے جاتے ہیں دُلدُل پر ہزاروں کے زیور چڑھتے ہیں کچھ عزاخانوں میں تو ان کا ذاتی زیور ہے۔ کچھ جگہ مسلمان سیٹھوں کے یہاں پرچی لے کر جاتے ہیں کہ گذشتہ سال آپ کے یہاں سے یہ زیور چڑھا تھا اور سیٹھ انہیں وہ زیور محرم کے لئے سونپ دیتے ہیں[1]۔

عزاخانے سجائے جاتے ہیں۔ ۹ محرم کی شب کو پوری رات تعزیوں کا گشت رہتا ہے۔ ۱۰ محرم کو ۲ بجے رات کو تدفین (غرقابی) عمل میں آتی ہے۔ بساطی حضرات کا ذوالجناح، سبزی فروشوں کا ابرق کا تعزیہ، مکریانہ کا دلدل، رحیم سبزی فروش کا دلدل، رائی تعزیہ بہت مشہور ہے جو روئی پر رائی نصب کرکے پانی دے دے کر اِس طرح اگایا جاتا ہے کہ وہ تعزیہ کی شکل اختیار کرلیتی ہے (یہ تعزیہ اتنا مشہور ہوا کہ محلّہ ہی اِس نام سے جانا جاتا ہے) زہرہ بائی باندہ والی کا چاندی کا تعزیہ کاریگری کا بہت خوبصورت نمونہ ہے۔

گوالیار کی عزاداری

گوالیار میں عزاداری کی ابتدا کے متعلق ایک عجیب روایت ہے کہ مہاراجا جیواجی راؤ کی شادی شب عاشور کو ہوئی۔ پہلے تو بادشاہ کو تشویش ہوئی کیونکہ وہ محرم کے متعلق جانتا تھا مگر ایک جیوتشی نے اصرار کیا کہ یہ مہورت اگر نکل گیا تو اگلا ۲۴ برس بعد آئے گا۔ راجا نے بادل نخواستہ ہاں کردی۔ جب شادی کے بعد جیواجی دلہن لے کر واپس آرہا تھا تو زبردست طوفان آیا ہر طرف تاریکی چھا گئی پھر زوردار ژالہ باری شروع ہو گئی اُس نے دل ہی دل منت مانگی کہ اگر گھر حفاظت سے پہنچ گیا تو عزاداری کروں گا۔ طوفان ختم ہوا۔ راجا محل واپس پہنچا۔ گھر جاتے ہی اُس نے مجلس عزا برپا کی۔ نئی رانی کے محل کو عزاخانے میں تبدیل کردیا گیا۔ جلدی جلدی تعزیہ بنوایا گیا جو محل میں چوک میں رکھا گیا۔ تب سے ہی محرم کے دنوں میں باضابطہ عزاداری ہونے لگی[2]۔ مہاراجہ کے ساتھ مسلم اور غیر مسلم درباری عزاداری میں شریک ہونے لگے۔ پھر گوالیار، لشکر اور مرار میں تین امام باڑے بن گئے جو مرہٹہ عمائدین کے تھے۔

باقاعدہ امام باڑے تعمیر ہوئے جن میں خواتین کے بیٹھنے کا الگ انتظام کیا گیا۔ یہاں کا تعزیہ سائز میں تو بڑا نہیں ہے مگر وزنی اتنا ہے کہ ۳۰ کہار لے کر چلتے ہیں۔ سب سے آگے مہاراجا گوالیار خود کندھا دیتا ہے۔ امام باڑے میں جھاڑ فانوس کنول،

۱۔ جھانسی میں عزاداری: (مضمون) ڈاکٹر مشیر رضوی، راشٹریہ سہارا، دہلی، محرم نمبر، ۳۰ جنوری ۲۰۰۷ء، ص ۶۵۔
۲۔ ہندو راجا گوالیار کی عزاداری کا پس منظر (مضمون) شاہد نقوی، راشٹریہ ہت (ہندی) لکھنؤ، محرم نمبر، ۱۷ دسمبر ۲۰۱۰ء، ص ۳۔

ہانڈی اور شمعوں سے آرائش کی جاتی ہے۔ اِس کی سجاوٹ کا انداز روزانہ بدل دیا جاتا ہے۔ تعزیہ جب رکھا جاتا ہے تو مہاراجہ خود ہاتھ جوڑ کر اُس کے سامنے کھڑا ہوتا ہے زنانے حصے میں معزز خواتین اور رانیاں ماتھے پر عود کی راکھ لگا کر بال بکھرائے حد امام باڑہ شروع ہوتے ہی سر جھکاتی تھیں۔ فاتحہ ہوتا ہے تو ایک پاؤں پر کھڑی رہتی ہیں جب فاتحہ ختم ہوتا ہے تو حسین حسین کہتے ہوئے چوک کے نزدیک بیٹھ جاتی ہیں۔

گوالیار میں دس روز تک ہر گلی کوچے میں سبیلیں، لنگر خانے جاری رہتے ہیں۔ سامان کی اتنی کثرت ہوتی ہے کہ لینے والے کم پڑ جاتے ہیں۔ مجالس میں سوز خوانی، نوحہ خوانی اور مرثیہ خوانی ہوتی ہے۔ خطیب اور ذاکر باہر سے آتے ہیں۔ مجلس شروع ہوتی ہے تو مہاراجہ اور تمام مراٹھا سردار دوزانو ادب سے بیٹھتے ہیں۔ اندر خواتین بھی ایسے ہی بیٹھتی ہیں۔ مصائب کا بیان شروع ہوتے ہی گریہ زاری کرتے پچھاڑیں کھاتے ہیں۔ آہستہ آہستہ مراٹھا سرداروں نے اپنے گھروں میں ہی امام باڑے بنوالئے۔ اُسی طرح منتیں مانتے ہیں جیسے دوسرے مسلمان مانتے ہیں۔

ایام محرم میں گوالیار ریاست کا عموماً تمام کام بند رہتا ہے۔ محرم کی مصروفیات اور علم کی گہما گہمی ہوتی ہے۔ تعزیوں میں ہندو مسلمان دونوں حسینی سپاہی معلوم ہوتے ہیں۔ لکڑی کی تلواریں استعمال ہوتی ہیں جن سے مظاہرہ حرب وضرب کیا جاتا ہے۔ گوالیار میں شیعہ بہت ہی کم ہیں وہ اِن مظاہروں میں شرکت نہیں کرتے۔ آٹھ محرم کو سرکاری علم اٹھتے ہیں جو شہر کا گشت کرتے ہیں۔ ساتھ میں فوجی دستے ماہی مراتب، ہاتھی بیل گھوڑے توپ خانہ پورے تزک واحتشام کے ساتھ اِس طرح چلتے ہیں جیسے کسی شہنشاہ عصر یا فاتح عالم کا جلوس ہو۔ شب عاشور مہاراجہ کے تعزیے کے ساتھ عوام کے تعزیے مل کر شان دوبالا کر دیتے ہیں۔ مہاراجہ اپنے تعزیے کو کندھا دے کر جلوس کی قیادت کرتا ہے۔ سر سے پا تک سبز پوش ننگے سر ننگے پا حسینؑ حسینؑ کہتا ہے۔ قلعہ کے پھاٹک تک تعزیہ پہنچا کر پچھلے راستے سے نقاروں کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ رانیاں پہلے سے وہاں ہوتی ہیں[1]۔ قلعہ کی پشت پر نواب معتمد خاں کا پختہ تالاب ہے جسے ساگر تال کہا جاتا ہے۔ اُس کے جنوب میں بہت بڑی دہل کھود کر تیار کی جاتی ہے جس کے ایک طرف زنانی بارگاہ امام ہے۔ تعزیے دہل کے پاس رکھ دیے جاتے ہیں۔ پھر سوز کے قسم کے بین کئے جاتے ہیں۔ اِس کے بعد سرکاری تعزیہ کرینوں کے ذریعے دہل میں اتارا جاتا ہے۔ ایک طشت میں دہل کے اندر سے اوپر مٹی آتی ہے۔ مہاراجہ آنسو بہاتا ہوا دونوں ہاتھوں سے مٹی ڈالتا ہے۔ پھر رانیاں آتی ہیں وہ بھی مٹی ڈالتی ہیں۔ اُس کے بعد توپوں کی سلامی دی جاتی ہے جو تعزیہ دفن ہونے کا اعلان ہے[2]۔ شہنشاہانہ تدفین کی رسومات سلاطین شرقی

---

[1] ہندو راجا گوالیار کی عزاداری کا پس منظر (مضمون) شاہد نقوی ص ۳ راشٹریہ ہیت (ہندی) لکھنؤ محرم نمبر ۷ا دسمبر ۲۰۱۰ء۔
[2] ایضاً۔

جونپور نے شروع کی تھیں جو دکن میں قلی قطب شاہ کے ہاتھوں سنواری گئیں پھر اودھ میں اُن پر عقیدت کی گلفشانی کی گئی۔ گوالیار میں یہ عقیدت عوامی سطح پر پائی جاتی ہے۔ اہل سنت سید عبدالحمید خاں فرماتے ہیں عزاداری کی رسمیں یہاں ۲۹ ذی الحجہ سے شروع ہو جاتی ہیں۔ ۲۹ کو تعزیے کی پریڈ پر فوج کھڑی ہو جاتی ہے۔ اگر اُس دن چاند نمودار ہوتا ہے تو عزاخانے کے پردے اٹھادئے جاتے ہیں۔ باری باری ساری فوجوں کا جلوس نکلتا ہے۔ اگر ۲۹ ذی الحجہ کو چاند نہ دکھائی دے تو فوج چھاونی چلی جاتی ہے اور اگلے دن پھر اسی طرح آکر باقاعدہ کھڑی ہو جاتی ہے۔ جب مہاراجا کے تعزیے کی چوکی دُھلنے لگتی ہے اُس رات مراٹھا سردار اور رعایا اپنے تعزیوں کی چوکیاں دُھوتی ہیں۔ مرثیہ خواں جو لکھنؤ وغیرہ باہر سے بلائے جاتے ہیں وہ جب مرثیہ پڑھتے ہیں تو مہاراجا باادب کھڑا رہتا ہے نہ امام باڑے میں کوئی بیٹھتا ہے نہ ہنسی مذاق کرتا ہے۔ سرداروں کی عورتیں بھی سرکاری امام باڑے میں آکر کھڑی رہ کر مجلس سنتی ہیں۔ سید عبدالحمید اپنی کتاب "اعجاز حسینی" میں رقمطراز ہیں کہ مہاراجہ گوالیار ۹ محرم کے پروگرام کا اعلان خود کرتے ہیں[1]۔ آج بھی آپ کسی دکان پر بیٹھ جائیں تو کوئی اعتراض نہیں کرے گا۔ جلوس نکلنے کی ترتیب ۸ محرم کی طرح ہوتی ہے۔ علموں کا جلوس ایسے ہی نکلتا ہے۔ پلٹنیں، رسالے، لمبے دموں والے گھوڑوں کے دستے جلوس کے ساتھ ہوتے تھے۔ تعزیے والی پریڈ کے نزدیک ایک امام باڑہ ہے جس میں لوہے کے بڑے بڑے دو دروازے ہوتے ہیں۔ جلوس ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے سے نکل جاتا ہے۔ ہر ایک ہاتھی جس وقت تعزیے کے سامنے سے گزرتا ہے سونڈ اٹھا کر سلام کرتا ہے۔ اسی طرح گھوڑے پچھلی ٹانگوں پر کھڑے ہو کر اگلی دونوں ٹانگیں اٹھا کر سلامی دیتے ہیں۔ یہ جلوس تعزیہ والی پریڈ سے روانہ ہو کر نئے بازار حضرت پائی گا، دولت گنج اور مہاراج واڑے آتا ہے جہاں مہارانی صاحبہ اور مراٹھا سرداروں کی عورتیں پہلے سے ہی موجود ہوتی ہیں[2]۔ وہ تعزیے کو سلام کرکے گریہ کرتی ہیں۔ ہر سال یاد حسین کو ایام محرم میں تازہ کیا جاتا ہے۔

اندور

ہولکر حکمران اور محرم: ہولکر حکومت کے قیام اور استحکام میں افغان، ترکی اور عربی سپہ سالاروں نے تعاون کیا تھا۔ ہولکر حکمراں ہر تیوہار خواہ دسہرہ ہو یا محرم میل ملاپ اور عقیدت کے ساتھ مناتے تھے۔ مسلم تیوہاروں پر بھی ہندو تیوہاروں کی طرح حکومت کی جانب سے خاص انتظام کئے جاتے تھے۔

۱۔ سید عبدالحمید: اعجاز حسینی (بحوالہ ہندو راجا گوالیار کی عزاداری کا پس منظر (مضمون) شاہد نقوی، ص ۴، راشٹریہ سہارا، محرم نمبر، جنوری ۲۰۰۷ء۔

۲۔ ایضاً۔

کسی زمانے میں اندور میں ہولکر حکمرانوں کے کئی کئی منزلہ اونچے قطب مینار نما چوکور تعزیے پورے ملک میں مشہور تھے۔ اِس طرح کے تعزیے پر اُس زمانے میں تین ہزار روپے خرچ آتے تھے۔ منزلوں کی تعداد گھٹتی گئی۔ جب یہ ۹، ۷ منزلیں ہوئیں۔ اب یہ تعزیہ صرف ایک منزل کا رہ گیا ہے۔ آج بھی شری اہلیہ خانگی ٹرسٹ سے روپیہ تعزیہ بنانے کے لئے دیا جاتا ہے[1]۔ ۲۰۰۶ میں ٹرسٹ کی طرف سے تعزیہ بنانے کے لئے ۲۰۰۰ روپے دئے گئے تھے۔ تعزیے کے لئے حکومت کی طرف سے ۱۹۰۸ میں گوپال مندر کے پاس ۱۲ہزار روپیہ خرچ کرکے ایک امام باڑہ تعمیر کرایا گیا تھا جو آج بھی قائم ہے۔ ہولکر حکمرانوں کی طرف سے محرم کی تیاری کے سلسلے میں سبھی انتظامیہ دفاتر کو احکامات جاری کئے جاتے تھے۔ سرکاری نجومی پندرہ روز قبل نیک گھڑی کی اطلاع دے دیتا تھا۔ اِس کے بعد سبھی حکومتی شعبوں کو محرم کی چاند رات سے تیرہویں رات تک کے سارے انتظامات کے لئے احکامات جاری ہوتے تھے۔ شہر قاضی کو امام باڑے میں بلوا کر چوکی وغیرہ ڈھلوانے کا انتظام سونپا جاتا تھا۔ حکومت کے افسران، وزراء، انسپکٹر جنرل پولس اور ضلع جج کو ذمہ داریاں اور انتظامات سونپے جاتے تھے۔ کچھ فقیر راج باڑے میں آتے تھی۔ انہیں باقاعدہ تعزیے کے لئے بانس، لوبان، اگربتی، ہار، پھول بتاشے (تبرک) اور چراغ جلانے کے لئے چار آنے (موجودہ رقم چار سو روپے) دئے جاتے تھے۔ مخصوص راتوں میں فوج کا بینڈ بھی چلتا تھا۔ رات ۹ بجے سے ۱۱ بجے تک پروگرام چلتے رہتے تھے۔

چاند رات

چاند دیکھتے ہی شہر قاضی اور تابوت کے فقیر لکڑی کی چوکی سجا کر اُس پر عود دان رکھتے تھے اور اُسے شاہی ملازم کے سر پر رکھ کر امام باڑے سے راج باڑے کے پیچھے نذر باغ میں لاتے تھے۔ یہاں چوکی رکھ دی جاتی اور فقیر درود پڑھتے تھے۔ تبرک کی شکل میں بتاشے بانٹے جاتے تھے۔ پھر اِس چوکی کو امام باڑے میں لاکر تعزیے کے سامنے رکھا جاتا تھا۔ چاند رات سے قتل کی رات تک ہر روز امام باڑے پر ماتمی ساز بجتے تھے۔ تابوت کی حفاظت کے لئے ایک سپاہی فوج کی جانب سے اور ایک خاص بردار کی جانب سے دو سپاہی پہرے کے لئے امام باڑے پر لگا دئے جاتے تھے۔

پانچواں دن: اس دن فوج کے چند لوگوں کو فقیری کپڑے وغیرہ دئے جاتے تھے۔ فقیری کی شکل میں فوج کے کمانڈروں کو ریشمی دوپٹہ اور کفنی کے لئے کپڑا دیا جاتا تھا۔ باقی لوگوں کو سادہ دوپٹہ اور رنگین کفنی مہاراج کی جانب سے دی

---

۱. ہولکر حکمراں اور محرم (مقالہ) ڈاکٹر جے۔ سی۔ اُپادھیائے ص ۱۴۳۔ دو روزہ سیمینار، ہندوستان میں سنت عزاداری محرم، سہ ماہی راہ اسلام خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی نمبر شمارہ ۲۰۴۔۲۰۳ جنوری تا جون ۲۰۰۷ء۔

۲. ایضاً۔

جاتی تھی۔ تعزیے کے انتظام کے لئے امام باڑے میں پولس کا بندوبست ہوتا تھااور محرم کی آٹھویں تک روز رات ۸ بجے سے ۱۱ بجے تک فوج کا بینڈ بجایا جاتا ہے۔

ساتواں اور آٹھواں دن: محرم کی ساتویں اور آٹھویں تاریخ کو ایک رنگ کئے ہوئے ڈبے پر ایک کمان دار آڑا بانس باندھ کر اِس کے دونون سروں پر کھلی تلواریں لٹکا کر جلوس نکالا جاتا تھا۔ اِسے علم کہتے تھے۔ علم کے جلوس میں مندرجہ ذیل لوگ شریک ہوتے تھے:

۱۔ گھڑ سوار ۲۵

۲۔ پیدل سپاہی ۴ (سنتور اور بانسری بجانے والے کے ساتھ)

۳۔ خاصے سے گھوڑے ۵

۴۔ خاصہ بردار ۵

۵۔ قرابین بیڑے کے سپاہی ۸

۶۔ ڈفلی والے ۴

۷۔ ہلکارے ۲

۸۔ جاسود ۲

۹۔ بھالے والے ۲

۱۰۔ ٹلسار ۱

۱۱۔ چوبدار ۱

۱۲۔ ہاتھی ۱

فوج کے کچھ لوگ عہدوں کے مطابق وردی پہن کر ہاتھی پر بیٹھتے تھے اور کچھ پیدل چلتے تھے۔ علم کے قریب ہی ایک سرکاری ملازم اپنے سر پر عود دان لئے ہوتا تھا۔ یہ جلوس دو روز نکلتا تھا۔ مہاراج کی جانب سے جو رقم ملتی تھی وہ ہاؤس ہولڈ افسر کے حکم سے انعام کے طور پر تقسیم ہوتی تھی۔ محرم کی ساتویں تاریخ کو مہاراجہ ہولکر سونے چاندی کے زیورات سے سجے ہاتھی پر چاندی کے ہودے میں بیٹھ کر امام باڑے آتے تھے۔ فاتحہ، درود اور نماز کے بعد مہاراج تعزیہ بنانے والوں کو نقد انعام دیتے تھے۔ سیلیاں (جنیؤ کی طرح) کاندھے سے کمر تک پہنی جانے والی دھاگوں کی چمکیلی مالا بانٹتے تھے۔ مہاراج خود بھی سیلی پہنتے تھے۔

ساتویں کی رات کو ۴۰ کلو آٹے کی روٹیاں اور پندرہ کلو مسور کی دال تیار کی جاتی تھی جسے "چھاندہ" کہا جاتا تھا۔ یہ چھاندہ فقیروں اور تابوت کے حقدار لوگوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ آٹھویں کو گُڑ کا شربت تیار کر کے فقیروں کو پلایا جاتا تھا۔

نویں محرم: قتل کی رات: تابوت کی سرگس (گشت) اِس روز کا خاص پروگرام ہوتا تھا۔ اِس لئے صبح "خاص نیزہ" کارخانے کے لوگ، بھوئی اور خلاصی کمیٹی کے افسران سمیت امام باڑے آتے تھے۔ تابوت کے سات منزلیں ایک پر ایک رکھ کر سجائی جاتی تھیں۔ تعزیے کے اوپر کے ڈھانچے کو کسنے کے بعد اُسے اٹھانے کے لئے ایک بلی پر نو، نو بھوئی اور ایک نائک تعینات کئے جاتے تھے۔ رات ساڑھے دس بجے تعزیے کو ذرد وپڑھ کر فوج اور شاہی لوازمات کے ساتھ شوبھا یاترا (گشت) پر نکالا جاتا تھا۔

مہاراجا جونے باڑے سے قتل کی رات کا جلوس دیکھتے تھے۔ جونے باڑے کی دوسری اور تیسری منزل پر مہاراجا ہو کر اپنے وزراء، سرداروں، راجے رجواڑوں کے ساتھ بیٹھتے تھے۔ ڈیلی کالج کے سبھی شہزادے، طلباء، اساتذہ، یوروپین افسران وغیرہ بھی شامل ہوتے تھے۔ جونے راج باڑے کی تینوں جانب کے جھروکوں میں بھی شاہی خاندان یا دوسرے چھوٹے بڑے افسروں کی بہو بیٹیاں، بہنیں بیٹھتی تھیں۔

تعزیے کا جلوس راج باڑے کے پیچھے سے "پچھڑی ڈیوڑھی" کے سامنے دونوں راجباڑوں کے بیچ کی سڑک سے راج باڑے ہوتا ہوا گوپال مندر سے کھجوری بازار، شکر بازار، بوہرہ بازار، بجاج خانہ چوک سے پیپلی بازار میں راجگرو (شاہی استاد) کے گھر کے سامنے ہو کر پھر امام باڑے پہنچتا تھا۔ راج گورو کے گھر کے سامنے تابوت کا جلوس رکتا تھا۔ وہ تعزیے پہ ریوڑیاں اور گلاب کے پھول چڑھاتے تھے۔ پھر جلوس روانہ ہو جاتا تھا۔ تعزیے کے اوپر دونوں طرف دو سرکاری ملہاری مار تنڈ اکھاڑے کے استاد کو شاہی استاد انعام دیتے تھے۔ ہیجڑے چاندی کے چنور اُس وقت تک ہلاتے رہتے تھے جب تک کہ جلوس ختم نہ ہو جاتا تھا۔ جلوس کے خاتمہ پر تعزیے کو پھر امام باڑے میں اسی جگہ رکھ دیا جاتا تھا۔ اِس جلوس کے ساتھ مندرجہ ذیل سرکاری عملہ ہوتا تھا۔

۱۔ فوج کی جانب سے ڈنکا نشان سوار ۵۰
۲۔ بینڈ سمیت پلٹن
۳۔ خاصہ بردار (افسران سمیت) ۵۰
۴۔ قرابین بیڑہ (نشان سمیت) ۵۰
۵۔ ہلکارے چپراسی (افسران سمیت) ۵۰
۶۔ جاسود (نائیکوں سمیت) ۹
۷۔ بھالے (کرمی لگی بلم سمیت) ۵

۸- چوبدار (چاندی کی چھڑوں کے ساتھ) ۵
۹- خاصے گھوڑے

دس محرم: یوم عاشور کو تابوت کو درود پڑھکر وقت مقررہ پر قریب ساڑھے چار بجے کربلا میدان تک جلوس کی شکل میں لے جایا جاتا تھا۔ جلوس شروع ہونے سے پہلے فوجی اور شاگرد پیشہ پہلے سے ہی امام باڑے پر تیار رہتے تھے۔ تعزیے کا جلوس دونوں راج باڑوں کے بیچ سے گزرتے ہوئے راجباڑے کے خاص دروازے پر پہنچتا تھا۔ اِس کے بعد راجباڑے کے دو پھیرے لگا کر آڑا بازار، پنڈھری ناتھ، رہس سدھی سے پرانے موتی بنگلے کے سامنے سے ہوتے ہوئے کربلا پہنچتا تھا۔ وہاں بنے ہوئے پکے اوٹلے پر تعزیہ رکھا جاتا تھا۔ یہاں تعزیے کو سلامی دے کر عملے کو چھٹی دے دی جاتی تھی۔

تعزیے دفن کرنے کے لئے کربلا لے جاتے تھے۔ سارا سرکاری عملہ تعزیے کے ساتھ ہوتا۔ مہاراجا ہولکر بھی سجے ہوئے ہاتھی پر بیٹھ کر کربلا میدان جاتے۔ سرکاری تعزیہ دن کو ۴ بجے امام باڑے سے چل کر جونے راج باڑے کے دو چکر لگاتا۔ راج باڑے پر مہاراج کا ہاتھی سلامی کی شکل میں کھڑا رہتا تھا۔ مہاراج پہلے تعزیے کو "سیلی" و "بچک" چڑھاتے۔ مہاراج کے ہودے میں بیٹھتے ہی شاہی جلوس شروع ہو جاتا۔ مہاراج کے ساتھ برطانوی فوج کا پورا ایسکورٹ چلتا تھا۔ مہاراج ہولکر اِس جلوس میں ہرا کرتا اور لال ہولکری پگڑی باندھے ہوتے تھے۔ جلوس راج باڑے سے آڑا بازار، پنڈھری ناتھ مندر سے موجودہ پھول منڈی، موتی تبیلے کی ریٹ ہوتا ہوا کربلا میدان پہنچتا تھا۔ جلوس میں دوسرے ہاتھیوں پر وزیر اور اعلیٰ افسران سوار رہتے تھے۔ جلوس کے کربلا پہنچتے ہی مہاراج ایک خاص شامیانے میں آرام فرماتے تھے۔ سرکاری تعزیے آتے ہی ایک مضبوط چبوترے پر رکھ دیا جاتا تھا۔ مہاراج شامیانے سے نکل کر تعزیے کا ایک چکر لگاتے اور پھر گلے کی "سیلی" اور بچک ندی میں بہاتے اِس کے بعد تعزیے دفن کئے جاتے۔

بارہ محرم: اِس روز سوئم کا پروگرام ہوتا۔ فقیر اور تعزیے کے حقدار لوگوں کو امام باڑے میں کھانا دیا جاتا۔ زعفرانی چاول (زردہ) خاص کھانا ہوتا تھا۔ سوئم ختم ہونے پر شام کو کربلا میں تعزیہ اُٹھانے والے بھوئی اکھاڑے والوں اور دوسرے حقدار لوگوں کو پہلے سے طے شدہ رقم کا انعام دیا جاتا تھا۔

تیرہ محرم: اِس دن صبح تعزیے کے فقیر بھوئی، کمیٹی کے افسران اور ملازمین کربلا آکر تعزیہ کھولتے تھے اور اِس کی ایک ایک منزل ندی میں بہاتے تھے۔ اِس کے کانچ، لکڑی کے کھمبے اور ابری وغیرہ امام باڑے میں لا کر رکھتے۔ اِس کے بعد امام باڑے میں شروع محرم سے ہی تعینات پہرے داروں کو چھٹی دی جاتی اور امام باڑہ بند کر دیا جاتا۔ اِس طرح محرم کا تیوہار

ہولکر راجیہ میں اختتام پذیر ہوتا تھا۔[1]

سیتامئو

سیتامئو مدھیہ پردیش کے منڈسور ضلع کی صدر تحصیل ہے۔ آزادیِ وطن کے حصول سے پہلے یہ ایک ریاست تھی جس کے حاکم جودھپور کے مہاراجہ اُودے سنگھ کے خاندان سے ہیں۔ ۳۱۔ اکتوبر ۱۷۰۱ء کو بعہد اورنگ زیب عالمگیر کے جانشینوں کے ہاتھوں یہ ریاست وجود میں آئی۔ چھوٹی ریاست ہونے کی وجہ سے مذہبی ہم آہنگی تھی ۱۹۱۱ء میں سیتامئو ریاست میں صرف ۱۰۶۹ مسلمان تھے۔ لیکن اِس ریاست کے حکمراں نہ صرف مختلف مذاہب کے ماننے والوں کو مالی امداد دیتے تھے بلکہ ان کی مختلف تقریبات میں خود شریک ہوتے تھے۔[2]

باڑے کے تعزیے کو سیتامئو کی ریاست کی جانب سے مالی امداد ملتی تھی اِس لئے اُسے سرکاری تعزیہ کہا جاتا تھا۔ قاضی باڑے کے تعزیے کے سامنے مندر کے جھروکے سے سیتامئو کے حکمراں تعزیوں کی زیارت کرتے تھے اور اکھاڑے والوں کے کرتب کا لطف لیتے تھے۔ گڑھ کے پاس آنے پر تعزیوں کا منہ پرانے زنانے کے محل کی طرف کر دیا جاتا تھا تاکہ رانیاں بھی زیارت کر سکیں۔ ۱۲ محرم کو حضرت امام حسینؑ اور شہدائے کربلا کا سوئم (تیجہ) کیا جاتا تھا۔

آج کل بھی محرم کی روایت خلوص واحترام کے ساتھ جاری ہے۔ یکم محرم کی رات کو قاضی باڑہ اور پان پورہ محلے میں چوکی ڈھلتی ہے۔ قاضی باڑے کی چوکی تالاب پر دھوئی جاتی ہے وہاں لوگ قصائی گلی، صدر بازار لوہار گھاٹی ہوتے ہوئے امام باڑے آتے ہیں۔ امام باڑے سے پان پور یا محلہ کی چوکی چلتی ہے جو گنگا دھار یا بازار، قصائی گلی ہو کر تالاب پر آتی ہے۔ فاتحہ ہونے کے بعد لوہار گھاٹی سے ہو کر لوگ امام باڑے چلے جاتے ہیں۔ کاگدی پنچایت امام باڑے سے پوسٹ آفس روڈ ہو کر بھگور گیٹ، ویری ماتا چوکی ہوتے ہوئے لوہار چوک ہو کر تالاب پر آتے ہیں۔ چوکی ڈھلنے کے بعد فاتحہ ہوتا ہے پھر یہ واپس امام باڑے لائی جاتی ہے۔

۲ محرم کو رات میں لکھیرا پنچایت اور کاگدی پورہ پنچایت کی چوکی ڈھلتی ہے۔ لکھیرا پنچایت کے امام باڑے سے چوکی صدر بازار قصائی ہوتے ہوئے تالاب پر لائی جاتی ہے۔ فاتحہ کے بعد لوہار گھاٹی سے ہو کر لوگ امام باڑے چلے آتے ہیں۔

---

۱. ہولکر حکمراں اور محرم (مقالہ) ڈاکٹر جے۔ سی۔ اُپادھیائے، دو روزہ سیمنار، ہندوستان میں سنت عزاداری محرم، سہ ماہی راہ اسلام خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، نئی دہلی نمبر شمارہ ۲۰۴۔ ۲۰۳ جنوری تا جون ۲۰۰۷ء، ص ۱۴۳ تا ۱۴۸۔

۲. سیتامئو ریاست میں محرم کی عزاداری (مقالہ) ڈاکٹر منوہر سنگھ راناوت، ہندوستان میں سنت عزاداری محرم، راہ اسلام مذکورہ بالا، ص ۱۳۱۰ سیتامئو اسٹیٹ گزیٹر فائل شری نٹ ناگر شودھ سنستھان، سیتامئو میوزیم۔

۳ محرم کو منصوری جماعت کے لوگ پنچایت (پنجارہ) پیر مدار گلی سے ہو کر صدر بازار ہوتے ہوئے تالاب پر آتے ہیں۔ شاہ پنچایت (فقیر) امام باڑے سے مارکیٹ گلی سے مئو گلی، صدر بازار ہو کر قصائی گلی ہوتے ہوئے تالاب پر آتے ہیں۔ یہاں فاتحہ ہونے کے بعد واپس امام باڑے آتے ہیں۔

۴ محرم حمال یونین کا نشان دوہرے جھنڈے بھگور دروازے سے صدر بازار لوہاری چوک تک لے جایا جاتا ہے وہاں تبرک تقسیم ہوتا ہے۔

۵ محرم کو قاضی باڑہ پنچایت کے نشان نکلتے ہیں بھگور گیٹ سے روانہ ہو کر لوہاری چوک ہو کر قاضی باڑہ امام باڑہ تک بینڈ باجے کے ساتھ عقیدت مند آتے ہیں۔

۶ محرم پان پور پنچایت نشان کا جلوس بھگور گیٹ سے روانہ ہو کر صدر بازار، آزاد چوک، لوہاری چوک، گنگدھار بازار اور پان پوریا امام باڑے آتا ہے۔

۷ محرم کو مہندی کی رسم ہوتی ہے جسے سہرہ چڑھانا کہا جاتا ہے۔ شام کو بھگور گیٹ سے مہندی کا جلوس چلتا ہے جو بینڈ باجے کے ساتھ آزاد چوک ہو کر لوہاری چوک تک جاتا ہے۔ پھر مہندیاں اپنے اپنے مقام پر واپس چلی جاتی ہیں۔

۸ محرم کو قاضی باڑہ پنچایت کا حضرت عباس کا علم (دو تلواریں لٹکا کر علم بنایا جاتا ہے) بھگور گیٹ، آزاد چوک، لوہاری چوک ہو کر قاضی باڑہ پنچایت جاتا ہے۔

۹ محرم: قتل کی رات، گشت کی رات کہلاتی ہے سبھی پنچایتوں کے امام باڑوں پر شام کو چار سے پانچ بجے تک تعزیوں کی سجاوٹ کا کام پورا کر لیا جاتا ہے۔ منت ماننے والے (مسلمان اور ہندو فرقوں کے لوگ) نوٹوں کا سہرہ منت کے مطابق چڑھاتے ہیں۔ منتیں پوری ہونے پر لوگ محرم کے موقع پر چاندی کے ہاتھ، پیر، دل، گردہ وغیرہ بنوا کر چڑھاتے ہیں۔ بیمار لوگ جادو ٹونے کا اثر دیکھنے کے لئے تعزیے پر چھپے میں کورا کاغذ باندھتے ہیں۔ اسے ایک تاریخ کو کھولا جاتا ہے پھر استخارہ کیا جاتا ہے۔

اُسی دن رات کو آٹھ بجے پان پوریا محلے کا تعزیہ سلاوت چوک سے اُٹھتا ہے اور پان پوریا امام باڑے کے سامنے آتا ہے۔ دس بجے کے بعد جلوس یہاں سے چل کر گنگدھار یا بازار آتا ہے۔ سیدوں کے محلے سے شہیدوں کا تعزیہ چل کر پان پوریا امام باڑے کے یہاں مقام لگا کر اس کے پیچھے چلتا ہے۔ لکھیرہ امام باڑے سے لکھیرہ کا تعزیہ پیچھے ہو جاتا ہے۔ صدر بازار کا تعزیہ لوہاری چوک میں ایک بجے تک آ جاتا ہے۔ لکھیرہ کا تعزیہ پان پوریا کے پیچھے رہتا ہے۔ بھگور دروازے سے جاتے وقت ایک بار پان پوریا اور دوسرے مقام پر لکھیرہ کا تعزیہ آگے رہتا ہے۔ قاضی باڑہ پنچایت کا تعزیہ امام باڑے سے ۱۱ بجے اٹھتا ہے۔ لوہاروں کی گھاٹی ہوتا ہوا پان پوریا کے تعزیے کا مقام لگنے کے بعد قاضی باڑہ تعزیے کا مقام لگتا ہے۔ یہاں سے کچھ دیر

ٹھہرنے کے بعد روانہ ہوتا ہے تو قاضی باڑے کا تعزیہ سب سے آگے اُس کے پیچھے لکھیرہ کا تعزیہ اُس کے بعد پان پوریا کا تعزیہ رہتا ہے۔ سب تعزیے ناتھولال تھانیدار کے دروازے تک آتے ہیں۔

تھانیدار کے دروازے پر چاروں تعزیوں کا گدڑی پورہ منصوری مقام لگتا ہے اور سب تعزیے کبھی آگے تو کبھی پیچھے رہتے ہیں۔ اِن تعزیوں کے پیچھے شہیدوں کا تعزیہ ہوتا ہے۔ قصابوں کا تعزیہ سب سے پیچھے رہتا ہے۔ یہاں سے سبھی کا جلوس چل کر آزاد چوک تک آتا ہے جہاں سے سبھی تعزیے اپنے اپنے مقام تک چلے آتے ہیں۔ صبح ۶ بجے سے قبل سب تعزیے اپنے مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔

۱۰ محرم: یوم عاشورہ کو سلاوٹی چوک سے پان پوریا کا تعزیہ ۹ بجے صبح اٹھتا ہے۔ راستے میں شہیدوں کا تعزیہ شامل ہوتا ہے اور پان پوریا امام باڑے میں مقام لگتا ہے۔ وہاں سے جلوس گنگدھار یا بازار آتا ہے۔ یہاں دونوں کا مقام لگتا ہے۔ ۱۱ بجے یہاں سے چل کر صدر بازار ہوتا ہوا لوہاروں کے چوک میں ۲ بجے کے قریب مقام لگتا ہے۔ راستے میں پان پوریا کے تعزیے کے پیچھے لکھیرہ کا تعزیہ آنے پر اِن کا مقام لگتا ہے۔ اُن کے پیچھے شہیدوں کے تعزیے کا مقام لگتا ہے۔

قاضی باڑے کا تعزیہ ایک بجے امام باڑے سے چل کر لوہاری گیٹ دو بجے پہنچتا ہے۔ پان پوریا، لکھیرہ اور شہیدوں کے تعزیوں کے مقام لوہاری چوک پر لگنے کے بعد قاضی باڑے کے تعزیے کا مقام بھی لوہاری چوک میں لگ جاتا ہے۔ یہاں سے پہلے قاضی باڑے کا تعزیہ آگے چلتا ہے۔ پھر لکھیرہ کا پھر پان پور کا پھر شہیدوں کا اور پھر قصابوں کا۔ راستے میں منصوری پنچایت، کاگدی پنچایت اور شاہی پنچایت کے تعزیے مِل جاتے ہیں۔ پیر مدار علی سے یہ تعزیے پان پور کے تعزیے کے پیچھے چلتے ہیں اور اِن کے بعد شہیدوں کا تعزیہ بھی اِن کے پیچھے چلتا ہے۔ اِس کے بعد شاہی اور ترمشی پنچایت کے تعزیے رہتے ہیں۔ تھانیدار کے یہاں مقام ہوتا ہے۔ یہاں سے پھر چل کر تعزیے ایک کے بعد ایک آزاد چوک تک پہنچتے ہیں۔ یہاں تعزیوں کا الگ الگ کمیٹیوں کی طرف سے استقبال کیا جاتا ہے۔ یہاں سے چل کر ایک کے بعد ایک گھسور گیٹ تک سبھی تعزیے رات کو ایک یا ڈیڑھ بجے تک پہنچ جاتے ہیں۔

۱۱ محرم کو چلنے والے محرم کے جلوس کے آگے ہندو عورتیں پانی کا چھڑکاؤ کرتی ہیں۔

۱۲ محرم کو اکھاڑے والوں کی طرف سے گھسوریا دروازے پر ایک جلوس نکالا جاتا ہے۔ جو لوہاروں کی گھاٹی تک جاتا ہے۔ سبھی حصہ لینے والے اکھاڑے والے اپنے کرتب دکھاتے ہیں۔ آخر میں تبرک تقسیم کیا جاتا ہے۔ سبھی بینڈ والے باہر سے آتے ہیں۔ یہ اہتمام دس روز تک حضرت امام حسینؑ کی شہادت کی یاد میں کیا جاتا ہے۔ سوئم کو مسجد میں کلمہ پڑھا جاتا ہے۔ چنے، میوہ ملا کر تبرک تقسیم کیا جاتا ہے۔ سوجی، شکر، میوہ دودھ میں ڈال کر ایک قسم کی روٹی (روٹ) بنائی جاتی ہے۔ فاتحہ کے بعد روٹ ملنے والوں کو بھیجے جاتے ہیں۔ ۹، ۱۰ محرم کو بینڈ باجے کے ساتھ اکھاڑہ بھی رہتا ہے۔ دس دن تک منت

والے فقیر بنتے ہیں اور پہلی سے دس تاریخ تک لگاتار لنگر لٹاتے ہیں۔ جگہ جگہ سبیلیں لگتی ہیں جہاں شربت پلایا جاتا ہے۔ حلیم بنایا جاتا ہے۔ (سبھی طرح کی دالیں، گندم اور گوشت ملا گھوٹ کر بنایا جاتا ہے) یہ پروگرام ایک سے ۱۲ محرم تک رہتا ہے۔ ایک سے دس تک دودھ کا شربت بنا کر تقسیم کیا جاتا ہے[1]۔

راجستھان کی شاہی ریاستوں میں عزاداری

۱۱۹۲ء میں پرتھوی راج چوہان کی شکست کے بعد اجمیر پر محمد غوری کی فوجوں کا قبضہ ہو گیا۔ اُسی زمانے میں کچھ فوجی سید میران حسین خنگ سوار کی قیادت میں تارا گڑھ کے قلعے میں مقیم ہوئے۔ ۱۱۹۵ء میں اُنہوں نے راجستھان میں عزاداری کی روایت قائم کی۔ آج یہ پورے راجستھان میں ایک روایت بن چکی ہے۔ اودے پور، جودھپور، جے پور، شیخاوٹی، بیکانیر، کوٹا، الور، بھرتپور، ڈونگر پور، لگ بھگ سبھی جگہ ریاستوں میں محرم کی عزاداری کے مراسم ہوتے تھے۔ اِس مخلوط کلچر کی بنیاد تو مغل دور کے آغاز میں پڑی تھی۔ آج بھی عزاداری صرف شیعہ حضرات تک محدود نہیں ہے بلکہ اہل سنت اور غیر مسلم حضرات بھی عزاداریِ شہدائے کربلا میں حصہ لیتے ہیں۔

جے پور[2]

آمبیر وہ پہلی راجپوت ریاست تھی جس نے مغل بادشاہوں سے قریبی رشتے قائم کئے۔ یہاں کے حکمران مغل فرمانرواؤں کے معتمد، رازدار اور مغلیہ دربار میں بڑے منصب دار ہوتے تھے۔ انہوں نے مغل بادشاہوں کے طور طریقے اور زبان اپنائی۔ جب ۱۷۲۷ء میں مرزا راجا سوائی جے سنگھ نے نئے شہر جے پور کی بنیاد ڈالی تو کچھ سید خاندان بھی آمبیر سے نئے شہر میں منتقل ہو گئے۔ انہیں یہاں رہائش، مسجدوں اور خانقاہوں کی تعمیر کے لئے زمین دی گئی۔ کچھ افراد کو ریاست کے لئے گرانقدر خدمات انجام دینے کے لئے جاگیریں بھی عطا ہوئیں۔ انہیں خاندانوں نے جے پور میں عزاداری کی روایت قائم کی۔ زنانی مجالس کا آغاز پہلے ہوا بعد میں مردانی مجالس شروع ہوئیں۔ شروع میں عزاداری اور تعزیہ داری چند خاندانوں تک محدود تھی۔ زنانی اور مردانی مجالس ہوتی تھیں اور تعزیے نکالے جاتے تھے۔ شاہی خاندان والوں نے اِن مراسم میں سوائی

---

۱. سیتا مئو سینسس رپورٹ میجر سی الوارڈ، سپرنٹنڈینٹ آف سینسس آپریشن اِن سنٹرل انڈیا، ۱۹۱۱ء/ سیتا مئو کا ساماجک آرتھک اتہاس-۱۹ شتابدی ڈاکٹر ریتا کوٹھاری، ناشر شری نٹ ناگر شودھ سنستھان، سیتا مئو/ ڈاکٹر رگھوبیر سنگھ: اسلام کا پرتھم راجیہ، ناشر راج کمل پرکاشن، نئی دہلی/ جودھپور راجیہ کی کھیاتی، حصہ نمبر، ایڈیٹر ڈاکٹر رگھوبیر سنگھ اور ڈاکٹر منوہر سنگھ رانادت، ناشر پنچ شیل پرکاشن، نئی دہلی۔

۲. راجستھان میں عزاداری اور تعزیہ داری کی روایت (مقالہ) رنبیر سنگھ، راہ اسلام مذکورہ بالا جنوری۔جون، ص ۲۲۸-۲۲۹۔

رام سنگھ (۱۸۳۰تا ۱۸۸۰ء) کے زمانے سے حصہ لیناشروع کیا۔ اُس کے عہد حکومت میں ہر مہینے چاند نکلنے پر ناہر گڑھ سے توپ داغی جاتی تھی۔ لیکن محرم کی چاند رات کااعلان ڈھول اور تاشے کے ذریعے کیا جاتا تھا۔ سپاہیوں نے ساتھ ناہر گڑھ سے جلوس کی شکل میں علم نکالے جاتے تھے یہ جلوس شہر کے تمام محلوں میں گشت کرتا تھا۔ جو ماہ محرم کے شروع ہونے کا اعلان تھا۔ محرم کے پہلے دن سے ہی شاہی محل اور جاگیر داروں کے یہاں موسیقی اور رقص کی محفلیں بند ہو جاتی تھیں۔

یوم عاشور کو ہر محلے میں تیار کئے گئے تعزیے ہوا محل کے چوپار میں جمع ہوتے تھے۔ ایک بار سوائی رام سنگھ بیمار ہو گیا۔ کسی علاج سے فائدہ نہیں ہوا اُسے مشورہ دیا گیا تعزیے کی ڈوری پہنے اور یہ معجزہ تھا کہ وہ اُسی دن ٹھیک ہو گیا تو اُس نے سونے چاندی کا بنا ایک تعزیہ چڑھایا تھا۔ یہ تعزیہ آتش خانے کے صدر دروازے پر رکھا جاتا تھا۔ اور یہیں سے جلوس میں شامل ہوتا تھا۔ اِس جلوس میں ہر فرقے کے لوگ شریک ہوتے تھے۔ راستے میں کھڑی ہندو اور مسلمان عورتیں تعزیوں کے نیچے سے اپنے بچوں کو گزارتی تھیں۔

جے پور میں ۱۹۴۲ء میں پہلی بار حسین ڈے چار دروازہ میدان میں منایا گیا۔ یہ پروگرام تین دن تک چلا۔ اِس میں مشہور دانشوروں، ادیبوں، شاعروں نے حصہ لیا۔ (چاند بہاری لال صبا المعروف بہ طوطیِ راجستھان کا سلام بہت مقبول ہوا تھا)۔ دوسرا حسین ڈے سوائی مان سنگھ ٹاؤن ہال میں ہوا اور تیسرا ۱۹۸۵ میں امام باڑہ بدان پورہ میں ہوا تھا۔ جے پور میں پانچ مسجدیں، دو قومی امام باڑے اور سادات خاندانوں کا ایک قبرستان ہے۔ حالانکہ بہت سے خاندان پاکستان ہجرت کر گئے لیکن عزاداری اور تعزیہ داری کی روایت آج بھی قائم ہے اور تمام مذاہب اور ذاتوں کے لوگ پوری عزت واحترام کے ساتھ تعزیوں کے جلوس میں شرکت کرتے ہیں۔

جودھپور[1]

اِس ریاست میں عزاداری مہاراجہ جسونت سنگھ (۱۸۹۰۔۱۸۷۳ء) کے زمانے سے شروع ہوئی۔ یہاں ایک رواج تھا کہ ہر محلے کے لوگ ڈھول تاشہ بجاتے ہوئے سارے محلے کا گشت کرتے اور چندہ اکٹھا کرتے تھے۔ سوسائیٹی کا ہر طبقہ اُنہیں بخوشی چندہ دیتا تھا۔ انہیں ۳۰ روپے مہران گڑھ (شاہی خاندان کا مسکن) سے ملتے تھے۔ جودھپور کے مہاراج کی ایک لڑکی کی شادی جے پور کے سوائی مان سنگھ سے ہوئی تھی۔ اُس نے منت مانی کہ اگر اُس کے یہاں لڑکا پیدا ہوا تو وہ محلّہ لائقان کے تعزیے کو بہتر بنوادے گا۔ اُس کے یہاں لڑکا ہوا۔ رانی نے حکم دیا کہ ۱۸ فٹ اونچا لکڑی کا تعزیہ بنوایا جائے جسے سونے چاندی سے مڑھا

۱۔ راجستھان میں عزاداری اور تعزیہ داری کی روایت (مقالہ) رنبیر سنگھ، راہ اسلام مذکورہ بالا جنوری۔ جون، ص ۲۳۰۔۲۳۱۔

جائے۔ یہ خوبصورت تعزیہ آج بھی رانی صاحبہ کے محرم کے نام سے جانا جاتا ہے اور جلوس میں ممتاز جگہ رکھتا ہے۔ چوب داروں کے محلے کا ایک تعزیہ اور دوسرا محلہ ناٹک والا تعزیہ جسے برہمن بناتے تھے دونوں مقررہ وقت پر ڈھول تاشوں کے ساتھ مختلف سمتوں سے لاکر ایک جگہ قریب قریب رکھ دئے جاتے تھے اور اُس وقت ہندو اور مسلمان بڑی محبت اور لگاؤ کے ساتھ ایک دوسرے سے ملتے تھے۔

ایک رواج یہ بھی تھا کہ جب تعزیے شیو مندر کے پاس پہنچتے جو ایک مینار مسجد کے قریب ہے تو تعزیوں کو تھوڑا نیچے کر دیا جاتا تھا اور ایک بار پھر تمام فرقوں کے لوگ ایک دوسرے سے ملتے تھے۔ جلوس جب دوبارہ چلنا شروع کرتا تو عورتیں اپنے بچوں کو تعزیے کے نیچے سے گزارتیں۔ جودھپور کا مہاراجا اپنے بھائیوں اور دوسرے درباریوں کے ساتھ تیجا ماجی کے مندر (ڈوگری رانی کا بنوایا ہوا مندر) کے چھجے پر بیٹھ کر جلوس دیکھتا۔ مہارانیاں سردار بازار کے صدر دروازے پر بیٹھا کرتی تھیں۔ مہاراجہ کی طرف سے سب لوگوں میں کھیر اور مٹھائی بٹتی تھی۔ ۱۹۶۸ سے تعزیے اپنے محلوں میں رکھ دئے جاتے ہیں۔ (جلوس کی شکل میں نہیں نکالے جاتے) جہاں سب لوگ خصوصاً عورتیں جاکر سلام کرتی ہیں اور ایک دوسرے سے ملتی ہیں۔ سب لوگوں میں شربت اور مٹھائی تقسیم کی جاتی ہے۔

شیخاوٹی[1]

آمیر کے حکمراں خاندان میں ایک بیٹے موکال کے یہاں اولاد نرینہ پیدا نہیں ہوتی تھی۔ ایک دن وہ صوفی شیخ برہان الدین سے ملا اور اُن سے دعا کرنے کو کہا۔ اُن کی دعا سے اُس کے یہاں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام صوفی صاحب کی نسبت سے شیخا رکھا گیا۔ وہ شیخاوت خاندان کی حکومت کا بانی ہوا اور اُس نے جو علاقہ فتح کیا اسے شیخاوت کہا جاتا ہے۔ ایک دن شیخا کو پٹھانوں کی ایک ٹولی ملی جو معاش اور رہائش کے لئے زمین کی تلاش میں تھی۔ شیخا نے اُن کو رہنے کے لئے زمین دی۔ انہوں نے ایک شرط رکھی شیخاوت سور کا گوشت نہیں کھائیں گے اور پٹھان گائے کا گوشت نہیں کھائیں گے اور مور نہیں ماریں گے۔ شیخا لوگوں کے جھنڈے کا رنگ پیلا ہوتا ہے۔ کنارے سرخ ہوتے ہیں اور بیچ میں ہنومان جی کی شکل ہوتی ہے لیکن اس میں ایک پٹی نیلے رنگ کی ہوتی ہے جو دونوں فرقوں کی ایکتا کو ظاہر کرتی ہے۔

شیخاوت سرداروں نے شہنشاہ اکبر کی ملازمت کی، فارسی سیکھی، مغل طور طریقے اپنائے۔ شیخاوت کے تمام سرداروں کی جاگیروں میں ایک مسجد، ایک کربلا اور قبرستان کے لئے زمین متعین کی جاتی تھی۔ دونوں فرقے شیخاوت راجپوت اور پٹھان

۱۔ راجستھان میں عزاداری اور تعزیہ داری کی روایت (مقالہ) رنبیر سنگھ، راہ اسلام مذکورہ بالا جنوری۔جون، ص ۲۳۱-۲۳۲۔

آج بھی اپنے تیوہار ہولی، دیوالی، گنگور، عید اور محرم مل کر مناتے ہیں۔ محرم کے مہینے میں گانا اور ناچ سختی سے ممنوع ہے۔ محرم میں یوم عاشور کو تعزیوں کا جلوس قلعے کے سامنے لایا جاتا ہے اور میدان میں ٹھہرتا ہے۔ بستی کے سب لوگ ڈھول تاشے سنتے اور تلوار بازی کا مظاہرہ دیکھنے جمع ہوتے ہیں۔ (روایت یہ تھی کہ ہر خاندان کا کم از کم ایک فرد ضرور شریک ہوتا تھا۔) مظاہرے کے بعد تعزیہ کا جلوس شروع ہوتا ہے۔ عورتیں اپنے بچوں کو تعزیے کے نیچے سے گزارتی ہیں۔ تمام فرقوں کا ملاجلا جلوس کربلا پہنچتا ہے جہاں تعزیے دفن کئے جاتے ہیں۔

بیکانیر[1]

بیکانیر راجستھان کے اہم ترین ریاستوں میں ایک تھی۔ ہندوستان کے تمام رجواڑوں میں بڑی ریاستوں میں اِس کا ساتواں نمبر تھا۔ جبکہ راجپوتانہ میں یہ دوسرے نمبر پر تھی۔ اِس کا رقبہ ۲۳،۳۱۷ مربع میل تھا۔ اِسے راؤ جودھا جی راٹھور (حکمراں میواڑ) کے بیٹے راؤ بیکا جی نے ۱۴۶۵ میں قائم کیا تھا۔ یہ سوریہ ونشی خاندان سے تھے۔ لیکن ریاست بیکانیر کے حکمراں اپنی ہندو اور مسلم رعایا کے لئے حساس اور لحاظ رکھنے والے تھے اور پوری طرح محتاط اور چوکنا رہتے کہ اُن کی رعایا میں کسی قسم کا تناؤ نہ پیدا ہو۔

محرم سے پہلے مراسم عزاداری کی ادائیگی کے لئے خصوصی انتظام کئے جاتے تھے تاکہ نقص امن نہ واقع ہو۔ محرم سے پہلے اور بعد میں مشورے، تجاویز و شکایتیں اور تعاون حاصل کرنے کے لئے ہندو مسلمان دونوں فرقوں کے منتخبہ رہنماؤں سے رابطہ قائم کیا جاتا تھا۔ ضلع افسران کی ذمہ داری اعلیٰ ذمہ دار ہستیوں کو باخبر رکھنا اور صورت حال پر کنٹرول رکھنے کے لئے فوری اقدامات اٹھانا۔ پولیس اور اعلیٰ افسران پیشگی اقدامات کرتے تھے تاکہ کوئی بدعنوانی نہ ہو۔ چورو اور بیکانیر شہر کے انتظامات چیف ایگزیکیٹیو افسر کے سپرد تھے۔ انسپکٹر جنرل پولیس اور ناظم صدر اُس کی مدد کرتے تھے۔ پورے ضلع میں ضرورت پڑنے پر فوج بھیجنا ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ رتن گڑھ کی ذمہ داری تھی۔ اُس کے لئے رتن گڑھ میں ایک میجر کی کمانڈ میں تین جونئیر افسروں کے ساتھ ۱۰۰ افراد پر مشتمل دستہ رتن گڑھ بھیج دیا جاتا تھا۔ فتنہ و فساد کی صورت میں پولس اور فوج مل کر فوراً حفاظت کرتے صرف بڑے لیڈروں یا خاص فسادیوں اور قانون شکنوں پر مقدمہ چلتا عام لوگوں کو فوری قسم کی معمولی سزائیں اور جرمانہ لے کر چھوڑ دیا جاتا تھا۔

یومُ سدّا (شدّا): بارہ بجے دن دس سوار انسپکٹر جنرل آف پولس کی نگرانی میں بیکانیر شہر میں کام کرتے تھے۔

قتل کی رات: ایک کپتان کی کمان میں ۲۰۰ سپاہی چھوٹی ٹکڑیوں میں شہر کے مختلف علاقوں میں تعینات کر دئے جاتے جو

شام سات بجے سے اگلے دن صبح ساڑھے نو بجے تک موجود رہتے تھے۔

تعزیہ کا دن: (یوم عاشورہ) ۲۷۵ سپاہی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں مختلف جگہوں پر تعینات کر دئے جاتے تھے۔ ہر شخص کے ساتھ انصاف اور ایمانداری برتی جاتی تھی۔ کسی بھی شخص یا فرقے کے ساتھ تعصب یا جانبداری نہیں برتی جاتی تھی شدًا، مہندی و تعزیے نکالنے کے لئے دو ماہ قبل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ سے اجازت لینا ضروری تھی۔ یہ بھی بتانا ہوتا تھا جلوس نیا ہے یا پرانا، اکھاڑے اور جسمانی کرتبوں کے لئے کہاں کہاں جلوس رکے گا۔ تعزیے کے راستوں کو بغیر قبل اجازت کے بدلا نہیں جا سکتا تھا۔ نیا تعزیہ نکالنے کے لئے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی اجازت ضروری تھی۔ تعزیہ اتنا اونچا نہیں ہوتا تھا کہ راستے میں بجلی کے تاروں سے کوئی رکاوٹ پیدا ہو۔ کوئی حکم دوامی نہیں تھا۔ ہر سال تمام معاملات نئے سرے سے اٹھائے جاتے تھے۔ ریاست کا سارا عملہ غیر جانبدار اور غیر فرقہ وارانہ انداز میں شریک ہوتا تھا۔ کبھی کبھی کشیدگی خود ایک ہی فرقے کی دو ٹولیوں میں تعزیہ، مجلس، عزاداری یا اکھاڑے وغیرہ کو لے کر مقابلہ کی وجہ سے ہو جاتی تھی مختلف فرقوں کے تیوہار ایک ساتھ پڑ جانے کی وجہ سے الگ الگ راستے طے کر دئے جاتے تھے۔

اودے پور (میواڑ)[1]

مہارانا فتح سنگھ کے زمانے میں سید مبارک علی کے خاندان والوں نے محلہ لشکر کوٹی میں عزاداری شروع کی۔ ریاستی دور میں اودے پور میں بڑی پلٹن کا تعزیہ میواڑ کے مہارانا کی جانب سے بنایا جاتا تھا۔ اُس وقت مہارانا میواڑ کی فوج کے ملازمین ہی تعزیے بناتے تھے۔ محرم کے روز جب تک کہ بڑی پلٹن کا تعزیہ پچھولہ جھیل میں ٹھنڈا نہ کر دیا جاتا تھا مہارانا خود کھانا نہیں کھاتے تھے۔ آزادی کے بعد یہ کام مسلم فرقے کی ایک کمیٹی کو سونپ دیا گیا ہے۔ میواڑ کے مہارانا کی طرف سے جو سندھی مسلمان مراٹھا حملہ آوروں کے خلاف لڑے تھے اُن کی طرف سے میوہ فروش کے تعزیوں کو آج بھی بھڑ بھونجا گھاٹی پر سندھیوں کی چھتری کی طرف سے آج بھی سلامی کرائی جاتی ہے۔

راجستھان میں الور، بھرتپور، کوٹا میں رجواڑے محرم میں شریک ہوتے تھے[2]۔

۱۔ میواڑ میں عزاداری کی روایت (مقالہ) ڈاکٹر گریش ناتھ ماتھر، راہ اسلام مذکورہ بالا، ص ۲۴۰-۲۴۵۔

۲۔ راجستھان کی لگ بھگ تمام ریاستیں بیکانیر، کوٹا، الور، بھرت پور، محرم کی روایت برقرار رکھے ہوئے تھیں اور کچھ ریاستیں تو خود بھی اپنا ایک تعزیہ جلوس میں شامل کرتی تھیں (راجستھان میں عزاداری اور تعزیہ داری کی روایت (مضمون) رنبیر سنگھ مذکورہ بالا، ص ۲۳۲۔

دھولپور

میر حیدر علی اور مظفر علی عراق سے یہاں آئے اور ممتاز عہدوں پر فائز ہوئے۔ ۱۷۶۰ء میں عزاداری کا آغاز کیا۔ میر حیدر علی کے فرزند میر عابد علی کربلا سے تسبیح اور خاک شفا کی سجدہ گاہ لائے راجا کیرت سنگھ نے کربلا بنوادی۔ میر عابد علی نے مسجد اور امام باڑہ تعمیر کروایا۔ ۷ اور ۱۰ محرم کو تابوت و ذوالجناح کا جلوس برآمد ہوتا ہے گھوڑا مہاراج صاحب نے دیا ہے جس کا خرچ راج گھرانے سے نکلتا تھا۔ مہاراجا بھگوان سنگھ تعزیوں کے ساتھ پیدل چلتے تھے اور خود ماتم کرتے تھے۔ جلوس میں ماتمی بینڈ آگے چلتا تھا۔ یہ ایک قسم سے سرکاری عزاداری ہو گئی تھی۔

جیسلمیر

جیسلمیر ریاست کے حکمراں اپنی رعایا کا بہت خیال رکھتے تھے ان کے راجیہ میں شِلاوتس (سلاوٹ) سنگتراش بھی رہتے جن میں زیادہ تر مسلمان تھے یہ قلعہ، محلوں اور حویلیوں کی تعمیر میں حصہ لیتے تھے۔ جیسلمیر کے مہاراجہ نے بھی اِن سنگتراشوں کو عشرۂ محرم کے دوران بادل محل کے دالان میں تعزیہ رکھنے کی اجازت دے دی تھی جب ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہوا تو جیسلمیر کے سنگتراشوں کے خاندانوں نے بھی ہجرت کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ لیکن جانے سے پہلے اپنی یادگار کے طور پر سنگی تعزیہ کے طور پر ایک عمارت تعزیے کی شکل کی تعمیر کرنے کی اجازت مہاراجہ سے حاصل کرلی۔ یہ عمارت آج بھی قائم ہے اور تعزیہ ٹاور کہلاتی ہے یہ محل کی دومنزلہ عمارت کے وسطی دالان میں ہے۔ اِس محل میں شاہی خاندان کے افراد کی رہائش کے سبب باہر کے لوگوں کو وہاں جانے کی اجازت نہیں۔ یہ مینار محل سے بہت بلند ہونے کی وجہ سے بہت دور سے بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ مینار کا بالائی حصہ راجستھانی جھروکہ اور چھتری کی شکل کے تعزیے کے طور پر نظر آتا ہے۔ بادل محل میں اب ہوٹل اور میوزیم بنادیا گیا ہے اور اِس کو اب بادل ولاس مندر پیلیس کہا جاتا ہے۔

سروہی

سروہی میں راؤ اُمید سنگھ اور مہراج کیسری سنگھ کے عہد حکومت میں دیوان نعمت علی خاں نے عزاداری کو خوب فروغ دیا۔

الور

الور کے مہراج شیودان سنگھ کے زمانے میں عزاداری کی بہت ترقی ہوئی۔ خاص طور سے چہلم بہت شاندار طریقے سے منایا جاتا تھا۔

کوٹا

یہاں سید افضل حسین ثابت لکھنوی نے حاجی سید جعفر حسین کے ساتھ ۱۸۸۰ء میں عزاداری شروع کی۔ آج بھی اہل سنت کے یہاں تعزیہ داری ہوتی ہے۔ تقریباً ۱۹ محلے تعزیہ برآمد کرتے ہیں جن میں راج گھرانے کا تعزیہ بھی شامل ہے۔

جموں کشمیر

مہاراجہ پرتاپ سنگھ کے زمانے کے بعد تک ماتمی جلوس کے تحفظ اور پانی کا انتظام کرتے تھے۔ اِس میں ہندو اور مسلم شریک ہوتے ہیں۔ راستے میں پھلوں کا رس اور طبی امداد بھی فراہم کرتے ہیں[1]۔

بڑودہ

بڑودہ کے گیکواڑ بھی محرم کے جلوس میں شرکت کرتے تھے[2]۔

جھارکھنڈ

جھارکھنڈ میں راجہ ویر وکرم کو گولکنڈہ کے سلطان ابوالحسن تاناشاہ نے جاگیر معافی عطا کی تھی۔ وہاں عشرہ محرم قبل سے انتظامات شروع ہو جاتے ہیں۔ سونے کا علم، شاہی تلوار اور پنکھے عاشور خانوں میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔ چھٹی سے محرم کے جلوس نکلتے ہیں مہاراجہ کے خاندان والے ستیہ دھوج کو سلامی دیتے ہیں[3]۔

۱۔ جموں و کشمیر میں عزاداری کی روایت: پروفیسر جگر محمد راہ اسلام مذکورہ بالا، ص ۲۳۸۔

۲۔ رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، ص ۳۳۹۔

باب چہار دہم

جائزہ

حضرت حسینؑ کی عظیم الشان قربانی جہاد حق و عدالت اور اثبات و استقامت کی ایک کامل ترین مثال اور ایک ایسا عملی پیغام ہے جس کا تعلق ہر مذہب ہر خطے ہر نسل کے انسان دوست افراد سے ہے۔ اسی لئے دنیا کے کونے کونے میں مجلس عزا کا انعقاد ہوتا ہے اور جلوس ہائے عزا برآمد ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں تو عزاداری کی روایت بہت قدیم ہے۔ یہ ایک مکمل ادارہ ہے جس کا ارتقاء صدیوں میں ہوا ہے۔ اسی لئے اس کی اصطلاحات نہ تو کسی لغت میں ملتی ہیں نہ کسی کتاب میں۔ آج تقریباً پورے ملک میں عزاداری کے مراسم سرانجام دیئے جاتے ہیں۔ ہندوستانی سیاست؛ معیشت اور معاشرت پر اِس کے اثرات نمایاں ہیں۔

عزاداری ایک فطری عمل ہے جب کوئی ہستی جو دل کے بہت قریب ہو، جدا ہو جائے تو غم ہونا عین فطرت ہے۔ اگر وہ محبوب ہستی مقدس بھی ہو اور بقائے ایمان کے لئے اُس کی شہادت ہوئی ہو اور وہ بھی اِس طرح کہ انسانی تاریخ میں ایسی اور کوئی مثال نہ ہو تو اظہار غم میں اور زیادہ شدت ہونا لازمی ہے۔ اظہار غم کے طریقے مختلف ہو سکتے ہیں۔ مغموم ہونا، حرکات وسکنات سے افسوس ظاہر کرنا، الفاظ کے ذریعے غم کا اظہار، گریہ و بکا، چیخنا چلانا، سر و سینہ زنی یا اُس سے بھی شدید طریقے سے اظہار جذبات کرنا۔ گریہ تو انبیائے کرام، ائمہ طاہرین و صحابیان رسول اللہ، اور عالم روحانیت کی دیگر مقتدر ہستیوں نے بھی کیا ہے۔ قرآن کریم میں بھی گریہ کا تذکرہ ہے اور یہ سنت بھی ہے۔ عزاداری کا تذکرہ تو شہادت حسینؑ سے قبل شروع ہو چکا تھا۔ پیغمبرِ خدا خاتم النبیین آنحضرتؐ، امام نخستین مولائے کائنات اور حضرت زہرا سلام اللہ علیہا نے مختلف مواقع پر شہادت حسین کا تذکرہ کرکے گریہ فرمایا۔ شہادت کے بعد اسیران کربلا، حضرت زینب سلام اللہ علیہا، ائمہ معصومین و مطاہرین علیہم السلام نے عزاداری قائم کرکے عملی طور پر اس کا طریقہ سکھایا۔

عزاداری امام مظلوم، اہل بیت اور تمام شہدائے کربلا کی یادوں کا تذکرہ ہے جنہوں نے مصائب و شہادت کی منازل سے گزر کر عالم بشریت پر جو احسان کیا اُسے کلی طور پر بیان تحریر و تقریر میں لانا ممکن نہیں۔ یہ مصائب دو طرح کے ہیں(۱) مصیبت یعنی وہ مصائب و ظلم جن سے معصومین دوچار ہوئے ۲۔ مصیبت عظیم یعنی جن ائمہ طاہرین کو خدائے پاک نے انسانی معاشرے کی ہدایت و رہنمائی کے لئے عنایت فرمایا تھا انہیں اُس مقام و مرتبہ سے محروم کرنے کی سازش کی گئی۔ اسی لئے ظالموں کے خلاف آواز اٹھانا اور مظلومین کی یاد کے لئے ہر وہ طریقہ اختیار کرنا جس سے اہل بیت کی مظلومیت، عظمت اور پیغام لوگوں تک پہنچایا جا سکے مستحسن ہے۔ عزائے سید الشہداء دنیا میں انسان کی بیداری اور آخرت میں اس کی فلاح و نجات کی ضامن ہے۔ شعائر الٰہیہ کی تعظیم اور مجالس عزا میں شرکت، ہمارے خلوص کا مظاہرہ ہے۔ یہ اہل بیت کی یاد اور ان کے پیغام کو ہمارے دلوں میں زندہ رکھتی ہے۔ اسی لئے مراسم عزاداری، غم واندوہ، گریہ زاری نثری یا منظوم نذرانۂ عقیدت ترنم یا تحت میں پیش کرنا، باہمی گفتگو کے ذریعے یاد دہانی کرانا، مجالس میں ذاکرین سے شہادت و پیغام کو سننا وغیرہ "وسیلے" ہیں۔ ان اعمال ظاہری کا مدار باطن کی پاکیزگی، تقویٰ دل پر ہے۔

یہ صحیح ہے کہ اگر دل سے امام مظلوم کو یاد کیا جائے تو گناہ معاف ہو جائیں گے لیکن اِس کے لئے ضروری ہے کہ ہم کئے گئے گناہوں سے توبہ کریں۔ انکا کفارہ کریں اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد مصمم کریں۔ خدانخواستہ اِس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم یہ سمجھ کر گناہ کرتے رہیں کہ گناہ تو معاف ہو ہی جائیں گے اس لئے بدی کے راستے پر گامزن رہیں۔ حضرت حسینؑ کی شہادت کا مقصد امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (نیکیوں کی تبلیغ اور گناہوں سے روکنا) ہے۔ اسی لئے یہ بے علمی کی تعلیم نہیں ہے بلکہ ثواب عزاداری صرف با عمل لوگوں کے لئے ہے۔ محبت حسین کا مطلب امام مظلوم کی پیروی اور اتباع پر ہے۔ مؤدت کا مطلب ہی وہ محبت ہے جس میں نیک عمل کئے جائیں۔ یہ شرف اُن لوگوں کو حاصل ہوتا ہے جو پاک طینت اور صاف دل ہوں۔

عزاداری اور عزاداروں کے مراتب و درجات ہوتے ہیں۔

۱. امام حسینؑ کے مصائب و آلام پر مغموم رہنا۔
۲. مختلف انداز سے غم و الم کا اظہار کرنا جیسے چہرے پر حزن و ملال نمایاں ہونا، الفاظ میں اُس کا اظہار کرنا، گریہ کرنا، سیاہ لباس پہننا، ماتم کرنا، سر و سینہ زنی، کبھی تنہا کبھی اجتماعی شکل میں مراسم عزاداری سرانجام دینا۔
۳. ظالموں سے بے زاری و نفرت۔
۴. معرفت یعنی امام حسینؑ کے مقام و مرتبہ سے واقف ہونا، عزاداری کو ایک وسیلہ ماننا اور اُس کے مقصد کو جاننا۔

۵. دشمنانِ حق کے خلاف عملی طور پر فعال ہونا۔ اِس میں زبانی طور پر لعنت و بے زاری، عملی طور پر بے زاری اور دشمنان حق کے عقائد و کردار سے دور رہنا شامل ہے۔ وہ شخص جھوٹا ہے جو اہل بیت سے وابستگی کا دعویٰ کرے اور یزیدیت کا کلچر، بداخلاقی، بخل وفریب و چغلخوری کا برتاؤ کرے۔ یعنی فعال ہونے کا مطلب یہ ہے کہ زندگی کا ہر پہلو امام حسینؑ نے مقصدِ جہاد کے تابع ہو۔

ہمارے زمانے میں ۶۱ ھ کے امام حسین کے لئے گریہ تو ہوتا ہے لیکن عصرِ حاضر کے یزیدیوں کے چیلنجوں اور مظالم کو یا تو نظر انداز کیا جاتا ہے یا اُن کے ساتھ سمجھوتا کر لیا جاتا ہے۔ افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے کہ جو عزاداری کے لئے اپنا وقت صرف کرتے ہیں۔ روپیہ پانی کی طرح بہاتے ہیں لیکن اُن کے دلوں میں امامِ مظلوم کی محبت نہیں پائی جاتی۔ گریہ صرف جذبات کی بنا پر ہی نہیں ہوتا بلکہ معرفت کے ساتھ ہونا چاہیے۔ اگر عزاداری میں احساسات وجذبات کو کلیدی حیثیت حاصل ہو جائے اور معرفت کا عنصر پیشِ نظر نہ رہے تو عزاداری کی توجہ صرف ظاہری چیزوں پر مرکوز ہو کر رہ جائے گی اور یہ صرف ہدف وملامت میں تبدیل ہو جائے گی، یہ صرف ایک عادت بن جائے گی جو نقصان دہ ہے۔ ہمیں اچھی باتوں کی جستجو کرنی چاہئے اور اُن کی حفاظت کرنی چاہیے۔ مانا کہ موجودہ دور میں عزاداری میں کچھ نقائص بھی داخل ہو گئے ہیں لیکن اُن کی وجہ سے عمل کو ترک نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس کی اصلاح کرنی چاہیے۔

عزاداری صرف رونے رُلانے تک محدود ہو کر رہ جائے تو یہ مناسب نہیں ہے۔ گریہ کرنے کا مقصد کیا ہے۔ حسینؑ کی یاد تازہ کرنا اور سماج میں ایسا ماحول بنانا کہ یزیدیت ختم ہو۔ لیکن اگر کربلا کا معرفتی اور انقلابی پہلو نظر انداز کر کے واقعۂ کربلا کا تجزیہ اِس طرح کیا جائے کہ صرف گریہ زیادہ سے زیادہ ہو اور اسباق و پیغامات کربلا پر توجہ کم دی جائے تو گریہ زاری بجائے وسیلے کے ایک مقصد بن جاتا ہے اور بیان میں حقیقت کے منافی باتیں، تحریف، جذباتی اور نفسیاتی باتوں پر زیادہ زور دیا جائے گا اور عزاداری کے بنیادی مقصد سے غفلت برتی جائے گی۔ کبھی کبھی تو عزاداری کو ایک مستقل عمل بنا کر واجبات پر عمل اور محرمات سے پرہیز کرنے کے عمل کے بغیر بھی گریہ کو نجات کے لئے کافی سمجھنے والے لوگ ضرورت پڑنے پر غلط وسائل کے استعمال سے بھی گریز نہیں کرتے اور واجبات چھوڑ دیتے ہیں۔

اِس لئے عزاداری میں حدود کا خیال رکھیں اُسے گناہ آلودہ نہ ہونے دیں۔ میدان جنگ میں ایک دفعہ وقت نماز ہو گیا تو حضرت علیؑ نے نماز پڑھنے کی تیاری شروع کی۔ ایک شخص نے پوچھا "مولیٰ" کیا آپ وقت جنگ بھی نماز پڑھیں گے تو امام نخستین نے جواب دیا ہم آخر جنگ کس مقصد کے لئے کر رہے ہیں۔ حضرت حسینؑ نے بھی نماز کے لئے جنگ روک دی اور اول وقت نماز پڑھی۔ ہمیں بھی واجبات کا ہمیشہ خیال رکھنا چاہیئے۔

مجالس کا معیار گریہ و بکا، عزاداروں کی کثرت، کھانا، تبرک، ماتمی دستے کی تعداد، عمارت عزاخانہ، وسائل و امکانات، ذاکر کی شہرت وغیرہ سے نہیں ہوتے بلکہ بہترین مجلس وہ ہے جس کا معیار علم، شناخت و معرفت کی میزان اور سننے والوں کے کردار میں امام حسینؑ کی جھلک پیدا ہونا ہو۔ اہل بیت نے جو گریہ کرنے کا حکم دیا ہے وہ صرف جذبات و احساسات کی تسکین نہیں بلکہ اِس سے بلند تر ہے یعنی مجلس وہ ہے جو عزاداروں میں امام حسینؑ کی روح پھونک دے اور اُن کے کرداروں کو امام کے کردار اور اخلاق سے قریب تر لا دے۔ رونا ایک وسیلہ ہے منزل مقصود نہیں۔ موجودہ عہد میں پیام عاشورہ کو زندہ رکھنے کا وسیلہ بھی ہے جس کے ذریعے لوگوں کی معرفت اور شناخت کو بلند کر کے معصومین سے اُن کا رابطہ جوڑا جاتا ہے۔ گریہ کا کام دو طرفہ ہے یہ مثبت اقدار کے فروغ میں مددگار ثابت ہوتا ہے اور دل میں پیدا ہونے والی منفی اقدار کو کمزور کرتا ہے۔ گریہ فطرت پر بھی اثر انداز ہوتا ہے اور ماحول پر بھی۔

اگر مجلس کا انعقاد کرنے والا عزاداری کے چوتھے مرحلے (مرتبہ) تک نہ پہنچا ہو تو وہ سنجیدہ پڑھے لکھے عالم کو دعوت دینے کے بجائے اُن شعراء، نوحہ خوانوں، خطیبوں اور ذاکرین کو اہمیت دیتا ہے جو عزاداروں کو زیادہ سے زیادہ رُلائیں، نعرے بازی کرائیں۔ کبھی کبھی منتظمین مجلس دیگر کاموں میں اتنے مصروف رہتے ہیں کہ انہیں مجلس سننے کی فرصت ہی نہیں ہوتی۔ اُن کا زیادہ وقت مہمانوں کے استقبال یا رخصت کرنے، چائے تبرک کے اہتمام میں گزرتا ہے۔ وہ فرش مجلس تک آتے بھی ہیں تو تھوڑی دیر کے لئے۔ مجلس کی کامیابی کا پیمانہ ہوتا ہے سامعین کی تعداد، مشہور ہستیوں کی آمد، مجلس میں کتنی بار کتنی دیر تک گریہ ہوا، یا اصل واقعات پر مافوق البشری باتوں کا ملمع کتنا چڑھایا گیا، دشمنوں پر لعنت کتنی بھیجی گئی۔ سیاسی موضوعات کو کس طرح پیش کیا گیا وغیرہ۔ لیکن اصل مقصد یعنی سامعین میں حسینی روح پیدا ہو اِس طرف توجہ کم ہی ہوتی ہے۔ بہترین مجلس عزا وہ ہے جس میں صحیح معلومات صحیح طریقے سے پیش کی جائے۔ پاکیزگیٔ نفس پیدا ہو۔ نیت میں اخلاص بڑھے اور عزادار اپنے اندر مزید جاننے کی تشنگی محسوس کریں۔ وہ خود علم و معرفت حاصل کرے۔ اِس طرح کا علم اُس کے فکر و عمل میں بیداری لائے گا۔ سادہ لوح اور کم علم عزادار جو کربلا سے بے پناہ اخلاص و عقیدت رکھتے ہیں اور انقلاب کربلا کے متعلق کافی واقفیت نہیں رکھتے وہ شہرت کے طالب مفاد پرست خطباء کی باہمی رنجشوں، رقابتوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بلکہ کبھی کبھی وہ ایک دوسرے کے خلاف صف آرائی میں الجھ جاتے ہیں۔ ایسے عزاداروں کی پُر جوش اور ولولہ آمیز ناواقفیت کو مطلب پرست لوگ غلط استعمال کرتے ہیں۔ مجالس میں غیر معیاری باتوں، جعلی قصوں اور تحریفات، شیعی مسلک کو فائدہ نہیں پہنچاتے بلکہ اِس وجہ سے دشمنانِ شیعیانِ علی مؤمنین کا مذاق اڑاتے ہیں۔

نزاع سنی وشیعہ اور مجالس

انسانی فطرت ہے کہ اپنے تفوّق کے اذکار سننے میں اُسے ایسالطف آتا ہے کہ بغیر قید وقت وتاخیر ایسے مواقع سے وہ کبھی نہیں گھبراتا۔ کچھ ذاکرین نے بھی تاریخ کے زخموں کو کریدا اُن کے بیان وخطاب میں مناظرہ کی کیفیت پیدا ہوگئی نتیجہ یہ ہوا کہ فرقوں کے مابین باہمی دوریاں اور وسیع ہوگئیں۔ ماضی کے استعمال کا طریقہ، تاریخی حوالوں کا تذکرہ خوش سلیقگی اور احتیاط سے کرنا چاہئے۔ کچھ ذاکرین قبول عام کی سند حاصل کرنے کے لئے دوران تقریر ایسے چٹکلے اور حقائق بیان کرتے ہیں جن سے سامعین تو گرویدہ ہوجاتے ہیں لیکن نتیجہ آپسی رنجش یا منافرت ہوتا ہے۔

اگر ذکر کرنا ضروری بھی ہو تو اشارتاً اور کنایتاً بیان کیا جائے۔ دہلی کے ذاکر مولوی مقبول احمد تو اپنی تقاریر میں مناظرے کا رنگ اپنایا، مجالس میں اُن کی دھوم مچ گئی لیکن اِس سے فساد باہمی کی بنیاد پڑ گئی۔ لکھنؤ میں تال کٹورہ کی کربلا سے حضرات اہل تسنن کی علیحدگی اور پھول کٹورے کی تشکیل عزائے حسین کے قومی مظاہرے کی رونق پر بھی اثر انداز ہوئی۔ جب یہ رنگ حد سے بڑھتا ہے تو تبریٰ اور مدح صحابہ کی شکل میں فرقہ وارانہ اتحاد کو مٹانے کی کوشش کرتا ہے، جذبات بھڑک اٹھتے ہیں اور نتیجہ تاسف خیز ہوتا ہے۔ لہٰذا ہمارے واعظین وذاکرین تقریر صرف مقصد ومنشائے عزا تک محدود رکھیں اور روش مناظرہ ترک کریں تو مصالحت بین الفریقین کی راہ استوار کی جاسکتی ہے۔ معرفت حسین میں ہی بہت کچھ کہا جاسکتا ہے جو انسان کی فکر وعمل کو نکھار سکتا ہے۔

موجودہ دور کی عزاداری کا ایک افسوس ناک پہلو تحریفات، ناپسندیدہ رسم ورواج، بعض خطرناک بدعتیں بھی ہیں جو کربلا کی جہادی روح کے منافی ہیں۔ مثلاً جنوبی ہند میں تعزیوں کے جلوس میں جوگنوں کی تلوار بازی، جانوروں کی شکل میں بہروپیوں کا سوانگ بھرنا وغیرہ۔ یہ تماشہ بازی مجمع تو اکٹھا کرسکتی ہے لیکن عقیدت نہیں پیدا کرسکتی۔ کتنے افسوس کی بات ہے امام حسینؑ کے نام پر روحِ دین کے خلاف رسم ورواج تیار کئے گئے ہیں اور تاویل یہ دی جاتی ہے کہ یہ سب امام حسینؑ کے لئے ہیں۔ اِن سے ہمیں ثواب ملے گا اور امام حسینؑ خوش ہوں گے۔

کہیں کہیں تو مقابلہ ہوتا ہے کہ کس نے کتنا بھاری اور کتنا بلند (لمبا) علم اٹھایا، کس نے دانتوں پر علم اٹھایا، یا علموں کی تعداد کتنی تھی۔ پھریرے کی قسمیں کتنی تھیں، نشان کتنے دیدہ زیب تھے۔ کبھی نئی چیزوں کی ایجادات، مال ودولت سے حریفوں کو نیچا دکھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ عزاداری کے نام پر پٹہ بازی یا اکھاڑا کھیلنا یا جلوس میں آرائش کے عدد شمار کرنا، آتش بازی اور روشنی کا مقابلہ کرنا صحیح نہیں ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ پیغام حسین سے زیادہ ظاہری امور پر توجہ دیتے ہیں۔ جلوس میں ماتمی دستے کتنے تھے اُن کی لمبائی کتنی تھی (یعنی ماتم داروں کی قطار کتنی تھی)۔ نذر کے کھانوں کی دیگیں کتنی تھیں۔ ڈھول تاشے باجے کتنے تھے اور کتنی طرح کے تھے؟ کس کے یہاں تبرک میں کیا کیا تقسیم ہوا؟ جلوس عزا نے کتنا

فاصلہ طے کیا؟ کس کس بازار، گلی، محلے میں گشت کیا؟ کتنی دیر تک جلوس چلا، ساتھ میں کتنے لوگ تھے؟ سڑکوں پر جلوس دیکھنے والوں کی تعداد کتنی تھی؟ یہ باتیں کبھی کبھی حقیقی عزاداری میں مزاحم ہو سکتی ہیں۔

رسومات کے سلسلے میں تحقیق بھی ضروری ہے۔ سماج میں بہت سی ایسی رسمیں مروج ہیں جو بنیادی عقیدہ اور عقیدتوں کے بالکل برعکس ہیں۔ مثلاً کچھ عرصے پہلے تک لوگ اپنے گھروں کے دروازوں یا دکانوں پر گھوڑے کی نعل لٹکا دیتے تھے۔ اُن کا عقیدہ تھا کہ یہ خوش نصیبی اور کامرانی کی نشانی ہے۔ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ اِس کی ابتدا کہاں سے ہوئی۔ اِس احمقانہ عمل کے راز کو ابوریحان بیرونی نے فاش کیا کہ لوگ ایک منحوس و نجس چیز کو باعث برکت سمجھتے تھے۔ اِس کے ابتدا کے متعلق اُس نے بتایا کہ واقعۂ کربلا میں شہادت حسینؑ کے بعد عمر سعد کے حکم سے کچھ لوگوں نے گھوڑوں کی نعل بندی کر کے شہدائے کربلا کے لاشوں پر گھوڑے دوڑائے تھے جس سے اُن کے لاشے پامال ہو گئے تھے۔ جب یہ گھڑسوار کربلا سے کوفہ واپس آئے تو چند لوگوں نے گھوڑوں کی اِن نعلوں کا بوسہ لیا۔ انہیں کامرانی کی نشانی سمجھ کر آنکھوں پر رکھا اور برکت کے لئے اپنے گھروں کے دروازے پر لٹکا دیا۔ لیکن باشعور اور باعمل علمائے کرام کی جانفشانیوں سے یہ خرافات ختم ہوئیں۔ اِس لئے ضروری ہے کہ علماء مراسم عزاداری کی تحقیق کریں اور عوام کو مجالس میں اُن کے بارے میں بتائیں تا کہ صحتمند روایات تو قائم رہیں لیکن فرسودہ رسوم اور خرافاتیں ختم کی جا سکیں۔

اصلاح ضروری ہے لیکن وہ ایک متوازن طریقے سے بتدریج کی جائے تو سود مند ہو گی۔ عام آدمی کے ذہنی معیار اور پسند کو بھی ذہن میں رکھنا ہوگا۔ ذہنوں کو پہلے اِس تبدیلی کے لئے تربیت کے ذریعے تیار کیا جائے۔ یہ معاملہ غور طلب ہے اگر مراسم عزاداری میں اصلاحات اِس طرح کی جائے کہ تاشے، چمن، آرائش، تورہ بندی وغیرہ پر رقم نہ خرچ کی جائے تو لوگوں کی دلچسپی کتنی قائم رہے گی اور کس عمر کے لوگ اِس قسم کی روکھی پھیکی عزاداری میں حصہ لیں گے؟ اِس کا اثر معشیت پر کیا ہوگا؟ اہل حرفہ، باجے والے، کاریگر، تعزیہ بنانے والے کیا کریں گے؟ یہ سب سوچنا ہوگا۔ ہمیں عزاداری کے معاشرتی اور روایتی پہلوؤں کو بھی ذہن میں رکھنا ہوگا، توازن قائم کرنا ہوگا۔ کردار سازی، تربیتِ ذہنی کا اہتمام ضرور کیا جائے لیکن عوام خاص طور پر غیر شیعہ حضرات جو عزاداری میں شریک ہوتے ہیں اُن کی شرکت اور دلچسپی کو بھی بالکل نظرانداز نہ کیا جائے۔

عزاداری کے متعلق بہت کم لکھا گیا ہے۔ راقم الحروف کو اِس سلسلے میں معلومات جمع کرنے میں بہت دقتیں پیش آئیں۔ کیونکہ مراسم و آداب عزاداری کسی ایک فرد، جماعت نے کسی ایک جگہ، کسی ایک وقت پر طے نہیں کئے۔ کوئی ایک معیاری طریقہ نہیں تھا۔ مراسم پر علاقائی اثرات تھے اصطلاحات بھی علاقائی تھیں۔ مثلاً ایک جگہ علم پر نذر چڑھانا لفظ استعمال ہوتا تھا تو حیدرآباد میں اسے دھئی چڑھانا کہتے تھے۔ جلوسوں کی تاریخیں بھی علاقائی سہولتوں کے تحت طے کی جاتی تھیں۔

مثلاً اگر ایک شہر میں حضرت عباس کا علم آٹھویں محرم کو نکلتا ہے تو قریبی قصبوں اور مواضعات میں ۔ وہیں یا نویں محرم کو یہ جلوس برآمد ہوتا ہے تاکہ قریبی بستیوں والے اِن میں شریک ہو سکیں۔

جلوس عزا صرف عقیدت کا ہی مظاہرہ نہیں ہوتے۔ کہیں کہیں تو انہیں اپنی شناخت اور قوت کا مظہر مانا گیا۔ سنیوں کی آبادی یا غیر مسلم آبادی والے قصبوں، شہروں میں جلوس کے شرکاء کی تعداد شیعوں کے خاصی تعداد میں ہونے کا احساس کراتی ہے۔

عزاداری نے قومی ہم آہنگی کا راستہ بھی ہموار کیا ہے۔ شیوگنگا ضلع تامل ناڈو کے ایک گاؤں میں ایک بھی گھر مسلمانوں کا نہیں ہے لیکن وہاں ایک زمانے میں ۱۳ خاندان شیعوں کے آکر بسے تھے بعد میں وہ دوسری جگہوں پر ہجرت کر گئے لیکن اُس گاؤں میں تعزیوں کے جلوس کی روایت ابھی تک قائم ہے۔ سید پور کے ہندو آج بھی اعمال عاشورہ سرانجام دیتے ہیں۔ ہندو مرثیہ گو، نوحہ خواں امام مظلوم کو اپنا منظوم نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ امام باڑوں کے انتظام میں غیر شیعہ حضرات حصہ لیتے ہیں۔ ہندوستان کی تہذیبی زندگی میں عزاداری کا خاص کنٹری بیوشن ہے۔

لیکن اگر کوئی ہندوستان میں مختلف علاقوں میں ہونے والی عزاداری کے مراسم کے متعلق کچھ معلوم کرنا چاہے تو کوئی ذریعہ ایسا نہیں ہے کہ یہ معلومات باقاعدہ مرتب و مربوط شکل میں ایک جگہ دستیاب ہو جائے۔ کوئی ایسا ادارہ یا تنظیم نہیں جو یہ معلومات فراہم کردے۔ کچھ حضرات نے ذاتی طور پر یہ کام کیا بھی لیکن ان کتابوں کو "اپ ڈیٹ" نہیں کیا گیا۔ یہ کام ایک فرد کے بس کا نہیں۔ مختلف علاقے کی انجمنوں اور تنظیموں کو مل کر یہ کام کرنا چاہیے۔ عزاداری کے متعلق کتابیں لکھی جائیں، ڈوکومنٹری فلمیں تیار ہوں، آڈیو اور ویڈیو کیسٹ بنائے جائیں۔ جس کی شاخیں مقامی، علاقائی، ریاستی اور مرکزی سطح پر قائم ہوں، لوگوں کی یادداشتوں کو محفوظ کیا جائے۔ پرانی کتابوں کو ذاتی ذخیروں اور مختلف کتب خانوں سے جمع کیا جائے۔ یعنی ہر وہ ممکن کوشش کی جائے جس سے یہ قیمتی سرمایہ محفوظ کیا جاسکے۔ لیکن یہ کام آسان نہیں ہے کیونکہ ہر منزل کے آگے منزل نظر آتی ہے۔ بقول حافظ:

شرطِ اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

آج امام حسینؑ کا پیغام بھی زندہ ہے اور اموی، مروانی، عباسی فکر بھی پائی جاتی ہے (آج بھی یزید ملعون کو خاکم بدہن رحمۃ اللہ علیہ لکھنے والے لوگ موجود ہیں)۔ اِس لئے حسینی جہاد کی اسپرٹ (روح) کو قائم رکھنا ضروری ہے۔ یہ جہاد خدا نخواستہ دہشت گردی، مذہبی تنگ نظری یا تشدد پسندی پر مبنی نہیں ہے۔ حسینی راہ پر چلنے والا نہ خود ظلم کرتا ہے اور نہ ظلم برداشت کرتا ہے۔ اِس جہاد میں زور زبردستی کے ذریعے لوگوں کو بھرتی نہیں کیا جاتا بلکہ شمعیں بجھادی جاتی ہیں تاکہ جس کو جانا ہے وہ چلا جائے اور اسے شرمندہ ہو کر یا نظریں نیچی کرکے نہ جانا پڑے۔ عزاداری کرنے اور گریہ کرنے کی جو بیحد تاکید

کی گئی ہے اُس کی وجہ یہی ہے کہ شہدائے کربلا پر رونے سے انسان میں حسینی جہاد کی روح زندہ ہوتی ہے۔ یہ گریہ صرف جذبات و احساسات کی بنا پر ہی نہیں معرفت کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ یہ پست حیوانی خواہشوں کو فنا کرکے عزاداروں کی طبیعت میں سوز و گداز پیدا کرتا ہے، ماتم داروں کی غفلت دور کرکے انہیں اعلیٰ انسانی اقدار تک لے جاتا ہے۔ ایسے عزادار کو استغاثۂ حسینی سنائی دیتا ہے "هل من ناصر ینصرنا" اُس کے ذہن میں یہی بازگشت گونجتی ہے:

کسی کہ کشتہ نشد از قبیلہ ما نیست

ملحقات

ملحقہ ۱

حسینی براہمن

براہمنوں کی ایک ذات "موہیال" ہے۔ جو اپنے کو چھ رشیوں کی سنتان بتاتے ہیں۔ (بھاردواج سے دت اور وید، بھارگو سے چھبر، پراشر سے بالی، کشیپ سے موہان (موہن)، وششٹ سے لاؤ اور کوشل سے بھیم وال)۔ اِس طرح موہیال براہمنوں کی ۷ اُپ جاتیاں (ضمنی ذاتیں) ہیں۔ دت، وید، چھبر، بالی، موہان، لاؤ اور بھیم وال[1]۔ سر ڈینزل ایبسن نے اپنی کتاب "اے گلوسری آف ٹرائبس اینڈ کاسٹس آف پوریا اینڈ نارتھ ویسٹرن پراونس" میں حسینی براہمنوں کا ذکر کیا ہے[2]۔ یہ زراعت پیشہ، جفاکش اور دلیر ذات تھی۔ اِس لئے اِن کو جنگجو براہمن نسل بھی کہا گیا ہے۔ اِن میں "دت" اُپ جاتی والے لوگوں نے مختار ثقفی کے ساتھ مل کر قاتلانِ حسین سے بدلہ لیا تھا۔ اِس جنگ میں رکھب رائے کے ساتوں بیٹے شہید ہو گئے تھے۔ امام حسین سے تعلق اور انتہائی عقیدت کی وجہ سے یہ لوگ حسینی براہمن کہلائے۔

ایک خیال یہ ہے کہ مہابھارت کے بعد درون آچاریہ کے فرزند اشوتھاما ہندوستان سے عراق چلے گئے۔ یہ وہ دور تھا جب بصرہ کے قریب "الحرا" نامی بین الاقوامی بندرگاہ کے نزدیک بہت سے ہندوستانی تجارت کے سلسلے میں مقیم تھے۔ لیکن کچھ مورخین کا ماننا ہے کہ سکندر اعظم ہندوستان سے واپسی پر کچھ براہمن عالموں کو اپنے ساتھ یونان لے جا رہا تھا۔ راستے میں سکندر کی موت ہو گئی تو براہمن عراق میں ہی رہنے لگے۔ اِن براہمنوں کے بزرگ رکھب رائے (جنہیں عرب تاریخ میں رحب کہا گیا ہے) انہیں میر سدھانی بھی کہا گیا ہے، کے یہاں حضرت علی کی دعا سے سات بیٹے پیدا ہوئے۔ جن کے ناموں کے بارے میں مورخین میں اختلاف ہے[3]۔ کچھ مصنفین نے اِن کے نام ساہو رائے، ہرجس رائے، رائے پون، شیر رائے، رام سنگھ،

---

1. History of The Mohiyals - The Militant Brahmin Race of India: Compiled By General Mohiyal Sabha Lahore, 1912.
2. Ibbetson, Sir Denzil & H Rose: A Glossary of Tribes & Castes of the Panjab & North Western Provinces.

۳. رکھب کے سات بیٹوں کے نام پر بھی اختلاف ہے۔ کچھ مصنفین نے اِن کے نام ساہو رائے، ہرجس رائے، شیر رائے، رام سنگھ، رائے پون، دبواؤ اور پورا لکھے ہیں (دیکھئے دت براہمن۔ امام حسین سے ربط ضبط مضمون ابو طالب مشمولہ، حدیث دل اپریل ۲۰۰۲ء) سیدہ صفیہ بانو نے مضمون "حسینی براہمن" میں ایک یورپی تاریخ نگار کے حوالے سے اِن کے نام لکھے ہیں۔ ساہس رائے، ہرجس رائے، شیر رائے، رام سنگھ، گھرا، پورن، دھواؤ جب کہ مقامی چارنوں کے گیت میں اِن کے نام مختلف ہیں نند جی، ساہس رائے، ہرش رائے، شیر رائے، پُنیہ، دھارو۔

گھرا، دہداؤ لکھے ہیں۔ کچھ مصنفین کے مطابق اِن کے نام ساہس، ہر جس رائے، شیر کھان، رام سنگھ، رائے پون، دہداؤ اور پورا تھے۔ دت براہمن جب عرب سے واپس ہندوستان آئے تو اپنے ساتھ "حسین پوتھی" لائے تھے لیکن اب وہ دستیاب نہیں۔

ایک روایت کے مطابق رکھب رائے ایک مندر میں پروہت تھا۔ جس کے گھر سات بیٹے حضرت علی کی دعا سے پیدا ہوئے۔ جب کربلا سے امام حسینؑ اور اُن کے ساتھیوں کے سر نیزوں پر لگا کر عمر بن سعد کا لشکر واپس لوٹ رہا تھا تو اُس مندر کے قریب آرام کرنے کے لئے وہ لوگ رکے۔ رکھب رائے نے اپنے بیٹوں سے کہا جس کی دعا سے تم پیدا ہوئے اُن کے بیٹے اور خاندان والوں کے سر لے کر یہ لشکری لوٹ رہے ہیں۔ چنانچہ اِس کے بیٹوں نے لشکر پر حملہ کیا اور اپنی جانیں قربان کر دی لیکن یہ روایت صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ یزیدی لشکر اِس راستے سے نہیں لوٹا تھا اور نہ ہی کسی مندر کے پاس رکا تھا[1]۔

ایک روایت یہ ہے کہ رکھب رائے ہندوستان سے عرب پہنچا اور لوگوں سے دریافت کیا کہ یہاں سب سے عظیم ہستی کون سی ہے۔ لوگوں نے اسے امام حسینؑ کا نام بتایا۔ وہ کربلا میں پہنچا اور حضرت حسینؑ کے لئے اُس نے اور اُس کے بیٹوں نے جان دی۔ لیکن یہ روایت بھی صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ دت بہادر تو عراق میں پہلے سے ہی الحراء کے پاس سکونت پذیر تھے۔

بعض مسلم مورخین کی رائے ہے کہ اِن دت براہمنوں نے کسی جنگ میں حضرت علی کا ساتھ دیا تھا۔ مشہور مورخ طبری نے اپنی کتاب میں "ذت" نامی ایک طبقے کا ذکر کیا ہے۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ ایران کے بادشاہ یزجرد کی تین بیٹیاں تھیں۔ مہر بانو بھارت میں گپت شاہی خاندان کے سمراٹ چندر گپت سے بیاہی گئیں۔ جبکہ جناب شہر بانو حضرت امام حسینؑ کی زوجیت میں آئیں۔ اور کیسر بانو یا شاہ زنان کا نکاح حضرت محمد ابی بکر سے ہوا۔ اِس رشتے کی بنا پر حضرت امام حسین کے فرزند حضرت علی ابن حسین نے مہاراجا چندر گپت کو خط بھیج کر یزیدی فوج کے مظالم سے باخبر کیا اور امداد کی خواہش ظاہر کی (اِس خط کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اُدے پور راجستھان کے سابق حکمراں خاندان میں موجود ہے لیکن وہ اِسے خاص اجازت کے بعد ہی مخصوص لوگوں کو دکھاتے ہیں)۔ اِس خط کے بعد چندر گپت نے بھوریا دت سپہ سالار کی قیادت میں فوج روانہ کی جس میں دت بہادروں کی تعداد نمایاں تھی۔ اِس فوج نے مختار ثقفی کے ساتھ مل کر کوفہ پر قبضہ کیا اور قاتلان حسین سے انتقام لیا۔ اِس کے بعد اِن میں سے کچھ ہندوستان واپس آگئے کچھ وہیں عراق میں بس گئے۔ اِس روایت کے بھی تاریخی ثبوت نہیں ملتے۔

---

1. امام حسین سے ہندوؤں اور اُن کے دیوتاؤں کا تعلق، ترجمہ و تلخیص سیدہ صافیہ بانو باقری، متعلم شیعہ انٹر کالج، لکھنؤ، ص ۱۱۱-۱۱۳، مشمولہ

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ چندر گپت نے بھوریادت کی قیادت میں ۵۰۰ سورماؤں کی فوج بھیجی۔ جب یہ فوج کوفہ پہنچی تو حضرت حسین کی شہادت ہو چکی تھی اور جناب مختار انتقام خون حسین کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اس لئے یہ فوج جناب مختار کے ساتھ قاتلان حسین کے خلاف کاروائی میں شریک ہوئی۔ اِس کے بعد واپس ہندوستان آگئی[1]۔ اس میں جو حقائق پیش کئے گئے ہیں وہ تاریخی اعتبار سے صحیح نہیں ہیں۔

ایک خیال یہ بھی ہے کہ شاہ ایران کی بیٹی مہربانو کیونکہ مہاراج چندر گپت کی ملکہ تھیں اسی قرابت کی بناپر حضرت امام حسین نے کربلا میں عمر سعد سے ہندوستان جانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ لیکن یہ سب قیاس آرائیاں ہیں۔ اِن سے متعلق کوئی مسلم ثبوت تاریخی سند یا خط موجود نہیں ہے۔ لیکن یہ صحیح ہے کہ دت سورماؤں نے مختار ثقفی کے ساتھ مل کر قاتلان حسین کے ساتھ جنگ کی۔ جیتنے کے بعد عراق سے کچھ دت سپاہی واپس آکر سندھ، پنجاب میں سیالکوٹ، گرداسپور، راجستھان میں پشکر، یوپی میں الہ آباد اور بنارس میں مقیم ہوگئے۔ آج بھی حسینی براہمنوں کے خاندان والے امام حسین کو اوتار مانتے ہیں اور محرم کے زمانے میں رزمیہ نظمیں سوز و گداز سے پڑھتے ہیں۔ یہ ایک طرف تو برہما کی پوجا کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی پنجتن پاک پر بھی مکمل عقیدت رکھتے ہیں۔

اِس سلسلے میں ایسی بہت سی باتیں مشہور ہیں جنہیں عقل قبول نہیں کرتی۔ مثلاً جو حسینی براہمن جنگ میں مارے گئے تھے وہ امام حسین کے نام اور معجزے کی وجہ سے زندہ ہوگئے۔ آج بھی حسینی براہمنوں کے گلے پر کٹے کا نشان ہوتا ہے۔ یہ محیرالعقل باتیں آج کے سائنسی دور میں کون مانے گا۔ بلکہ جو دشمنان دین ہیں انہیں تنقید کرنے کا موقعہ ملتا ہے۔

حسینی براہمنوں کے متعلق چارن ایک گیت گاتے ہیں۔ جس میں میر سدھانی کے خاندان کا عرب میں جانا اور ان کے خاندان والوں کا حضرت حسین کے خون کا انتقام لینے کے لئے مختار ثقفی کی قیادت میں کوفہ پر حملہ کرنے کا ذکر اور قاتلان حسین کو ختم کرنے کا ذکر ہے۔ رکھب رائے کے ساتوں بیٹوں کے شہید ہونے کا تذکرہ ہے اور کہا گیا ہے کہ حسین کی نسل والوں نے یہ قربانی بُھلائی نہیں بلکہ رحب کو گدی پر بٹھادیا۔ وہ گیت مندرجہ ذیل ہے۔

کبت

سدھ یوگ جو بیر جی عرب کیو استھان   سدھ جھوجھاکے ونش میں دت نام سلطان
پنج پروہت بہئے برہم آدی جانکا دھیو   عرب کیو استھان میر سدھانی بولیو

---

[1] خلاصہ تفسیر الاسلام، ص ۲۴۴۔

بھاردواج جو رشی جن کی یہاں سنتان — ہر دیجئے نام حسین کے عرب کیو استھان
سدھودت کے نند جی ساہس رائے پرمان — ہرس رائے جو دت راکھیں ٹیک میدان
رائے پن پنیہ آتمی کریں دیش جو دھیان — دھارو میرو جی دت ہیں عرب کیو استھان
سب کیر گئے بھاگ جواندے نظر نہ آویں — مدد کی حسینؑ دی قدم پیچھے نہ پاوئیں
لڑیو دت دل کھیت جی تین لوک شاکا پڑھیو — چڑھیو دت دل گا جی گڑھ کوفہ جالڑیو
بجے بھیر کو چوٹ فتح میدان جو پائی — بدلہ لیا حسینؑ، دھنیہ دھنیہ کرے لوکائی
راحب کی جو جد نسل حسینؑ جو آئی — دیئے سات فرزند بھئی قبول کمائی
جو حسینؑ کی جد ہے دت نام سب دھیائیو — عرب شہر کے بیچ راحب تخت بٹھائیو

(سدھ یوگٹ جنگجو بہادر سلطان عرب میں بسنے والے سدھ جھوجھاجی کے ونش سے تھا۔ عرب میں رہ کر اسے پر سدھانی بنادیا گیا۔ برہم آدی کی پرارتھنا کرنے والے کا پروہت، پنج اُس نے اپنا پروہت مانا۔ وہ بھاردواج کے خاندان سے تھا اور عرب میں جا کر اِس لئے بس گیا کہ حسین کے نام کے لئے اپنا سر دے سکے۔ سدھودت کے بیٹے ساہس رائے، ہرش رائے بھی میدان میں عزت قائم رکھنے والے ہیں۔ عزت کے لئے وہ میدان جنگ میں شیر کی طرح ہیں۔ سب بزدل میدان سے بھاگ گئے، نظر نہیں آتے۔ یہ بہادر میدان میں حسینؑ کی امداد میں ڈٹے رہے۔ پیچھے نہیں ہٹے۔ اکیلے دت بہادر میدان میں بہادری سے لڑے۔ دت دل غازی نے بڑھ کر کوفہ کے قلعے پر قبضہ کر لیا اور لوٹ لیا۔ جب انہوں نے میدان جنگ میں فتح پائی تو ڈھول بجا بجا کر اعلان کیا گیا کہ حضرت حسینؑ کے قتل کا انتقام لے لیا گیا ہے اور لوگوں نے زور زور سے چلایا۔ "دھنیہ ہو، دھنیہ ہو"۔ راحب کی جو نسل تھی یعنی ساتوں فرزندوں نے قربانی دی۔ حسینؑ کی نسل والوں نے اِس قربانی کو فراموش نہیں کیا۔ عرب دیش کے شہر میں راحب کو تخت حکومت پر بٹھایا۔ الحریہ بندرگاہ چھوڑ کر انہوں نے تلواریں پکڑیں پھر روم، شام، غزنی، بلخ، بخارا، قندھار میں فتح حاصل کرتے ہوئے سندھ آئے وہاں سے اٹک ہوتے ہوئے پنجاب دیس میں آ گئے[1]۔

ان تمام حقائق پر غور و خوص کرنے کے بعد ایک تصویر یہ بنتی ہے کہ حسینی براہمنوں کے جد بزرگوار میر سدھانی عرب میں الحراء کی بندرگاہ کے پاس دوسرے ہندوستانی تاجروں کے ساتھ مقیم تھے۔ یہ لوگ موہیال براہمنوں کی دت نامی اُپ جاتی سے تھے۔ انہوں نے حضرت علیؑ کی کسی جنگ میں مدد کی اور اُن کی عظیم شخصیت سے بہت متاثر تھے۔ حضرت علیؑ نے بھی اُس جنگ کا حساب کتاب رکھنے کا کام اِن لوگوں کو سونپ دیا تھا۔ جب حضرت حسینؑ اور اُن کے ساتھی کربلا میں شہید ہوئے تو

۱۔ ہسٹری آف دی موہیالس۔ دی ملیٹینٹ براہمن ریس آف انڈیا، (انگریزی) کمپائلڈ بائی دی جنرل موہیال سبھا، لاہور ۱۹۱۲ء۔

مختار ثقفی نے انتقام کے لئے قاتلان حسین کے خلاف جنگی قدم اٹھایا۔ اِن دت خاندان والوں نے اُن کا ساتھ دیا۔ کوفہ کا قلعہ فتح ہوگیا۔ لیکن اِس جنگ میں رکھب رائے کے ساتوں بیٹے شہید ہو گئے۔ لڑائی جیتنے کے بعد کچھ دت خاندان کے لوگ عرب میں رہ گئے جبکہ کچھ عرب، شام، ایران افغانستان (غزنی، بلخ، بخارا، قندھار) ہوتے ہوئے ہندوستان واپس آئے۔ سندھ میں اہنوں نے اپنے خاندان والوں کی یاد میں مجلس کی جس میں حضرت حسین کا ذکر بھی ہوا۔ یہ لوگ سیالکوٹ، گرداس پور، پشکر، الہ آباد اور بنارس کے علاقوں میں رہنے لگے۔ یہ لوگ آج بھی محرم کے چند مراسم مناتے ہیں۔ عاشور کو فاقہ رکھنا سادہ کپڑے پہننا اور مغموم رہنا اِن کا ماہ محرم میں معمول ہے۔ یہ حسین کو اوتار مانتے ہیں۔ برہم کی پوجا بھی کرتے ہیں اور پنجتن پاک سے عقیدت بھی رکھتے ہیں[1]۔

مزید معلومات کے لئے دیگر حوالہ جات

۱. ہسٹری آف موہیالز از رتن چند
۲. جنگ نامہ احمد پنجابی
۳. بندوبست رپورٹ آف گجرات (پنجاب) ۱۸۶۵ از مرزا عظیم بیگ
۴. شہادت عظمیٰ از شاہ نظر غازی پوری
۵. انسانِ کامل از سید سرفراز علی خاں
۶. فوک سنگرز آف پنجاب۔ وژن اینڈ فل فلمینٹ از ایس مترا
۷. عرب اور ہند کے تعلقات از سلیمان ندوی ص ۶۹ مطبوعہ جارج ایلیق اینڈ انوین لندن ۱۹۶۷ء
۸. حسین اور ہندوستان (مضمون) پروفیسر زیڈ ایچ کاظمی الہ آباد مطبوعہ السٹریڈ ویکلی آف انڈیا ۱۹۷۱ء
۹. پراچین بھارت کا اتہاس (ہندی) از راج کمار استھانہ، ص ۲۱۷، دلی

---

[1] حسینی براہمن مضمون ڈاکٹر قمرالدین ص ۲۳۔۲۴ مشمولہ تعمیر ہریانہ اکتوبر ۱۹۸۶ء۔

ملحقہ۔۲

سوز خوانی

سوز میں پیغمبر اور اُن کے وصی کی شان میں چھوٹی نظمیں رباعیات و قطعات ہوتے ہیں جب کہ نوحہ وسلام اور مرثیہ المیہ بیان ہوتا ہے[1]۔ سوز خوان (جو بیچ میں بیٹھتا ہے سُر کہلاتا ہے) کے ساتھ اُس کے دو بازو ہوتے ہیں جو دائیں بائیں بیٹھ کر آواز میں ساتھ دیتے ہیں۔ زیادہ افراد ہوتے ہیں تو بائیں بازو کے بعد بیٹھتے ہیں جو جوابی کہلاتے ہیں۔ سُر بیچ اور لے طے کرتا ہے اور پہلا مصرعہ شروع کرتا ہے کسی مناسب مقام پر دایاں بازو ساتھ ہو جاتا ہے۔ بایاں بازو آدھے مصرعے کے بعد شامل ہو جاتا ہے اور جوابی افراد مصرع کے آخری حصہ کو سنبھالنے میں احتیاط سے ساتھ دیتے ہیں کہ مرثیے کی لے قائم رہے۔ اِس طرح سُر کو ٹیپ پانچواں یا چھٹا مصرع جو زیادہ پرجوش ہوتا ہے اٹھانے کے لئے سانس لینے کا موقعہ مل جاتا ہے۔

مرثیہ پڑھنے میں چار یا پانچ افراد مل کر پڑھتے ہیں۔ اُس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ عزادار رونے لگتے ہیں۔ اِس کے بعد ذاکر مجلس کو خطاب کرتا ہے اور بیان ہوتا ہے۔ آج کل سوز خوانی اور مرثیہ خوانی کی اصطلاحوں میں اب کچھ خلط ملط ہو گیا ہے۔ سوز خوانی میں آج کل لحن سے پڑھی جانے والی پوری مرثیہ خوانی جس میں سوز، قطعہ، سلام اور مرثیہ شامل ہیں سبھی کے مترادف مانی جانے لگی۔ حقیقت میں سوز کلاسیکی اصطلاح میں سلام اور مرثیے سے پہلے پڑھے جانے والے قطعہ، رباعی، مرثیے کے دو یا تین بند کو کہتے ہیں۔ اِس کی بندش ہندوستانی کلاسیکی موسیقی کے راگوں پر مبنی ہوتی ہے۔

سوز، مرثیہ خوانی اور موسیقی

پرانے زمانے میں ایک غلط مثل مشہور تھی بگڑا شاعر مرثیہ گو اور بگڑا گویا مرثیہ خواں۔ لیکن اِس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مرثیہ خوانی کا تعلق فن موسیقی سے شروع سے ہی رہا ہے کیونکہ تحت کا رواج نہیں تھا اور مرثیہ بالعموم راگ میں پڑھا جاتا تھا اور عموماً مرثیہ خوانی سے وہی مراد ہوتی تھی جو سوز خوانی سے اب ہے۔ مرثیہ خواں فن موسیقی میں ماہر ہوتے تھے۔ (میر احمد مرثیہ خواں ساکن عظیم آباد، بشارت علی خاں، نواب سالار جنگ خاں بہادر نیشاپوری اور اُن کے فرزند دھرپد خوب گاتے تھے۔ علیم اللہ خاں مغفور، مرزا فدا علی شاگرد مغفور، میر علی حسن خیال گائیکی اور ہولی وغیرہ گانے میں ید قدرت رکھتے تھے۔ مؤلف معدن موسیقی نے سید میر علی کے بہت سے شاگرد مرثیہ خوانوں کا ذکر اِس طرح کیا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب ماہر موسیقی تھے۔

---

[1] مؤلف جناب سید غلام حیدر نقوی صاحب کا ممنون ہے جنھوں نے سوز خوانی کے متعلق اپنا مقالہ بھیج کر اُسے سرفراز فرمایا۔

گلزار ابراہیم میں مرزا ظہور خلیق دہلوی نے مرزا جان مرثیہ خواں خلف میر وزیر علی مرثیہ خواں کا تذکرہ کیا ہے۔ قاسم نے اپنے تذکرے میں شریف مرثیہ خواں، حفیظ مرثیہ خواں، بے نوا مرثیہ خواں اور سید کتاب خواں کا ذکر کیا ہے۔ مخمور علی مرزا مرثیہ خواں تخلص انور ولد اکبر علی مرثیہ خواں ساکن فیض آباد وارد لکھنؤ، عبدالستار ساکن لکھنؤ مشہور مرثیہ خواں تھے۔ فسانۂ عجائب کے دیباچہ میں میر علی مرثیہ خواں کو موجد طرز نو مرثیہ خوانی کہا گیا ہے۔ اِس مسلم الثبوت استاد نے دھرپد خیال اور ٹپہ بنایا اور گایا کہ کسی کے وہم و خیال میں نہ آیا تھا۔ "تاریخ نو وزیران و امیران" میں میر علی صاحب کے متعلق تحریر کیا گیا ہے کہ میر خواجہ باسط کے نواسے تھے جو روساء میں شمار ہوتے تھے اور والیان ریاست سے عمدہ مشاہرے پاتے تھے۔ فی الواقع علم و فن موسیقی خصوصاً فن مرثیہ خوانی سوز میں ان کا مثل نہیں ہوا۔ اِن کی تاریخ رحلت "ثانی تان سین حیف اے وائے" (۱۵۲۸) کہی گئی۔ معدن الموسیقی اور تاریخ اودھ میں درج ہے۔ پٹنہ میں شیخ رحم علی بڑے ذی کمال موسیقی داں تھے۔ سوز بے مثل پڑھتے تھے۔ اِن کے شاگرد میر احمد اِن کے بازو ہوتے تھے۔ اِن کو سننے کے لئے بڑے بڑے ماہرین فن اور پیشہ ور گویئے جمع ہوتے تھے۔ اِن کے انتقال کے بعد میر احمد بعہد غازی الدین حیدر لکھنؤ آگئے۔ لکھنؤ میں اُس زمانے میں میر ذکی اور سلطان علی خاں مشہور سوز خواں تھے جو پوشیدہ طور پر تنہائی میں مشق کیا کرتے تھے۔ اِن کے پڑوس میں ایک بڑھئی رہتا تھا جس کے گھر میں نیم کا درخت لگا ہوا تھا۔ میر احمد نے اِس بڑھئی سے ربط بڑھایا اور اُس کے گھر میں نیم پر بیٹھ کر سلطان خاں کو مشق کرتے سنتے تھے۔ تین مہینے برابر سنا۔ اِس کے بعد مجالس میں اِن باکمالوں کے رنگ میں بعدۂ اپنے انداز میں مرثیہ پڑھنا شروع کیا تو لکھنؤ میں دھوم مچ گئی۔ شہر میں ایک ہزار سے زائد موسیقی داں شاگرد ہوئے۔ جب واپس اپنے وطن گئے تو دو باکمال شاگرد میر علی حسن اور میر بندہ حسن کو ساتھ لے گئے۔ یہ دونوں بھائی ناظم بنگالہ کے یہاں ملازم ہوئے۔ جناب ناظم بنگالہ فریدون جاہ اپنے حقوق پانے کے سلسلے میں لندن گئے تو اِن دونوں کو بھی لندن بلا لیا۔ فریدون جاہ ۱۲ برس لندن میں رہے تو یہ دونوں بھائی بھی کئی سال لندن میں رہے۔ وہاں اٹلی اور فرانس کے موسیقاروں کو حیرت میں ڈال دیا۔ حیات فریاد کے مؤلف کے مطابق بنارس کے مشہور بین کار اور سوز خواں وارث علی خاں بھی میر احمد خاں کے شاگرد تھے۔ واجد علی شاہ کی معزولی کے بعد لکھنؤ سے وطن چلے گئے۔ پھر کلکتے میں مٹیا برج میں منصور عالم نواب سر علی نقی خاں بہادر کے یہاں ملازم ہوئے۔ قدرت اشرف علی خاں (گلزار ابراہیم) حسنو بیگ (بیاض عشق قلمی) شیخ فدا حسین (دیوان شاد لکھنوی) منشی میر حسن صاحب صابر (دیوان قبول) کا تذکرہ مرثیہ خوانوں اور کتاب خوانوں کے حوالے سے ملتا ہے۔ دہلی کی ایک سید زادی خورشید کا تذکرہ درگا پرشاد نادر نے تذکرہ چمن انداز میں کیا ہے۔ (شمیم سخن)، مرزا شریف بیگ دہلوی، محمد رضا لکھنوی، مرزا جان مرثیہ خوان خلف میر وزیر علی موسیقی میں اچھا دخل رکھتے تھے۔ میر کاظم علی ساکن اٹاوہ، مرزا جان شاگرد علی [illegible] خوشحال [illegible] متوطن دہلی باشندہ لکھنؤ میر حیدر علی باشندہ دہلی مقیم امرتسر، میر فضل علی کتاب

خوان باشندۂ دہلی شاگرد میر امانی میر اکبر علی برچھیت کے بیٹے حسین علی سوزاں اور ان کے پوتے محمد حسین گریاں تھے۔ خدا بخش ساکن اکبرآباد موسیقی میں کامل تھے قوالی اور مرثیہ میں نہایت مشہور تھے۔ خدا بخش قوال موج بیشتر دہلی میں رہتا تھا، لکھنؤ میں فوت ہوا۔ چونکہ پرانے زمانے میں شرفاء فن موسیقی کے اظہار کو خلاف شان سمجھتے تھے اِس لئے مرزا جان مرزا نے اِس فن کا کمال مرثیہ خوانی میں صرف کیا۔

میر ولایت علی موسیقی اور سوز خوانی کے ماہر نواب سلطان علی خاں کے شاگرد تھے۔ اِن کے دو بیٹے میر معصوم علی اور میر قاسم اور میر قاسم کے فرزند میر اکبر علی اور اُن کے بیٹے سید محمد مہدی سب سوز خواں ہوئے ہیں۔ (میر معصوم علی کے ایک فرزند یاور مہدی ایک اسکول میں فارسی کے استاد تھے اور حدیث خوانی بھی کرتے تھے) میر امیر جان صاحب ذاکر نے ملکوں ملکوں گھوم کر اچھے کلاونتوں کو جمع کیا۔ منبر پر کتاب خوانی بھی عمدگی کے ساتھ کر لیتے تھے۔ مولانا شرر لکھنوی نے گذشتہ لکھنؤ میں تحریر کیا ہے کہ چونے والی حیدر کو سوز خوانی میں وہ شہرت و کمال حاصل ہوا کہ محرم کے انتظار میں لوگ دن گنا کرتے تھے اور ماہِ محرم میں سینکڑوں شوقین لکھنؤ آکر بی حیدر کے امام باڑے میں گھنٹوں انتظار کرتے تھے کہ کب بی حیدر نغمۂ غم شروع کریں۔ جس طرح مذہبی سرگرمی نے شاعری میں مرثیہ گوئی اور تحت اللفظ خوانی کو پیدا کیا اسی طرح موسیقی نے سوز خوانی پیدا کر دی اور ان دونوں کو یہاں تک ترقی دی کہ مستقل فن بن گئے۔ جو ابتدا اور انتہا تک لکھنؤ کے ساتھ ہی مخصوص ہیں۔ مرثیے کے ذوق نے شاعری اور موسیقی کو زندہ ہی نہیں کیا بلکہ اُن دونوں فنون کا سچا مذاق مردوں سے تجاوز کرکے پردہ نشین شریف خواتین تک میں پیدا کر دیا۔ جو درجۂ کمال مرثیہ گوؤں نے شاعری میں حاصل کیا وہی سوز خوانوں نے موسیقی میں یہ سب فن مجالس عزا کی برکت سے پیدا ہوئے اور خاص لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔

لکھنؤ میں سوز خواں دیگر اہل فن کی طرح نواب شجاع الدولہ کے ساتھ یا اُن کے عہد میں آئے۔ تاریخ فیض آباد میں مرقوم ہے کہ شجاع الدولہ کی بی بی بہو بیگم کے محل میں مجلسیں ہوتی تھیں۔ جواہر علی خاں خواجہ سرا جو اِن کی ڈیوڑھی اور سارے علاقے کا مختار تھا مرثیہ خوانوں کی نوحہ خوانی سنا کرتا تھا۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ خواجہ حسن مودودی (جو مصنف نغمات الآصفیہ کے استاد تھے) باوجود عطائی ہونے کے موسیقی میں ایسا کمال رکھتے تھے کہ دور دور تک جواب نہیں تھا۔ اگرچہ سنی المذہب تھے مگر انہوں نے موسیقی کی خاص خاص دھنیں سوزوں میں قائم کرکے اپنے شاگردوں کو بتائیں۔ اِس سے اِس فن کو باقاعدہ و باضابطہ بننے کی بنیاد پڑی۔ سڑے حیدری خاں مشہور اور باکمال گویّے تھے۔ وہ اپنے مذاق کے مطابق مناسب دھنوں میں نوحہ خوانی کیا کرتے تھے۔ اُنہوں نے موسیقی سے وہ دھنیں منتخب کیں جو اظہار حزن و ملال اور بین کے لئے مناسب ہوں اور وہ صدہا سوزوں میں قائم کی گئیں۔ حیدری خاں نے

سید میر علی کو سوز خوانی سکھادی جنہوں نے اِس فن کو خوب فروغ دیا۔ تان سین کے خاندان کا ایک گویا ناصر خاں لکھنؤ میں آیا یہاں سوز خوانی میں اپنے کمال فن کو صرف کرکے نام پیدا کیا۔

انہیں بزرگوں کی وجہ سے سوز خوانی کا فن شریف اور وضعدار لوگوں میں آیا۔ یہ سوز خوانی میں ایسے نمایاں رہتے ہیں کہ گویوں کا بازار اِن کے سامنے سرد ہوگیا۔

شاعری اور موسیقی نے سوز خوانی کو جنم دیا جو نشاطیہ نہ ہو کر المیہ اور حزینہ کیفیات کی ترجمان رہی ہے (ڈاکٹر فضل امام (مضمون) سوز خوانی روایت وآداب مشمولہ کتاب اردو مرثیہ، مرتبہ شارب رُدولوی اردو اکادمی ۱۹۹۱ء ص ۳۲۹)۔

سوز خوانی کے جواز حرمت یا ممانعت کے متعلق مختلف بیانات اور طرز عمل نظر آتے ہیں لیکن دنیا کے اکثر مذاہب چاہے وہ عبادت کے طریقوں میں ایک دوسرے سے کتنے ہی الگ ہوں مگر معبود کے سامنے اچھے لحن یا سریلی آواز میں اپنی عرض و معروض پیش کرنا پرستش کا ایک اصول سمجھتے ہیں۔ (نواب رامپور رضا علی خاں: سنگیت ساگر حصہ اول رامپور صفحہ ۲، ۳)۔ موسیقی کے امتزاج نے سوز خوانی کا پایہ بہت بلند کر دیا۔ ڈاکٹر فضل امام (مضمون) سوز خوانی کی روایت وآداب، صفحہ ۳۳۵ و ۳۳۶) پاکستان کے محقق پروفیسر سید سبط جعفر سوز خوانی کے سروں کو سوز کے دریا میں پاک کرنے کے لئے مروجہ گائیکی یعنی فنی تکنیکی مہارت کو ضروری سمجھتے ہیں، یعنی حقیقی استاد وہ ہے جو عزاداری اور موسیقی کے باہمی تعلق سے اور کلام کی بندش سے باخبر ہو۔ خود بھی طبع زاد بندشیں مرتب اور موزوں کرکے یعنی تقلید و اجتہاد، ایجاد و اختراع کی صلاحیت اور ادائیگی کی قدرت و مہارت رکھتا ہو (پروفیسر سید سبط جعفر سور خوانی کے لئے معیاری کلام، بستہ کراچی ۲۰۰۱ء ص ۲۳ تا ۲۵) عبدالحلیم شررؔ "لکھنؤ گذشتہ" میں رقمطراز ہیں: "سوز خوانی کو گو عام شیعہ موجب ثواب تصور کرتے ہیں مگر علماء پابندی شرع میں متشدد ہیں" (مشمولہ ڈاکٹر سید سکندر آغا: سوز خوانی تاریخ وتذکرہ، لکھنؤ ۱۹۹۹ء ص ۲۳) لیکن اکیسویں صدی تک پہنچتے پہنچتے اِس صورت میں وہ شدت نہیں رہی۔ لیکن ابھی تک کسی عالم نے سوز خوانی کی پوری طرح مخالفت یا ممانعت نہیں کی۔ بقول پروفیسر سید سبط رضا "کلاسیکی موسیقی سے متاثر اور ماخوذ ہونے کے باوجود اپنے تقدس، مقاصد وادائیگی کے اعتبار سے بھی سوز خوانی ایک منفرد، ممیز، مشخص، مقدس اور مختلف و مشکل علم وفن ہے۔ ڈاکٹر سید فضل امام سوز خوانی کو ایک "سماجی ضرورت" مانتے ہیں۔ چونکہ مجلس عزائے حسین میں ہر فرقے اور ہر طبقے کی شمولیت ہوتی تھی اِس لئے جنہیں موسیقی سے الفت ہوتی تھی اُن کے لئے سوز خوانی دلچسپی کا سبب تھی۔ اس لئے کچھ لوگ مجلسوں میں سوز خوانی کے لئے ہی شرکت فرماتے تھے اور غم حسین میں شریک ہو جاتے تھے۔ (ڈاکٹر سید فضل امام سابقہ حوالہ ص ۳۳۹)۔ پچھلی صدی میں جتنے بھی سوز خوانوں کے نام ملتے ہیں وہ نہ صرف کلاسیکی موسیقی سے واقف تھے بلکہ اظہار فن کے طور پر کم سے کم ابتدائی سوزوں کی بندش اور پیشکش میں کافی حد تک صوتی فن موسیقی کا استعمال کرتے تھے۔ سید سکندر آغا نے سوز خوانوں کے تذکرہ

میں ابجدی ترتیب کے تحت آباد محمد زائر نقوی (پ ۱۹۲۴م ۲۰۰۷ء) کے متعلق تحریر کیا ہے کہ انہوں نے یہ فن اپنے والد ماجد سے سیکھا۔ سوز خوانی میں وہ عام طور پر ۳۹ راگوں میں ایک یا ایک سے زائد بندشیں پڑھا کرتے تھے (ڈاکٹر سید سکندر آغا سابقہ حوالہ ص ۳۲) پچھلے ۲۵۔۳۰ برسوں میں عام سوز خوانوں میں موسیقیت کی کمی کسی عقید تمندانہ مثبت یا منفی رجحان کی دین نہیں ہے بلکہ فنونِ لطیفہ سے عام بے توجہی کا نتیجہ ہے۔

تاریخ

سوز خوانی کی ابتدا کے سلسلے میں زمان وافراد کے تعین میں اختلاف وابہام ہے۔ پروفیسر سید سبط جعفر نے اپنے مرثیہ "بستہ" میں سوز خوانی کے آغاز وارتقاء کے عنوان کے تحت ماخذوں کی فہرست میں رجب علی بیگ سرور اور مولانا محمد حسین آزاد سے ضمیر احمد نقوی اور کاؤنسلر محمد ہاشم تک آٹھ نام گنانے کے بعد لکھا ہے کہ سوز خوانی کے آغاز وارتقاء کے بارے میں خاصا تضاد واختلاف وابہام پایا جاتا ہے (پروفیسر سبط رضا سابقہ حوالہ ص ۲۷ و ۲۸) اِن آراء کو ذہن میں رکھ کر حسب ذیل عنوانات دیئے جا سکتے ہیں:

۱۔ صوفیاء اور خانقاہوں سے سوز خوانی کا آغاز ہوا (علی جواد زیدی: دہلوی مرثیہ گو بیاض کلام شعراء قلمی)

۲۔ جنوبی ہند میں قلی قطب شاہ نے تقریباً ۱۰۰۰ھ میں ابتدا کی (محمد علی خاں ابن یاور خاں حیدرآباد مشمولہ سید سبط جعفر سابقہ حوالہ ص ۲۶)۔

۳۔ میر علی (لکھنؤ) موسیقار کا اختراع (رجب علی بیگ سرور مشمولہ سید سبط جعفر سابقہ حوالہ ص ۲۷)۔

۴۔ ناصر خاں تان سینی: استاد میر علی حسن و بندہ حسن سے ابتداء (سید اسرار حسین خاں: ہنرمندان لکھنؤ مشمولہ سید سبط جعفر سابقہ حوالہ ص ۲۷)۔

۵۔ حنفی العقیدہ خواجہ حسن مودودی کی دین، عبدالحلیم شرر لکھنوی مشمولہ سید سبط جعفر سابقہ حوالہ ص ۲۷)۔

صوفیائے کرام کے توسط سے سوز خوانی کی ابتدا کی ایک وجہ یہ تھی کہ محبت آل رسول اُن کے عقیدے کا اہم جزو تھا۔ اُن کی محفلوں میں بھی ذکر شہدائے کربلا ہوتا تھا۔ صوفیوں کی محفلوں میں سماع کی روایت تھی جو صاف ستھری کلاسیکی موسیقی پر مبنی ہوتی تھی۔ ایسی صورت میں جب سوز خوانی کے تینوں اجزاء عقیدت، ذکر، لحن یا موسیقی موجود ہوں تو صوفیائے کرام ایام عزا میں کچھ مخصوص کلام بغیر ساز وسنگت کے پڑھنے کی ہدایت کر دیتے ہوں گے۔ خواجہ محمد باسط کے مرید علی باسطی نے ان کی بیاض سے یہ شعر نقل کیا ہے:

باز قوالان خود را یاد کن مرثیہ خوانی دگر ارشاد کن

سوز خوانی اور جنوبی ہند

سولھویں صدی میں جنوبی ہندوستان میں مرثیہ نگاری کی روایت بہت مضبوط ہو گئی تھی۔ بہمنی اور عادل شاہی سلطنتوں میں عزاداری اور مرثیہ نگاری کا عروج ہوا۔ گولکنڈہ کی قطب شاہی حکومت کے محمد قلی قطب شاہ (تاجپوشی ۱۵۸۰ء) ملقب بہ خادم اہل بیت رسول عزادار ہونے کے ساتھ اچھے شاعر بھی تھے۔ اِن کے عہد حکومت میں وجہی، غواصی، قطبی، فائز وغیرہ مشہور مرثیہ گو شعرا تھے۔ لیکن دکن میں اُس وقت مرثیہ کی ہیئت بجائے مسلسل مرثیہ کے سلام یا نوحہ نما مختصر نظموں کی ہوتی تھی (پروفیسر سیدہ جعفر مضمون دکنی مرثیہ اور اُس کا پس منظر) دکن میں سوز خوانی کی ابتدا کی تائید عبدالحلیم شرر لکھنوی نے بھی کی۔ پروفیسر سیدہ جعفر رقمطراز ہیں۔ کلیات عادل شاہی۔ عادل نامہ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ دکن میں مرثیہ لحن کے ساتھ پڑھا جاتا تھا۔ یہ مختصر مرثیے سینہ کوبی کے دوران بطور نوحہ پڑھے جاتے تھے۔ علی عادل شاہ شاہی کے عہد میں بیجا پور عزاداری کا مرکز بن گیا تھا۔ شاہی کی کلیات میں جو مرثیے درج ہیں اِن پر راگ راگنیوں کے نام تحریر کئے گئے ہیں۔ بھیرویں، بھوپالی، بلاولی، بسنت وغیرہ (پروفیسر سیدہ جعفر سابقہ حوالہ ص ۲۱) اِن اظہارات سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مرثیہ خوانی ایک فرد کرتا تھا یا ایک پورا گروپ۔ اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ سوز خوانی کی ابتدا دکن میں ہوئی لیکن ایک بات قابل غور ہے کہ سوز خوانی میں کہیں بھی کرناٹکی راگوں یعنی جنوبی ہند کی موسیقی کا اثر نظر نہیں آتا۔

لکھنؤ اور سوز خوانی

سوز خوانی کا آغاز کہیں بھی ہوا ہو لیکن لکھنؤ میں اِس کے ظہور کے بعد سے اسے باقاعدہ ایک فن کا درجہ حاصل ہوا۔ اصول و قواعد، مستحبات، مکروہات و ممنوعات تکنیکی اصطلاحیں وغیرہ متعین ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ سید سبط جعفر کا خیال ہے "صوتی علوم و فنون اسلامی میں قرائت، قوالی اور بالخصوص عزائی فنون میں صرف سوز خوانی ہی وہ شعبہ/فریضہ ہے جسے باقاعدہ علم و فن کا درجہ حاصل ہے (مولف کتاب ہذا اِس معاملے میں متفق رائے نہیں ہے)۔ اِس کی مختلف اصناف، اجزاء و ارکان ہیں۔ ادائیگی کے اعتبار سے علیحدہ، جداگانہ اور منفرد و ممتیز گھرانے اور خاندان ہیں۔ عزاداری کی تمام اصنافِ ادائیگی میں باقاعدہ فن کا درجہ صرف سوز خوانی کو حاصل ہے۔ اِس کی اپنی اصطلاحات بھی جداگانہ اور مشخص ہیں (سید سبط جعفر سابقہ حوالہ ۲۲) ڈاکٹر فضل امام نے علی جواد زیدی (دہلوی مرثیہ گو کے حوالے سے) دہلی کے محمد شاہی دور میں ملا علی سودائی (فوت ۱۱۷۵ھ) میر عبداللہ، شیخ سلطان، میر ابوتراب، مرزا ابراہیم، میر درویش حسن اور جانی حجام کی مرثیہ خوانی اور محمد ہاشم فائق، شہزادہ غلام حسین، جان مرزا، میر حیدری وفا کی موسیقی دانی کا مرثیہ خوانی کا بطور خاص ذکر کیا ہے۔ دہلی کے جانے مانے موسیقاروں کے گھرانوں کے آخری بڑے نمائندے استاد چاند خاں صاحب اور استاد عثمان خاں صاحب باقاعدہ بیاض رکھ کر

سوز، سلام و مرثیہ پڑھتے تھے۔ آج بھی اقبال احمد خاں صاحب اُن کی نمائندگی کرتے ہیں۔ جناب جیوتی سروپ پانڈے (انڈین فارین سروسز) بہت اچھے سوز خواں ہیں۔ لکھنؤ مکتبِ سوز خوانی کے ضمن میں سکندر آغا نے ۱۹ویں اور ۲۰ویں صدی کے صرف ۶۶ سوز خوانوں کا ذکر کیا ہے۔ اگر تحقیق کی جائے تو یہ تعداد ہزاروں میں پہنچے گی۔ ڈاکٹر فضل امام نے میر علی صاحب کو اِس فن کا سر خیل کہا ہے۔ (ص ۳۳۹) مرزا رجب علی بیگ سرور نے فسانہ عجائب میں انہیں طرز مرثیہ خوانی کا موجد کہا ہے۔ اِس دور کے ناصر حسین تان سینی، اُن کے شاگردان میر علی حسن اور بندہ حسن (بعہد نصیرالدین حیدر آباد شاہ اودھ) بھی بہت معروف ہیں۔ میر مہدی حسن جنگ، جگت استاد سجاد حسین، نواب نادر مرزا وغیرہ کو بھی اِس فن کے اہم ستون مانا گیا ہے۔ غازی الدین حیدر بادشاہ اودھ کے عہد کے مشہور فنکار حیدری خاں کو کون بھول سکتا ہے جنہوں نے یہ فن میر علی کو بخشا۔ نواب واجد علی شاہ کے دور میں مشہور سوز خواں مہدی علی خاں تھے جو لکھنؤ سے مٹیا برج مجلسوں میں سوز خوانی کے لئے بلائے جاتے تھے۔

خواتین سوز خوانوں کے نام بھی ڈاکٹر سید سکندر آغا نے اپنی کتاب میں درج کئے ہیں۔ میر انشاءاللہ خاں کی تین بیٹیوں یا نواسیوں حیدری بیگم، محمدی بیگم اور ننھی بیگم امجد علی شاہ (۱۸۴۸۔۱۸۴۲) کے محل کی مرثیہ خواں تھیں۔ مولانا عبدالحلیم شرؔر لکھنوی "گذشتہ لکھنؤ" میں رقمطراز ہیں: "لکھنؤ میں بعض شریف، شائستہ اور تعلیم یافتہ عورتیں ایسی اچھی سوز خوان ہیں کہ اگر پردے کی روک نہ ہوتی تو مرد سوز خواں اُن کے مقابلے میں ہرگز فروغ نہ پا سکتے تھے"۔ ڈاکٹر سید سکندر آغا کی مرتبہ ۶۶ ناموں کی فہرست میں ۱۳ خواتین کے نام ہیں۔ اِن میں ایک کی پیدائش ۱۸۷۰ء کی، ایک کی ۱۸۹۲ء، ایک کی ۱۹۰۵ء کی ہے یعنی سوز خوانی کی روایت خواتین میں بھی خاصی قدیم ہے۔ لکھنؤ کے دو غیر مسلم سوز خوانوں میں لچھو مہاراج، بیج ناتھ (پیدائش لکھنؤ ۱۸۹۵ء) کا نام مشہور ہے۔

سوز خوانی کے موجودہ دور میں دو مکاتب مشہور ہیں۔ لکھنؤ اسکول جس میں کلاسیکی موسیقی کی آمیزش بنیادی عنصر ہے دوسری پڑھت پنجاب ہریانہ، راجستھان، دہلی، مغربی اتر پردیش میں عام ہے۔ جس میں باضابطہ موسیقی کی آمیزش نہ ہونے کے برابر ہوتی ہے۔ مرثیہ سینیہ طرز، سیدھے سادے انداز اور بلند آواز سے پڑھا جاتا ہے۔ اِس میں آواز کے زیر و بم اور لے کی اتنی پابندی نہیں ہوتی جتنی لکھنؤ مکتب مرثیہ خوانی میں ہوتی ہے۔ اب بھی اودھ، آگرہ، الور، جے پور، دہلی، امروہہ، سادات بارہہ، بجنور، سہارنپور اور دکن کے علاوہ بہار اور یوپی کے بعض دیگر علاقوں کے افراد بھی سرگرم عمل ہیں۔ پنجاب کا طرز سوز و سلام اور بوہری حضرات کا طریقۂ ادائیگی ذرا مختلف ہے۔ (سید سبط جعفر سابقہ حوالہ ص ۲۸) ہو سکتا ہے کہ یہ سوز خواں اِس طرز فکر پر زیادہ یقین رکھتے ہوں:

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے　　نالہ پابند لے نہیں ہے

ملحقہ-۳

تذکرۃ الذاکرین

ہندوستان میں عزاداری کی ابتداء دت خاندانوں (حسینی براہمنوں) میں ہوئی یا (بحوالہ تاریخ فرشتہ) محمد بن قاسم نے سندھ میں، اس دور کی تفاصیل دستیاب نہیں ہیں۔ ذکر حسین کا متبرک سلسلہ ہندوستان میں ایران کے توسط سے آیا۔ ایران سے آنے والے صوفیائے کرام اور علمائے ذی احترام نے اِس برکت کو فروغ دیا۔ علامہ شیخ جعفر شوستری نے ایران میں ذکر حسین کو رنگ موعظہ میں اِس طرح سمو دیا کہ وعظ کی محفلیں اور ذکر حسین کی مجالس ایک ہی آوازِ منبر کے تحت ہو گئیں۔ ملا حسین واعظ کاشفی کی کتاب روضۃ الشہداء کو بین الاقوامی شہرت نصیب ہوئی۔ ایران و عراق حتیٰ کے ہندوستان کے مومنین کے گھرانوں میں اِس کے ذریعے اذکار شہادت ہوا کرتے تھے اور یہ عمل روضہ خوانی کے نام سے مشہور ہوا۔ کاشفی مغفور کے فرزند علی واعظ ایک نامور مقرر و مصنف تھے۔ آپ نے "لطائف و ظرائف" کے نام سے جو کتاب رقم کی اُس میں بھی دوازدہ معصومین علیہم السلام کے حالات بھی ملتے ہیں۔ اسی عہد میں مولانا عطاءاللہ نیشاپوری کی کتاب روضۃ الاحباب، منصۂ شہود پر آئی۔ مولانا محمد رفیع واعظ اصفہانی نے "ابواب الجنان" لکھی جسے خاطر خواہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ روضۃ الشہداء کے بعد ایران میں نظم میں بھی ذکر حسین شروع ہوا۔ ملّا غواصی نے ۹۵۰ھ میں روضۃ الشہداء کو فارسی میں نظم کیا۔ ملا مقبل نے قطعات و مراثی نظم کر کے اِس منظوم ذخیرہ میں اضافہ کیا۔ کاشفی کی تصنیف اردو میں مرثیوں اور شہادت ناموں کی محرک ثابت ہوئی۔

ہندوستان میں محمود غزنوی اور غوری کے عہد میں یہ ذکر تاریکی میں ہے۔ البتہ طبقات ناصری اور تاریخ فیروزشاہی میں عشرۂ محرم ایام عزا میں منانے کے حوالے ملتے ہیں۔ سلطنت مغلیہ خصوصاً ہمایوں کے دور حکومت سے شیعوں کی تعداد اور اثر میں ترقی ہوئی۔ دکن کی شیعہ سلطنتوں نے عزاداری کو ترقی دی۔ انہماک عزاداری نے جدید صورتیں نظم و نثر میں اختیار کر لیں۔ اِس دور کے علماء میں ملا محمد طاہر شاہ دکنی، قاضی نور اللہ شوستری المعروف بہ شہید ثالث، شیخ عبد العلی الجابقی، ملا عزیز اللہ مجلسی، ملا علی رضا شیرازی، سید عبد الہادی، علاء الدولہ شوستری، ملا عبد الغنی کشمیری بن ابوطالب، شیخ احمد جزائری، علامہ ابن خاتون، شیخ علی محمد حزیں وغیرہ تھے۔

اودھ میں شیعیت کو خاص عروج حاصل ہوا۔ لکھنؤ کو اعتقادِ شیعیت کے لحاظ سے مرکزیت حاصل ہوئی۔ دور واجد علی شاہ تک ذکر حسین روضہ خوانی، حدیث خوانی یا واقعہ خوانی میں تھا۔ مواعظ علماء میں اشارتاً ذکر حسین آ جاتا تھا۔ مجالس میں ذکر شہدائے کربلا زبان فارسی میں ہوا کرتا تھا۔ واجد علی شاہ کے عہد حکومت میں پہلی کتاب رنگ موعظ و مجلس میں (فارسی

زبان) لسان الواعظین لکھی گئی جس کا سال تالیف ۱۲۶۳ھ ہے اور مصنف حاجی شیخ محمد علی کاظمی مغفور ہیں۔ اِس کے بعد دوسرا دور شروع ہوا۔ اِس کے بعد سے متعدد کتابیں اردو میں منظر عام پر آئیں حضرت سید دلدار علی غفرانمآب کی تالیف "مواعظِ حسنہ" مولوی مبین فرنگی محلی کا "شہادت نامہ" اور مولوی میرن صاحب کی "مجالس مُفجعہ" اِس صنف کی پہلی تصانیف ہیں۔ ایسے مواعظ کا حصہ عام اطلاعاتِ مذہب سے تعلق رکھتا تھا لیکن جہاں سے واقعات کربلا کو ضم کیا جاتا تھا وہاں سے بیشتر حزن آلود لہجے اختیار کئے جاتے تھے۔

جن شیعی علماء کرام نے قابل قدر دینی خدمات سرانجام دیں اُن کے اسمائے گرامی ہیں، معین الدین محی الشریعت سید دلدار علی غفرانمآب، نابغۂ عصر مفتی سید محمد عباس لکھنوی، نجم الملت مولانا سید نجم الحسن، قدوۃ العلماء مولانا سید آقا حسن، سرکار ناصر الملت سید ناصر حسین موسوی، فقیہ اہل بیت باقرالعلوم سید محمد باقر رضوی، مفسر قرآن علامہ راحت حسین گوپالپوری، جواد العلماء حضرت سید علی جواد صاحب زنگی پوری ثم بنارسی، آقا احمد مھبھانی، علامہ سید علی شاہ رضوی، سلطان العلماء سید محمد، سید العلماء سید حسین، مولانا سید احمد علی محمد آبادی، میرزا حسن عظیم آبادی، میر نجف علی فیض آبادی، علامہ نجف علی نونہروی، شیخ رضا بن زین العابدین، ملک العلماء سید بندہ حسن مفتی محمد قلی، مولانا حیدر لکھنوی، مفتی محمد عباس، میر حامد حسین، مولانا سید ظہور حسین بارہہ، علامہ سید علی حائری، سرکار ناصر الملت مولانا ناصر حسین، مولانا سید احمد علامہ ہندی، مولانا ابن حسن میر حسن رضا جائسی، علامہ سبط حسین بن رمضان علی جائسی، مکرم العلماء مولانا سید سجاد حسن زیدی، علامہ سید علی حیدر، مفتی احمد وغیرہم۔

لکھنؤ کے علماء میں ذکرِ حسین کا ارتقائی دور

اِس دور کے علماء میں مندرجہ ذیل اسمائے گرامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں:

۱۔ مولوی میرزا محمد اخباری (حیدر گنج) بڑے جید الاستعداد فقیہ مانے جاتے تھے اور بحیثیت ذاکرِ حسین بہت مقبول ہوئے اپنے رنگ کے موجد تھے جس کا اتباع تقریباً ۵۰ برس تک ذاکرین نے کیا۔

۲۔ سید تقی حیدر اپنے امام باڑے میں برنگ وعظ ذکر شہیدان کربلا فرماتے تھے۔

۳۔ شمس العلماء مولوی سید ابوالحسن عرف مولوی بچن صاحب جنہوں نے ذکر حسین منبر پر بسیط و تشریح کے ساتھ کیا۔

۴۔ حاجی سید محمد باقر نے امام باڑہ بنوایا جہاں بڑی بڑی مجالس ہوا کرتی تھیں بیشتر منگل کے روز مجلس سے خطاب فرماتے تھے۔ حضرات لکھنؤ نے آپ کو میر منگلو کا لقب عنایت فرمایا۔

۵۔ بحرالعلوم مولوی علن صاحب ۱۹۰۶ء تک مجالس پڑھتے رہے اور بہت مقبول تھے۔

۶۔ مولوی احمد علی مجتہد روشِ کہن کے پابند تھے۔

۷۔ میر محمد شاہ محدث میرزا اخباری کے شاگرد، کیفِ حُزن والم میں ڈوبا خاص لہجۂ ذکر ایجاد کیا۔ ذکر مصائب مختصر مختصر اور صاف صاف الفاظ میں کرتے تھے۔ سینکڑوں حدیثیں یاد تھیں۔ اِس کی وجہ سے لقب محدث ہوا۔

۸۔ قاری محمد علی صاحب (یحییٰ گنج) آواز میں درد تھا اور بیان میں جذب اِن کی مجلس میں گریہ خوب ہوتا تھا۔

۹۔ مرزا محسن (احاطہ میرزا علی خاں) نہایت خوش رو اور وجیہہ ذاکر تھے۔ آواز بھی پاٹ دار تھی۔ بڑے مرد مؤمن تھے اچھے ذاکرین میں شمار ہوتا تھا۔

۱۰۔ مرزا محمد کاظم حدیث خواں تھے۔ آواز بھی مناسب تھی اچھے اچھے مسودات حفظ تھے۔

۱۱۔ مولوی سید علی میاں: روایات روانی کے ساتھ پڑھتے تھے۔ بیان گریہ خیز ہوتا تھا۔

۱۲۔ مولوی مظفر علی خاں صاحب: صاحب استعداد اور مقبول عوام ذاکر امام تھے۔

۱۳۔ سید صاحب بن میر محمد شاہ محدث اپنے والد کے رنگِ ذکر کے پابند۔ مآل مجلس زیادہ ہوتا تھا۔ لہجہ اور آواز میں بہت درد تھا۔

۱۴۔ میر فدا علی لکھنوی: تمہید خالص داستانی رنگ میں، طرز ادا بھی اُسی کے مطابق، مسودۂ ذکر حسین میں نظم و نثر دونوں کو دست و گریباں کر دیا درمیان نثر جابجا میر انیسؔ اور میرزا دبیر کے مراثی کے عمدہ عمدہ بند مستعمل ہوتے تھے۔ عبارت مقفیٰ و مسجع (مرزا رجب علی بیگ سرورؔ کے احبابِ خاص میں تھے)۔ اِن کے دونوں نواسوں سید ابوالحسن اور میر ولایت حسین نثار نے ان کا نام برقرار رکھا۔ دیگر ذاکرین میں میر سراج الحسن (بھیرا سادات) میر ولایت حسین (اکبر آباد) اور مرزا ولایت (رامپور) تھے۔

۱۵۔ لکھنؤ میں سرکار نجم العلماء سید نجم الحسن نثار کامیاب ذاکر تھے۔

۱۶۔ مفتی میر عباس صاحب قبلہ شوستری، موعظہ مع اشارات ذکر حسین وہ بھی کبھی کبھی فرماتے تھے۔

۱۷۔ مولوی سید بندہ حسن صاحب موعظہ ذکر حسین بطرز کہن فرماتے تھے۔

۱۸۔ مولوی سید حامد حسین واعظ (صاحب طبقات الانوار) از قسم مناظرہ۔

۱۹۔ مولوی سید ابراہیم صاحب (فرزند مولوی سید تقی) ذاکر حسین تھے والد کا رنگ بیان میں جھلکتا تھا۔

۲۰۔ مولوی مرزا تقی (مٹیا برج کلکتہ) واعظ زیادہ تھے۔

۲۱۔ مولوی محمد حسن (مٹیا برج) واعظ مقبول، ذکر میلادِ رسالت مآب خوب فرماتے تھے۔

۲۲۔ مولوی سید احمد علی صاحب واعظ بھی تھے اور ذاکر بھی۔

ذاکرین کا دوسرا دور

بحر العلوم مولوی علن صاحب نے واعظانہ شان کا رخ بدلا۔ علم کلام و فلسفۂ قدیم سے کام لیتے ہوئے مشکل مسائل کو تمہیدات تقریر میں شامل کرنے لگے۔ مولوی بچن صاحب کے بعد پہلے شخص تھے جنہوں نے خاندان اجتہاد میں سنجیدہ وعظ مذہبی میں ذکر حسین مدغم کر دیا۔

لحن پرور دور کی ابتداء سید ابن حسن لکھنوی سے ہوئی جو مولوی علن صاحب کے ساختہ و پرداختہ ذاکر اور مقبول عوام تھے۔ جنگ خیبر، خندق واحد تو اِس آن بان سے پڑھتے تھے کہ تصویر آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتی تھی۔

مولوی محمد حسین قبلہ (محقق) (متوفی ۱۹۱۸ء) آپ سلطان الذاکرین کے لقب سے مشہور تھے۔ بارہہ سادات ضلع مظفر نگر کے رہنے والے تھے۔ صفائی بیان اور طلاقت لسان کے سبب سامعین آپ کے گرویدہ تھے۔ شیعوں کی خاص دلچسپی والے مضامین اشارتاً وکنایتاً بیان فرماتے تھے۔ موجودہ طرز ذاکری کی داغ بیل ڈالی۔ برجستہ اور برمحل دلکش جملوں اور بھاری بھرکم انداز و علمی وقار کے ساتھ مجلسوں کو خطاب کرتے تھے۔

مولوی سید ابوالحسن صاحب قبلہ عرف منّن صاحب قبلہ درس وتدریس سے وابستہ تھے کبھی کبھی ذاکری بھی فرماتے تھے۔

مولوی سید ابوالحسن صاحب کشمیری: درجۂ اجتہاد پر فائز اچھے خاصے مذہبی واعظ تھے۔ ذکر حسین میں وہی دو چار شعر بس.

مولوی مرزا رضا علی (مفتی گنج) علم مناظرے کے گل سرسبد، مفتی گنج کی مسجد میں محافل و وعظ و مناظرہ منعقد کرتے تو خود بیان فرماتے تھے۔ بعض اوقات مجلس میں (وقفہ بوقفہ) چھ سات گھنٹے تک کی نشست کی نوبت پہنچ جاتی تھی۔

رنگ تقریر کا جدید دور

مولوی مقبول احمد دہلوی تقریر میں مناظرہ کا رنگ ہوتا تھا۔ پرجوش انداز میں مجلس پڑھتے تھے۔ ذہین طرار مقرر، جرات مباہلہ فاتح جونپور کے نام سے مشہور۔ ضلع جگت، اشارہ، کنایہ القاب کی تراش خراش سے سامعین کو رجھا لیتے تھے۔ جہاں گئے شیعوں نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ لیکن تقریر کے لہجہ کبھی کبھی بین الملّلی مفاہمت کو نقصان پہنچانے والا ماحول تیار ہو جاتا تھا۔

خطیب اعظم سبط حسن صاحب: بلند پایہ خطیب، فصیح مقرر رنگ ذاکری کو ایک مستقل مرکز پر لائے۔ معانی و بیان کے شاہکار، زبان لطیف، جدت مضامین، چست فقرات ذکر واقعاتِ کربلا اِس طرح ادا کرتے کہ ۲۰ ویں صدی کے بہترین مقرر فصیح مانے گئے۔ مدرسۂ ناظمیہ لکھنؤ میں عشرۂ مجالس کو خطاب کرتے تھے۔ دلکش انداز آواز بھاری تھی۔ طرز بیان کو علمی اور فلسفیانہ بیانات سے جلا بخشی۔

مولوی سید رضا صاحب (شمس پوری) مولوی ظہور الحسن صاحب کے مایۂ ناز شاگرد، شمس الکلام اور ابلغ المتکلمین کہلائے۔

مولوی مہدی حسن صاحب ناصری جدت ذہن اور جدت آفریں ذوق کے حامل مولوی صاحب قبلہ نوحوں میں مہارت رکھتے تھے۔ تقریر میں متانت تھی۔

ڈاکٹر مولانا سید جعفر حسین: (ڈی لٹ) مشہور ذاکر تھے۔ فتح پور کے امام باڑے میں مدفون ہیں۔

حکیم سید مرتضیٰ حسین الہ آبادی: طرز ادا، انداز خطاب کے ساتھ ساتھ حرکات اعضاء بھی جاذب نہیں تھے۔ مسئلہ امامت خوب بیان کرتے تھے۔ مصائب بھی نہایت خوش اسلوبی اور اثر کے ماتحت ہوتے تھے۔

مولانا سید علی محمد (چھبن صاحب کربلائی): بڑے قابل فرد تھے، تقریر عالمانہ ہوتی تھی۔ خصوصاً روایات بہت مضبوط پڑھتے تھے۔ مصائب کا بیان بہت پر اثر ہوتا تھا۔

مولوی سید عبد الحسن (عرف ماسٹر چھبن صاحب): پختہ کار مقرر و ذاکر تمہیدوں میں جدتیں پیدا کرتے تھے۔ حصۂ مصائب میں نہایت کامیاب مانے جاتے تھے۔

مولوی سید وجاہت حسین ناظم: علمیت کے ساتھ تقریر میں روانی بھی تھی۔ صد افسوس کہ شباب میں انتقال کیا۔

مولوی محمد شبر صاحب: خصوصیات قدیم کے ساتھ نہایت خلوص کے واعظ و ذاکر۔ بیان میں سنجیدگی و جاہت ذاتی بھی مولویانہ شان کی حامل تھی۔

ابوالبیان مولوی سید اکبر مہدی (جرولی) کہنہ مشق ذاکر، زیب و زینت منبر، خلیق و صفا پرور۔

مولوی سید ابن الحسن جارچوی: طور منبر پر ذوق کلیم کی نمایندگی کرتے تھے۔ فلسفۂ آل محمد کی تصنیف کے سلسلہ میں چونکہ مسئلہ اشتراکیت عامہ پر زیادہ نظر رکھی اسی لئے بیان میں بھی بظاہر اشتراکیتِ خیال کا عنصر غالب ملتا ہے۔ انتہائی معلوماتی تقریر سادگی کے ساتھ بیان کرتے تھے۔

مولوی سید ابن الحسن نونہروی: مقررین صف اول کے نمایاں فرد منبر پر صنایع و بدایع کے پھولوں سے کھیلتے تھے۔ مقفیٰ و مسجع عبارت میں کلامی و فلسفی مفاہیم بیان کرتے تھے۔ انداز دلکش آواز بھاری بھر کم تھی۔

مولوی حافظ کفایت حسین: پرنسپل مدرسۃ الواعظین، ذاکرین ممتاز میں شمار، صاحب استعداد، فرد نیلدل اور باوضع جلیل القدر خطیب، پورا قرآن مجید حفظ تھا۔ تفسیر آیات سے تمہید تقریر لازمی لیکن مقصد پر پہنچتے پہنچتے ذوق تشریح کے سبب گھنٹوں کی خبر لیتے۔

مولوی داؤد صاحب منطقی: موجبات صغریٰ اور کبریٰ کلی طور سے جانتے تھے۔ صاحب استعداد فرد تھے۔

مولوی سید کلب حسین (کبن صاحب): دنیائے وعظ و ذکر میں مستقل شہرت حاصل کی۔ مقبول عوام ذاکر آبائی مسند اجتہاد پر متمکن رہے۔ حسینیہ غفران مآب میں عشرہ میں مجالس پڑھتے تھے۔ آواز ہلکی زبان صاف اور شستہ ہوتی تھی۔

مولوی سید اولاد حسین شاعر (للن صاحب): ذکر حسین میں عنصر تاریخ کافی ہوتا تھا، طبیعت جدت آفریں اور ذوقِ سلیم پایا جاتا تھا۔

مولوی آغا مہدی صاحب: خاندان اجتہاد سے تعلق رکھتے تھے۔ مغز تقریر سے زیادہ جوش تقریر کے قائل تھے۔

مولوی سید کبن صاحب (ابن میر آغا صاحب): مشاق ذاکر امام تھے۔ بیان میں روانی تھی۔

مولوی سعید محمد (عرف میرن صاحب): تقریر میں روانی اور سنجیدگی ہوتی تھی۔

مولوی سید محمد صادق لکھنوی (ننّن صاحب): علامہ محقق ہندی کے فرزند نجم الملت کے پوتے۔ تقریر میں روانی تھی اور مصائب میں اثر۔ علم و ادب میں مہارت رکھتے تھے، بیان بھی ادبی ہوتا تھا۔

مولوی سکندر حسین لکھنوی: نوجوان صاحب استعداد مقرر۔ جناب محقق ہندی کا نام روشن کرنے والے خوش کلام اور خوش فکر ذاکر تھے۔

ملا محمد طاہر لکھنوی: چہرے مہرے سے ذاکر ہونے کے آثار۔ پردۂ خاموشی میں مضامین لطیفہ کی فکر اکثر فقرات جو صنائع و بدائع کلام کی روح ہیں منبر پر ادا فرماتے تھے۔ اصلاحی مجالس پُر اثر انداز میں پڑھتے تھے۔

مولوی سید محسن نواب لکھنوی: ذکی ذہین، صاحب استعداد، سنجیدہ مقرر، مدرسہ عربیہ جونپور میں مدرس اعلیٰ تھے۔

مولوی سید الطاف حسین عالم: ذاکر عالی مقام، تقریر منبر سے معلوم ہو جاتا تھا کہ آپ شاعری بھی کرتے ہیں۔

حکیم محمد ہادی صاحب: (برادر حکیم منے آغا) بڑے خلوص سے پڑھنے والے ذاکر لکھنوی معاشرت و تمدن کے پیکر، خادمان شہید کربلا کی بڑی عزت کرتے تھے۔

مولوی سید حسن صاحب (بن سید ہادی صاحب): تقریر میں زوائد سے اجتناب کرتے تھے۔

مولوی سید حسین صاحب لکھنوی (بن مولوی سید محمد ہادی صاحب مغفور): عراق کے تعلیم یافتہ۔ وضع و تراش بھی عراقی تھی۔ مجلس برنگ موعظہ پڑھتے تھے اور صاحب اخلاق حسنہ تھے۔

مولوی شیخ مظفر حسین صاحب مرحوم: (بارود خانہ) صاحبِ استعداد اور پُر گو مقرر تھے۔ مسودات مرتب کرکے دوسروں کو دے دیتے تھے۔

مولوی سید حیدر حسین نکہتؔ لکھنوی: استعداد تازہ کے مالک تھے۔ مقررین معقول میں شمار تھا۔ طبیعت میں جدت تھی۔

مولوی سید سجاد صاحب: (لڈن صاحب درگاہ) مناظرۂ مذہبیہ میں زیادہ دستگاہ تھی۔ دوران تقریر میں منطقی رنگ میں متاثر ہو جاتے تھے۔ ذکر امام بھی فرماتے تھے۔

مولوی سید احمد صاحب: (بن سید ہادی صاحب مغفور) صاحب استعداد فرد تھے۔ مجالس بہت سنجیدگی سے پڑھتے تھے۔

مولوی سید محمد ذکی صاحب: (قائم مقام حضرات نجم الملۃ مغفور) صاحب موعظہ و ذاکر تھے۔

مولوی سید محمد رضی صاحب: نمایاں مقررین میں شمار تھا۔ مقبولیت بھی حاصل تھی۔

مولوی ظفر مہدی صاحب لکھنوی: پنجاب میں مرجعیت عامہ حاصل تھی اور صاحب علم و ذکاوت تھے۔ بحیثیت مقرر، ذاکر مقبول تھے۔

مولوی سید حسین محمد (بن مولوی سید محمد صاحب): سرائے معالی خاں۔ نہایت کامیابی سے ذکر حسین کرتے رہے۔

مولوی قائم مہدی (بن مولوی سید ابن حسن صاحب مجتہد) مقرر و ذاکر تھے۔

مولوی عالم حسین صاحب مرحوم: مجالس خوب پڑھتے تھے۔ دلیل سے قبل مدلول توجیہہ کے پہلے موجہہ بیان کر دیتے تھے۔

مولوی سید ابوالحسن صاحب: علماء میں شمار تھا۔ ذکر شہیدان کربلا میں بھی علمیت کی جھلک تھی۔

دوسرے مقررین و ذاکرین

سید ابوالقاسم نجفی (عرف ملا صاحب) اکثر ہندوستان کا دورہ فرماتے تھے۔ فارسی زبان میں مجالس پڑھتے تھے۔ مجالس بہت کامیاب ہوتی تھی۔

مولوی حافظ فرمان علی مترجم قرآن بس موعظہ کر لیتے تھے مگر انہاک علمی اور فصاحت ترجمہ کے لئے مشہور تھے۔

مولوی سید محمد صاحب (دہلوی) صاحبِ استعداد واعظین و مقررین میں سے تھے۔ دہلی میں اینگلو عربک کالج میں مدرس عربی رہے۔ بیان سادہ و سلیس، زبان صاف و شیریں تھی۔ استعارات سے بکثرت کام لیتے تھے۔ تقریر میں روانی و جدت بھی اعلیٰ درجہ کی تھی۔ کبھی مولوی مقبول احمد صاحب کا رنگ ضرورت سے زیادہ نمایاں ہو جاتا تھا۔ مذاق عامہ کی خاطر کبھی تبسم خیز فقرات بھی چست کر دیتے تھے۔ بلبل ہند کے خطاب سے نوازے گئے۔

مولوی سید سبط حسن صاحب (ہسوی) نیک طینت، سنجیدہ فطرت قلم زبان سے زیادہ رواں تھا۔

مولوی سید اختر حسین صاحب مرحوم (عظیم آبادی): لکھنؤ میں طالب علم رہے، اکثر مجالس کی تمہیدیں بہت عمدہ ہوتی تھیں۔ تقریر بھی رواں ہو گئی تھی۔ بنگال کا دورہ بہت کرتے تھے اور مجالس کثرت سے پڑھتے تھے۔

مولوی سید ظفر حسن (امروہوی) بلند پایہ خطیب و عالم تھے۔ تاریخ پر عبور حاصل تھا۔ کرسچین اسکول مرادآباد میں علوم شرقیہ پڑھاتے تھے۔ سلجھی ہوئی تقریر، بیان میں شیرینی و تسلسل، الفاظ میں متانت و اثر شاق اور صاحب علم مقررین میں شمار تھا۔ کراچی [illegible]

مولوی عبدالغفور صاحب (بنارسی) صاحب استعداد اور مقرر لطیف تھے۔ صرف مجالس پڑھتے تھے۔

ضیاء السلام مرحوم (میرٹھی) جدید نقطہ نظر سے بیان تاریخی ہوتا تھا۔ سامعین محظوظ ہوتے تھے۔ لکھنؤ میں چند مجالس پڑھیں۔ ارباب نظر کو اپنا معترف بنالیا۔ عین شباب میں انتقال کیا۔

سید صادق حسین بی۔ اے۔ (الہ آباد) مؤلف ثانی زہرا، ذاکرین میں پائے جانے والے پرانے معمولات سے گریز اور ضعیف مضامین سے الگ رہنے کی کوشش کرتے تھے۔ لکھنؤ کے تعلیم یافتہ طبقے میں بہت پسند کئے جاتے تھے۔ خصوصاً "ثبوت امامت" پر تقریر بہت پسند کی گئی۔

مولوی برکت علی (حیدرآباد) صاحب استعداد فرد تھے موعظہ و ذکر حسین فرماتے تھے۔

مولوی غلام حسین (مدراسی) صاحب استعداد بزرگ، ذاکر حسین زیادہ تر دکن یعنی حیدرآباد، مدراس، بنگلور میں ہی مجالس پڑھتے تھے۔

مولوی حمید حسن واعظ صوبۂ مدراس میں معروف تھے۔

مولوی سید ضیاء الحسن و مولوی سید نجم الحسن (عبقاتی) حضرت ناصر الملت مرحوم کے سلسلۂ اناث سے تعلق رکھتے تھے۔ حیدرآباد میں قیام تھا۔ صاحب استعداد افراد میں تھے اور پر اثر تقریریں کرتے تھے۔

مولوی سید مراد حسین صاحب (عرف بدھن صاحب لکھنوی) مدت سے (اورنگ آباد) دکن میں تنہا واعظین و ذاکرین مذہب امامیہ کے مستقل نمائندے رہے۔ بڑے نیکدل اور صاحب مروت تھے۔

ڈاکٹر مولوی اعجاز حسین جعفری (مظفر پور) متولی وقف ہُگلی رہے۔ وعظ و ذکر میں معروف رہے۔ پر حاصل تقریر کرتے تھے۔ چونکہ زمانۂ مقررہ تک لندن میں قیام رہا لہٰذا جدت خیال اور احتراز جادہ کہن کی خصوصیات تقریر میں نمایاں رہیں۔

مولوی سید ابرار حسین (پاروی) مدرسہ ناظمیہ لکھنؤ کے تعلیم یافتہ اور مدرس اول مدرسہ سلیمانیہ (پٹنہ) ذکی اور ذہین۔ مولوی سبط حسن کے لہجہ ذکر اور حرف الفاظ کا اتباع کیا۔ بیان میں شگفتگی اور روانی تھی۔ کامیاب مجالس تھی۔ پارہ ضلع غازی پور کے رہنے والے تھے۔ برجستہ تقریر کرنے پر کامل قدرت رکھتے تھے۔ عظیم الشان خطیب تھے۔

مولوی سید محمد مجتبیٰ حسن صاحب (کامون پوری) جامع ازہر (مصر) کے سند یافتہ اور نظریہ شیعیت کے مجدد۔ مدرسہ ناظمیہ لکھنؤ سے استفادۂ علمیہ کیا پھر لکھنؤ یونیورسٹی میں شعبۂ عربیہ میں مدرس ہو گئے۔

مولوی محمد سبطین (لدھیانہ) واعظ اور مشہور مقرر۔ اطراف پنجاب میں شہرت عام رکھتے تھے۔

مولوی سید محمد تقی صاحب: اچھے فارسی داں ۱۹۲۲ء میں شوق ذاکری پیدا ہوا۔ طبیعت جدت پسند اور مضامین آفرین تھی۔ مسودہ بدست منبر پر بیٹھتے تھے۔ جوش تقریر میں کبھی کبھی کیف مذاق سلیم کھو دیتے تھے۔

مولوی سید محمد صاحب (امروہوی) سنجیدہ فطرت، صاحب استعداد بزرگ تھے حضرات امروہہ کی مذہبی ضروریات کی تکمیل اُن سے وابستہ رہی۔ جمعہ و جماعت، وعظ و ذکر انہیں کے سپرد تھیں۔ سادہ زبان میں علمی مطالب بیان کرتے تھے۔

مولوی سید امجد حسین (امروہوی) مرحوم اور اُن کے فرزند مولوی سید یوسف حسین صاحب مرحوم مجتہدین تھے۔ وعظ و ذکر اپنے اطراف میں کرتے تھے۔

مولوی سید علی اظہر صاحب (سارن) صاحبِ نظر اور وسیع النظر افاضل میں شمار تھا۔ اُن تک مذہبی کاوش تمام کرنے والوں کے لئے ایک نمونہ کامل تھے۔

مولوی سید انصار حسین (رامپور) مولوی سید علی رضا (کندرکی) کے ساتھی۔ بڑے سنجیدہ صاحب استعداد بزرگ اپنے وطن میں منبرِ ذکر کی زینت رہے۔

مولوی شیخ اعجاز حسین (بدایونی): مدرس مدرسۃ الواعظین۔ پرجوش مقرر، لاہور میں ایک مذہبی جلسہ میں فضائل مرتضوی بیان کرتے کرتے بے ہوش ہو گئے اور انتقال فرمایا۔

مولوی شیخ عزیز الحسن (جلیسر اور ایٹہ) وارث جبۂ و دستار پدر (شیخ اعجاز حسین بدایونی کے فرزند) مقرر بھی تھے اور ذاکر امام بھی۔ دارالاشاعت اعجازیہ کے مہتمم بھی۔

مولوی سید سبط محمد صاحب سیتاپور میں ریاست محمود آباد کی طرف سے پیش نماز اور ذاکر امام تھے۔

مولوی سید محمد ساجد صاحب (فتح پور) بانیٔ مجالس تبلیغی سیتاپور منبر پر ذکر امام بڑے خلوص سے کرتے تھے۔

مولوی سید حامد حسین (گونڈہ) تعمیر حسینیہ کے بانی مجالس بھی پڑھتے تھے۔ تآل مجلس ہو جاتا تھا۔

سید رضی الدین حیدر صاحب ایم۔ اے (الہ آبادی) تیز طبیعت، بلند آہنگ، نوجوان مقرر اور ذاکر امام تھے۔

مولوی سعادت حسین خاں صاحب۔ مدرس اول وثیقہ اسکول فیض آباد، تقریر و ذکر فرماتے تھے۔

مولوی سید ظفر حسین صاحب (بنارس) صاحب استعداد فرد مقرر و ذاکر تھے۔

مولوی سید محمد نقی صاحب (سہارنپور) اچھے مقررین میں شمار تھا۔ صاحب استعداد فرد تھے۔

مولوی سید مبارک علی (شاہ گنج اور آگرہ) آگرہ کے مومنین کی خدمت مذہبیہ کرتے رہے۔ پرانے ذاکر تھے۔

مولوی محمد مہدی صاحب (زیدپوری) صاحب استعداد اور معقول مقرر تھے۔ محققانہ مجلس پڑھتے تھے۔

مولوی حیدر مہدی صاحب (زیدپوری) مستند مقرر و ذاکر تھے۔

مولانا شمس الحسن صاحب گوئی ضلع بجنور کے رہنے والے تھے۔ انتہائی جوشیلی مجالس پڑھتے تھے۔ مصائب میں اپنا گریباں بھی چاک کر لیتے تھے۔

مولانا فیاض حسین ولید پوری: ولید پور ضلع اعظم گڑھ کے رہنے والے تھے۔ استدلالی مجلس پڑھنے کے عادی تھے۔

مولانا محمد بشیر انصاری: شکار پور ضلع بلند شہر یو۔ پی۔ کے رہنے والے تھے۔ آپکا بیان عالمانہ ہوتا تھا۔

مولانا مرزا محمد عالم: لکھنؤ کے رہنے والے جوشیلے انداز میں مجلس کو خطاب کرتے تھے۔

مولانا اختیار حسین: مچھلی گاؤں ضلع فیض آباد کے رہنے والے بھاری آواز میں مجلس پڑھتے تھے۔

مولانا غلام عسکری: علمی مطالب کو آسان طریقے سے پیش کرتے تھے۔ تبلیغی عنصر غالب رہتا تھا۔

مولانا انتظار حسین: امروہہ کے باشندے تھے۔ قرآنی آیات کا سہارا لے کر استدلال کرتے تھے۔

مولانا مظفر حسین جرولی: پیشے سے وکیل تھے۔ لہٰذا مجلس میں جرح و بحث کرتے تھے۔ مجلس عام فہم ہوتی تھی۔

مولانا کلب عابد: امام باڑہ غفران مآب لکھنؤ میں عشرہ مجالس کو خطاب کرتے تھے۔ اصلاحی بیان ہوتا تھا۔

مولانا بختاور علی: سلطان پور کے رہنے والے تھے بیان اچھا ہوتا تھا۔

مولانا ظفر مہدی سلیم: خوش بیان ذاکر تھے۔ بیان میں سادگی تھی۔

مولانا عدیل اختر: علی نگر پالی بہار کے رہنے والے تھے۔ انتہائی پر اثر انداز میں خطاب کرتے تھے۔

مولانا وصی محمد: فیض آباد کے رہنے والے، عالمانہ انداز تھا۔

مولانا محمد سبطین سرسوی: فلسفیانہ بیان عام فہم زبان، سرسی (ضلع سنبھل) کے رہنے والے تھے۔

محمد الطاف حیدر: محمد آباد گہنہ کے ساکن، سادگی کے ساتھ بیان فرماتے تھے۔

مولانا ایوب حسین سرسوی: منطقی و فلسفی گفتگو، تقریر میں نکتہ سنجی پائی جاتی تھی۔

مولانا صاحب حسین امروہوی: امروہہ (ضلع جے پی نگر) کے رہنے والے تاریخی پہلو مجلس پر غالب رہتا تھا۔

مولانا محمد سعید: لکھنؤ کے رہنے والے، زبردست خطیب تھے۔

مولانا سبط حسن: ساکن جونپور عالمانہ مجلس پڑھتے تھے۔

مولانا سید محمد عبادت کلیم امروہوی: مجلس میں عالمانہ نکات بیان کرتے تھے۔ عالم و فاضل تھے۔

مولانا محمد مجتبیٰ: نوگاواں سادات کے رہنے والے تھے ادبی مجلس پڑھتے تھے۔

مولانا ابوالہاشم: ساکن نوگاواں سادات خلیق اور ملنسار عالم، اصلاحی مجلس پڑھتے تھے۔

مولانا ظہور حسین: سادات بارہہ کے رہنے والے تھے۔ فلسفیانہ بیان ہوتا تھا۔

مولانا سلیمان عباس: اپنے زمانے کے اعلیٰ خطیب، بنارس میں مقیم تھے۔

مولانا خورشید حسن امروہوی: گیا (بہار) میں رہتے تھے۔ اصلاحی و تبلیغی مجالس پڑھتے تھے۔

مولانا حیدر مہدی ہلوری: تیز طرار ذاکر تھے۔ شعبہ تعلیم سے وابستہ تھے۔

مولانا شمیم عالم: فیض آباد کے رہنے والے بمبئی میں مقیم تھے۔ بہت ہی سادہ انداز میں مجالس پڑھتے تھے۔

مولانا محمد رضا: ساکن باسئہ ضلع بجنور، مزاحیہ انداز خطابت تھا مگر پر اثر تھا۔

مولانا روشن علی خاں: سلطان پور کے رہنے والے جذباتی مجالس پڑھا کرتے تھے۔

علامہ ذیشان حیدر جوادی: کراری الہ آباد وطن تھا۔ عالمانہ مجالس پڑھا کرتے تھے۔

مولانا کرار حسین واعظ: محمد آباد گہنہ کے رہنے والے بہت ہی جوشیلی تقریر کرتے تھے۔

مولانا محمد حسین نجفی: سلطانپور وطن تھا۔ نجف کے پڑھے ہوئے تھے۔ محققانہ مجلس ہوتی تھی۔

مولانا محمد شاکر امروہوی: امروہہ کے رہنے والے فلسفہ و منطق کے اُستاد تھے۔ بیان بھی فلسفیانہ ہوتا تھا۔

مولانا سید محمد باسوی: نجف میں تعلیم حاصل کی بلند مرتبہ عالم تھے اصلاحی مجالس پڑھتے تھے۔

مولانا شہنشاہ حسین: جامعہ ناظمیہ میں پڑھاتے تھے۔ پرزور انداز میں مجلس پڑھتے تھے۔

مولانا اخلاق مہدی: زید پور بارہ بنکی کے ساکن تھے اور اچھی مجلس پڑھتے تھے۔

مولانا ریاست حسین قصبہ سیتھل ضلع بریلی اترپردیش کے رہنے والے تھے عصری تقاضوں کے پیش نظر مجالس پڑھتے تھے۔

سید احمد اصغر قلم سیتھلوی عمدہ شاعر اور کامیاب منظم جلوس و مجالس تھے۔ ذکر شہدائے کربلا بہت موثرانداز میں کرتے تھے۔

مولانا سید حسن نقوی ساکن لکھنؤ بہت اچھے انداز میں مجلس پڑھتے تھے۔

مولانا مظاہر حسین: محمود آباد ضلع سیتاپور میں امام جمعہ تھے اصلاحی مجالس پڑھتے تھے۔

مولانا غلام مرتضی: لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ تقریر میں مقفّیٰ و مسجع جملے استعمال کرتے تھے۔

مولانا محمد سالم: کندرکی ضلع مرادآباد کے باشندے شعبۂ تعلیم سے وابستہ تھے۔ سادہ و سلیس مجلس پڑھتے تھے۔

مولانا نصیر الاجتہادی: مدرسہ ناظمیہ لکھنؤ میں تعلیم حاصل کی۔ نہایت شستہ زبان میں مجلس پڑھتے تھے۔

مولانا حبیب الثقلین: امروہہ کے رہنے والے تھے۔ جامعہ سید المدارس میں اُستاد تھے۔ اچھی مجالس پڑھتے تھے۔

مولانا سید علی نقی النقوی صاحب قبلہ: نجف میں تعلیم حاصل کی۔ محققانہ مجلس پڑھتے تھے۔ علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں پروفیسر تھے۔ بین الاقوامی شہرت حاصل کی۔ علمیت کے ساتھ تقریر میں روانی بھی تھی۔

مولوی سید زوار حسین صاحب (جونپور) بڑے پرخلوص ذاکر تھے۔ معدودی چند مجالس پڑھتے تھے۔

مولوی سید صغیر حسین صاحب دہلی میں امام جمعہ و جماعت تھے۔

مولوی الطاف حسین صاحب: امام جمعہ و جماعت (مٹیابرج کلکتہ) متولی وقف ہُگلی رہے واعظ اور ذاکر تھے۔

مولوی سید علی حیدر صاحب: مدیر "اصلاح" کھجوہ ضلع ساون بڑی خدمت مذہبیہ کی اور اچھے مقرر بھی تھے۔
مولوی محمد حسین صاحب نجفی: بمبئی میں ذکر امام کرتے تھے۔
مولوی انوار حسین مقرر جھنگ پنجاب۔
مولوی سید شبیہ الحسن (بدایونی) مولوی سید اعجاز حسین صاحب کے فرزند قابل صاحب استعداد مقرر تھے۔
مولوی سید ابو محمد نوگانوی مقرر و ذاکر تھے۔ مولوی سید عالم حسین صاحب نوگانوی صاحب استعداد مقرر و ذاکر تھے۔
خواجہ مہدی حسن صاحب (شاہپور) اور خواجہ محمد لطیف صاحب (فیروزپور) بھی اپنے علاقے کے مشہور مقررین میں تھے۔
مولوی سید نثار حسین (سید آقا صاحب) حیدرآباد تقریر عالمانہ اور پراز معلومات ہوتی تھی۔

ممتاز ذاکرین مدرستہ الواعظین لکھنؤ

مولوی سید عدیل اختر صاحب (پالوی) پرنسپل مدرسۂ مذکورہ تقریر مبسوط اور پر مغز فرماتے تھے۔
مولوی سید اسمٰعیل حسین: بڑی خوش بیانی اور توضیح کے ساتھ مطالب ادا کرتے تھے۔ بریلی میں مقیم ہوئے اور وہیں انتقال کیا۔
مولوی فضل علی صاحب: نہایت خوش تقریر۔ مذہبی تقریروں میں اسلامی معاشرت و تمدن کے اُصولوں کی تشریح کرتے تھے۔ دور دور تک تقریریں کیں۔
مولوی سید لقاء علی بدایونی غیر معمولی ذہانت کے مالک خوش بیانی اور خوش الفاظی کے سبب پسند خاطر عوام تھے۔ نظام دکن سے وظیفہ یاب تھے۔
مولوی مرزا یوسف حسین: بمبئی میں مقیم تھے ذکر امام بڑے انہماک سے کرتے تقریر بہت صاف اور رواں ہوتی تھی۔
مولوی عباس رضوی: انتہائی ولولہ انگیز تقریر کرتے تھے۔ زبان میں چاشنی اور کشش تھی۔
مولوی سید مسرور حسین صاحب (امروہی) مدرسے کی جانب سے افریقہ گئے وہیں مستقل قیام کر لیا۔ اہل علم کو خوش کرنے والوں اور اچھے ذاکرین و مقررین میں شمار کئے جاتے تھے۔
مولوی محمد بشیر صاحب: ٹکسلا میں مقیم تھے۔ خاموشی اور سنجیدگی فطرت تھی۔ جو کچھ بیان کرتے تھے سمجھ کے اور ناپ تول کے۔ نظر علمی وسیع تھی کار تالیف بھی کرتے تھے۔
مولوی سید نجم الحسن صاحب (کراروی) سنجیدہ تقریر اور کامیاب تسخیر، پیشاور میں مقیم تھے۔

مولوی سید سلطان علی صاحب مرحوم کلکتہ میں مدرستہ الواعظین کی طرف سے متعین مذہبیات ۔ب مجلس حسین میں ذکر بھی کرتے تھے۔

مولوی سید ممتاز حسین ذاکر و مقرر تھے۔

مولوی محمد شفیع صاحب رواں مقرر تھے۔

مولوی بنیاد حسین تقریروں اور تحریروں میں مدرستہ الواعظین کی بہی نمائندگی کرتے تھے۔

پنجاب و ہریانہ کے دوسرے ذاکرین و مقررین

مرزا احمد علی امرتسری: پنجاب کے حضرات شیعہ کے رکن رکیں اور وسیع البیان مقرر تھے۔

خواجہ غلام الحسنین (پانی پتی) عالمانہ وعظ ہوتا تھا اور مضمون تقریر وسیع: رنگ مناظرہ بھی تقریر میں شامل تھا۔ ایک جدید طرز ذکر کے موجد تھے۔

خواجہ غلام السیدین: انگریزی اور اردو کے بہترین مقرر۔ حقائق مضامین سے بحث کرنے والے زبردست، ریڈیو سے اکثر واقعۂ کربلا پر تقریر فرماتے تھے۔ ماہر تعلیم، حکومت ہند میں اعلیٰ عہدے پر فائز تھے۔

جناب رضا حسین رشید ترابی ۔ بی ۔ اے (حیدرآبادی) مقررین جدت آفریں میں شمار، بیان نہایت سنجیدہ۔ تشریح خطبات نہج البلاغہ بڑی خوش اسلوبی سے کرتے تھے۔ قرآن سے استدلال کرکے عالمانہ مجلس پڑھا کرتے تھے۔

مولوی سید غلام علی شاہ مرحوم: پنجاب کے پرانے رنگ کے ذاکرین میں تھے لکھنؤ کے مومنین عوام اُن کے بیان کو بہت پسند کرتے تھے۔ بہ تعلق عقائد شیعہ بعض اوقات تفسیر کلام اللہ میں جدت آفرین بیان فرماتے تھے۔ تقریر اچھی خاصی رواں تھی۔ یہ مصرع تقریباً ہر مجلس میں پڑھ دیتے تھے "ہر آیہ ہے آیا مرے مولا کی شان میں"۔

مولوی سید ذوالفقار علی شاہ تقریر میں جدت و صفائی لیکن مناظرانہ پہلو بہت تھا اور وہ بھی صرف سامعہ نواز اطراف ہند میں تقریری دورے کیا کرتے تھے۔

جناب نیک رام (پنجاب) نہایت ذہین، صاحب اطلاع مقرر تھے۔ برکت ذکر حسین سے تمام شیعی دنیا میں مشہور تھے۔ پروانۂ شمع امامت تھے۔

مولوی سید مشتاق احمد صاحب لاہوری: اطراف میں تقاریر مذہبیہ کرتے تھے اور مجالس پڑھتے تھے۔

خواجہ عبداللطیف صاحب انصاری: پنجاب کی فہرست ذاکرین میں تھے۔

مولوی سید اظہر حسن صاحب زیدی لاہوری، مولوی سید آغا (بھکر) سید نجف حسین (ملتان) حاجی فیض محمد خاں، مولوی امیر شاہ صاحب (شاہپوری)، جناب نور حسین شاہ (صاحبگاہی) جناب اقبال حسین شاہ صاحب، جناب الطاف حسین شاہ صاحب یہ سب حضرات تقاریر مذہبیہ کرتے تھے اور خدمات دینیہ بھی بجالاتے تھے۔

علماء و مقررین مذہب اہل تسنن بہ حیثیت ذاکر

مولوی محمد مبین صاحب (صاحبِ شہادت نامہ فارسی) خود ذکر شہادت فرماتے تھے۔ فارسی خطیب تھے۔ بزرگ اہل سنت تھے۔

مولوی عبدالحمید صاحب (ٹکسال) میں شہید کربلا کے واقعات بہ رنگ وعظ فرماتے تھے۔

مولوی صبغتہ اللہ: مسئلہ ذکر شہادت میں علمائے فرنگی محل کی روایات قدیمہ کے قائم رکھنے والے فرد تھے۔

شاہ سید سلیمان صاحب (پھلواری) تقریر رواں اور دلکش ذوقِ صوفیت نے سیادت نسب کے ساتھ مل کر محبت آل رسول بہت بڑھادی تھی۔ لکھنؤ کے شیعی طبقے میں بہت مقبول اور مرکز تحسین و آفرین تھے۔

مولوی آزاد: بڑے شیریں بیان اور نڈر مقرر تھے۔ قیصر باغ بارہ دری میں مہاراجہ محمود آباد کی منعقدہ حجاز کانفرنس کے عظیم الشان جلسوں میں (جس کے صدر مرزا اسمٰعیل اور مقررین میں مولانا محمد علی اور شوکت علی تھے) اِن مولانا نے اپنی تقریروں سے مجمع میں جوش قومی پیدا کر دیا تھا یہ لکھنؤ کے کثیرالجمع جلسوں (شیعوں اور سنیوں کے) میں ذکر شہادت حسین فرماتے تھے۔

رئیس الحرار مولوی فضل الحسن حسرتؔ موہانی مشہور سیاسی رہنما لکھنؤ میں بڑی آزاد بیانی سے ذکر واقعات شہادت کرتے تھے۔ سامعین خصوصاً تعلیم یافتہ حضرات نہایت محظوظ ہوتے تھے۔

مولوی ہادی علی خاں صاحب مرحوم لکھنؤ: نہایت نیک صورت و خوش سیرت صاحبِ استعداد بزرگ اور عاشق آل رسول تھے۔ زیادہ تر سیتاپور میں قیام پذیر رہتے تھے اور ماہ محرم میں دس مجالس پڑھتے تھے جس میں شیعہ و سنی دونوں حضرات شریک ہوتے تھے "دہ مجلس" کے مؤلف تھے۔

مولانا ابوالکلام آزاد: مشہور عالم، قومی تحریک کے عظیم لیڈر الہلال و البلاغ کے ایڈیٹر دہم محرم کو کلکتہ میں شہادت حسین پر تقریر فرمائی۔

صوفی علی حسین صاحب (فتح پوری) صلح پسند مقرر۔ فضائل آل رسول پر خلوص روش سے بیان کرتے تھے۔ تصوف کی چاشنی تقریر میں عجب لذت پیدا کر دیتی تھی۔

مولانا زید صاحب جائسی: صوفی مسلک بزرگ تھے۔ بیان میں رنگ تصوف غالب ہوتا تھا۔ لکھنؤ میں کئی مجالس پڑھیں جو مقبول ہوئیں خصوصاً حسینیہ غفراں مآب کی مجلس بہت زیادہ مقبول ہوئی۔

حکیم سید محمود علی وارثی حنفی فتح پوری: صوف مسلک محب اہل بیت نیک سرشت فرد تھے۔ اکثر لکھنؤ میں مجالس ذکر حسین پڑھتے تھے۔ شیعہ حضرات بھی بڑی دلچسپی سے سنتے تھے۔

مولوی عبدالقادر منطقی: ہیڈ مدرس حسینیہ اسلامیہ سیتاپور خیالات صوفیہ۔ ذکر حسین کے سلسلے میں حضرات تشیع و تسنن دونوں اطرافِ اودھ میں طلب ہوتے تھے اور تقریریں پسند کی جاتی تھیں۔

مولوی عابد حسین صاحب صوفی حنفی مرحوم: (فتح پوری) بڑے اچھے مقرر، ذکر فضائل و مناقب آل اطہار اس طرح کرتے تھے کہ نہ جاننے والے کے لئے امتیاز مسلک مشتبہ ہو جاتا تھا۔

شاہ عزیزالدین احمد صاحب شہودی: (جونپوری) فضائل و مناقب نہایت خلوص سے بیان کرتے تھے۔ بندیل کھنڈ کے تمام حضرات شیعہ اُن کے بیان سے محظوظ ہوتے تھے۔ ریاست دتیا میں وکالت کرتے تھے۔

مولوی محمود حسن فاخری الہ آبادی: اپنے اُستاد فاخری مرحوم کی طرح فضائل و مناقب آل رسول کرتے تھے۔ ماہم بمبئی میں بہت مجالس پڑھیں۔ جھانسی میں میر خیرات حسین کی مجالس عامہ میں ذکر شہادت کیا۔

مولوی عبدالحامد صاحب بدایونی: مشہور و فصیح مقرر تھے۔ ذکر شہادت حسین بڑی کامیابی سے فرماتے تھے۔

موجودہ دور کے ذاکرین

مولانا مرزا محمد اطہر: لکھنؤ میں رہتے ہیں عالمی شہرت یافتہ خطیب وذاکر ہیں۔

مولانا حمید الحسن: ناظمیہ عربی کالج کے پرنسپل ہیں، عالمانہ انداز خطابت ہے۔

مولانا کلب صادق: لکھنؤ کے باشندے ہیں، اصلاحی مجالس پڑھتے ہیں۔

مولانا صفی حیدر: تنظیم المکاتب کے سربراہ ہیں۔ اصلاحی و تبلیغی مجالس پڑھتے ہیں۔

مولانا شمیم الحسن: جوادیہ عربی کالج کے پرنسپل ہیں۔ استدلالی انداز میں مجالس کو خطاب کرتے ہیں۔

مولانا تقی الحیدری: وثیقہ عربی کالج کے پرنسپل ہیں۔ فیض آباد میں رہتے ہیں بلند مرتبہ خطیب ہیں۔

مولانا محمد عسکری: جامعہ اہل بیت دہلی کے پرنسپل ہیں۔ اعلیٰ درجہ کے ذاکر ہیں۔

مولانا احمد علی عابدی: مدرسہ نجفی ہاؤس بمبئی کے پرنسپل ہیں۔ فیض آباد کے رہنے والے ہیں۔

مولانا حسنین کراروی: کراری ضلع الہ آباد کے رہنے والے بمبئی میں مجالس پڑھتے ہیں۔

مولانا ذوالقدر رضوی لندن میں قیام پذیر ہیں۔ انگلینڈ میں ذکر شاہ مظلوم کو عوام میں فروغ دے رہے ہیں۔

مولانا عقیل الغروی: آج کل لندن میں مقیم ہیں۔ عالمانہ و محققانہ مجلس پڑھتے ہیں۔

مولانا محمد حسن معروفی: پورہ معروف ضلع اعظم گڑھ کے باشندے ہیں۔ تیز طرار ذاکر و خطیب ہیں۔

مولانا ذکی باقری: علی پور کرناٹک کے رہنے والے سائنس کے موضوعات پر مجالس پڑھتے ہیں۔

مولانا محمود الحسن خاں: سلطان پور امہٹ کے رہنے والے ہیں۔ نجف میں تعلیم حاصل کی مقبول ذاکر ہیں۔

مولانا شرافت حسین: دھولڑی ضلع میرٹھ آپ کا وطن ہے۔ اعلیٰ مقرر و خطیب ہیں۔

مولانا شہوار حسین: امروہہ کے رہنے والے ہیں۔ ایران میں تعلیم حاصل کی مجالس میں علمی نکات بیان کرتے ہیں۔

مولانا نعیم عباس: جامعۃ المنتظر نوگاواں سادات کے پرنسپل ہیں۔ اصلاحی بیان ہوتا ہے۔

مولانا مرتضیٰ جعفری: جامعہ ناظمیہ کے پڑھے ہوئے ہیں۔ چندن پٹی بہار میں رہتے تھے اچھی مجالس پڑھتے ہیں۔

مولانا مظاہر علی: سیتھل ضلع بریلی کے رہنے والے ہیں۔ واعظ میں تجربہ کار ذاکر ہیں۔

مولانا ابن علی: رجیٹی ضلع غازی آباد وطن ہے۔ لکھنؤ میں مقیم ہیں کہنہ مشق ذاکر ہیں۔

مولانا آغا روحی: لکھنؤ وطن ہے۔ ناصر الملت کے پوتے ہیں۔ شیعہ ڈگری کالج لکھنؤ میں عشرۂ محرم پڑھتے ہیں۔

مولانا کلب جواد: لکھنؤ کے باشندے ہیں حسینیہ غفران مآب میں عشرہ محرم کو خطاب کرتے ہیں۔

مولانا کلب عابد: کامیاب ذاکر اور عالم دین ہیں۔

مولانا غضنفر عباس طوسی: ضلع مظفر نگر کے رہنے والے ہیں۔ شعلہ بیان مقرر ہیں۔

مولانا محسن علی تقوی: دہلی کے امام جمعہ ہیں باسئہ کے رہنے والے ہیں۔ دہلی میں مجالس کو خطاب کرتے ہیں۔

مولانا ممتاز علی: غازی پور کے رہنے والے ہیں۔ امامیہ ہال دہلی میں پیش نماز ہیں۔ بلند گو ذاکر ہیں۔

مولانا رئیس احمد: جارچہ وطن ہے۔ پنجہ شریف میں نماز پڑھاتے ہیں۔ سادہ و سلیس مجالس پڑھتے ہیں۔

مولانا رضا حیدر: الہ آباد انوار العلوم میں مدرس ہیں۔ اچھی مجالس پڑھتے ہیں۔

مولانا اطہر عباس: کلکتہ میں رہتے ہیں۔ جامعہ ناظمیہ میں تعلیم حاصل کی۔

مولانا غلام السیدین: کلکتہ میں امام جمعہ ہیں۔ نجف میں تعلیم حاصل کی۔ عالم، فاضل ہیں۔

مولانا زین العابدین: کوپاگنج کے باشندے ہیں۔ جامعہ جوادیہ میں تعلیم حاصل کی۔ محققانہ انداز میں مجلس پڑھتے ہیں۔

مولانا ناظم علی: خیرآباد وطن ہے۔ جامعہ حیدریہ کے پرنسپل ہیں۔ اصلاحی مجالس پڑھتے ہیں۔

مولانا حسن عباس فطرت: پونہ میں مقیم ہیں۔ وطن ہلور ہے۔ صاحب نظر عالم و خطیب ہیں۔

مولانا مرزا جاوید: مظفر نگر کے رہنے والے ہیں۔ حافظ نہج البلاغہ ہیں۔ مجلس میں عبارتوں کے حوالے دیتے ہیں۔

مولانا قنبر علی: فتح پور وطن ہے۔ جامعہ ناظمیہ سے تعلیم حاصل کی۔ وطن ہی میں رہتے ہیں۔

مولانا ظہیر عباس: جامعہ ناظمیہ لکھنؤ میں مدرس ہیں۔ ایران کے مدرسے میں تعلیم حاصل کی۔

مولانا منظور علی: امروہہ کے رہنے والے ہیں۔ نوجوان ذاکر ہیں۔

مولانا محمد حجت: گھوسی کے رہنے والے ہیں۔ وثیقہ عربی کالج فیض آباد میں مدرس ہیں۔

مولانا احمد حسن: بنارس کے امام جمعہ تھے۔ شاعر و ادیب بھی تھے۔ عالمانہ بیان ہوتا تھا۔

مولانا مرتضیٰ پاروی: پارہ ضلع غازی پور کے رہنے والے ہیں۔ جامعہ ناظمیہ میں استاد ہیں۔

مولانا مرزا محمد اشفاق: مولانا محمد طاہر کے فرزند ہیں۔ لکھنؤ وطن ہے۔ قرآنی آیات سے استدلال کرتے ہیں۔

مولانا ابوافتخار زیدی: لکھنؤ وطن ہے۔ ایران میں تعلیم حاصل کی۔ وطن ہی میں رہتے ہیں۔

مولانا تصدیق حسین: زید پور ضلع بارہ بنکی کے رہنے والے ہیں۔ لکھنؤ میں رہتے ہیں۔

مولانا طیب رضا: ضلع مرادآباد کے رہنے والے ہیں۔ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ میں لیکچرر ہیں۔

جناب شاہین رضا زیدی: جناب قلم سیتھلی کے فرزند ہیں مرثیہ کہتے ہیں اور مجلس بھی پڑھتے ہیں۔

ڈاکٹر عراق رضا زیدی: جامعہ ملیہ اسلامیہ یونیورسٹی کے شعبہ فارسی میں پروفیسر ہیں۔ نہایت نستعلیق شخصیت اور استاد شاعر ہیں۔ مجالس خطاب فرماتے ہیں۔

مولانا فیروز حیدر: مشہور ذاکر و مقرر ہیں مختلف ممالک میں تقریریں فرماتے ہیں۔

ظفر الملت مولانا ظفر الحسن صاحب: عالم دین جوادیہ عربی کالج بنارس کے موسس (سیتھلی)

مولانا تقی حیدر نقوی: سید العلماء مولانا علی نقی صاحب کے نواسے اور جناب محمود حیدر نقوی صاحب کے لائق فرزند۔ ایران میں تعلیم حاصل کی۔ کامیاب ذاکر اور انتظامی صلاحیت والے عالم، فاضل ہیں۔

مولانا قمر حسنین چھولسی نہایت مہذب انسان اور عمدہ ذاکر ہیں۔

مولانا ابوذر عباس صاحب (شکوہ آباد) کامیاب ذاکر ہیں۔

علاوہ ازیں دیگر مشہور ذاکرین میں سے چند کے اسمائے گرامی ہیں:

مولانا زین العابدین، سید عبقاتی، مولانا صابر حسین سیتھلی، مولانا محمد حیدر مرزا محمد عالم صاحب، جناب علی شبر صاحب، جناب ذیشان جوادی، جناب محمود الحسن خاں، شیخ محمود الحسن، جناب نجم الحسن ترابی، سہیل آفندی، مولانا سید حسن،

جناب مرزا اشفاق، مولانا حمید الحسن، ڈاکٹر سید شارق، مولانا محمد حسن معروفی، سید شبیہ الحسن بنارسی، شیخ ممتاز علی واعظ، جناب وصی حسن خاں، مرزا آغا حیدرآباد، پروفیسر ابوالقاسم الہ آباد، مرتضیٰ جعفری (بہار) جناب یحییٰ باقری۔ جناب مہدی باقر معراج، مولانا غلام حسنین ہلوری، مولانا سید اختر رضوی (کھمبات)، مولانا سید محمد رضا غروی (احمد آباد) وغیرہ۔

نوٹ: فہرست ذاکرین طویل ہوتے ہوئے بھی نامکمل ہے۔ مؤلف معذرت خواہ ہے۔ اگر قارئین مہربانی فرماکر اُن ممتاز ذاکرین کے نام جو اِس فہرست میں شامل نہیں ہیں، تحریر فرمادیں تو اگلے ایڈیشن میں شائع ہونے والی فہرست ذاکرین میں وہ شامل کرلئے جائیں گے۔

ملحقہ ۔۴

فرہنگِ اصطلاحات، آداب و مراسمِ عزاداری

الف ممدودہ (آ)

آٹھ ربیع الاوّل: ایامِ عزا کا آخری دن۔ تقریباً ڈیڑھ سو برس پہلے اِسی دن لکھنؤ میں چُپ تعزیہ کا جلوس برآمد ہونا شروع ہوا تھا جو اتنا مقبول ہوا کہ آج ہندوستان ہی نہیں پاکستان کے بھی کئی شہروں میں یہ جلوس نکالا جاتا ہے۔ (ملاحظہ کیجئے فرہنگ چُپ تعزیہ) یہ تاریخ اِمام عسکریؑ کا یومِ شہادت بھی ہے۔

آٹھویں محرم: یہ دن حضرت عباس علمبردار لشکر حسینی کے نام منسوب ہے۔ اِس دن سقائے حرم قمر بنی ہاشم کے علم کا جلوس نکلتا ہے اور نذر و حاضری ہوتی ہے۔ تقریباً ہر شیعہ گھر میں حاضری کا اہتمام ہوتا ہے جس میں شیر مالیں، سوجی کا حلوہ، مولی، جلیبی، کباب وغیرہ نذر کے بعد حاضرین میں تقسیم کئے جاتے ہیں۔ مجالس میں حضرت عباس کا خاص طور پر تذکرہ ہوتا ہے (ایران میں حضرت عباس کا دن ۹/ محرم کو مناتے ہیں)۔ حضرت عباس کے علم دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک جس میں فرات کی منظر کشی کے لئے سوکھی مشک علم میں لٹکا دیتے ہیں۔ مشک میں تیر پیوست کر دئے جاتے ہیں۔ دوسرے علم میں کمنٹھے (کمان) میں تلواریں لٹکائی جاتی ہیں۔ تیروں سے ضرب کا نشان بنایا جاتا ہے۔ دونوں علم آٹھ محرم کے ماتمی جلوس میں اُٹھائے جاتے ہیں۔

آثار شریف: اولیاء کی نشانیاں، انبیاء کے تبرک کو آثار شریف کہا جاتا ہے۔ اجمیر شریف کی درگاہ خواجہ معین الدین چشتیؒ میں تعزیے کو آثار شریف کہا جاتا ہے۔

آرائش: کئی شہروں (بالخصوص امروہہ جے پی نگر یو۔پی) میں آٹھویں محرم کے جلوس کے آرائش اور دورہ، دو حصے ہوتے ہیں۔ آرائش میں اونٹوں کی قطار کے بعد لگ بھگ بارہ سے بائیس تک خوبصورت عدد ہوتے ہیں۔ تازہ، ہری گھاس کے تخت، لکڑی کے گملوں میں رنگ برنگے پھول ہوتے ہیں۔ ساتھ ہی دستکاری (خراد، کشیدہ کاری، بُنائی وغیرہ) کے عمدہ نمونے ہوتے ہیں۔ ضریح نما تخت، مُزین پالکیاں، نالکیاں اور گہواروں کی شبیہیں ہوتی ہیں۔ کم از کم دو یا تین روشن چوکیاں (نفیری، شہنائی والے) ماتمی دھن بجاتی چلتی ہیں۔ ایک روشن چوکی کے ساتھ رکھی دیگ سے پلاؤ تقسیم کیا جاتا ہے۔

آگ: آگ پر ماتم دو طرح سے ہوتا ہے۔ یہ واقعۂ کربلا کے اُس واقعے کی یاد دلاتا ہے جب اہل حرم کو جلتے ہوئے خیام سے گزرنا پڑا تھا۔ آج بھی دہکتے انگاروں پر برہنہ پا ماتم دار یا حسینؑ، یا حسینؑ کہتے گزرتے ہیں۔ یہ ماتم برما میں شیعہ حضرات کرتے تھے جنگ عظیم کی وجہ سے انہیں وطن چھوڑنا پڑا۔ کچھ مہاجرین لکھنؤ آئے انہوں نے یہاں بھی آگ پر چل کر ماتم کرنے کی روایت شروع کی۔ اِنہیں لکھنؤ میں چھلبدار کہا جاتا ہے آج کل تو جگہ جگہ آگ پر ماتم ہوتا ہے۔ دوسری طرح کا ماتم آگ کے گرد طواف کا ہوتا ہے اِس میں لوگ علم لے کر الاؤ کے گرد ماتم کرتے طواف کرتے ہیں۔ جنوبی ہند میں عورتیں اِس آگ میں سوکھے ناریل کے ٹکڑے اور پسی ہلدی ڈال کر ہاتھ جوڑے طواف کرتی ہیں اور منت مانتی ہیں۔

الف غیر ممدوہ (ا)

اربعین: دیکھئے لفظ چہلم

اعلانی باجا: محرم کے آغاز کا اعلان کرنے کے لئے ۲۹/۳۰ ذی الحجہ کی چاندرات کو جو معارفہ/نقارہ بجایا جاتا ہے اعلانی باجا کہلاتا ہے۔

اعمالِ عاشورہ: بوقت چاشت (جاگنے اور چائے وغیرہ سے پہلے) یوم عاشورہ کو کچھ مخصوص دعائیں اور مخصوص اعمال بجالانے کو اعمال عاشورہ کہتے ہیں۔ اِس کے لئے تاکید ہے کہ کھلے آسمان کے نیچے باوضو ہو کر دو رکعت نماز کے بعد شروع کیا جاتا ہے۔ رخسار زمین پر رکھا جاتا ہے پھر کچھ مختصر دعائیں ہیں جنہیں پڑھا جاتا ہے۔ بعض جگہوں پر انا للہ و انا الیہ راجعون، رضاً بقضائہ و تسلیماً لامرہ کہتے ہوئے ۷ قدم آگے اور پیچھے ہٹنے کا رواج ہے جس کے متعلق کچھ حضرات کا خیال ہے کہ لاشۂ بے شیر کو خیمہ کی طرف لے جاتے ہوئے امام مظلوم کی یہ حالت تھی کیونکہ آپ اُس بچے کو پانی پلوانے کی بات کہہ کر لائے تھے۔

آخر اعمال میں زیارت ورثاء اور زیارت عاشورہ پڑھی جاتی ہے۔ (جن میں دو رکعت نماز پڑھی جاتی ہے)

اکھاڑا کھیلنا: کئی جگہوں پر اہلِ سنت جب تعزیوں کے جلوس نکالتے ہیں تو اُس کے ساتھ جنگ کی منظر کشی کے لئے ڈھول، تاشے بجاتے ہیں، تلوار باز اپنے کرتب اور اکھاڑے والے اپنے کمالات کا مظاہرہ کرتے ہیں یہ اکھاڑا کہلاتا ہے۔

الاؤ: امام باڑے کے صحن میں آگ جلائی جاتی ہے جس پر ماتم کیا جاتا ہے۔ اِسے الاؤ کہا جاتا ہے۔ کہیں اِن کے دہکتے انگاروں پر ماتم دار برہنہ پا چلتے ہیں اور کہیں الاؤ کے گرد علم لے کر طواف کرتے ہوئے ماتم کرتے ہیں۔

الاوا: حیدرآباد دکن کے علاقوں میں عزاخانوں کو الاوا بھی کہا جاتا ہے۔ غالباً اِس کی وجہ تسمیہ یہی رہی ہوگی کہ جہاں الاؤ پر ماتم کیا جائے اُس کی مناسبت سے عزاخانوں کو الاوا کہا گیا۔ (ملاحظہ کیجئے شوستری کی کتاب تحفۃ العوام بحوالہ ہفت روزہ رضاکار لاہور عزاداری خصوصی شمارہ نمبر ۴۰ جون ۱۹۶۲۔)

امام باڑہ: عزاداریٔ حسین کا مرکز جسے صوفیائے کرام نے ہندوستانی مزاج کے مطابق قبول عوام کو ذہن میں رکھ کر امام کے ساتھ باڑہ لفظ جوڑ کر بنالیا۔ اِس کا مطلب ہوا "امام کا گھر"۔ ایران اور عرب میں اِسے حسینیہ کہا جاتا ہے۔ جنوبی ہند میں اسے عاشور خانہ، علوہ یا الاوا کہا جاتا ہے۔ دکن میں امام باڑے میں تعزیے نہیں رکھے جاتے علم سجائے جاتے ہیں۔ سجاوٹ کے لئے دیواروں پر مرقع، طغرے، مقدس مقامات کی تصویر، روضوں کے عکس وغیرہ لگا دئے جاتے ہیں۔ امام باڑے میں یوں تو ماتم حسین ہوتا ہے۔ مجالس عزا کا اہتمام ہوتا ہے لیکن یہ امام باڑے شیعوں کی معاشرتی زندگی کے مرکز بھی ہوتے تھے۔ یہاں میلاد کی محافل "مقاصدے" مسالموں کے علاوہ قصبوں میں نقاب کشائی، پچواسے اور پاؤں پھیرنے کی رسوم بھی ہوتی ہیں۔ کہیں بچوں کو دینی تعلیم دی جاتی ہے۔ کہیں تدفین کے انتظامات، ایصال ثواب، نماز جنازہ وغیرہ بھی امام باڑے کے احاطہ میں ہوتی ہیں۔ یہ عمارت عزاداری کے لئے مخصوص ہوتی ہے۔ تعزیے اور علم رکھے جاتے ہیں۔ اِسے امام خانہ/امام بارگاہ/تعزیہ خانہ بھی کہا جاتا ہے۔ جب عزاداری پر حکومتوں نے ظلم ڈھائے تو شیعہ اپنے گھروں میں عزاخانہ بنا کر چھپ کر عزاداری کرتے تھے۔ جب انہیں مذہبی آزادی ملی تو اجتماعی عزاداری کے لئے امام باڑے تعمیر کئے گئے۔

امام باڑہ سجانا: ایام عزا شروع ہونے پر اگر سوز، گلاب پاش، روشنی کے سامان زینت اسی کی طرح کے مناسب محل، دوسری چیزوں سے امام باڑہ آراستہ کرنا۔

امام باڑہ بڑھانا: ایام عزا ختم ہو جانے کے بعد یا جس دن تعزیہ اٹھا دیا جائے اس کے بعد عزاخانے کا سجا ہوا سامان اتار کر علاحدہ رکھ دیا جاتا ہے۔

امام باڑہ معمول پر لانا: سجے ہوئے امام باڑے کو ہر وقت بند رکھا جاتا ہے اگر دروازے ہوں تو دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اگر دروازے نہ ہوں تو پردہ ڈال کر بند کر دیتے ہیں۔ مجلس کے بعد روشنی گُل کر دی جاتی ہے، اسے معمول کرنا کہتے ہیں۔

امام بوری: دری یا جاجم کے وہ چھوٹے ٹکڑے جو فرشِ عزاخانہ کے ہمراہ دروں یا دروازوں کے درمیان بچھائے جاتے ہیں۔

امام چوک: امام باڑے کے سامنے کا وہ چبوترا جس پر تعزیہ عوام کی زیارت کے لئے رکھا جاتا ہے۔ عشرۂ محرم میں اِسے سیاہ غلاف سے ڈھک دیا جاتا ہے اِس پر موم بتی اور اگر بتی روشن کر دی جاتی ہے لوگ یہاں منتیں مانگتے ہیں۔ خواتین سوگ بڑھاتی ہیں۔ کئی زیارتوں کا یہاں اختتام بھی ہوتا ہے۔

امام ضامن: امام ضامن آٹھویں امام حضرت علی رضاؑ کی نذر ہوتی ہے۔ ایک سکے کو کپڑے میں باندھ کر مسافر کے بازو میں باندھ دیا جاتا ہے۔ یہ رسم اصل میں مسافر کے خیریت سے سفر طے کرکے منزل پر پہنچ جانے سے متعلق ہے۔ شادی کے موقع پر دولہا دلہن کے بازو پر امام ضامن باندھا جاتا ہے۔ عباسی خلفاء کے دور میں زائرین کربلا پر سخت پابندیاں تھیں۔ آٹھویں امام علی رضاؑ زائرین کربلا کے کفیل و ضامن ہوا کرتے تھے اس لئے بازو پر بندھے سکے کو امام ضامن کہا جاتا ہے۔ سفر ختم ہونے پر کپڑے میں بندھی رقم مساکین و فقراء میں خیرات کر دی جاتی ہے۔

اوٹیں: لکڑی کا بڑا چوکھٹا جس پر کپڑا مڑھوا کر پردہ کے لئے کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ کبھی امام باڑے میں لکڑی کے چوکھٹے یا صرف ایک لمبی لکڑی کو بھی اوٹ کہہ دیتے ہیں جس میں بالشت بھر کے فاصلے چار چار انگل کی کھونٹیاں لگی ہوتی ہیں جن پر علم چڑھائے جاتے ہیں۔ یہ اوٹ ہر امام باڑے میں ہوتی ہے۔

اونٹوں کی قطار: ۱۵-۲۰ اونٹوں پر مشتمل ہوتی ہے سب سے آگے والے اونٹ پر سیاہ عماری ہوتی ہے جو کربلا کے سفر کی ابتدا اور خواتین کے پردے کے انتظام کی یاد دلاتی ہے۔ اِس کے پیچھے کے اونٹوں پر جوان اور لڑکے بیٹھتے ہیں جو راہ میں نان بسکٹ یا توشہ تقسیم کرتے رہتے ہیں۔ جونپور (بڑے گاؤں) میں مدینہ کی واپسی پر اونٹوں کی قطار اور سیاہ عماری کا جلوس نکالا جاتا ہے۔

(ب)

باجے: فوجوں میں جنگ کے وقت باجے بجانے کا رواج قدیم ہے۔ اِس سے جنگ کا اعلان ہوتا تھا اور لڑنے ولوں میں جوش آتا تھا۔ ماتمی جلوس میں جنگی باجا بجانے کا مطلب وہ ماحول پیدا کرنا ہے جب امام حسینؑ کے ساتھی میدان جنگ میں جاکر دشمنوں کو للکارتے تھے۔ یہ باجے دھوم دھام کے لئے نہیں ماتمی اثر پیدا کرنے کے لئے بجائے جاتے ہیں۔

باجن دار: جلوس میں ماتمی باجوں کو بجانے والے پیشہ ور لوگ، یہ آگے آگے باجا بجاتے چلتے ہیں۔ (حسینی باجا بجانے والے سادات صرف عقیدت کی وجہ سے باجا بجاتے ہیں یہ پیشہ ور نہیں ہوتے)۔

بٹوے بھرنا: عزاداری میں بچوں کو بٹوے بانٹے جاتے ہیں جن میں دھنیا، خربوزے کے بھنے بیج، اور سوکھے گولے کی قاشیں بھر کر دی جاتی ہیں۔

بچوں کو گروی رکھنا: منت پوری ہونے، رد بلیات، درازی عمر یا صحت کے لئے بچوں کے دونوں ہاتھ ناڑے (رنگین دھاگے کی ڈوری۔ کلاوہ) سے باندھ کر علم یا تعزیے کے کونے سے باندھ دیتے ہیں اِس طرح انہیں امام مظلوم کے یہاں گروی رکھا جاتا ہے۔

بدھی / بیڑی / طوق: یہ رسم اہل بیت کے رسن بستہ ہونے سے متعلق ہے۔ جب امام مظلوم کو شہید کر دیا گیا تو اہل بیت کو اسیر بنایا گیا تھا۔ امام عابد بیمار (زین العابدین) کے گلے میں طوق، ہاتھ میں ہتھکڑی اور پاؤں میں بیڑی پہنائی گئی تھی۔ عزاخانے کے سامنے یا کسی مخصوص زیارت پر گھر کے لوگ کلائیوں میں ناڑا باندھ لیتے ہیں، گلے میں بدھی ڈال لیتے ہیں یا سیلیاں (گلے سے کمر تک) پہنتے ہیں۔ بدھیاں کچے دھاگے کی سرخ و سبز رنگ کی ہوتی ہیں۔ یہ رسم ۷ محرم کو عزاخانے کے سامنے نذر دے کر کی جاتی ہے۔ بچوں اور بڑوں کی گردن میں چاندی کا طوق ڈال دیا جاتا ہے جس کی شکل چاند کی ہنسلی نما ہوتی ہے۔ اِس طوق کے درمیان ایک چھوٹا چاند اور ہوتا ہے۔ طوق پیچھے سے کھلا ہوتا ہے کسی ہک یا کانٹے سے جوڑ دیا جاتا ہے۔ اِس کو ۱۰ محرم تک پہنا جاتا ہے اور کسی زیارت میں بڑھایا جاتا ہے۔ بلگرام میں بدھی، کلاوہ بڑے تعزیے کے اٹھنے پر بڑے تعزیے کی تربت پر ڈال دیتے ہیں۔ طوق عزاخانے کے سامنے بڑھایا جاتا ہے۔

بڑھانا: ایام عزا ختم ہو جانے کے بعد یا جس دن تعزیہ اٹھا دیا جائے اِس کے بعد عزاخانہ کا سجا ہوا سامان اُتار کر علیحدہ رکھ دیا جاتا ہے۔

بھالے کی بوری: علم کے اوپر بھالے کی شکل کی دھات کی جو چیز لگی ہوتی ہے وہ (انی) بوری کہلاتی ہے۔

بہشتی: ہرا لباس پہن کر کمر میں پٹکا باندھ کر حضرت عباس علمبردار کی تاسی میں علم ہاتھ میں لے کر پانی، شربت یا دودھ پر نذر دے کر سوگواران حسینؑ میں اپنے ہاتھ سے تقسیم کرنا۔ کچھ لوگ کمر پر مشک رکھ کر بہشتی بن کر سوگواران و عقیدتمندان امام مظلوم میں نذر (شربت، دودھ یا پانی) تقسیم کرتے ہیں۔

(پ)

پالکی: ماتمی جلوس میں مزین پالکیاں جن میں تکیہ رکھے ہوتے ہیں اور عمامہ رکھا جاتا ہے۔

پٹکا: زری، کامدانی یا کلابتو کے کام سے سجایا ہوا کپڑا جو علم میں لٹکایا جاتا ہے۔

پنجہ: انسانی ہتھیلی مع انگلیوں کی شکل کے تانبے، پیتل، چاندی، سونے یا قلعی وغیرہ کے بنے ہوتے ہیں اور علم کے اوپری حصے میں لگائے جاتے ہیں۔ یہ کربلا کے اُس قافلے کی یاد کراتی ہے جب شہیدوں کے سر نیزوں پر چڑھا کر کوفہ اور شام لے جائے گئے تھے۔ پنجہ پنجتن پاک کی بھی یادگار ہے۔

نپڈوگا: آندھرا پردیش کے دیہی علاقوں میں عوام تیلگو زبان میں ماتمی آگ کو نپڈوگا کہتے ہیں۔ عزادار اِس آگ کے گرد طواف کرکے ماتم کرتے ہیں عورتیں اِس آگ میں پسی ہلدی اور سوکھے ناریل کی قاشیں ڈال کر اظہار عقیدت کرتی ہیں۔

پٹارے: جس صندوق میں علم تہہ کرکے رکھے جاتے ہیں وہ جنوبی ہند میں پٹارے کہلاتے ہیں۔

پھریرا: علم کی چھڑ یا بانس پر چڑھایا جانے والا کپڑا۔

پیرلا چاوڑی: علم کو نصب کرنے کے لئے کھلی جگہ میں عارضی طور پر بنایا گیا پلیٹ فارم (چبوترا) آندھرا کے دیہی علاقوں میں اِسی نام سے پکارا جاتا ہے۔

پیرلو: آندھرا کے عوام تیلگو زبان میں ماتمی علم کو پیرلو کہتے ہیں۔

پیرلا نپڈوگا: آندھرا میں دیہات کے عوام محرم کے اہتمام وانتظام کے لئے یہ اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔

پیڑوں پر نذر: ۹ محرم کی شب کو درگاہ خواجہ اجمیری میں جب آثار شریف (تعزیے) کو چھتری دروازے سے امام باڑے میں لاکر رکھا جاتا ہے تو پیڑوں (شیرینی) پر نذر ہوتی ہے۔

پیک: لغوی معنی قاصد ہرکارہ۔ یہ اُس واقعہ کی یاد دلاتا ہے جب حضرت صغریٰ (امام حسینؑ کی صاحبزادی جو بیماری کی وجہ سے کربلا نہ جا سکی تھیں اور مدینے میں مقیم تھیں) نے حضرت امام حسینؑ کے نام قاصد کے ذریعے خط بھجوایا تھا۔ پیک بننے والے لوگ سبز رنگ کا لباس پہنتے ہیں کمر میں کپڑے کی ڈوری ہوتی ہے جس میں گھنٹیاں بندھی ہوتی ہیں ہاتھ میں مور کے پروں کا مور چھل، دو بالشت کی رنگین لکڑی ہوتی ہے۔ یہ آہستہ آہستہ دوڑتے ہیں اور یا حسینؑ کی صدا لگاتے رہتے ہیں۔ جب راستے میں کوئی تعزیہ دیکھتے ہیں تو احتراماً اُسے لکڑی سے مس کرتے ہیں۔ امام باڑوں کا گشت لگاتے ہیں۔ میوات میں پیک عشرہ محرم میں گاؤں گاؤں گھومتے ہیں لیکن نہ تو جوتا پہنتے ہیں نہ سواری پر بیٹھتے ہیں۔ ایام عزا کے دوران فرش پر سوتے ہیں چارپائی یا پلنگ پر نہیں سوتے۔

(ت، ٹ)

تابوت: میت رکھنے والے باکس کو تابوت کہتے ہیں۔ لیکن تبرکات عزا میں اس کی خصوصی شکل اور اہمیت ہے اس کی لمبائی انسانی جسم کے متوازی اور چوڑائی نسبتاً کم ہوتی ہے۔ درمیانی حصہ میں چاروں طرف برابر کا حصہ چھوڑ کر ایک محرابی

قب دار اٹھان ہوتی ہے۔ اس کے اوپر سادی، کڑھی ہوئی سیاہ، سبز یا لال رنگ کے جھینٹوں کی چادر ڈال دی جاتی ہے۔ اُس کے اوپر پھولوں کی چادر ڈال دیتے ہیں۔ صاحبِ حیثیت لوگ چاندی کے پھولوں کی چادر ڈالتے ہیں۔ قب دار حصے کے سرہانے کے حصے پر ایک کیل کے سہارے کالے، سبز یا سفید رنگ کی پگڑی (عمامہ) رکھی جاتی ہے۔ اس پورے تابوت میں جگہ جگہ تیر پیوست کر دئے جاتے ہیں۔ اسے چار لوگ مل کر اٹھاتے ہیں۔ جلوس اور زیارت میں یہ خصوصی توجہ کا مرکز ہوتا ہے۔ اِسے عزاخانوں میں سجا کر رکھا جاتا ہے۔ خواتین منت مانگتی ہیں اور چھوٹے بچوں کو اس کے نیچے سے نکالتی ہیں۔ تابوت کے قریب اگربتیاں اور لوبان سلگتا رہتا ہے۔ بارہویں امام موعود (حضرت مہدیؑ) کے علاوہ کسی بھی امام یا شہید کربلا کے جنازے کی شبیہ ہو سکتی ہے۔ تابوت کے لئے مختلف اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں۔ مثلاً تابوت بڑھانا، تابوت اٹھانا، دفن کرنا، تابوت رکھنا وغیرہ۔ بر بنائے عقیدت تابوت پر پھولوں کا سہرا باندھتے (چڑھاتے) ہیں۔ محمودآباد ریاست یوپی میں تمام شہدائے کربلا (۷۲) تابوتوں کا جلوس برآمد ہوتا ہے۔ شیعیان علی بڑی عزت واحترام کے ساتھ تابوت اٹھاتے ہیں کیونکہ میدانِ کربلا میں بنوامیہ نے انہیں تدفین میں شریک نہیں ہونے دیا تھا۔

تاش منڈپ: کلیانی (کرناٹک) میں پانچ محرم کے جلوس میں تاش منڈپ نکالا جاتا تھا۔ جس میں چاندی کے ستون اور سونے کا کلس ہوتا تھا۔ یہ منڈپ لنگر کے اُس جلوس کے لئے بھی استعمال ہوتا تھا جس میں لڑکے درختوں کی چھوٹی چھوٹی سبز شاخیں ہاتھ میں لے کر چلتے تھے اور فاتحہ خوانی جاری رہتی تھی۔

تاش منڈپ ایک قسم کے زربفت یا زرکاری کے کپڑے کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جس سے منڈپ بنایا جاتا ہے۔

تبرک مجلس/نیاز: مجلس کے بعد یا نذر و نیاز کے بعد جو شیرینی تقسیم کی جاتی ہے اس کو حصہ یا احتراماً تبرک کہا جاتا ہے یہ تمام شرکائے مجلس میں تقسیم ہوتا ہے۔ مسلم، غیر مسلم سبھی اس کو احترام سے لے کر آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ روساء اور خوش حال حضرات روٹی، سالن، دال روٹی، بنواتے ہیں۔ مجلسوں میں پلاؤ بھی تقسیم ہوتا ہے۔ شیرمال اور کباب سے مٹھائیوں تک کے حصے تقسیم ہوتے ہیں۔ شرکائے مجلس کو چھوٹی شیرمال (سیر میں آٹھ) اور روساء میں بڑی شیرمالیں (سیر میں دو) تقسیم ہوتی ہیں۔ اگر کوئی شخص تبرک یا حصے بانٹنے والے کی نظر سے محروم رہ جاتا ہے تو آگے بڑھ کر تبرک کا طالب ہوتا ہے۔ کبھی کبھی تو عشرۂ محرم میں اتنی مجالس ہوتی ہیں کہ مفلس اور مساکین شکم پُری کے لئے پریشان نہیں ہوتے۔ مجالس کے حصوں سے اُن کے کنبے کا پیٹ بھر جاتا تھا۔ اِن حصے بانٹنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ لوگ شکم پُری کے لئے گھر نہ جاکر مجالس اور جلوسوں میں شرکت کرتے رہیں۔ روایت ہے کہ پہلی مرتبہ مدینے میں امام باقرؑ نے امام زین العابدینؑ کی مجلس میں بطور تبرک میں خرمے تقسیم کئے تھے۔

تبرکات مقدسہ: شعائر جو بزرگ ہستیوں، امام مظلوم، شہدائے کربلا یا اسیران کربلا سے متعلق ہو جیسے سر طوق مبارک (حضرت زین العابدینؑ کا طوق) نعل مبارک حضرت امام حسینؑ کی خود کا وہ حصہ جو ناک کی حفاظت کے لئے پہنا جاتا ہے) یا حضرت حر کے سر میں بندھا حضرت فاطمہ زہراؑ کے رومال کا حصہ، حضرت عباس کے علم کا حصہ وغیرہ۔ کوئی بھی شعائر جو متبرک یا مقدس مقام پر ملے۔ چھوٹی سی بھی چیز باعث برکت سمجھی جاتی ہے۔

تحت خوانی: تحت اللفظ میں مرثیہ خوانی۔

تخت: قصبہ سیتھل ضلع بریلی اترپردیش میں مواضعات کے تعزیوں کو تخت کہا جاتا ہے۔

تختِ رواں: جلوس میں شامل وہ تخت جن میں موٹے بانس یا بلی باندھی جاتی ہے اور اسے ۸ یا دس کہار کندھوں پر اٹھا کر چلتے ہیں اِن پر جلوس کی آرائش یعنی دستکاری (کشیدہ کاری، بُنائی، خراد وغیرہ) کے اعلیٰ نمونے رکھے جاتے ہیں۔ اِن میں سے کچھ پر شہنائی بجانے والے بیٹھتے ہیں اور کچھ پر تبرک بانٹنے والے۔

تخت شریف: تعزیے کے نیچے کا تخت جس میں بانس یا بلیاں لگی ہوتی ہیں جنہیں کہار یا معتقدین کندھے پر رکھ کر چلتے ہیں۔

تخت کے نیچے سے گزارنا: بچوں کو درازئی عمر، صحت، اور خوش قسمتی کے لئے تعزیے کے نیچے سے گزارا جاتا ہے۔

تخت دادا پیر: بلگرام (ضلع ہردوئی یوپی) کے سید حسن دانشمند کی شادی شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے خاندان میں ہوئی تھی۔ دلھن کے ساتھ اُن کے چھوٹے بھائی میر عبداللہ بھی بلگرام میں آکر رہنے لگے۔ اُن کا انتقال ۷۰ سال کی عمر میں ہوا۔ یہی صاحب دادا پیر کے نام سے مشہور ہوئے۔ اُن کی قبر زنانہ امام باڑے کے باہری صحن میں ہے۔ یہاں سے ۷ محرم کو ڈولا اور تخت اٹھتا ہے اُسے تخت دادا پیر کہا جاتا ہے اِس جلوس میں شریک ہونے والے دادا پیر کے لکھے بند پڑھتے ہیں۔

سلام اُس کے دولھا کو سہرا بندھاکے　　　چلا مرنے بنری کو بیوہ بنا کے

عورتیں اِس ڈولا اور تخت کے اٹھنے کے وقت زنانہ امام باڑے میں موجود ہوتی ہیں اور اپنے بچوں کو سبز کپڑے اِس تخت سے مس کرکے پہناتی ہیں۔ یہ زیارت بیواؤں کے مخصوص ہے اور اُن کے لئے وجہ تسکین بھی سمجھی جاتی ہے۔

تختیوں کی لڑائی: بخارا سے آئے ایک سیاح محمد بن امیر ولی (وارد لاہور ۱۰۴۵ھ مطابق ۱۶۳۵ء) نے لاہور کی عزاداری کرتے ہوتے اہل سنت کی عزاداری کے متعلق لکھا ہے: "محرم کے ابتدائی پانچ دنوں میں ہر طرف پُر مسرت زندگی نظر آتی ہے ۶ محرم سے ماحول سوگوار ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ تختیوں کے ساتھ جلوس نکلتے ہیں امام کے دشمنوں پر سب و شتم کرتے ہیں دسویں محرم کو ہندو اور شیعہ روپوش ہو جاتے ہیں۔ عزاداروں کے گروپ اپنے ساتھ دو تختیاں لے کر آتے ہیں جن میں اماموں کی خوبصورت شبیہیں اور دوسری پر ابن ملجم کی قبیح شکلیں بنی ہوتی ہیں۔ تختیوں کے

مطابق دو گروپ بن جاتے ہیں۔ آپس میں دو گروپوں کی گتھم گتھا، گھونسے بازی ایسی ہوتی ہے گویا ایک جنگ کا منظر ہو۔ بہت جانی اور مالی نقصان ہوتا ہے۔ اِس سیاح کے مطابق اِس سال محرم کے دوران ۵۰ شیعہ اور پچیس ہندو تختیوں کی جنگ کے شکار ہوئے۔ ایک لاکھ ۲۰ ہزار روپے کی املاک کا نقصان ہوا۔) اہل تشیع اپنے مکانوں میں عزاداری کرتے ہیں۔ (بحر الاسرار فی مناقب الاخیار)

تربت: لغوی معنی خاک مٹی، مجازاً قبر، دوران محرم جو ماتمی جلوس نکالے جاتے ہیں اُن میں شبیہ تربت بھی ہوتی ہے۔ جن پر لال رنگ کے چھینٹوں والی چادر ڈال دیتے ہیں۔ یہ شہدائے کربلا کی قبور کی شبیہیں ہوتی ہیں۔

تعزیہ: عزاداری کا خاص علامتی نشان اور امام حسینؑ سے نسبت رکھنے کی وجہ سے بہت محترم ہے۔ لکھنؤ، رام پور اور دہلی کے تعزیے اپنی شکل کے لحاظ سے بنگلا اور ضریح کے نام سے یاد کئے جاتے تھے۔ بنگلہ نامی تعزیہ محمل ناقہ ڈولی یا پالکی سے مشابہ ہوتا ہے جو شاید بعہد امیر تیمور گورکانی دہلی میں تبرکات رکھنے کے لئے مخصوص تھا۔ ضریح حضرت امام حسینؑ کے روضہ مبارک کی شبیہ ہوتی ہے جو بانس، کاغذ، ابری، دفتی سے بنائی جاتی ہے (لکھنؤ والے بڑے تعزیے کو ضریح کہتے ہیں) مخصوص عزاخانوں کے علاوہ عموماً ۲۹ ذی الحجہ سے دس محرم تک آراستہ امام باڑوں، گھروں یا چبوتروں پر رکھے جاتے ہیں۔ ضریح میں روضہ کے آگے کی طرف کی شبیہ ہوتی ہے جبکہ تعزیہ میں مکمل شبیہ ہوتی ہے (ملاحظہ کیجئے ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری پروفیسر رفیعہ شبنم عابدی)

تعزیے کے حصے: تعزیے کے تین حصے ہوتے ہیں "تخت شریف (جس پر تعزیہ تیار کرکے باندھا جاتا ہے) ۲۔ بنگلا شریف یعنی مزار مبارک کی عمارت دیواریں، برجیاں۔ مناریں ۳۔ کلس یا گنبد شریف۔

تعزیہ کسنا/ باندھنا: تعزیے کو تیار کرکے اِس کے مختلف حصوں کو باندھا یا مضبوطی سے کسا جاتا ہے تاکہ اٹھاتے اور رکھتے وقت اور جلوس میں تعزیہ اپنی شکل میں برقرار رہے۔

تعزیہ نکالنا / اٹھانا: گھروں، عزاخانوں یا امام باڑوں سے تعزیہ برآمد کرکے جلوس کی شکل میں ماتم کرتے ہوئے دفن کرنے، سِرانے یا ٹھنڈا کرنے کے لئے کربلا، تالاب، ندی/سمندر کے کنارے تک لے جانا۔

تعزیہ سنوارنا: تعزیے کی سجاوٹ کرنا، سہرے چڑھانا۔

برادری کا تعزیہ: مختلف ذاتوں، پیشوں یا اہل حرفہ کی طرف سے تعزیوں کا جلوس جیسے سیتاپور میں رکشے والوں کا تعزیہ، امروہہ میں سقوں کا تعزیہ، دیگر جگہوں پر دھوبیوں، کہاروں وغیرہ کی طرف سے تعزیے اٹھائے جاتے ہیں۔

تعزیہ کو مقام دینا: جلوس کے دوران جہاں تعزیے کو کچھ دیر کے لئے رکھا جاتا ہے زیادہ تر مقصد یہ ہوتا ہے کہ لوگ زیارت کر سکیں مستورات منت مانگ سکیں علاوہ ازیں دوسرے جگہ سے آنے والے تعزیے کے جلوس آکر اِس جلوس تعزیہ میں مل سکیں۔

تعزیہ کا طواف: تعزیہ کو امام چوک پر رکھنا تاکہ عقید تمند اِس کے گرد طواف کر سکیں یہ دراصل اُس واقعہ کی یاد تازہ کرتا ہے جب شب عاشور کو جانثارانِ حسین نے جوش عقیدت و وفاداری میں امام مظلوم کے گرد پروانہ وار چکر لگا کر اپنی وفاداری کا اظہار کیا تھا۔ عقید تمند تعزیہ کے گرد چکر لگا کر اپنی وفاداری کا اظہار کرتے ہیں۔

تعزیے کی قسمیں: تعزیے کی قسمیں اُس کے سائز اور شکل کے حساب سے ہوتی ہیں مثلاً چھوٹا تعزیہ یا بڑا تعزیہ، یا تعزیے کس چیز سے بنا ہے۔ جیسے رائی کا تعزیہ (روئی پر رائی جمانا) جو کا تعزیہ، چوڑی کا تعزیہ، سونے چاندی یا لکڑی کا تعزیہ، کپڑے کا تعزیہ (اِس میں لکڑی یا بانس کے ڈھانچے پر اِس طرح کپڑا چڑھاتے ہیں کہ ذرا بھی شکن نہ پڑے اور دور سے تاج محل جیسا دکھائی دے) پھیچیوں، کاغذ، دفتی مٹی یا شیشے کا تعزیہ وغیرہ۔ سب سے مشہور حسین آباد لکھنؤ کی موی ضریح ہے۔ تعزیے رنگ کے حساب بھی تقسیم کئے جا سکتے ہیں جیسے لال تعزیہ، سبز تعزیہ، سفید تعزیہ، کالا تعزیہ وغیرہ۔ شیشے کا تعزیہ بھی برآمد ہوتا ہے۔

چھوٹے تعزیے: گھروں میں عزاداری کے لئے تعزیے رکھے جاتے ہیں جنہیں عزادار خلوص و احترام سے اپنے کندھے پر یا سر پر رکھ کر کربلا میں دفن کرنے یا کنار آب تک پہنچا دیتے ہیں۔ تاراگڑھ، راجستھان میں ایسے چھوٹے تعزیوں کو مہندیاں کہا جاتا ہے۔

منتی تعزیے: منت پوری ہونے پر لوگ جو تعزیہ نکالتے ہیں اُسے منتی تعزیہ کہا جاتا ہے۔

تعزیہ داری: اِس ضمن میں سنی اور شیعہ حضرات میں قدرے اختلاف ہے۔ تعزیہ ہو یا ضریح، فقط روضۂ امام حسینؑ کی نقل ہے۔ غیر ذی روح چیزوں کی نقل بنانا شرک نہیں ہے۔ منبر رسول، مسجد نبوی کی نقل میں کروڑوں منبر اور مسجدیں بنائی گئی ہیں جو واجب الاحترام ہیں۔ تعزیہ داری پر بت پرستی کا الزام غلط ہے کیونکہ تعزیہ میں حضرت امام حسینؑ کی تصویر یا مجسمہ نہیں ہوتا۔ عمارت کے نقشے کو بت نہیں مانا جا سکتا جیسے سنی حضرات کے گھروں میں مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی تصاویر لگی ہوتی ہیں جن کو بطور زیبائش و بغرض برکت لگایا جاتا ہے لیکن اُن کی پرستش نہیں ہوتی احترام ہوتا ہے۔ کوئی اُدھر پاؤں نہیں کرتا۔ اِن تصاویر پر کبھی پاؤں نہیں رکھتے۔ تعزیہ فروش کو بت فروش نہیں مانا جاتا۔ تعزیہ میں دو قبریں بنانے پر اعتراض ہے لیکن قبر کے لئے تو زمین ہونا ضروری ہے اِس لئے یہ قبور نہیں تربتیں ہیں۔ نشان تربت حضرت حسنؑ اور حسینؑ ہیں۔ ایک اعتراض یہ ہے کہ اِسے چوما جاتا ہے، سجدہ کیا

جاتا ہے اور دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ یہ بھی غلط فہمیاں ہیں کیونکہ شیعہ تعزیے کو بھی سجدہ نہیں کرتے۔ عقیدت سے شعائر کو چومنا عزت واحترام کو ظاہر کرتا ہے جیسے حجر اسود کا بوسہ لینا اظہار احترام ہے۔

تعزیہ داری کی رسم کب شروع ہوئی۔ اس کے متعلق عام خیال کہ تعزیے کی ابتدا امیر تیمور نے ہندوستان میں کی (بحوالہ تاریخ عزاداری از سید سبط حسن فاضل ہسوی ص ۴۰) تیمور کربلا نہ جا سکا اس کے شیعہ لشکر والے جو مخلص تھے آخر روضہ کی شبیہ بنوادی۔ لیکن امامیہ مشن کا رسالہ نمبر ۱۱۲ میں اس کے متعلق تحریر کیا کہ اس زمانے کی تاریخوں میں اس کے ماخذ کا پتہ نہیں چلا۔ تیمور نے جب روم پر حملہ کیا تھا تو اس نے خواب میں دیکھا کہ کچھ لوگ اس کے لئے ضریح حضرت امام حسینؑ لائے۔ آنکھ کھلنے کے بعد دیکھا کہ اُتنے ہی لوگ ضریح لے کر آئے اور اس کو بصد احترام ساتھ رکھا جس کی وجہ سے روم پر فتح حاصل کی۔ کیفیت شان ہند میں دوسری روایت مرقوم ہے۔ تیمور جب سمرقند کو دارالحکومت قرار دینے کے بعد کوفہ پہنچا وہاں ہاتف یمنی کی صدا سن کر حر کی قبر پر گیا وہاں تبرکاً اُسے دو علم ایک رومال عنایت ہوئے اور حکم دیا کہ ہندوستان پہنچ کر دونوں نشان کھڑے کرنا اور دسویں محرم کو سال سال فاتحہ دلانا یہ دلی پر قبضہ کے بعد تیمور کے سبب تعزیے کا رواج ہوا (رضاکار لاہور سید الشہداء نمبر ۱۹۷۸ ص ۲۷)

لیکن اس کے خلاف بھی دلیلیں دی جاتی ہیں کہ ایران میں تعزیہ کا وجود نہیں تھا جہاں تیمور کی اولاد ۱۰۰ برس تک حکمرانی کرتی رہی۔ ہندوستان میں تیمور آندھی کی طرح آیا اور بگولے کی طرح لوٹ گیا۔ اِس سرزمیں پر عشرہ کیا ہی نہیں۔ تیمور محب علی اور عاشق حسین تھا۔ تیمور ہو سکتا ہے اِس کا موجد ہو لیکن مروج نہ تھا۔ کربلا سے دور رہ کر اُس نے اپنے ذاتی عقاید کی تسکین کے لئے تعزیہ داری شروع کی تھی وہ تعزیہ اُس کے خاندان میں بطور تبرک استعمال ہوتا رہا جب بابر نے ہندوستان پر حملہ کیا تو یہ ضریح اُس کے ساتھ تھی۔ فتح دہلی کے بعد محلسرا میں مقیم ہوا تو ایک حصہ درگاہ کے نام سے تعمیر کیا اور اُس میں ضریح کو نصب کیا (پروفیسر رفیعہ شبنم عابدی، ہندوستان میں شیعت اور عزاداری ص ۲۱۸) رسالہ مولوی شہاب الدین بن شمس بن عمر دولت میں تحریر ہے کہ یہ تعزیہ داری تیمور کے عہد سے بربنائے یاددہانی و قیام عزاداری شبیہ ضریح جاری ہوئی بعدہ تمام سلاطین مغلیہ کے وقت میں الی یومنا ہذا جاری رہی (اسلام اور تعزیہ داری ص ۲۰-۲۱) ڈاکٹر اطہر علی رضوی کی رائے ہے کہ اِس خیال کو مغل شہزادوں نے اِس لئے پھیلایا تھا کیونکہ اُن کے بزرگوں نے شیعت پھیلائی تھی۔ امیر تیمور تبرکات کے ساتھ آیا تھا۔ اورنگزیب کے فرمان میں تبرکات کا ذکر ہے جن میں حضرت فاطمہؑ کا رومال بھی تھا۔

تعزیہ سِرانا: تعزیے یا ضریح کا مستقل بیش قیمت سامان و آرائش امام باڑے واپس لایا جاتا ہے جبکہ دفتی، کاغذ، ابرک، کھپچیاں، بانس وغیرہ غرقاب کر دی جاتی ہیں یا دفن کر دی جاتی ہیں۔ پانی میں تعزیہ ڈبونے کو سِرانا کہتے ہیں۔

تعزیہ ٹھنڈا کرنا: تدفین تعزیہ یا سِرانا۔

تعزیہ دار: تعزیے رکھنے والا عزادار۔

تعزیہ خانہ: جہاں تعزیہ رکھے جاتے ہیں اِسے عزاخانہ، امام باڑہ، حسینیہ بھی کہتے ہیں۔

تورا بندی: عموماً مجلس میں جو حصے تقسیم ہوتے ہیں اُن میں مزید دوسری غذاؤں کا اضافہ کرکے خاص گھروں میں بھجوایا جاتا ہے اسے تورا کہتے ہیں۔ جو شخص جتنا عظیم المرتبت ہوتا ہے اُس کے یہاں کا تورا بھی ویسا ہی خاص ہوتا ہے۔ یہ اہتمام سالانہ مجلسوں کے موقع پر ضرور کیا جاتا ہے۔ فراخی اور بلند حوصلگی پیش نظر رہتی ہے۔ خمیری روٹیاں، تافتان، شیر مال کے جوڑ، کباب، قورمہ، نبڈے کا سالن، مولی، پلاؤ، مزعفر، متنجن، کھیر اور کچھ مزید کھانے ہوتے ہیں۔ یہ تورے لکڑی کے خوانوں میں رکھ کر اہتمام کے ساتھ بھیجے جاتے ہیں۔ لکڑی کے خوان کے اوپر تیلیوں کا گنبد نما جھابا اُس پر سفید رنگ کے کپڑے کا کسنا جو چوٹی کے اوپر باندھ دیا جاتا ہے۔ کسنے کے اوپر رنگین ریشمی خوان پوش ہوتا ہے۔ ہر تورے میں غذا اتنی بہتات سے ہوتی ہے کہ صاحب خانہ کے گھر والوں کے کھالینے کے بعد بھی دوسروں کو تقسیم کرنا پڑتا ہے۔ تورے وصغداری کے تحت تیار اور تقسیم ہوتے ہیں۔

توشہ: محرم کے جلوس میں جو روٹی (بسکٹ جیسی) تقسیم کی جاتی ہے اُسے توشہ کہتے ہیں کہیں ۹ محرم کو نان پر بھنا گوشت رکھ کر دیتے ہیں اُسے بھی توشہ کہتے ہیں۔

تیجہ: امام مظلوم کی شہادت کے بعد تیسرا دن جب سوم کی رسومات ادا کی جاتی ہیں۔

ٹوٹ کا تعزیہ: ایسا تعزیہ جس کو الگ حصوں میں کرکے بڑے صندوق میں رکھا جاسکے۔

(ج)

جانوروں کا سوانگ: حیدرآباد اور کرناٹک کے علاقوں میں ماتمی جلوس کے ساتھ لوگ جانوروں کا روپ بھر کر اپنے فن کا مظاہرہ کرتے چلتے ہیں۔ مثلاً بندر، بھالو، شیر، چیتا، وغیرہ نظر آنے کے لئے اپنے جسم اور چہرے کو رنگتے ہیں۔

جانوروں کا معائنہ: کلیانی (کرناٹک) میں نوابی دور میں نواب بذات خود اُن تمام جانوروں (اونٹوں، گھوڑوں، ہاتھیوں) کا معائنہ کرکے منتخب کرتے تھے۔ جنہیں جلوس تعزیہ میں شریک ہونا ہوتا تھا۔

جلوس عزا: ایام عزا میں شیعہ اپنے چوتھے امام حضرت زین العابدینؑ کی تاسی میں ماتمی جلوس نکالتے ہیں۔ اِن جلوسوں میں زنجیر کا ماتم بھی حضرت سجاد عابد بیمارؑ کی یاد میں کیا جاتا ہے۔ جب سرہائے شہدائے کربلا نیزوں کی نوکوں پر بازار کوفہ میں داخل ہوئے تو امام حسینؑ کا سر اقدس سب سروں سے آگے تھا۔ ریش مقدس سے خون کا قطرہ بازار کوفہ کی زمین پر گرا جس کو دیکھ کر حضرت زینبؑ نے اپنا سر محمل کی لکڑی پر دے مارا یہاں تک کہ خون کا فوارہ بہنے لگا۔

(اِس بات پر اختلاف رائے ہے کہ اسیران کربلا کو اونٹ کی برہنہ پیٹھ پر بٹھایا گیا یا اُس پر محمل یا کجاوہ تھا) شیعہ بازاروں میں جلوس عزا میں حضرت زینبؑ کی تاسی میں اپنا خون بہاتے ہیں۔ چونکہ قافلے میں آگے آگے نیزوں پر شہدائے کربلا بلند تھے۔ لہٰذا شیعہ علم پھریرے نکالتے ہیں اور پیاسوں کی یاد میں پانی یا شربت، دودھ تقسیم کرتے ہیں۔ کربلا میں طبل جنگ کی آواز جاں نثاری کا پیغام تھی اور آغاز جنگ کی اطلاع بھی۔ جلوس عزا میں باجوں کا مطلب بھی جاں نثاران حسین کو پیام ایمان اور قرب وجوار کے رہنے والوں کو جلوس کے آغاز کی اطلاع دینا بھی ہے تاکہ لوگ آکر جلوس میں شریک ہو سکیں۔ اِن باجوں سے حزینہ جنگی ماحول بنتا ہے۔ شہدائے کربلا کی ارواح مقدسہ کے ثواب کی خاطر تبرک بانٹا جاتا ہے۔ دوسرا مقصد یہ بھی ہے کہ لوگ مجالس اور جلوس ہائے عزا میں شریک رہیں اور شکم پُری کے لئے گھر جانے کی زحمت سے بچ جائیں۔ مساکین و فقراء کو شکم پُری کے لئے بہت کچھ مل جاتا ہے نیز کسی کے آگے آنکھ جھکانی نہیں پڑتی۔

جلوسوں میں علم نکالے جاتے ہیں اُن پر پنجے لگائے جاتے ہیں۔ شہدائے کربلا کے سرہائے مبارک کو یزیدیوں نے نیزہ پر بلند کیا تھا اس کی یاد میں پنجے نکالے جاتے ہیں۔ آخر میں عماریوں کجاوے وغیرہ ہوتے ہیں جن کے ساتھ برہنہ سر ماتم داروں کا مجمع ہوتا ہے۔ ماتم ہوتا ہے۔ اختتام جلوس پر مجلس ہوتی ہے۔

جماعت خانہ: داؤدی بوہرہ فرقے کا اجتماعی کھانا جس کا انتظام داعی کی طرف سے ہوتا ہے۔ جماعت خانہ میں رکھا جاتا ہے۔ یہیں کھایا جاتا ہے۔

جھراپڑھنا: ہلور ضلع بستی میں ماتم کرتے وقت دیہات سے آئی ماتمی ٹولیاں چھوٹے چھوٹے ڈنڈوں کو آپس میں ٹکرا کر گھوم گھوم کر نوحے پڑھتی تھی جسے جھراپڑھنا کہتے ہیں۔

(چ)

چاند دیکھنا: رویت ماہِ محرم۔ لوگ اپنے گھروں سے یا اجتماعی طور پر کربلا، عزاخانوں، امامباڑوں میں ۲۹ ذی الحجہ یا ۳۰ ذی الحجہ کو چاند دیکھتے ہیں۔ عزاخانوں میں اعلانی باجا بجتا ہے، ہر طرف یا حسین کی صدا بلند ہوتی ہے، لوگ ماتم کرتے ہیں۔

چاند رات: ۲۹ ذی الحجہ کو اگر چاند دکھائی دیتا ہے تو وہ چاند رات ہوتی ہے ورنہ اگلے دن ۳۰ ذی الحجہ کی شب چاند رات ہوتی ہے۔ لوگ عزاخانوں میں ماتم کرتے ہیں۔ کہیں کہیں ماتمی جلوس بھی نکلتا ہے، مجلس کا اہتمام ہوتا ہے۔

چپ تعزیہ: ۱۸۵۷ء کے جنگ آزادی میں لکھنؤ والوں نے برٹش سامراج وادی فوج کا سخت مقابلہ کیا تھا۔ جب گورا فوج جیتی تو لکھنؤ شہر کو تاراج کیا گیا، خون کی ندیاں بہادی گئیں، معصوم قتل کئے گئے، شرفاء اور رؤساء کو قید و بند کی صعوبتوں سے گزرنا پڑا۔ نواب احمد علی خاں (نواب اغن صاحب کے والد محترم) گرفتار کر لئے گئے تھے اِس لئے اِن کے گھر

والوں نے تعزیہ نہیں بڑھایا تھا۔ نواب صاحب رہا ہوئے تو مالی پریشانیوں سے دو چار تھے۔ پرانے تزک و احتشام کے ساتھ تعزیے کا جلوس نکالنا ممکن نہ تھا اِس لئے آپ نے آٹھ ربیع الاول کو چپ تعزیہ کا جلوس برآمد کیا (کیونکہ یہ دن شہادت حضرت امام حسن عسکریؑ کا ہے اور ایام عزا کا آخری دن ہے) نو ربیع الاول تو عید ثانی زہرا حضرت زینب ؑ ہے۔ چپ تعزیے میں مرثیہ خوانی، نوحہ خوانی، سینہ زنی، ماتم کچھ نہیں ہوتا۔ جلوس سادہ اور مختصر ہوتا ہے۔ آگے نشان ہوتا ہے اِس کے پیچھے پیچھے مجمع خاموشی سے گریہ کرتے چلتا ہے۔ بیچ میں نقیب سواری کا مصرع پڑھتا ہے۔

"نبی کرتے تھے جس کا احترام اس کی سواری ہے"

لکھنؤ میں اِس مجمع کے بعد حسین آباد مبارک کا مختصر جلوس (شبیہ ذوالجناح، تعزیہ، عقب میں محملیں ہوتی تھیں)۔

یہ تعزیہ اتنا مقبول ہوا کہ آج ہندوستان اور پاکستان کے کئی شہروں میں چپ تعزیے کا جلوس نکلتا ہے۔

چراغاں: محرم کی ساتویں سے شب عاشور تک امام باڑوں، عزاخانوں پر روشنی کی جاتی ہے جسے دیکھنے لوگ جایا کرتے ہیں۔ روز عاشور کو روشنیاں اُتار دی جاتی ہیں شامِ غریباں اندھیرے میں ہوتی ہے۔

چراغی: عزاخانوں میں روشنی اور اگر بتی، لوبان وغیرہ کے لئے لوگ حسب حیثیت جو رقم تعزیے کے سامنے رکھ دیتے ہیں چراغی کہلاتی ہے اِس جمع شدہ رقم کو صاحب خانہ یا عزاخانے والے اُمور عزاخانہ پر ہی خرچ کر دیتے ہیں۔

چلہ باندھنا: علم پر دھاگا باندھنا۔

چوڑیاں بڑھانا: محرم کا چاند دیکھنے کے بعد خواتین گھروں میں، زنانہ امام باڑے یا امام چوک پر اپنی چوڑیاں اور زیورات اُتار دیتی ہیں اور یکم محرم سے ۱۲ محرم تک سیاہ پوش رہتی ہیں سادہ کھانا کھاتی ہیں۔ فرش پر سوتی ہیں۔ نواح بریلی میں چوڑیاں توڑ ڈالتی ہیں۔ چہلم تک سنگار نہیں کرتیں گھر میں کوئی خوشی کی تقریب نہیں ہوتی۔

چوکی دُھلائی: ۲۹ / ۳۰ ذی الحجہ کو چاند دیکھ کر امام باڑے یا عزاخانے کی چوکی ایک مختصر سے جلوس میں کسی باؤلی، تالاب، یا ندی میں دھونے کے لئے لے جائی جاتی ہے۔ دھونے کے بعد سلام اور مرثیہ کے بند پڑھے جاتے ہیں فاتحہ ہوتا ہے نذر و نیاز شربت پر کی جاتی ہے۔ جلوس کے ساتھ چوکی واپس لا کر امام باڑے میں رکھ دی جاتی ہے۔

چھتریاں: چھوٹے علموں یا تابوتوں پر کہیں کہیں چھوٹے چھتر لگانے کا رواج ہے۔

چھاندہ: ہولکر حکمرانوں کی طرف سے اندور میں ساتویں محرم کو ۴۰ کلو آٹے کی روٹیاں اور پندرہ کلو مسور کی دال تیار کی جاتی ہے جسے چھاندہ کہتے ہیں۔

چہلم: حضرت امام حسینؑ کی شہادت کے بعد چالیسواں دن۔ اِس دن کو بھی یوم عاشور کی طرح خلوص و احترام سے منایا جاتا ہے۔ مجالس، جلوس اور ماتم ہوتا ہے۔

چھوٹی ریوڑی کی نذر: اجمیر شریف کی درگاہ خواجہ معین الدین چشتی میں ۵ محرم کو چھوٹی ریوڑی پر بسنت رنگ کے کپڑے میں سکہ باندھکر رنگین کھمبوں پر نذر سید الشہداء دی جاتی ہے۔ سکے والے کپڑے کو امام ضامن کہتے ہیں۔ (یہ امام ضامن آٹھویں امام حضرت علی رضاؑ خلف حضرت امام موسیٰ کاظمؑ کی نذر ہوتی ہے۔)

چھڑ: علم میں جو دھات کی سلاخ لگائی جاتی ہے وہ چھڑ کہلاتی ہے اِس کی موٹائی اور اونچائی الگ الگ ہوتی ہیں۔

(ح)

حاضری: حضرت عباس علمبردار کے نام سے جو نذر تقسیم کی جاتی ہے اُسے حاضری کہتے ہیں۔ یہ انتہائی تزک و احتشام سے دی جاتی ہے۔ اس میں شیر مالیں، کباب و ککڑی مولی، سوجی کا حلوہ، جلیبی وغیرہ ہوتی ہے۔ نذر کے بعد یہ حاضرین کو کھلائی جاتی ہے۔ آٹھویں محرم کو صبح تا شام گھر میں حاضری کا ہنگامہ رہتا ہے۔

حدیث خوانی: مجلس میں سوز خوانی کے بعد فضائل و مصائب اہل بیت بیان کئے جاتے ہیں۔ فضائل بیان کرنے کے لئے قرانی آیات، احادیث رسول اقوال و اعمال ائمہ مطاہرین کے حوالے سے مسائلِ حاضرہ، اسلامی طرز زندگی پر گفتگو ہوتی ہے۔ پھر حدیث خواں واقعات یوم عاشور و مصائب اہل بیت اور شہادت امام مظلوم بیان کرتا ہے جس کے بعد حدیث تمام ہوتی ہے۔ نوحوں اور زیارتوں کا سلسلہ چلتا ہے۔ حدیث میں مسائل حاضرہ کا حل بتایا جاتا ہے اور راہ مستقیم پر چلنے کی ہدایت دی جاتی ہے۔ رسول اکرمؐ اور ائمہ مطاہرین کے حالات، اقوال و اعمال سے لوگوں کو روشناس کرایا جاتا ہے۔

حسینی باجا: وہ باجا جو امروہہ میں محرم کے ماتمی جلوسوں میں سادات بجاتے ہیں۔

حسینی براہمن: دت موہیال براہمن جو عرب میں قیام پذیر تھے اُن کا وارث اعلی سدھ بھوگ دت تھا جو میر سدھانی کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ اُس کی اولاد میں رکھب رائے کے سات بیٹے مختار بن ثقفی کے ساتھ مل کر قاتلان حسینؑ کے خلاف لڑے اور کوفہ کے قلعہ پر حملہ کیا۔ قلعہ فتح کر لیا گیا اور قاتلان حسینؑ سے بدلہ لیا گیا۔ اِس جنگ میں یہ ساتوں بیٹے شہید ہوئے۔ اِن براہمنوں کی اولاد اپنے کو حسینی براہمن کہتی ہے یہ لوگ الحراء کی بندرگاہ کے پاس سکونت پذیر تھے۔ جنگ میں فتح حاصل کرکے اِن کا لشکر روم، شام، بلخ، بخارا، قندھار ہوتے ہوئے آکر سندھ اور پنجاب میں بس گیا۔ ہندوستان میں کئی نامور ہستیاں حسینی براہمنوں کے خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ لوگ آج بھی شہادتِ حسینؑ کا سوگ مناتے ہیں اور یوم عاشور کو فاقہ کرتے ہیں۔ اِن کی عورتیں اُن دنوں بناؤ سنگار نہیں کرتیں، غم مناتی ہیں۔

حسینی سپاہی: بچوں کو سبز رنگ کے کپڑے پہنا کر حسینی لشکر کا سپاہی بنایا جاتا ہے۔

حسینی فقیر: بچے اور بڑے ایک ڈنڈا ہاتھ میں لے کر سر پر کلاوہ باندھ کر باقاعدہ جھولی پھیلا کر امام حسین کے نام پر بھیک مانگتے ہیں جو بھی روپیہ پیسہ ملتا ہے وہ رقم امام باڑے کو چہلم کے موقع پر خرچ کرنے کے لئے دے دیتے ہیں۔

حصے: مجلس یا میلاد وغیرہ میں شیرینی یا کھانے کی چیزیں جو محدود مقدار میں شرکائے مجلس میں تقسیم کی جاتی ہیں۔

حلیم: ایک قسم کا کھانا ہے جو چنے کی دال، گوشت، گرم مصالحہ، ادرک وغیرہ ڈال کر بنایا جاتا ہے (نوراللغات)۔ لکھنؤ میں حلیم اُس کھانے کو کہتے ہیں جس کے اجزاء دودھ، گیہوں اور قورمہ ہیں (مہذب اللغات)

(خ)

خاکِ شفا: خاکِ کربلا کی تسبیح اور سجدہ گاہ کا استعمال شیعوں میں عام ہے۔ اِس کو خاکِ شِفا سمجھا جاتا ہے۔ خاک کی عظمت و توقیر شروع اسلام سے ہی مسلمانوں میں پائی جاتی ہے۔ حضرت حمزہ کی قبر کی خاک، آنحضرت کی قبر اطہر کی خاک بطور تبرک اور دوا استعمال کی جاتی ہے۔ داؤدی بوہرے جب محرم میں نیاز (اجتماعی کھانا) کرتے ہیں تو سادہ کھانا ہوتا ہے جس میں پالک کی بھاجی ہوتی ہے جسے خاک شفا کہا جاتا ہے۔

خوان: سینی، کشتی، خنچگیر، طباق وغیرہ جس میں حصے رکھ کر مجلس میں تقسیم کئے جاتے ہیں یا تورے مخصوص گھروں کو بھیجے جاتے ہیں۔

خوانیاں: ملاحظہ کیجئے صفحہ باب پنجم مراسم وآداب عزاداری میں عنوان لکھنؤ کی عزاداری کی خوانیاں۔ (پیش خوانی، تحت خوانی، جواب خوانی، چھکی خوانی، حدیث خوانی، روایت خوانی، روضہ خوانی، سوز خوانی، کتاب خوانی، مرثیہ خوانی، نثر خوانی، نوحہ خوانی، واقعہ خوانی، ہرسیہ خوانی، شبیہ خوانی۔

(د)

دوہے، دہے، زاری، بول اور کڑخہ: دوہے، دہے، زاریوں، بولوں کا تعلق دیہی معاشرت سے ہے ان میں جذبات کا اظہار شدت سے کیا جاتا ہے۔ کردار سب دیہی سماج کے اور قدرت کے عناصر پیڑ پودے ندی، پوکھرے، چڑیاں جانور سب کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ سانحہ کربلا کو دیہی زبان کے گیتوں میں بیان کیا جاتا ہے۔ لڑائی کے میدان میں لڑنے والا جو اپنا تعارف کراتا ہے یعنی رجز پڑھتا ہے اُسے دیہی زبان میں کڑخہ یا کڑکا کہتے ہیں۔ اس میں سنسکرت آمیز ہندی کا استعمال ہوتا ہے مقامی بولیوں کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔ زاری میں مرنے والے کے متعلقین کے جذبات کا اظہار انتہائی پر اثر الفاظ اور بین میں کیا جاتا ہے۔ اِن حزینہ گیتوں کو دیہات میں عورتیں گھروں میں عزاداری یا امام باڑے جاتے ہوئے ملکر روتی ہیں۔ دہوں کے لئے گانا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا دہے روئے یا پڑھے جاتے ہیں)۔

درگاہ: کسی بھی بزرگ کے مزار کو کہتے ہیں۔ عزاداری کے ادب میں درگاہ لفظ حضرت عباس کے روضہ کے لئے مخصوص ہے۔ لکھنؤ میں دیگر مقدس مزاروں کی شبیہ کو روضہ کہتے ہیں۔

دُلدُل (ذوالجناح): حضرت علیؑ کو دلدل سوار بھی کہا جاتا ہے۔ جنگ کربلا میں اسی گھوڑے پر حضرت حسینؑ سوار تھے۔ یہ اسپ وفادار بھوکا پیاسا ہوتے ہوئے بھی میدان جنگ میں جانے، لاشوں کو اٹھانے اور خیموں تک لانے میں امام مظلوم کا ساتھ دیتا رہا۔ بعد شہادت حسین اِس وفادار نے ثابت کر دیا کہ امام حسین کا ایک ناصر اب بھی باقی ہے۔ اِس زخمی فرس نے اپنی پیشانی اپنے آقا کے خون سے تر کی اور سیدھا در خیمہ پر جاکر ہنہنایا۔ منتظر سیدانیوں نے گھوڑے کی آواز سنی تو گھبرا کر دروازے پر آ گئیں۔ بقول مولانا سید علی نقی "اِس کا خالی زین، اِس کی رنگین پیشانی، اس کی کٹی ہوئی باگیں، اِس کا زخمی جسم، اس کے جسم میں پیوست تیر وہ سب کچھ کہہ رہے تھے جس کی خبر دینے وہ دروازے پر آیا تھا"۔ شاید اسی خدمتِ فرض شناسی اور وفاداری کے سبب شیعہ اِس گھوڑے کو احترام اور محبت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اِس کی شبیہ جلوس میں نکالتے ہیں اور ذوالجناح کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ ذوالجناح کے لغوی معنی ہیں اسپ بالدار یعنی پرندوں جیسا تیز رفتار والا۔ محرم کے ماتمی جلوسوں میں اِس کی شبیہ علم کے ساتھ نکالی جاتی ہے۔ سفید رنگ کی چادر (جھول) جس پر خون کے مشابہ سرخ رنگ کے چھینٹے ہوتے ہیں اِس پر ڈالی جاتی ہے۔ گھوڑا عموماً سفید رنگ کا ہوتا ہے۔ چادر کے اوپر پھولوں کی چادر چڑھا دی جاتی ہے۔ زین میں تیر لگا دئے جاتے ہیں۔ ایک طرف تلوار اور دوسری طرف ڈھال لٹکا دی جاتی ہے۔ پشت پر منقش چھتری لگی ہوتی ہے۔ گردن میں چاندی کے بڑے بڑے پھولوں کی حمائل، ماتھے پر کارچوبی کام کی پٹی، گلے میں ہرے رنگ کا رومال، سموں میں بھی ہرے رنگ کے رومال باندھ دئے جاتے ہیں۔ عقیدتمند عورتیں اِسے دودھ جلیبی پیش کرتی ہیں۔
بعض جگہوں پر کئی گھوڑوں کو ماتمی جلوس میں برآمد ہونے کی تربیت دی جاتی ہے تاکہ جلوس میں ہنگامہ نہ کریں۔ جس گھوڑے کو ایک بار جلوس شبیہ دلدل بنا کر نکال دیا پھر اُسے کسی اور کام کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا۔ شبیہ ذوالجناح کو امام باڑوں، عزاخانوں کے علاوہ مخصوص گھروں میں بھی لے جایا جاتا ہے تاکہ ضعیف، معذور، بیمار حضرات بھی اس کی زیارت کر سکیں۔

دورہ: امروہہ میں ۸ محرم کے ماتمی جلوس کا وہ حصہ جس میں نوحہ خوانی اور ماتم ہوتا ہے۔ ماتم دار صفوں میں منظم طریقے سے چلتے ہیں۔ ایک شخص نوحہ پڑھتا ہے باقی ماتم دار یا اُسے دُہراتے ہیں یا حسین، حسین، حسین کہتے ہیں۔ اس کے ساتھ سینہ زنی، زنجیر زنی قمع یا سر کا ماتم ہوتا ہے۔

دھجیاں: جن سے علم کے پھریرے یا پٹکے کو باندھا جاتا ہے۔

دھئی چڑھانا: حیدرآباد میں علم پر جو نذر چڑھائی جاتی ہے وہ دھئی کہلاتی ہے۔

دہل: گوالیار شہر میں شاہی تعزیے دفن کرنے کے لئے جو گہرا گڈھا کھودا جاتا ہے اُس کو دہل کہتے ہیں۔ اِس میں پورا تعزیہ اُتار کر مٹی ڈال دی جاتی ہے۔ مہاراجہ سندھیا اور اُن کے خاندان والے اِس موقعہ پر اپنے ہاتھ سے مٹی ڈالتے ہیں۔

(ڈ، ذ)

ڈنکا: بلگرام میں امام باڑے میں مٹی کا دائرہ بنا کر اُس میں نقارہ (ڈنکا) رکھا جاتا ہے۔ بلگرام کے سادات کیونکہ کربلا کے قریب کے قصبہ واسط سے آئے تھے وہ پرانے واقعات کی یاد بھی سینہ بہ سینہ اپنے ساتھ محفوظ رکھے ہوئے ہیں۔ یہ ڈنکا اصل میں اُس واقعہ کی یاد تازہ کرتا ہے جب حضرت امام حسینؑ نے اپنے رضاعی بھائی علی ابن القطیر کو شیعیان بصرہ کے پاس نصرت امام کے لئے بھیجا تھا۔ وہ بصرہ کی گلیوں میں گلے میں ڈنکا ڈال کر شیعیان علی کو مظلومین کربلا کی امداد کے لئے بلاتے تھے۔ شیعیان بصرہ اپنے گھروں سے ہتھیار لے کر اُن کے ساتھ ہو لئے لیکن لشکر کفار کی بڑی تعداد کی وجہ سے بروقت امداد کو نہ پہنچ سکے۔ جب وہ پہنچے تو جنگ ختم ہو چکی تھی۔ بلگرام کے سادات اُسی رسم کو مٹی پھیلا کر اُس کے بیچ میں ڈنکا رکھ کر مناتے ہیں۔

ڈنکانشان / سوار: محرم کے جلوس میں ہاتھی، گھوڑے یا اونٹ پر سوار شخص جو ڈنکا بجا کر جلوس کی آمد کی اطلاع دیتا ہے۔

ڈولا: ۷/ محرم کو مہندی کے جلوس میں ڈولا بھی اٹھایا جاتا ہے جو دلھن کی پالکی کی یاد دلاتا ہے۔ بلگرام میں دادا پیر کے تخت کے ساتھ بھی ڈولا اُٹھایا جاتا ہے۔

ذوالجناح: (ملاحظہ فرمایئے لفظ دُلدُل)۔ پر والا، اسپ بال دار (یعنی طائروں کی طرح تیز اُڑنے والا)۔

ذوالجناح کا جلوس بڑھانا: جلوسِ ذوالجناح کا اختتام پذیر ہونا۔

ذوالفقار: حضرت علی علیہ السلام کی دو دھاری تلوار۔

(ر، ز)

روشن چوکی: نفیری / شہنائی نوازوں کی ٹولی جس میں تاشے والے بھی شامل ہوتے ہیں یہ لوگ کہیں تو امام باڑے کے سامنے یا صدر دروازے کے اوپر بنے نوبت خانے میں بیٹھ کر ماتمی دھنیں بجاتے ہیں۔ محرم کے ماتمی جلوسوں میں بھی یہ تخت رواں پر بیٹھ کر یا پیدل چلتے ہوئے شہنائی بجاتے ہیں۔ روشن چوکی کا تخت بھاری ہوتا ہے اس میں بلیاں یا موٹے بانس باندھ دئے جاتے ہیں۔ جنہیں ۱۲ یا چودہ کہار کاندھوں پر اُٹھا کر چلتے ہیں۔

زاریاں: دیہی بولی میں حزنیہ گیت جن میں کربلا کے شہیدوں کے متعلقین کے انتہائی پُر اثر بین اور اُن کے جذبات کا اظہار کیا جاتا ہے۔

زنانہ امام باڑہ: زنانہ/زنانی امام باڑہ بلگرام میں اِسے بٹیوں کا امام باڑہ کہا جاتا ہے۔ یہ عورتوں کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔

زنانی مجلس: جس میں صرف عورتیں شریک ہو سکتی ہیں۔ ذاکری بھی عورتیں ہی کرتی ہیں۔

زیارت پڑھنا: مظلومین و شہدائے کربلا کے لئے دعائیں پڑھنا۔ ہر معصوم و شہید کے لئے عربی زبان میں ایک زیارت مخصوص ہے جو مجالسِ عزا میں پڑھی جاتی ہے۔

زیارت کرنا: شعائر، جلوس یا امام باڑے کو دیکھنا اور دعائیں پڑھنا۔

زیارت عاشورہ: یوم عاشور کو جو زیارت پڑھی جاتی ہے۔ عاشورہ کے علاوہ بھی لوگ جمعہ کو پڑھتے ہیں۔ کچھ حضرات سوتے وقت بھی زیارت پڑھتے ہیں۔

زنجیرزنی: جناب مختار کوفہ میں زنجیروں میں بندھے ہوئے تھے جب انہیں شہادت امام حسینؑ کی اطلاع ملی تو انہوں نے انہیں زنجیروں سے ماتم کیا۔ بعد میں اِن زنجیروں میں چھوٹی چھوٹی چھریاں بھی ماتمدار لگانے لگے جس سے وہ لہولہان ہوجاتے ہیں۔ (ایران میں علماء نے چھریوں کو زنجیر میں لگانے کو مناسب نہیں سمجھا کیونکہ اِس سے اسلام کے متعلق غلط پیام جاتا تھا یعنی صرف زنجیر سے ہی ماتم کیا جائے۔ ایران میں زنجیرزنی کے وقت قمیص کو اتارنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔)

(س)

سبیل: حضرت امام حسینؑ اور اُن کے ساتھی کربلا میں بھوکے پیاسے شہید ہو گئے تھے۔ اِن کے اعزاء و اقرباء بچے عورتیں بھی پیاسے تھے۔ انہیں اشقیاء نے بے حد ستایا تھا۔ اِس لئے شیعہ اُن کی یاد میں دودھ، پانی، شربت کی سبیل رکھتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جو کسی مسلمان کو پانی پلائے گا اللہ تعالیٰ اُسے جنت میں سیراب کرے گا۔ حضرت سعد کی والدہ کا انتقال ہوا انہوں نے رسول اکرمؐ سے پوچھا کون سا صدقہ دیا جائے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا پانی۔ حضرت سعد نے والدہ کی یاد میں ایصال ثواب کے لئے کنواں کھدوایا۔ لوگوں نے آنحضور سے پوچھا کیا جانور کو پانی پلانے سے ثواب ملے گا حضورؐ نے جواب میں فرمایا جس کا بھی جلتا جگر ٹھنڈا کیا جائے ثواب ضرور ملے گا۔ امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے "بہترین صدقات و خیرات اُس جگر کو سرد کرنا ہے جو پیاس کی شدت سے جلتا جاتا ہو"۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا تھا: "اے شیعو! جب ٹھنڈا پانی پینا تو میری پیاس یاد کرلینا"۔

ماہِ محرم میں یا دوسرے موقعوں پر شیعہ حضرات کے علاوہ دیگر فرقوں اور مذاہب والے بھی سبیلیں لگاتے ہیں جس میں پانی پلانے والا مسلمان ہوتا ہے۔ سبیل سے زائرین و شرکائے مجلس و جلوس کو پانی، دودھ، شربت وغیرہ بہ نظر ثواب مفت تقسیم کیا جاتا ہے۔ (سبیل پکارنا یعنی جب سبیل والا پکارے/اعلان کرے کہ آؤ سبیل پی لو) سبیل کے لئے اصطلاح رکھنا/لگانا دونوں مستعمل ہیں۔

سپر کا جلوس: بہار میں ایک صاحب اقتدار کو خواب میں دریا میں ایک نورانی چیز نظر آئی جو سپر کے مشابے تھی۔ بیدار ہو کر انہوں نے سپر کو شعائر محرم میں شامل کر لیا۔ تب سے یہ سپر کا جلوس برآمد ہونے لگا۔ ایام عزا میں یہ ڈھالیں امام باڑوں میں شعائر کی صورت میں رکھی جاتی ہیں۔ اِن کی خاص ساخت ہوتی ہے اور اِن پر آیات اور احادیث لکھی ہوتی ہیں۔

سجانا: ایامِ عزا شروع ہونے پر اگر سوز، گلاب پاش، روشنی کے سامان نیز اسی طرح کے مناسب محل، دوسری چیزوں سے امام باڑہ آراستہ کرنا۔

سقہ بنانا: حضرت عباس کے مختلف القاب میں سے ایک سقائے حرم بھی ہے کیونکہ آپ جنابِ سکینہ کے کہنے پر بچوں کے لئے پانی لینے کے لئے دریائے فرات (نہر علقمہ) پر گئے تھے جب آپ مشک بھر کر لوٹ رہے تھے اشقیاء نے آپ کی مشک پر تیر برسائے تاکہ خیام میں پانی پہنچ نہ پائے، آپ کے بازو قلم کر دئے گئے، پیچھے سے گرز مار کر شہید کر دیا گیا۔ حضرت عباس کی تاسی میں بچے اور نوجوان مشک میں حضرت عباس پر نذر کیا ہوا دودھ/شربت/ پانی لئے لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ دلی کے مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر، کلیانی کا نواب وغیرہ لال کھاروے کی لنگی پہن کر سقہ بنتے تھے۔

سگِ حسین بننا: کلیانی ریاست کا نواب گلے میں زنجیر ڈال کر سگِ حسین بنتا تھا اُسے کھانے کے لئے تبولی (چنے کی دال کا کھچڑا) دی جاتی تھی۔ جب نادر شاہ روضۂ حضرت امام حسینؑ کی زیارت کے لئے گیا تو اپنے گلے میں زنجیر ڈال لی جیسے وہ یہاں کا سگِ وفادار ہو۔

سلام بھرنا: گجرات میں زیارتِ علم و تعزیے کو سلام بھرنا کہتے ہیں مثلاً وہ سلام بھرنے گئے ہیں۔

سواری پڑھنا: نوحۂ عزاداری جو تابوت یا تعزیہ کے جلوس میں پڑھا جائے۔ اِس میں لفظ سواری استعمال ہوتا ہے۔ راقم الحروف نے اپنے بچپن میں دلی میں عاشورہ کے جلوس میں نقیب کو سواری پڑھتے دیکھا ہے:

سواری ہے شہیدِ کربلا کی   کہ جس کی شمر نے گردن جدا کی

لکھنؤ میں چپ تعزیے میں نقیب یہ سواری پڑھتا ہے:

نبی کرتے تھے جس کا احترام اُس کی سواری ہے

سوانگ بھرنا: جنوبی ہند میں حیدرآباد اور کرناٹک کے کچھ علاقوں میں تعزیوں کے جلوس کے ساتھ چند لوگ جانوروں کا روپ دھرتے ہیں۔ اپنے جسموں کو رنگتے ہیں اور کمالات کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ کوئی بندر بنتا ہے تو کوئی چیتا، کوئی بھالو کا روپ بھرتا ہے، کوئی شیر یا باگھ کا۔

سیرانا: تعزیوں، یا علم اور تعزیوں پر چڑھے سہروں کو پانی میں بہانا یا غرق کرنا۔ یا کربلا میں دفن کرنا۔

سہرا چڑھانا: تعزیوں یا علم پر پھولوں، نوٹوں، ینبو یا ناریل کی مالا یا ہار چڑھانا۔

سیلی پہننا: بالوں کی یا سیاہ دھاگوں کی بنی ڈوری یا لڑی جو گلے سے کمر تک ڈالتے ہیں۔ سیلیاں تقسیم بھی کی جاتی ہیں۔ بعض یہ رنگین دھاگوں کی بنتی ہیں۔

سیلی دفنانا یا بہانا: سیلیوں کو جمع کرکے تعزیوں کے ساتھ دفنا دیا جاتا ہے یا غرقاب کر دیا جاتا ہے۔

سیدوں کی ملائی: اجمیر شریف کی درگاہ میں نو محرم کو سادات اور کچھ دیگر حضرات کو منت کے تحت سکوں، پھولوں سے تولا جاتا ہے۔

سیہ پوشی: سیاہ رنگ کا لباس غم کی نشانی ہے۔ حضرت ہابیل کی موت پر خدائے تعالیٰ نے دفنانے کا طریقہ سکھانے کے لئے ایک سیہ پوش طائر (کوے) کو منتخب کیا تھا۔ ہجرت رسول سے ایک ہزار سال قبل اللہ نے اپنے گھر (کعبہ شریف) کو اسعد بن تبع حمیری کے ہاتھوں سیہ پوش کرا دیا تھا۔ ہر سال آٹھ ذی الحجہ کو بیت اللہ کو سیاہ رنگ کا غلاف پہنایا جاتا ہے کیونکہ زمانۂ حج میں امام حسینؑ مع اہل بیت خانۂ کعبہ سے رخصت ہو کر کربلا کی طرف روانہ ہوئے تھے (مولوی سلیمان ندوی نے تسلیم کیا ہے کہ یہ چادر عاشورے کو تبدیل کی جاتی ہے) رسول اکرمؐ کی چادر مبارک کا رنگ بھی سیاہ تھا اسی لئے انہیں کالی کملی والا بھی کہا جاتا ہے۔ سیدہ فاطمۃ الزہرا کے متعلق عام خیال ہے کہ وہ سیاہ پوش رہتی تھیں۔ شیعہ حضرات عشرۂ محرم میں سیاہ پوشاک پہنتے ہیں۔ تابوت پر بھی سیاہ کپڑا ڈھکتے ہیں۔ محرم کے زمانے میں علم یا پھریرے عام طور پر سیاہ ہوتے ہیں۔ مجلس عزا میں جو تابوت اُٹھائے جاتے ہیں اُن پر بھی سیاہ چادر ڈالی جاتی ہے۔ مزاروں پر بھی سیاہ چادر کا استعمال ہوتا ہے۔ سیاہ رنگ ماتم و احتجاج کی علامت بھی ہے۔ جب کہیں ظلم و زیادتی یا ناانصافی کے خلاف آواز اٹھائی جاتی ہے تو احتجاج کرنے والے سیاہ جھنڈوں اور سیاہ پٹیوں کا استعمال کرتے ہیں۔

(ش)

شامِ غریباں: شہادت حسینؑ اور رفقائے حسینی کے بعد کی شب جو مجلس امام باڑے یا عزاخانے میں ہوتی ہے۔ اس میں نہ روشنی ہوتی ہے نہ فرش۔ یہ امام مظلوم کی شہادت کے بعد کے میدان کی منظر کشی ہے جب اندھیرے میں مظلومین کے لاشے اِدھر اُدھر بکھرے تھے۔ اِس مجلس میں ذاکرین یوم عاشورہ کے واقعات بیان کرتے ہیں۔ رخصتی سلام یا الوداعی نوحے پڑھے جاتے ہیں۔

بقول مولانا سید کلب حسین صاحب قبلہ شام غریباں کی ابتدا ۱۹۲۰ میں ہوئی جبکہ انہدام جنت البقیع اور مظالم ابن سعود حاکم نجد کے مظالم کے خلاف ہندوستان میں مظاہرات ہو رہے تھے اسی زمانے میں عرب کے چند علماء وارد لکھنؤ ہوئے۔ انہیں حسینیہ غفراں مآب میں مقیم کر دیا گیا۔ یوم عاشور کو وہ علماء، مولوی بچن صاحب دوسرے حضرات کے ساتھ حسینیہ غفران معاب مین باتیں کر رہے تھے کہ مولوی کبن صاحب نے تجویز پیش کی کہ اسیران اہل بیت کا ذکر ہو جائے۔ چنانچہ مولوی کبن صاحب (ابن آغا میر) نے ذکر کیا سامعین بے تاب ہو گئے. اگلے سال ۱۹۲۱ء میں مولوی للن صاحب اور مولوی کبن صاحب زیب منبر ہوئے۔ ۱۹۲۲ء میں نوجوانوں نے انتظامات پہلے سے ہی شروع کر دئے۔ نام "شام غریباں" طے ہوا۔ عمدۃ الذاکرین مولانا کلب حسین صاحب نے مجلس پڑھی جو بہت کامیاب رہی۔ اِس طرح مجلس شام غریباں کی ابتداء ہوئی جو دنیا بھر کے ممالک میں منعقد کی جاتی ہے۔

شب بیداری: یوم عاشور سے قبل کی رات جب کربلا میں حضرت امام حسینؑ نے انصاران و رفقاء سے بیعت اٹھالی تھی اور خیمے کی روشنی گل کر دی تھی تاکہ جسے جانا ہو چلا جائے اور شرمندہ نہ ہو۔ لیکن امام مظلوم کے ساتھیوں نے اپنی وفاداری کا اعلان کیا اور پروانہ وار حضرت حسینؑ کا طواف کیا۔ امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں نے یہ پوری رات جاگ کر عبادت میں گزاری تھی۔

شدہ: ساتویں تاریخ کو جو علم نکالے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں اُسے شدہ نکالنا کہتے ہیں۔

شہ نشین: امام باڑے کا وہ بلند حصہ (پلیٹ فارم) جس پر شعائر مقدس ضریح و علم وغیرہ رکھے جاتے ہیں یہ جگہ امام باڑے کے دالان یا بڑے کمرے میں تقریباً ایک یا ڈیڑھ میٹر اونچی ہوتی ہے۔ اِس کے اوپر کونے میں منبر رکھا جاتا ہے جس پر بیٹھ کر ذاکرین خطاب فرماتے ہیں یا مرثیہ خواں مرثیہ پڑھتے ہیں۔

(ص)

صحنک: بی بی سیدہ کی صحنک یعنی حضرت فاطمہ زہرا صلوات اللہ علیہا کی نذر خشکہ یا شکرانہ جو کورے کورے مٹی کے کونڈوں میں رکھا جاتا ہے (بعض جگہ سالن اور چپاتیاں بھی پکوائی جاتی ہیں) یہ کھانا عورتیں نہا کر گیلے بالوں کے ساتھ پکاتی ہیں۔ اِس کے پکانے کا طریقہ یہ ہے کہ کھولتے پانی میں لونگ الائچی ڈال کر اِس میں چاول ابال لیتے ہیں پھر ان چاولوں کو بگھار دیتے ہیں اور مٹی کے کونڈے میں اِس طرح رکھتے ہیں کہ چاول کی ایک تہہ بن جائے پھر اس پر شکر اور دہی ڈالتے ہیں۔ اسی طرح دوسری تہہ جما کر اُس پر بھی، دہی اور شکر ڈالتے ہیں۔ کئی تہیں جمائی جاتی ہیں۔ زردے کی بھی صحنک ہوتی ہے۔

بی بی فاطمہ کی عظمت و طہارت اِس بات کی متقاضی ہے کہ اُن کے نام کی صحنک بنانے اور کھانے والی عورتیں با عصمت و عفت ہوں۔ دستر خوان کو سات ترکاریوں سے سجایا جاتا ہے، عطر اور پھولوں سے مہکایا جاتا ہے پھر نذر دی جاتی ہے جسے سات عورتیں (سہاگنیں) نوش کرتی ہیں۔ اِس پر مردوں کا سایہ بھی نہیں پڑنے دیتے، نہ مرد اسے چکھ سکتے ہیں۔ کچھ گھروں میں تو نابالغ لڑکوں یا بچوں تک کو یہ صحنک کھانے کے لئے نہیں دی جاتی (صحنک کے لئے لکھنؤ کے شاہی دور میں نصیر الدین حیدر بادشاہ نے بارہ اچھوتیاں رکھی تھیں جنھوں نے غیر مرد کو دیکھا بھی نہ ہو) صحنک کھانے کے بعد کونڈے میں جو کھرچن بچ جاتی ہے اُس میں دہی ملا کر صحنک بنانے والیاں لڈو بناتی ہیں جسے بیبیاں پھر کھاتی ہیں اِسے صحنک دُہرانا کہتے ہیں۔

(ض)

ضریح: کوٹھی کے انداز کا مربع تعزیہ جو روضہ امام حسینؑ کی شبیہ ہوتی ہے جس میں دو قبریں (حضرت حسنؑ اور حضرت حسینؑ) بنی ہوتی ہیں۔ ضریح قبر پر لگنے والی مسہری کو بھی کہتے ہیں۔ لکھنؤ میں کچھ لوگ بڑے تعزیے کو ضریح کہتے ہیں۔ دراصل دونوں (تعزیے اور ضریح) میں فرق یہ ہے کہ ضریح روضہ کی آدھی شکل ہوتی ہے۔ عموماً گنبد اور مینارے نہیں ہوتے جبکہ تعزیے میں روضہ کی مکمل نقل ہوتی ہے۔ ضریح کو بھی امام باڑے میں تعزیے کی طرح رکھا جاتا ہے۔

ضریح اُٹھانا: ضریح اُٹھانے کا مطلب ہے گھر، عزاخانے یا امام باڑے سے ضریح کو اٹھا کر جلوس کی شکل میں کربلا تک لے جانا۔

ضریح بڑھانا: ضریح بڑھانا یا دفن کرنا۔ اس میں ضریح سراتے یا دفن کرتے وقت قیمتی سامان، مستقل ڈھانچا، سونے چاندی کی ضریح نہیں ڈباتے یا بہاتے بلکہ اُس پر چڑھائے گئے پھول/سہرے/گتے یا دفتی ابری/ بانس وغیرہ کا سامان سرا دیا جاتا ہے۔ بقیہ ضریح امام باڑے میں واپس لاکر رکھ دی جاتی ہے۔

ضریح موم: منشی لطف علی خاں نے موم کی ایسی ضریح بنائی تھی جو گرمی سے پگھلتی نہیں۔ آرائش، پھولوں کی لڑیاں سب موم کی ہوتی تھیں۔ حسین آباد (چھوٹے امام باڑہ لکھنؤ) کی مومی ضریح مشہور ہے۔

(ط)

طاق بھرنا: کونڈے کی نذر کی رسم گھروں میں ہوتی ہے لیکن طاق بھرنے کی رسم مسجد، امام باڑوں، کربلاؤں میں ہوتی ہے۔ طاقوں میں نیاز کی پیالیاں اور طشتریاں بھر کر نذر دلائی جاتی ہے۔

طغرے: آرائش کے لئے امام باڑوں/ عزاخانوں یا گھروں میں نقش یا کھدائی کا کام جن میں کربلا کی مختلف جہات کو قرآنی آیات کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔ اس میں مختلف خطوں، تصاویر میں آیات واحادیث پیغمبر وائمہ لکھی جاتی ہیں۔ یہ طغرے فن خطاطی، مصوری و معرفت کے اعلیٰ نمونے ہوتے ہیں۔

طواف: کسی مقدس چیز، بزرگ یا مقدس جگہ کے گرد گھومنا۔

طوق: جنگِ کربلا کے بعد امامِ چہارم عابد بیمار (حضرت زین العابدینؑ کے گلوئے مبارک میں عالم اسیری کے دوران لوہے کا خاردار حلقہ ڈالا گیا تھا تاکہ انہیں اذیت پہنچے۔ اِسی کی یاد میں شیعہ حضرات خود یا اپنے بچوں کو منت کے طور پر طوق پہناتے ہیں۔

(ع)

عاشور خانہ: حیدرآباد دکن میں عزاخانے کو عاشور خانہ کہتے ہیں۔ یہاں علم اور تبرکات رکھے جاتے ہیں۔

عرضی چڑھانا: آٹھ محرم کو علم حضرت عباس اور ذوالجناح کے علم پر بلا تفریق مذہب وملت منت کے لئے عرضی لکھ کر چڑھانا۔

عزاخانہ: یہ جگہ عبادت خانے کا درجہ رکھتی ہے۔ گھروں، درگاہوں، امام باڑوں میں یہ جگہ پاک صاف رکھی جاتی ہے۔ محرم سے پہلے یہاں کی صفائی سُتھرائی کردی جاتی ہے اور چاند رات کو اِسے سجادیا جاتا ہے۔ اِس کے سامان میں علم نصب کرنے کی کھونٹیاں، علم، نشان، پنجے، پٹکے، چادریں، چوکی، چھوٹی چوکیاں، تپائیاں، لوبان دان، اگردان، قرآن

شریف، رحل، مرقعے، طغرے وغیرہ ہوتے ہیں۔ چوکی پر تعزیے رکھے جاتے ہیں۔ فرش کی چادریں سفید یا سیاہ ہوتی ہیں۔ کہیں کہیں چھت گیریاں بھی ہوتی ہیں۔ یہاں علم اور ضریح، تعزیے مختلف سائز کے ہوتے ہیں۔ بعض عزاخانوں میں ایک علم جس کا پٹکا کھلا ہوتا ہے تعزیے یا ضریح پر سایہ فگن ہوتا ہے۔ یہ حضرت عباسؑ کا علم ہوتا ہے جس میں چھوٹی مشک بندھی ہوتی ہے۔ عزاخانہ کا ساز و سامان، سجاوٹ، گھرانوں کے معاشی معیار کے مطابق ہوتی ہے۔ عزاخانے کے سامنے بڑا کمرہ ہوتا ہے جس میں فرش پر دری یا جاجم بچھی ہوتی ہے۔ دیواروں پر مرقعے، طغرے، مقدس مقامات کی تصاویر روضوں کے عکس لگا دئے جاتے ہیں۔ عزاخانے کے سامنے سیاہ پردہ ہوتا ہے جب مجلس ہوتی ہے یہ پردہ ہٹا دیا جاتا ہے۔ بیٹھے ہوئے لوگ تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مجلس ختم ہوتے ہی پردہ کھینچ دیا جاتا ہے تاکہ کوئی بے ادبی سرزد نہ ہو۔ اِس کی طرف پشت کرکے نہیں بیٹھ سکتے۔ اس کے آگے دوڑ بھاگ کرنا بھی منع ہے۔

عماریاں/ کجاوے: جلوس ہائے محرم میں اونٹوں پر سیاہ عماریاں نکالی جاتی ہیں جو امام مظلوم کے قافلے کی کربلا میں آمد اسیرانِ کربلا اہلِ بیت کے قافلے کی شام کو روانگی اور شام سے مدینہ واپسی کی منظر کشی کرتی ہیں۔

علوہ: حیدرآباد میں امام باڑے یا عزاخانے کے لئے علوہ لفظ بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

علم: لغوی معنی رایت، لواء (بعض اوقات لواء رایت سے چھوٹا بنایا جاتا تھا یا لواء کا نام رایت اُس وقت رکھا جاتا تھا جب اُسے کسی جنگ کے لئے باہر نکالا جاتا تھا) جھنڈا، نشان اس کے علاوہ آج کل بند، بیرق، پرچم وغیرہ الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں۔ جیسے تعزیہ حضرت امام حسینؑ کے نام منسوب ہے، علم حضرت عباسؑ کے نام سے منسوب ہے۔ علم کی تعداد اور قد و قامت کا کوئی تعین نہیں یہ ۳، ۴ فٹ کے بھی ہو سکتے ہیں اور ۵۰، ۶۰ فٹ اونچے بھی۔ اُن کے اوپر لپیٹا ہوا پٹکا بیش قیمت بھی ہو سکتا ہے اور سادہ بھی۔ علم نشان یا پنجے سونے چاندی تانبے، پیتل وغیرہ دھاتوں کے بھی ہوتے ہیں اور صناعی کے خوبصورت نمونہ ہوتے ہیں۔ علم پر پھریرا بھی لپیٹا جاتا ہے جو خوبصورت دھجیوں سے باندھا جاتا ہے۔ حضرت عباسؑ کا علم دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک جس میں سوکھی مشک لٹکائی جاتی ہے جس میں تیر پیوست ہوتے ہیں۔ یہ ساحلِ فرات کی منظر کشی ہوتی ہے۔ دوسرا علم تلواروں کا ہوتا ہے جس میں کمنٹھے (کمان) میں دو تلواریں ٹانگ دی جاتی ہیں اور پیچھے دو تیر ضرب (کراس) کے نشان میں لگا دیے جاتے ہیں۔

بنی آدم کی پہلی لڑائی میں حضرت شیثؑ سیاہ لباس پہنے تھے اور ملائکہ سفید علم اٹھائے ہوئے تھے۔ ایک حدیث کے مطابق حضرت ابراہیم نے سب سے پہلے علم کی بنیاد ڈالی۔ ایامِ جاہلیت میں عرب قبائل بھی اپنا جھنڈا رکھتے تھے۔ بوقتِ جنگ جس کے نیچے قبیلہ کے لوگ جمع ہوتے تھے۔ قریش میں اُس عہد میں علمبرداری کا عہدہ ہوتا تھا جسے

لوگ "منصب اللوا" کہتے تھے۔ اِن دنوں اِن کے علم کا نام "عقاب" تھا۔ جب یہ لوگ جنگ کے لئے نکلتے تھے تو پہلے علم نکالتے تھے پھر جس کا انتخاب ہوتا تھا اُس کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ غزوہ بدر کبریٰ میں مسلمانوں کے پاس تین جھنڈے تھے۔ ایک سفید جو رسول اکرمؐ نے مصعب ابن عمیر کو دیا تھا۔ دوسرا سیاہ رنگ کا جو حضرت عائشہ کی سیاہ پشمینہ کی چادر سے بنایا گیا تھا وہ حضرت علی کو عطا ہوا اِس کا نام عقاب تھا۔ تیسرا بھی سیاہ رنگ کا تھا جو ایک انصاری کو دیا گیا۔ مسلمانوں کی فتح کے بعد مختلف شکلوں اور رنگوں کے علم بنا دیے گئے۔ آنحضرت کا جھنڈا سیاہ رنگ کا تھا۔ (لیکن آثارالاول کے مصنف کے مطابق سفید رنگ کا تھا) بنی امیہ کا جھنڈا سرخ رنگ کا تھا اور عباسیوں کا سیاہ (بحوالہ تاریخ تمدن اسلام حصہ اول ص ۲۰۳-۲۰۵)

زمانہ قدیم میں علم کا منصب بڑی اہمیت رکھتا تھا اور علمدار کو احترام و عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ ملائکہ آسمان سے علم لائے جسے حضرت ابراہیم نے سنبھالا قریش میں علمداری آئی تو قصی بن کلاب علمدار ہوئے یہ سلسلہ عبدالمطلب تک پہنچا۔ زمانہ رسالت میں علمداری بنی ہاشم کے لئے مخصوص تھی۔ رسول خداؐ نے مصعب ابن عمیر سے لیکر حضرت علی کو علم عطا کیا۔ جب حضرت علیؑ کا ہاتھ مجروح ہوا اور علم گرا تو مسلمان جمع ہوئے کہ علم اٹھا لیں لیکن رسول اللہؐ نے کہا علیؑ کے بائیں ہاتھ میں علم دے دو وہی صاحبِ لواء ہیں۔ ابن خلدون رقم کرتا ہے کہ ہجرت کے بعد ۲ھ میں غزوہ ابوا میں حمزہ بن عبدالمطلب علمدار تھے۔ حمزہ کا علم پہلا علم ہے جو اسلام میں تیار کیا گیا۔ جنگ خیبر میں مسلمانوں کے قدم اکھڑنے لگے اور وہ ناکام ہوئے تو آنحضرت نے علم حضرت علی کو دیا اور اُنہیں کرار اور غیر فرار کہا حالانکہ حضرت علی علم ملنے سے پہلے آشوب چشم میں مبتلا تھے لیکن آپ فاتح خیبر بنے۔ حضرت جعفر طیار بھی اسلامی فوج کے علمدار رہے جنگ موتہ میں ایک ظالم نے آپ کے ہاتھ پر وار کیا تو دوسرے ہاتھ میں علم سنبھالا۔ اُس پر بھی حملہ ہوا تو سینے سے لگایا تاکہ علم گرنے نہ پائے۔ یہی واقعہ کربلا میں حضرت عباس کے ساتھ پیش آیا تو انہوں نے علم کی ایسی حفاظت کی کہ علمدار حسینی کا لقب ملا (منقول از ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، رفیعہ شبنم عابدی)۔ شیعہ علم کا جلوس حضرت عباس کی یاد میں نکالتے ہیں کہ علم حضرت عباس ہمیشہ بلند رہے گا۔

اللہ علم: ۲۹ ذی الحجہ کو کلیانی اور حیدرآباد میں شیرینی پر فاتحہ کے بعد نکالا جاتا ہے۔ اِس علم کو نصب کرنے میں تین دن لگتے ہیں۔ یہ علم چاندی کا ہے اور سفید پس منظر میں رکھا جاتا ہے۔ یہ آنحضرتؐ کی خود مبارک (جو جنگ کربلا میں حسینؑ کے فرق مبارک پر تھا اُس کی بنی کا ٹکڑا ہے جو میدان کارزار میں گر گیا تھا اسے کسی زائر نے اٹھا لیا جو دست بدست ہوتا ہوا بادشاہ بیجاپور عادل شاہ کے پاس پہنچا۔ بادشاہ نے اسے نقرئی تعویز میں بند کروا کے اوپر صندل چڑھوا کر

لفظ اللہ کی صورت کا علم بنوا لیا تھا یہ بیجاپور سے حیدرآباد لایا گیا (رفیعہ شبنم عابدی ہندوستان میں شیعیت و عزاداری ص ۲۵۷/واقعات مملکت بیجاپور جلد سوم ص ۵۴۵)

بی بی کا علم: دوسری محرم کو چار بجے صبح نصب کیا جاتا ہے۔ یہ علم بیگم حیات بخش نے تیار کروایا تھا۔ اس کی بنیاد اس تختہ پر ہے جس پر حضرت علیؑ نے حضرت فاطمہؑ کے جسد مطہر کو غسل میت دیا تھا۔ نظام ناصر الدولہ نے خشک سالی دور ہونے پر جواہرات کی نذر چڑھائی تھی وہ اِس پر آویزاں ہیں۔ یہ حیدرآباد کی سلامتی کا علم ہے۔

علم حضرت عباسؑ: حیدرآباد میں یہ علم حضرت نور الہدیٰ اور اُن کے بھائی عراق سے لائے تھے جسے مرکزی کے قدیم میں آویزاں کر دیا گیا ہے۔ اِس پر صندل کا لیپ لگایا جاتا ہے۔ یہ علم یوم عاشور کی صبح دیوان ڈیوڑھی حیدرآباد سے اٹھایا جاتا ہے۔

علم سر طوق مبارک: آغا حسن خراسانی شام سے (سند لے کر) اُس طوق کا ٹکڑا لائے تھے جسے امام زین العابدین کے گلے میں ڈال کر انہیں کربلا سے شام تک اسیری کی حالت میں لایا گیا تھا۔ قطب شاہ نے اِس طوق کے ٹکڑے کر کے علم میں نصب کرا دیے اور علم کو مرکزی شفاخانے (دارالشفاء) کی عمارت کے ایک حصے میں واقع عزاخانہ میں نصب کرا دیا گیا۔ اِس علم کا بھی جلوس نکلتا ہے۔

علم نعل مبارک: یہ علم پہلے ابراہیم قطب شاہ کے عہد میں گولکنڈہ لا کر وہاں کے عاشور خانے میں رکھا گیا۔ یہ دو علم ہیں جو چھوٹی نعل مبارک اور بڑی نعل مبارک کے نام سے مشہور ہیں۔

اِن کے علاوہ ساماکا علم، منبر کا علم، چھوٹی بی بی کا علم، منجھلی بی بی کا علم، جلال بخاری کا علم، کربلا شاہ کا علم، بازو کا علم، علم حضرت سجاد زین العابدینؑ، علم لعل حیدر، بڑے امام کا علم، حضرت عباس کا مشکیزے والا علم، حسینی جھنڈا (سبز رنگ) شاہ جھنڈا (سفید رنگ) جلوس میں نکالے جاتے ہیں اور عاشور خانے میں رکھے جاتے ہیں۔ عاشور خانے میں حضرت عباس کے علم کا پس منظر سبز ہوتا ہے جبکہ اور علم زیادہ تر سفید پس منظر میں رکھے جاتے ہیں۔

علم سجانا: علم کی چھڑ پر پھریرا چڑھانا، پٹکا لپیٹنا، مشک یا تلوار باندھنا۔

علم اٹھانا: علمدار لشکر حسینی حضرت عباس کے نام سے منسوب علم کو نوحہ پڑھتے اور ماتم کرتے ہوئے جلوس کی شکل میں لے جانا۔

علم سوار کرانا: شہ نشین پر منبر کے پاس علم لگانا (یہ اصطلاح قصبہ جلالی علی گڑھ میں مروج ہے)۔

علم کا سایہ ڈالنا: مخصوص بزرگوں کی قبور پر علم کا سایہ ڈالا جاتا ہے۔

علم نصب کرنا: علم نصب کرنا سوگ کی علامت ہے ۱۱ھ (۶۳۳ء) میں رسول اللہؐ نے اُسامہ بن زید کو جنگ روم کے لئے رخصت کیا حامل علم بریدہ بن خطیب تھے۔ یہ ابھی زیادہ دور نہیں پہنچے تھے کہ اُم یمن (رض) کا قاصد آ پہنچا اور انہیں

آنحضرت کی طبیعت بہت نازک ہونے کی خبر دی۔ یہ لوگ فوراً خانۂ نبوی پر حاضر ہوئے تب تک آنحضرت کا انتقال ہو چکا تھا۔ غمزدہ بریدہ (رض) نے وہ علم آنحضرت کے بند دروازے کے سامنے نصب کر دیا (شرح نہج البلاغہ از ابن ابی الحدید ج ۷ ص ۵۲ طبع مصر قدیم) تب سے علم نصب کرنا سوگ کی علامت مانا جاتا ہے۔

علم کا نذرانہ: نذریں جو علم پر چڑھائی جائیں۔

علم مَس کرنا: علم کو چھونا مبارک مانا جاتا ہے۔ کلیانی میں نواب جب علم کو چھولیتا تھا تبھی اُسے نصب کیا جاتا تھا۔

علم ٹھنڈا کرنا: علم کو سمندر، دریا، تالاب کے پانی میں ڈبونا یا کنویں کے پانی سے بھگونا یا گلاب جل اور دودھ سے دھو کر سکھا کر بند کر کے رکھنا۔

علمدار: جس کے ہاتھ میں علم ہو۔ لیکن عزاداری میں یہ اصطلاح حضرت عباسؑ کے لئے مختص ہے کیونکہ وہ کربلا میں لشکر کے علمدار تھے۔

علی غول: کلیانی ریاست میں عوام کی نجی فوج یا لوگوں کا گروپ جو شہر میں جگہ جگہ گھوم کر عوام کو ماہ محرم کے آغاز کے متعلق مطلع کرتا تھا۔

عمومی لنگر: ایسا لنگر (عام کھانا) جس میں سب لوگ بلا تفریق مذہب وملت شریک ہوتے ہیں۔

(ف، ق)

فاقہ شکنی: روز عاشور کو قبل غروب آفتاب دن بھر کے فاقے کے بعد جب عزادار کھانا کھاتا ہے تو اُسے فاقہ شکنی کہتے ہیں۔

فقیری کی نذر: حسینی فقیروں کو جو نذر دی جائے۔

قبولی: چنے کی دال ملا کر جو کھچڑی (کھچڑا) بنتی ہے اُسے قبولی کہتے ہیں۔

قدرتی علم: قصبہ بلگرام ضلع ہردوئی میں ایک صاحب حیدرآباد سے دھات کا بنا علم لائے تھے۔ اُن کے یہاں چوری ہو گئی۔ بہت تلاش کے باوجود سامان نہیں ملا۔ ایک دن خواب میں بشارت ہوئی کہ اُس کُنویں میں علم کی پٹی پڑی ہے۔ وہاں سے اِسے برآمد کر کے کوٹھی میں رکھا گیا کیونکہ قدرت نے اِس علم کے متعلق خواب میں بتایا تھا اِس لئے اِس علم کو قدرتی علم کہتے ہیں اور ہر سال ۷ محرم کو اِس علم کا جلوس قدرتی علم کے نام سے نکالا جاتا ہے۔

قمع کا ماتم: ماتم کے اِس طریقے میں ماتم دار چھری، بلیڈ یا چاقو سے اپنے سر میں زخم لگاتا ہے اور خون سے تر بتر ہو جاتا ہے۔

(ک)

کتاب شروع ہونا: امروہہ میں دوران عشرہ محرم زنانی مجلس کا سلسلہ شروع ہونے کے لئے یہ اصطلاح مستعمل ہے۔

کربلائے معلّٰی: کربلا وہ ارض مقدس ہے جہاں امامِ مظلوم اور دیگر شہداء کے روضہ جات ہیں۔ اسے سرزمین کربلا، ارض نینوا، حاضریہ، حاریہ، اولیس عمورا، شط فرات، شافی امرات طف، طف الفرات، حائر، مشہد الحسین، کرب و بلا، غو بابل کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ اِس جگہ کی کھدائی میں ملے (۱۸۶۲ء) سنگی کتبوں کے پڑھنے سے پتہ چلا ہے دجلہ اور فرات کے مابین جو دوآبہ ہے پہلی انسانی آبادی یہیں شہود میں آئی۔ سومیرین، کلدانیوں، اسیرین، میڈیسن اور بابل کی حکومتوں کا آغاز اسی مرکز سے ہوا۔ ایرانی اور روسی حکومتوں نے یہاں اپنا جلوہ دکھایا۔ یہ بعثت انبیاء اور اُن کے مصائب کا مرکز رہی ہیں۔ امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ خداوند عالم نے کعبہ کو خلق کرنے سے ۲۴ ہزار برس پہلے اِس سرزمین کو خلق کیا اور پاکیزہ و بابرکت قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے طوفان نوح سے نوح پر ایمان لانے والے مومنین کو یہیں نجات عنایت کی تھی۔ اموی عہد حکومت میں زیارت کربلا پر سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ سات آٹھ مرتبہ روضہ جات شہدائے کربلا کا نام ونشان مٹایا گیا لیکن پھر اس کی تعمیر کی گئی (منقول از ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری: رفیعہ شبنم عابدی)۔

کربلائیں: زیارتوں کے لئے شیعوں نے جہاں جہاں اُن کی آبادیاں تھیں کربلائے معلّٰی کے ہوبہو نمونے پر کربلائیں بنوائیں اس میں روضۂ حسینؑ اور دیگر شہدائے کربلا کے روضہ جات کی نقلیں ہوتی ہیں۔ یہاں نوچندی جمعرات، ایام عزاداری میں مجالس عزا، مرثیہ خوانی، نوحہ خوانی، ماتم، اعمال عاشورہ اور تدفین تعزیہ ہوتی ہے۔

کرسی: سیتھل (ضلع بریلی اترپردیش) میں چہلم کے تعزیوں کو کرسی کہا جاتا ہے۔

کڑخہ/کڑکا: اودھ علاقے کی دیہی زبان میں وہ دوہے، زاری یا بول پڑھے جاتے ہیں جن میں لڑائی کے میدان میں دشمن کو جو اپنا تعارف دیا جاتا ہے، اپنے خاندان کی فضیلت بتائی جاتی ہے یہ رجز پڑھنا یا کڑخہ کہلاتا ہے۔ اِس کی زبان سنسکرت ملی ہندی ہوتی ہے اور یہ پینترے بدل بدل کر پڑھا جاتا ہے۔ اس میں خاندان کے لوگوں کے کارنامے، بہادری، ہمت اور کامرانیوں کا بیان ہوتا ہے۔

کورا کاغذ باندھنا: تعزیے سے کورا کاغذ لچھے سے باندھا جاتا ہے پھر اس کو کھول کر اِس پر اثر دیکھا جاتا ہے۔

کونڈے کی نذر: بزرگانِ دین اور معصومین کی نذر و نیاز کی شیرینی یا نمکین اشیاء کونڈے میں رکھ کر نذر دی جاتی ہے۔ اِس کا استعمال صیغۂ جمع (کونڈے) میں ہوتا ہے۔ (سنی حضرات بھی اس رسم کو مناتے ہیں)۔ ماہ رجب میں کسی بھی دن امام جعفر صادقؑ کے نام پر نذر دی جاتی ہے جس میں عام طور پر کھیر پوری ہوتی ہے لیکن کبھی کبھی پھلوں اور

مٹھائیوں پر نذر دی جاتی ہے۔ یعنی میٹھی چیزوں پر نذر دی جاتی ہے۔ یہ منت کونڈے پر بیٹھ کر مانی جاتی ہے کہ اگر منت پوری ہوئی تو اگلے سال کونڈے بھریں گے۔ جعفر صادقؑ کے کونڈے بھرے جاتے ہیں۔ امام مہدی قائم کے کونڈے کی نذر ۱۵ شعبان کی صبح دی جاتی ہے۔ حضرت عباس کی نذر بھی دی جاسکتی ہے۔

کھچڑا: وہ نمکین کھانا جس میں گیہوں، سب دالیں، قیمہ اور گوشت ڈال کر تیار کیا جاتا ہے۔ بیشتر یہ ایام عزا میں عزاداروں، فقراء، محتاجوں اور مساکین میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

(گ)

گروی رکھنا: ملاحظہ کیجئے بچوں کو گروی رکھنا۔

گریہ زاری: یاد یا ماتم حسین میں اشک فشانی جب بآواز بلند ہو تو گریہ زاری کہلاتی ہے۔ روایت ہے کہ گریہ زاری سے جنت کے دروازے کھلتے ہیں۔

گلفروش: عقیدتمند گل فروش بن کر پھول بیچتے ہیں جنہیں لوگ خرید کر گہوارۂ حضرت علی اصغر پر چڑھاتے ہیں۔ اِس طرح جو رقم اکٹھی ہوتی ہے اُسے امام باڑے کو دے دیتے ہیں یا چہلم میں تبرک تقسیم کرنے پر خرچ کرتے ہیں۔

گونڈام: ایام عزاداری میں ماتمدار جس آگ پر ماتم کرتے ہیں اُسے آندھرا پردیش کے دیہی علاقے میں گونڈام کہا جاتا ہے۔

گہوارے کا جلوس: حضرت امام حسینؑ کے ششماہے بے شیر صاحبزادے حضرت علی اصغر، جن کی شہادت میدان کربلا میں حرملہ کے تیر سے ہوئی تھی، کے گہوارے کی شبیہ ہوتی ہے جس میں دونوں طرف لکڑی کے یا بانس کے ہتھے لگا دئے جاتے ہیں تاکہ اُسے جلوس میں نکالا جاسکے۔ پالنے میں کمسن بچے کا کرتا (جس پر خون کے مشابہ لال رنگ کے چھینٹے ہوتے ہیں جو شہادت کی یاد دلاتا ہے) چاندی کی ہنسلی، چاندی کا جھنجھنا رکھا ہوتا ہے۔ خواتین اِن تبرکات کو چومتی ہیں اور منت مانتی ہیں۔

(ل)

لنگر چڑھانا: ریاست حیدرآباد دکن کا ولیعہد شہزادہ عبداللہ قطب شاہ تیرہویں ذی الحجہ کو من مورت نامی ہاتھی پر سوار ہو کر گشت کے لئے نکلا۔ مہاوت کے بار بار انکس مارنے کے وجہ سے ہاتھی بگڑ اٹھا اور شہزادے کو لے کر جنگل کی طرف بھاگ گیا۔ شہزادے کی والدہ بیگم حیات بخش نے جنگل میں جگہ جگہ توشہ دان اور پانی کی چھاگلیں لٹکوا دیں تاکہ شہزادہ بھوکا پیاسا نہ رہے۔ بیگم نے ساتھ ہی منت بھی مانی کہ اگر بیٹا بخیریت جنگل سے واپس آجائے تو ہاتھی کے

لنگر (زنجیر) کے ہموزن سونے کا لنگر علم پہ چڑھاؤں گی۔ ہاتھی کا غصہ ختم ہوا تو سولہویں محرم کو ایک ماہ تین دن بعد محل واپس لوٹ آیا۔ منت پوری ہونے پر بیگم حیات بخش نے ۱۲ سیر سونے کا لنگر بنوایا اور شنبہ اول کو علم کے جلوس کے ساتھ پیدل گولکنڈے سے عاشور خانہ حیدرآباد تک کو اسی لنگر سے باندھ کر لائیں تھیں۔ تب سے ہی آصفجاہی سلاطین اِس رسم کو مناتے ہیں۔ محرم میں لنگر کا جلوس نکلتا ہے۔

لنگر لٹانا: ریاستی دور میں لنگر کے ہموزن سونے کو مساکین و فقراء میں تقسیم کر دیا جاتا تھا۔

لنگر کھلانا: بلا تفریق جب سبکو کھانا کھلایا جائے تو اُسے لنگر کھلانا کہتے ہیں۔

لنگر لٹنا: جب لوگ لنگر میں کھانے کا سامان اپنے آپ اُٹھالیں تو اُسے لنگر لٹنا کہتے ہیں۔ اسے بھی فال نیک سمجھا جاتا ہے۔

(م)

ماتم: یادِ حسین میں سوگ کرنا، اندوہ گیں رہنا، اشک فشانی گریہ زاری کرنا شیعوں کا فریضہ ہے۔ روایات ہیں کہ قتلِ حسینؑ پر آسمان پر خونین شفق ظاہر ہوئی۔ سورج نکلنے پر دیواروں کا رنگ خونین ہو گیا و (منشور سیوطی اور تاریخ کامل) آسمان سے تازہ خون کی بارش ہوئی، صبح کنویں اور پانی کے کوزے خون سے بھرے ہوئے تھے (صواعقہ محرقہ: علامہ ابن حجر مکی) شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سر الشہادتین میں لکھتے ہیں، بیت المقدس میں جو پتھر اٹھایا اُس کے نیچے تازہ خون تھا۔ یزید اور بنو اُمیہ نے غم گساری روکنے سے بنی ہاشم کو روکنا چاہا لیکن حضرت زینب اور حضرت اُم کلثوم نے نظم و نثر میں سوگ کیا۔

آگ کا ماتم: دہکتے انگاروں پر یا حسین یا حسین کہتے گزرنا یا جلتے الاوے کے گرد گھوم گھوم کر یا حسین کہہ کر ماتم کرنا۔

سینہ زنی: ماتم حسین میں سینے پر ہاتھ مارنا۔ اِس کے مختلف طریقے ہیں۔ ایک ہاتھ کا ماتم سادہ یا بوشہری کہلاتا ہے جو گھوم گھوم کر کیا جاتا ہے۔ دو ہاتھ کا ماتم (دونوں ہاتھ باری باری سینے پر مارنا یا ایک مرتبہ دونوں ہاتھ سینے کی دائیں جانب اور پھر بائیں جانب مارنا) تین ہاتھ کے ماتم میں ایک ہاتھ سینے پر تین دفعہ مارا جاتا ہے پھر یہی عمل دہرایا جاتا ہے۔ یہ نوحے کی ذھن کے ساتھ ہوتا ہے۔

سر کا ماتم: ماتم حسین میں سر پر ہاتھ مارنا۔

زنجیری ماتم: ماتم شہدائے کربلا میں زنجیر اپنے سینے یا پشت پر مارنا۔ ایران میں زنجیر میں چھریاں لگا کر ماتم کرنا منع ہے کیونکہ اِس سے غیر مسلموں میں اسلام کے متعلق غلط پیغام جاتا ہے کہ یہ خون بہانا پسند کرتے ہیں۔ ایران میں زنجیری ماتم کے وقت قمیص اتارنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔

چھریوں کا ماتم: زنجیر میں چھوٹی چھوٹی چھریاں بندھی ہوتی ہیں جنہیں آواز کے ساتھ سینے یا پشت پر مارا جاتا ہے۔ ماتم دار لہولُہان ہوتا ہے۔

قمع کا ماتم: قمع کا مطلب چھوٹی چھُری ہوتا ہے اس میں بلیڈ چاقو یا چھری سے سر میں زخم کرتے ہیں خون بہتا ہے۔

ماتمی باجا: یہ باجا محرم کے جلوس میں ماتمی دھن بجاتا ہے اِسے پیشے ور باجن دار بجاتے ہیں۔ ماتمدار اس کی لے پر ماتم کرتے ہیں۔ یہ جلوس کی آمد کے اعلان کے لئے جلوس کے آگے چلتا ہے (امروہہ میں ماتم دار "حسینی باجے" کی لے پر ماتم کرتے ہیں جسے خود سادات نوجوان اور جوان ہی بجاتے ہیں۔)

مٹی لانا: قصبہ بلگرام ضلع ہردوئی میں ایک مخصوص کھیت سے مٹی لاکر دائرہ کی شکل میں امام باڑے میں پھیلائی جاتی ہے جس کے بیچ میں ڈنکا (نقارہ) رکھا جاتا ہے۔

مثل: جلوسِ تعزیہ میں کون سا تعزیہ کس نمبر پر چلے گا جھانسی میں اُسے مثل کہا جاتا ہے۔ آگے رہنے والا تعزیہ مثل نمبر ایک کہا جاتا ہے۔

مجلس عزا: مجلس کے لغوی معنی ایک جگہ بیٹھے ہوئے آدمی، محفل، جلسہ یا بیٹھنے کی جگہ۔ شیعی حضرات میں یہ لفظ اجتماع غم حسین کے معنی میں مستعمل ہے۔ اِس میں مرثیہ، سلام، سوز، نوحے پڑھے جاتے ہیں۔ فضائل و مصائب اہل بیت بیان کئے جاتے ہیں۔ آخر میں گریہ ہوتا ہے۔ تیسری صدی ہجری کے آخر میں علماء کے درس کو مجلس کہا جاتا تھا لیکن شیعہ علماء نے اِن مجالس میں قرآن و حدیث کے بعد ایام عزا کا تذکرہ کرنا بھی شروع کیا اِس لئے مجلس انہیں معنوں میں مستعمل ہو گیا۔ کچھ محققین نے مجالس کا سلسلہ تخلیق آدم سے قبل سے قائم کیا ہے جب خدا نے فرمایا اُس وقت کو یاد کرو جب تمہارے رب نے ملائکہ سے کہا کہ میں زمین پر اپنا خلیفہ قرار دینے والا ہوں۔ ملائکہ نے اُس وقت واقعہ کربلا کو دیکھا اور غمگین ہو کر کہا کہ تو زمین پر ایسے کو خلیفہ بنائے گا جو فساد اور خوں ریزی کردے۔ خدائے پاک نے فرمایا "جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے"۔ تخلیق آدم کے بعد مقام عرفات میں جو مجلس ہوئی تو آدم نے ساق عرش کی طرف نظر کی اور اسمائے خمسہ نجباء کو دیکھا اور جناب جبرئیل نے تلقین کی۔ جب امام حسینؑ کا ذکر آیا تب حضرت آدم روئے حضرت جبریل نے واقعہ شہادت سنایا تو حضرت آدم اور جتنے ملائکہ وہاں موجود تھے سب روئے۔

توریت کے مختلف حصوں میں مجلس عزا کا تذکرہ ہے (کتاب گنتی باب ۲۹ آیت ۲۹) اے بنی اسرائیل! تم سب ساتویں مہینے کے عاشورہ کو ایک مقدس مجلس برپا کرو اور اپنی روحوں کو غم زدہ بناؤ۔ جو روح اس دن غمزدہ نہ ہوگی اپنی جماعت سے کٹ جائے گی (آیت ۳۰) جو انسان سوائے غم کے اور کام کرے گا اُس کو قوم سے فنا کردونگا (یہودیوں میں ساتویں مہینے کا نام تشرین ہے (یکم محرم ۶۲ھ کو یکم تشرین ۲۸۰ تھا)۔ انبیا علیہم السلام نے اپنی زندگی میں مجالس

عزامیں حصہ لیا۔ پیغمبر آخر نے ولادت حسینؑ پر گریہ کیا کیونکہ حضرت جبرئیل نے آپ کو انہیں شہادت حسین کی خبر دی تھی اور کربلا کی سرخ مٹی بھی دے گئے تھے۔ اُم الفضل دختر حارث سے آنحضور نے یہ واقعہ بیان کیا۔ جب حسینؑ ایک سال کے ہوئے تو ملائکہ تعزیت کے لئے آنحضرتؐ کے پاس آنا شروع ہوئے مجلس عزا بپا ہوئی جس نے ذاکر خود آنحضورؐ تھے۔ حضور نے گریہ فرمایا اور جناب سیدہ کو بھی رلایا۔

شہادت حسین کے بعد پہلی مجلس مقتل سید الشہداء میں ہوئی جب اشقیاء قافلہ اہل بیت کو کربلا کے راستے سے لے گئے۔ مجلس اموی شام میں منبر پر حضرت زین العابدینؑ نے جب خطبہ کے بعد امام حسین کا مرثیہ پڑھا اور مصائب بیان کئے تو حاضرین چیخیں مار کر رونے لگے۔ یزید نے رنگ مجلس دیکھا تو مؤذن کو حکم دیا کہ اذان بلند کرو مقصد تو امام زین العابدین کو خاموش کرنا تھا۔ ایک مجلس یزید کے حرم میں بھی برپا ہوئی جب حضرت زینبؑ نے واقعات کربلا بیان کئے یزید کے محل کی عورتیں رونے پیٹنے لگیں۔ جب سال بھر بعد خاندان رسالت کو رہا کیا گیا تو اُن کے رہنے کے لئے ایک کشادہ مکان خالی کرکے دیا گیا جہاں حضرت زینب نے مجالس کیں۔ دمشق میں حضرت زینبؑ نے سات دن تک مجالس پڑھیں۔ واپسی کے وقت کربلا کے میدان قبر حضرت حسینؑ پر حضرت زین العابدینؑ نے واقعات کربلا بیان کئے تھے۔ مدینہ پہنچ کر اہل شہر کے سامنے حضرت زین العابدینؑ نے مجالس کیں۔ جنت البقیع میں اُم البنین مادر حضرت عباس واقعات بیان کرکے گریہ کرتی تھیں۔ یہ سب مجالس اتفاقاً تھیں۔ پہلی باقاعدہ مجلس جس میں ذاکر سے ذکر وعدہ لے کر خواتین کو پس پردہ جگہ دے کر ہوئی اس کے بانی حضرت امام رضاؑ اور ذاکر دعبل خزائی تھے جن کی وفات ۲۴۶ھ میں ہوئی۔ بنی امیہ اور بنی عباس نے اِن مجالس غم کی مخالفت کی۔ جو کوئی طرفدار آل رسولؐ ہوتا اُسے سزا ملتی تھی۔ نتیجتاً شیعوں میں وحدت مقصد اور وحدت عمل پیدا ہوئی۔ دیلمیوں کے زمانے میں شیعوں کو چار سو برس کی آوارہ وطنی کے بعد مذہبی آزادی ملی تو مجالس عزا بپا ہوئیں اور جلوس ہائے ماتم نکالے گئے۔ غالباً ۳۵۲ھ کا محرم اہتمام سے منایا گیا۔ مختار ثقفی کی وفات کے بعد ایرانیوں کے عروج تک مجالس غم اکثر و بیشتر صرف رونے پر مشتمل ہوتی تھیں۔ اِس گریہ زاری نے اہم ترین ضرورت کو پورا کیا۔ آل بویہ کے ہاتھوں میں اقتدار آیا مجالس کا معیار بڑھا تبلیغی پہلو بھی داخل ہوا۔ اعلانیہ عزاداری ہونے لگی۔ ابو جعفر طوسی نے نجف کو اپنا مستقر اور علمی مرکز بنایا جو رفتہ رفتہ شیعوں کی مرکزی جگہ بن گئی۔ ایران میں تیموری عروج کے زمانے میں نجف کربلا، ایران اور روم میں مجالس برپا ہوا کرتی تھیں۔ ایران شیعیت کا مرکز بنا۔ ملا حسین واعظ کاشفی نے ۹۰۸ھ میں روضۃ الشہدا تالیف کی۔

ہندوستان میں دکن سے مجالس کا سلسلہ بیجاپور کی عادل شاہی سلطنت میں شروع ہوا۔ قطب شاہوں اور نظام شاہوں نے بھی اِس کو رواج دیا۔ اودھ کی شیعی حکومت میں عزاداری کو خوب فروغ ملا۔ کہیں کہیں تو ایک مجلس میں پانچ پانچ ذاکر ہوتے تھے۔ دکن، سندھ، ملتان، پنجاب میں تو ایرانیوں کی آمد کے وقت سے ہی مجالس کا سلسلہ جاری تھا۔ مجالس شیعوں کے لئے تربیت گاہ بن گئیں۔ اِن مجالس میں غیر شیعہ حضرات بھی شامل ہونے لگے۔

مرفس کھیلنا: مرفہ ایک قسم کا تماشہ جو حیدرآباد میں عرب سپاہی ڈھول تاشے کے ساتھ کھیلتے ہیں۔

محرم الحرام : اسلامی سال کا پہلا مہینہ لغوی معنی حرام کیا ہوا۔ ایام جہالت میں تین مہینے ذی القعدہ، ذی الحجہ اور ماہ محرم میں جنگ وجدال، قتال، لوٹ مار حرام تھی۔ اِس لئے اِس مبارک مہینے کو محرم الحرام کہا جاتا تھا۔

مسجد اُٹھانا: چند سنی حضرات بجائے تعزیے کے ایام عزا میں مسجد کی شبیہ اٹھاتے ہیں اور شبیہ ذُلدل کے بجائے شبیہ براق برآمد کرتے ہیں۔ جھانسی کی ریاست میں ایک کاریگر نے لکڑی کی مسجد کی خوبصورت شبیہ بنائی اُسے اول انعام کا حقدار مانا گیا لیکن اُس نے انعام لینے سے انکار کیا اور اصرار کیا کہ اُس کی بنائی شبیہ مسجد جلوس میں اول مثل ہو۔ رانی لکشمی بائی پس وپیش میں تھیں کیونکہ روایت کے مطابق جھانسی کی ریاست کا تعزیہ ہمیشہ مثل اول ہوتا تھا اور جلوس میں سب سے آگے رہتا تھا۔ رانی کے ایک مسلم افسر اعلیٰ نے مشورہ دیا کہ مسجد تو خدا کا گھر ہے اِسے آگے رکھا جائے تو جلوس تعزیہ میں کوئی رسم نہیں ٹوٹے گی۔ رانی نے بخوشی مسجد کو آگے رکھنے کی اجازت دے دی۔

مشک: حضرت عباسؑ کی یاد میں علم پر سوکھی مشک لٹکائی جاتی ہے۔ محرم کی آٹھویں کو چھوٹے بچے ہاتھوں میں کوزے لے کر العطش العطش کہتے نکلتے ہیں۔ یہ اصل میں کربلا کے اُس واقعے کی یاد تازہ کرتی ہے جب پیاس سے مجبور ہو کر بچے مشکیزے اور کوزے ہاتھ میں لے کر خیام سے باہر نکل پڑے تھے۔ حضرت عباسؑ سے بچوں کی حالت نہ دیکھی گئی اُنہوں نے امام حسینؑ سے دریا کی طرف جانے کی اجازت چاہی۔ چاہے انہیں پانی لانے کے لئے جنگ کرنا پڑے۔ امام مظلوم نے انہیں صرف مشک میں پانی لانے کی اجازت دی لیکن جنگ کرنے سے منع کر دیا۔ جب حضرت عباس مشک میں پانی لے کر لوٹنے لگے تو انہوں نے خود پانی نہیں پیا بلکہ دست مبارک میں اٹھا کر دریا میں واپس ڈال دیا کیونکہ انہیں خیام حسینی کے بچوں کی پیاس یاد تھی۔ حضرت عباسؑ کے پیاسے فرس وفادار نے بھی پانی نہیں پیا کیونکہ اُس کے مالک نے نہیں پیا تھا۔) اشقیا نے جان بوجھ کر مشک پر تیر مارے تاکہ پانی خیموں میں پیاسوں تک نہ پہنچ پائے۔ حضرت عباس نے علم اٹھا رکھا تھا اعداء نے دونوں بازو قلم کر دئے پھر بھی آپ نے علم کو اونچا رکھنے کی کوشش کی۔ اشقیا نے گرز سے پیچھے سے سر پر وار کیا آخر کحضرت عباس گھوڑے سے گر کر شہید ہو گئے۔ حضرت عباس کے علم پر اِسی لئے چھوٹی مشک لٹکا کر جلوس نکالا جاتا ہے۔

معارفہ: وہ ماتمی باجا جو ایامِ عزا میں تین تین گھنٹے بعد بجایا جاتا ہے۔

معمول پر لانا: سجے ہوئے امام باڑے کو ہر وقت بند رکھا جاتا ہے۔ اگر دروازے ہوں تو دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اگر دروازے نہ ہوں تو پردہ ڈال کر بند کر دیتے ہیں۔ مجلس کے وقت امام باڑے کو کھولا جاتا ہے۔ مجلس ختم ہونے کے بعد پھر روشنی گل کر کے بند کر دیا جاتا ہے۔ اسے معمول کرنا کہتے ہیں۔

مقدس ڈھالیں: وہ سپریں جن پر آیاتِ قرآنی، احادیث پیغمبر اور اقوال ائمہ لکھے ہوتے ہیں۔ اِنہیں زیارت کے لئے امام باڑوں میں رکھا جاتا ہے۔ بہار میں محرم میں سپروں کا جلوس نکلتا ہے۔

مِلنی کا جلوس: زنگی پور (غازی پور) میں نویں محرم کو جب ایک خاص جلوس میں دوسرے جلوس آکر ملتے ہیں تو انہیں مِلنی کا جلوس کہا جاتا ہے۔

علموں کی مِلائی: جار چہ گوتم بدھ نگر یوپی میں جب علموں کی ایک دوسرے سے ملائی ہوتی ہے تو ماحول جذباتی ہو جاتا ہے۔

منبر: لکڑی کا منبر جس میں سات آٹھ زینے ہوتے ہیں جو دالان کے باہری کمرے کے کونے میں رکھا جاتا ہے جس پر بیٹھ کر ذاکر مجلس کو خطاب کرتا ہے اور مرثیہ خوان مرثیہ پڑھتے ہیں۔

منت ماننا: محرم کے عشرۂ اول میں بالخصوص جب لوگ منت مانتے ہیں اور چاند، چھلّا، علی بند، ناڑا، طوق وغیرہ پہنتے ہیں یہ منت بزرگ امام باڑے کے سامنے خُردوں کو پہناتے ہیں۔

منت اتارنا: منت پوری ہونے پر نذر و نیاز کے بعد منت کی نشانیاں اُتارتے تھے۔

منت بڑھانا: گنڈا، تعویذ، طوق، بیڑی وغیرہ اُتارنا۔ منت زیادہ تر امام مظلوم کے تیجے (سوم) کے دن امام باڑے کے سامنے بڑھائی جاتی ہے۔

منتی علم: منت ماننے والے جو علم لے کر جلوس میں شریک ہوتے ہیں اور عزا خانے میں علم چڑھاتے ہیں۔

مہندی کا جلوس: یہ رسم جناب قاسم بن امام حسنؑ اور جناب فاطمہ کبریٰ صاحبزادی حضرت امام حسینؑ کی شادی کی یادگار ہے۔ مہندی سات محرم کو نکالی جاتی ہے۔ امام حسن کی وصیت کے مطابق حضرت قاسم کی شادی امام مظلوم نے کروائی۔ شادی کے بعد اگلے دن ہی میدانِ جنگ میں حضرت قاسم شہید ہو گئے تھے۔ مہندی کے جلوس میں وہی مرثیے پڑھے جاتے ہیں جن میں شادی کی رسوم اور بیوہ ہونے کا دردناک منظر بیان کیا جائے۔ یہ عشرہ محرم کے خاص جلوسوں میں سے ہے۔ آصف الدولہ کی والدہ بہو بیگم صاحب (امت الزہرا) نے اِس کو واقعۂ کربلا میں شامل کر کے غم و مسرت کا ملاجلا مظاہرہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ یہ خالص اودھ کلچر کی رسم ہے۔ شاہی دور میں اِس جلوس میں

والے)، بینڈ باجے والے ہوتے تھے۔ سامان میں نقرئی کشتیوں میں مٹھائیاں خشک میوے، پھولوں کے ہار، زرق برق پوشاک میں ملازمین سروں پر مسہری اور کچھ لوگ ہاتھوں میں چمن (بڑے بڑے پھولوں کے گلدستے لئے ہوئے)۔ اِن کے پیچھے دلہن کی نقرئی پالکی جس کے اوپر روپے اور چاندی کے سکے نچھاور ہوتے تھے۔ چمکدار وردی والے مشعلچی جلتی مشعلیں لے کر چلتے۔ قرنا اور نفیری بجانے والوں کی چوکیاں، پیچھے عزاداروں کی جماعت حضرت قاسم کا تابوت اُٹھائے ماتم کرتے چلتے تھے۔ اِسی تابوت کے ساتھ چترزری کے نیچے گھوڑا ہوتا تھا جس پر حضرت قاسم کا زرتار عمامہ، کمان، خنجر اور تیروں سے بھرا ترکش رکھا رہتا تھا۔ یہ گھوڑا جب صحن میں داخل ہوتا تو اُس پر چاندی سونے کے پھول نچھاور کئے جاتے تھے جو مساکین و فقراء لوٹ لیا کرتے تھے۔ آخر میں مجلس عزا منعقد ہوتی تھی۔

اب وہ شاہی دور نہ رہا وہ تزک و احتشام نہ رہا۔ اب جلوس علم میں بڑے ظروف میں مہندی رکھی ہوتی ہے جن پر تو غین (بڑی بڑی رنگین موم بتیاں) اور بڑی مشعلیں جلتی رہتی ہیں۔ رات کو ۱۱ بجے بڑے امام باڑہ (آصفی امام باڑہ) سے مہندی اُٹھتی ہے اور حسین آباد کے امام باڑے میں پہنچا دی جاتی ہے۔ لکھنؤ میں عوامی جلوس مہندی نخاس میں کشمیریئے نکالتے ہیں جو رات کو نخاس سے اٹھتا ہے اور وکٹوریہ اسٹریٹ ہوتا ہوا آغا باقر کے امام باڑے جاتا ہے۔ (اِس میں آرائشی سامان باجے وغیرہ کچھ نہیں ہوتا) ایک جلوس قبل غروب آفتاب رانی شہنشاہ بیگم کی محلسرا موسومہ افضل محل وکٹوریہ اسٹریٹ سے اٹھتا ہے یہ مہندی داروغہ واجد علی کے نام سے موسوم ہے جو واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کی ایک محل سلطان جہاں کے یہاں داروغہ تھے اور گولہ گنج میں رہتے تھے انہیں کے مکان میں ایک امام باڑہ تھا جو سلطان جہاں کا بنوایا ہوا تھا۔ کیونکہ سلطان جہاں کے کوئی اولاد نہیں تھی اِس لئے انہوں نے داروغہ واجد علی کو نسلاً بعد نسلٍ متولی مقرر کر دیا۔ اِس امام باڑے سے مہندی نکلتی ہے جو داروغہ واجد علی کی مہندی کہلاتی ہے۔ قریب غروب آفتاب یہ جلوس گولہ گنج سے روانہ ہو کر وکٹوریہ اسٹریٹ، پاٹا نالہ، وزیر گنج ہوتا ہوا رات ۹ بجے داروغہ صاحب کے امام باڑہ پہنچتی ہے۔ یہ جلوس اتنا مقبول ہوا کہ اب تقریباً تمام جگہوں (ہندوستان اور پاکستان میں) پر مہندی کا جلوس برآمد ہوتا ہے۔ شکلیں مختلف ہوتی ہیں کہیں بانسوں کی تیلیوں پر کاغذ منڈھا ہوتا ہے کہیں ناؤ کی شکل ہوتی ہے جس میں درمیان میں چھوٹا سا تعزیہ رکھا ہوتا ہے۔ (یہ ایرانی رسم کا اتباع ہے جہاں شہزادے کا جنازہ چاند کی شکل کے تابوت میں لے جایا جاتا تھا) اِس تعزیے کو موم بتیوں سے خوب سجایا جاتا ہے کہیں دو بانسوں پر کئی چھوٹے تعزیے ہوتے ہیں جو بانسوں کی محرابوں سے سجے ہوتے ہیں۔ یہ مچھلی کی شکل کا ہوتا ہے۔ اِس زیارت کے پیچھے ہرے کپڑے سے ڈھکے ملیدے کے خوان ہوتے ہیں۔

مہندیان: تاراگڑھ (راجستھان) معنی چھوٹے تعزیوں کے لئے لفظ مہندی کا استعمال کیا جاتا ہے۔

(ن)

نارا/ناڑا: مہذب اللغات میں لفظ ناڑہ رقم ہے۔ یہ رنگین دھاگے ہوتے ہیں جنہیں رنگریز ماہ محرم میں بنا کر بیچتے ہیں۔ لوگ اِن کا استعمال منت ماننے میں کرتے ہیں۔

ناریل پھوڑنا: جنوبی ہند میں یہ رسم ہے کہ لوگ علم یا تعزیے کے سامنے ناریل پھوڑتے ہیں۔ اسے مبارک مانا جاتا ہے۔

نذر و نیاز: فاتحہ دلانا یعنی کھڑے ہو کر شیرینی وغیرہ پر سورہ الحمد، قل ھو اللہ پڑھنا اور اُس کا ثواب جس بزرگ دین یا امام معصوم کو دینا ہو اُس کی نذر دلائی جاتی ہے، اُس کی خدمت میں ہدیہ کیا جاتا ہے۔ شیعوں کی اصطلاح میں عام مردوں کے لئے فاتحہ اور چہاردہ معصومین و شہدائے کربلا کے لئے نذر کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ رسول اللہؐ نے مغفرت حضرت حمزہ کے لئے تیسرے، دسویں، بیسویں چالیسویں دن، سہ ماہی، ششماہی، فاتحہ نذر کر کے تقسیم کروایا تھا۔ شیعہ بھی اِن تاریخوں پر بعد شہادت حسینؑ نذر و نیاز کرتے ہیں۔

نشان: دیکھیئے لفظ علم۔

نشان جوڑیوں کا جلوس: امروہہ میں ۹ محرم کو نشانوں کا جلوس نکلتا ہے جس میں نشان لے کر لوگ جوڑیوں میں چلتے ہیں۔ ایک جوڑی میں ایک ہرے رنگ کا ایک لال رنگ کا نشان ہوتا ہے۔۔ بڑا بازار امروہہ میں گنگا مندر کا مہنت علم پہ کیسریا پٹکا باندھتا ہے اور نذر چڑھاتا ہے۔ جو فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا اظہار ہے۔

نشانچی: علمبردار (دہلی میں نشانچی بولا جاتا ہے)۔

نشان/علم پر سہرا چڑھانا: منت پوری ہونے پر اظہار عقیدت و تشکر کے لئے علم پر پھولوں یا نوٹوں کے ہار چڑھانا۔

نوچندی جمعرات: قمری مہینے کا پہلا پنجشنبہ نوچندی جمعرات کہلاتا ہے مٹی کے نئے کونڈوں میں حضرت عباسؑ کی نذر فاتحہ اور شربت پر امام عالی مقام کی نذر اور منجملہ اہل بیت اور شہدائے کربلا کے ایصال ثواب کے لئے نذر دی جاتی ہے۔

نوحہ خوانی: نوحہ ایسی صنف شاعری ہے جس میں امام مظلوم اور دیگر شہیدوں کے مصائب نظم میں بیان کئے جاتے ہیں۔ نوحہ عربی زبان کا لفظ ہے فارسی میں اس کے معانی ہیں بآواز گریہ، کسی کے لئے سوگواری۔ اردو میں اس کے معنی ہیں رونا، گریہ کرنا، ماتم کرنا، لاش پر چلا کر رونا۔ مردے کے حالات بیان کر کے رونے رلانے والے کو نوحہ خوان کہتے ہیں۔ لیکن اِس کے اصطلاحی معنی ہیں حضرت حسینؑ اور شہدائے کربلا پر ڈھائے گئے ظلم و ستم کو شعری قالب میں ڈھال کر بیان کرنا۔ بولیوں کے نوحے راگوں کی بنیاد پر لکھے گئے حالانکہ اب کلاسیکی موسیقی کا اثر کم ہوتا جا رہا ہے۔ لیکن اِس کی لے اور تال وہی روایتی ہے۔ اس میں بے ساختگی ہوتی ہے اور جذبات سے بھرپور ہوتے ہیں۔ نوحہ خواں ایک شخص بھی ہوتا ہے اور نوحہ خوانی ماتمی دستوں، انجمنوں کی طرف سے بھی ہوتی ہے۔

نویں ربیع الاول (عیدِ ثانی زہرا) ؑ: شیعہ اِس تاریخ کو تیوہار کی طرح مناتے ہیں اس کو عید ثانی زہرا بھی کہتے ہیں کیونکہ قاتلان حسینؑ سے انتقام لئے جانے اور اُن کو کیفر کردار تک پہنچا دیئے جانے کی خبر سے حضرت زینب، اُم کلثوم اور دیگر حرم کے چہرے سے غم کے بادل ذرا چھنٹ گئے۔ مخدرات، عصمت و طہارت کو سر میں تیل ڈالنے، آنکھوں میں سرمہ لگانے اور مناسب کپڑے بدلنے کا حکم دے کر حضرت زین العابدینؑ نے پیشانی سجدۂ شکر میں جھکائی۔ ۹ ربیع الاول کو یوم عید قرار دے دیا گیا (سرفراز محرم نمبر ۱۳۹۰ھ ص ۵) اِس دن شیعہ سرخ کپڑے پہنتے ہیں۔ گھر گھر کڑھائی چڑھتی ہے پکوان بنتے ہیں ایام عزاداری ختم ہوتی ہیں۔

نیاز: داؤدی بوہرہ فرقے کا جماعتی کھانا۔ داعی کی طرف سے جماعت خانے میں پُرسے کا کھانا دیا جاتا ہے۔ سادہ کھانا ساگ یا بھاجی روٹی وغیرہ کھانے کو ملتی ہے۔

نیبو چڑھانا: بنارس میں ہندو عورتیں منتیں پوری ہونے پر علم پر سونے چاندی کے نیبو چڑھاتی ہیں۔

(ہ)

ہتھکڑی پہننا: لوہے/چاندی یا سونے کی ہتھکڑی اور بیڑیاں پہنی جاتی ہیں۔ جن سے عابد بیمار کی اسیری کی یاد تازہ کی جاتی ہے۔ بادشاہ، نواب جب ہتھکڑیاں پہنتے تھے تو اس کا سرا سیدوں کے ہاتھوں میں دیا جاتا تھا۔ اِس منت میں ہتھکڑی کے ساتھ ہی پاؤں میں ایک کڑا بھی ڈالا جاتا ہے جسے بیڑی کہتے ہیں اور گلے میں طوق بھی پہنتے ہیں یہ سب چیزیں منت کے ساتھ ہوتی ہیں۔

ہرسیہ گوئی/خوانی: یہ محفلیں اکثر مکانوں میں ہوتی ہیں جس میں شیعہ حضرات ہی شرکت کرتے ہیں۔ دشمنانِ اہل بیت کے خلاف نظمیں پڑھی جاتی ہیں۔ اِس فن کو مرزا دبیر کے شاگرد مرزا مشیر نے شائستگی عطا کی اور یہ کلام شائستہ لوگوں کے سامنے رکھنے لائق بنایا۔ اُنھوں نے اِس میدان میں نام کمایا۔

ہنسلی پہننا: جناب سکینہ کی یاد میں بچوں کو منت کی ہنسلی پہنائی جاتی ہے۔

کتابیات

(الف : آ، ا)

قرآن کریم

آقای شہر ستانی: تاریخچۂ عزاداریٔ حسین (ترجمہ اقبال حسین جاوید) ولی العصر ٹرسٹ جھنگ پاکستان۔

استخوان دہلوی: بساتین الانس۔

اشہر لکھنوی: تذکرۃ الذاکرین، لکھنؤ ۱۹۴۶۔

(سید) اطہر رضا بلگرامی: عوامی رثائی ادب، قدیم مکتبہ جامعہ، نئی دہلی ۲۰۱۰ء۔

(سید) اقبال احمد: تاریخ سلاطین شرقی وصوفیائے جونپور ۱۹۸۸ء۔

اقتدار عالم: اُمرائے عہد اکبر۔

المعتریزی الخطط: جلد دوم مطبع النیل مصر ۱۳۲۳ھ۔

(سید) امان اللہ: نسب نامہ السادات غازی پور (قلمی) ۱۶۸۲ء۔

(حکیم) امتیاز حسین: عزاداری امام حسین، ۲۹ گوگجہ باغ سرینگر کشمیر۔

اورنگ زیب: احکام عالمگیری، لاہور ۱۹۹۳ء۔

(ب، ت، ث)

بشیر احمد: دکن کے بہمنی سلطان، آگرہ، ۱۹۱۵ء۔

تاریخ ابوالغداء: جلد دوم طبع حسینیہ مصر۔

تاریخ خمیس: جلد اول۔

تاریخ طبری: جلد ۴، ۷ (جوامع الکلم)۔

تاریخ فرشتہ: (ترجمہ اردو) واقعات مملکت بیجاپور۔
(ڈاکٹر) ثریا ڈار: شاہ عبدالعزیز اور اُن کی قلمی خدمات، لاہور ۱۹۹۱ء۔

(ج، ح، خ)
(ڈاکٹر) جعفر رضا: دبستان عشق کی مرثیہ گوئی۔
(ڈاکٹر) حبیب اللہ: اعظم گڑھ کا علمی، ادبی اور تاریخی پس منظر، اسلامک فاونڈیشن نئی دہلی ۲۰۰۴ء۔
(سید) حسن عسکری: ہندوستان کے عہد وسطیٰ پر مقالات، پٹنہ ۱۹۹۵ء۔
(سید) حسین کربلائی: تحفۃ العوام۔
(مولوی) حشمت اللہ خاں لکھنوی: تاریخ جموں و کشمیر، جموں ۱۹۶۸ء۔
حکیم عبدالشکور: تاریخ میوات۔
خلیق احمد نظامی: تاریخ مشائخ چشت، دہلی ۱۹۸۵ء۔
خواجہ عبدالمجید: جامع اللغات جلد دوم اردو سائنس بورڈ لاہور۔

(د، ر)
درگاہ علی خاں: مرقع دہلی، فارسی مخطوطات سالار جنگ میوزیم، حیدرآباد۔
دیوی پرشاد: تاریخ سروہی، مطبع چراغ پرانی منڈی اجمیر ۱۸۸۷ء۔
(ڈاکٹر) راشد موسوی: مرثیہ اور عزاداری دہلی ۱۹۸۹ء۔
(ڈاکٹر) راشد موسوی: دکن میں مرثیہ اور عزاداری۔
رحیم بخش: تاریخ واسطیہ ۱۳۰۸ھ۔
(پروفیسر) رفیعہ شبنم عابدی: ہندوستان میں شیعیت اور عزاداری، حسن پبلیکیشنز ممبئی، جون ۲۰۰۳ء۔

(س)
(سید) سبط الحسن فاضل سہوی: عزاداری کی تاریخ، نظامی پریس لکھنؤ ۱۹۴۱ء۔
ست گور پرساد، فرخندہ بنیاد، حیدرآباد ۱۹۵۴ء۔
(سید) سرفراز علی خاں: انسان کامل۔

(سید) سلیمان ندوی: حیات شبلی، دار المصنفین شبلی اکادمی اعظم گڑھ ۱۹۹۵ء۔

سنیل چند: تاریخ عالمگیری۔

سید احمد دہلوی: فرہنگ آصفیہ جلد سوم مکتبہ حسن سہیل لاہور ۱۹۹۸ء۔

(ش)

شاہ عبدالعزیز: تحفۂ اثنا عشری۔

شاہ عبدالعزیز: فتاویہ عزیزیہ جلد اول۔

شاہ نظر ہاشمی غازی پوری: شہادت عظمیٰ۔

(علامہ) شبلی نعمانی: الفاروق۔

---سیرۃ النبی جلد اول۔

---سفر نامہ روم، مصر و شام مطبع معارف دار المصنفین اعظم گڑھ ۱۳۴۰ء۔

---موازنۂ انیس و دبیر۔

شوکت علی فہمی: ہندوستان پر مغلیہ حکومت، دین دنیا پبلشنگ کمپنی، دہلی۔

شہاب الامان دولت آبادی: ہدایۃ السعداء (بحوالہ سبط الحسن)۔

شہید مرتضی مطہری: شہید۔

(ص، ض)

صحیح بخاری شریف۔

ضمیر حسن دہلوی: دہلی کی تہذیب۔

ضیاءالدین برنی: تاریخ فیروز شاہی لاہور ۱۹۸۳ء۔

(ع، غ)

(علامہ سید) عارف حسن شہید: سخن عشق۔ مجالس عزا سید الشداء۔

عباس احمد حسینی: سادات بارہ غازی پور یو۔ پی۔ تاریخی پس منظر، عزاداری اور اہم شخصیات نئی دہلی ۲۰۰۷ء۔

عبدالرحمن صدیقی: تذکرہ مشائخ غازی پور انیس پبلکیشنز صمد منزل مچھرہٹہ غازی پور، یو۔ پی۔

عبدالرزاق مقرم: مقتل الحسین (اردو ترجمہ، سوانح حیات امام حسینؑ مصنفین موسسہ البلاغ۔
عبدالسلام مبارکپوری: تاریخ السند وال ووائلہ، ج ۲۔
عبدالحلیم شرر لکھنوی: گذشتہ لکھنؤ، مکتبہ جامعہ، نئی دہلی ۱۹۷۱ء۔
عبدالقادر بدایونی: منتخب التواریخ، جلد سوم لکھنؤ۔
عبدالمجید سالک: مسلم ثقافت ہندوستان میں، لاہور ۱۹۵۸ء۔
عبدالواحد: (نبیرہ مولانا عبدالعلی فرنگی محلی) ازالۃ الاوہام۔
(سید) عزیزالدین حسین ہمدانی: تاریخ عہد وسطی، ادارۂ ہمدانیہ علی گڑھ دسمبر ۲۰۰۴ء۔
(سید) علی اشرف الدین موسوی علی آبادی: اُصولِ عزاداری دارالثقافۃ الاسلامیہ کراچی ۱۹۹۷ء۔
(سید) علی بلگرامی: تاریخ دکن۔
(سید) علی رضوی: تاریخ شیعیان علی، امامیہ اکادمی، کراچی ۲۰۰۱ء۔
(ڈاکٹر) علی شریعتی: شہادت۔
(سید) علی عباس: امروہہ کے عزاخانے تاریخ، تفصیل و کوائف۔
(علامہ سید) علی نقی النقوی: شہید انسانیت۔
(میر سید) علی ہمدانی: مؤدۃ القربیٰ
(سید) غلام حیدر نقوی: امروہہ کی عزاداری اہمیت اور مستقبل کی فکر، ۲۰۰۳ء (کتابچہ)۔

(ف، ق، ک)

فاضلی ہسوی: عزاداری کی تاریخ، نظامی پریس لکھنؤ ۱۹۴۰ء۔
(منشی) فیض الدین: بزم آخر۔
قاضی اطہر مبارکپوری: تذکرہ علماء مبارکپور، دائرہ ملیہ مبارکپور ۱۹۷۴ء۔
قاضی جاوید: ہندی مسلم تہذیب، لاہور ۱۹۹۵ء۔
کامل تاریخ: جلد ۲۔
کتاب مسند احمد بن حنبل: جلد اول۔
کمال الدین حسین: مودۃ القربیٰ۔

(ل، م)
لطائف اشرفی، جلد ۲۔
مجلس مصنفین موسسہ البلاغ سوانح حیات حضرت امام حسینؑ۔
محسن الامین: مقتل الحسین (اردو ترجمہ تفسیر عاشورہ)۔
مرزا جعفر حسین: قدیم لکھنؤ کی آخری بہار، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۸ء۔
(شیخ) محمد اکرام: رود کوثر، لاہور ۱۹۸۳ء۔
محمد بن الحسن بن اسفندیار: تاریخ طبرستان (ترجمہ ای جی ڈبلیو گب ۱۹۰۵ء)۔
محمد صادق: طبقات عالمگیری، نیشنل میوزیم نئی دہلی الف ۸۵)۔
محمد قاسم نیازی: فضائل اہل بیت۔ سوال و جواب، خانقاہ نیازیہ بریلی۔
محمد ہاشم خافی خاں: منتخب اللباب جلد ۲۔
محمود احمد الہاشمی: تاریخ امروہہ، دوسرا ایڈیشن ۲۰۰۵ء۔
مدارج النبوت، جلد ۲۔
مقدس: احسن التقاسیم، لیڈن ۱۰۰۶ء۔
منہاج سراج: طبقات ناصری۔
مولانا روم: مثنوی، جلد ششم بمبئی ۱۳۰۸ھ۔
(مرزا) مہذب لکھنوی: مہذب اللغات، لکھنؤ۔
میشور دیال: عالم میں انتخاب دلی، مطبوعہ اردو اکادمی دہلی۔
میمن ایم۔اے: عہد بہمنی میں فارسی ادب، ٹائپ شدہ، عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری، حیدر آباد، دکن۔

(ن)
نبی احمد سندیلوی: وقائع عالمگیری (دیوان و وصایا در وقت اخیر) علی گڑھ ۱۹۳۰ء۔
نصیر الدین ہاشمی: دکن میں اردو۔
نظام الدین احمد: طبقات اکبری، ج ۱، کلکتہ ۱۹۳۵ء۔
نور احمد قادری: تاریخ تمدن انڈونیشیا حصہ اول۔

(سید) نوراللہ شوستری: مجالس المومنین (قلمی نسخہ) انڈیا آفس کلیکشن لندن۔

نورالحسن نیرؔ: در گوہر۔ ملتانی زبان کے قواعد و فرہنگ۔

(ہ،ی)

ہارون خاں شیروانی: دکنی کلچر دہلی ۱۹۷۱ء۔

---- اردو مرثیہ کا ارتقاء۔

---- اردو مرثیے کی روایت۔

---- دکن کے بہمنی سلطان ۱۹۷۸ء۔

(سید) یاد علی: راجستھان میں عزاداری اور جے پور کی تعزیہ داری، جے پور، ۲۰۰۴ء۔

اخبارات، رسائل و جرائد

(ماہنامہ) اصلاح، لکھنؤ، اپریل ۲۰۰۲ء محرم نمبر اپریل مئی ۲۰۰۲ء۔

(ماہنامہ) آج کل، پبلیکیشنز ڈویژن گورنمنٹ آف انڈیا، نئی دہلی، دسمبر ۱۹۷۹ء۔

(ماہنامہ) تعمیر ہریانہ، اکتوبر ۱۹۸۶ء۔

(ماہنامہ) جسارت ٹائمز، دہلی محرم نمبر یکم جنوری تا ۱۵ جنوری ۲۰۰۸ء۔

(ماہنامہ) حدیث دل، دہلی ۱۶ مارچ ۲۰۰۲ء۔

روزنامہ راشٹریہ سہارا دہلی محرم نمبر ۳۰ جنوری ۲۰۰۷ء۔

ساپتاہک راشٹریہ ہت لکھنؤ ۸ جنوری ۲۰۰۹ء، ۷ ادسمبر ۲۰۱۰ء، ۶ دسمبر ۲۰۱۱ء۔

سہ ماہی راہ اسلام ہندوستان میں سنت عزاداری خصوصی شمارہ ۲۰۳ ؍۲۰۴ جنوری تا جون، خانہ فرہنگ ایران، نئی دہلی۔

ہفتہ وار، رضاکار، لاہور، عزاداری خصوصی شمارہ، جون ۱۹۶۲ء۔

ماہنامہ سب رس حیدرآباد ستمبر ۲۰۰۳ء۔

(ماہنامہ) سرفراز لکھنؤ محرم نمبر ۱۲ اپریل ۱۹۶۷ء جلد ۸۵ نمبر ا۔

(ماہنامہ) شیعہ لکھنؤ ۱۹۸۶ محرم نمبر ۱۴۰۷ھ و ۱۴۰۸ھ۔

روزنامہ قومی آواز مورخہ ۲۸ جنوری ۱۹۹۵ء۔

(ماہنامہ) نظارہ، لکھنؤ، ابوالفضل عباس نمبر ۱۹۵۶ء، ۱۹۷۲ء۔

(ماہنامہ) نیادور، لکھنؤ، جون ۱۹۹۷ء۔

English books:

Abulfazal: Ain-e-Akbari, (Eng Trans. Blockman 3rd Edn, Reprint, Delhi.

Adil Shoaib: History of Bohra Community- the Ages and its Contribution to the Socio-Economic & Cultural Life of India (unpublished thesis), Devi Ahilya Vishwa Vidyalaya, Indore, 2005.

Aggarwal, P.C.: Caste & Religion in India- an Indian Case Study, New Delhi 1971.

Ahmed Punjabi : Jangnama.

Ahmed Qayyum: An Early Case of Constitutional Agitation in Bihar(1892), 1997.

Ali, Mrs. Mir Hasan: Observations on the Musalmans of India, London 1832.

Beg, Mirza Aziz: Bandobast Report, Gujrat (Punjab), 1865.

Benauet, David: Muslim Buddhist Relations in Ritual concept (Ref. Beck's Culture History & Development Between Himalayas and Karakoram).

Cunningham, Genl: Ancient Geography of India.

Dar, Somnath: Jammu & Kashmir, Delhi 1999.

Ibbotson, Sir Denzel & H Rose: A Glossary of Tribes & Castes of the Panjab & North Western Provinces.

E Smith: The Oxford History of India.

Fasihuddin, Mohd: The History of Sharqi Monuments in Jaunpur, Budayun, 1922.

Fowcit, W: War Songs of Maplas, Indian Antiquary xxx 1901.

General Mohiyal Sabha: History of the Mohiyals- The Millitant Brahmin Race of India, Lahore, 1911 (Reprint).

Hamdani, Prof. Azizuddin Husain: Medival Towns- A Case Study of Amroha & Jalali (1955).

Hasan Mohibul: Kashmir Under the Sultans, 1974.

Hashim, Amir Ali:The Mayos of Mewat, New Delhi, 1970.

Holster, John Norman: The Shia of India

Holster, John Norman: Islam and Shia Faith in India, Delhi 1988.

Zaidi Shias of India, Reprint Oriental Books, Corporation, Delhi.

Holyand J. S & others: Commentary of Father Monsurates Travel, Oxford, 1922, (Reprint second Edn. New Delhi 1979).

Husain, Syd. Taqi: Our Heritage, New Delhi 2000.

Husain Muzaffar: History of Azadari in Jaunpur, 1967.

Husain Nadeem & Sheikh Abrar Husain: Shias and Shia Islam in India. A Study of Society & Culture, Harnam Publications, Delhi 1989.

Kachu, Asfandyar Khan: Cultural Heritage of Kargil (from M.F. Husain's Heritage of Kashmir, Srinagar, 1991).

Malik, Yasin: A Social History of Muslims in India (1605-1748) Lucknow.

Mishra, Satish Chandra: Muslim Communities in Gujrat, Bombay 1964.

Mitra S. : Folk Songs of Punjab Division & Fulfilment.

Moreland, W.H.: Jehangir's India (English Transl. Tuzuk-e- Jahangiri) New Delhi, 1972.

Naqvi, Dr. Sadiq & Dharmendra Prasad: "Marsia" Hyderabad 1986.

Nigam M.L. & Others: Glimpses of Qutub Shahi Culture, Hyderabad , 1983.

Noor Mohammad: Indian Muslims, New Delhi 1999.

Paladia, A.K.: Sense of India, 1971.

Pandit, M.N.:Mosques & Imambaras - Cultural Heritage of Laddakh (ed. P.N. Chopra) 1978.

Ratan Chand : History of Mohiyal.

Rizvi, Syd. Athar Abbas: A Socio Intellectual History of Asna Ashri Shias in India Vol. I, Munshi Ram Manohar Lal Prakashan, Kamla Nagar, Delhi, 1986.

Saeed, Mian Mohd.: Sharqi Settlement of Jaunpur (A Political and Cultural History) Karachi, 1972.

Shams, Shamsuddin: The Mayos of India- their Customs and Laws, New Delhi 1983.

Sherwani, H.K. The Influence of Urdu on Telgu.

Shiaism, Lucknow, 1955.

Stephen, F.D.: Maplas- The Muslim Community of South Eastern Asian Frontiers.

Sufi , G.D.M. : Islamic Culture in Kashmir & Jammu 1999.

Travernier's Travel Accounts, Vol. II.

University of Chicago: History of Religions, Vol. 39, Chicago University Press, Feb. 2000.

Proceedings: XV Punjab History Congress (Gulati G.D's Paper: Mewat During the XIII Century, Punjabi University, Patiala, 1981.

Indian Histotical Records Commission Vol. 32 No.2 Feb. 1956.

Archives & Gazettes

Bikaner State, Department of Home Affairs, Feb. 1932-35.

Imperial Gazettes of India Vol. XVII, 1905.

Atkinson, Edward, T: Statistical Descriptive & Historical Account of the North Western Provinces of India Vol.III Pt. 2, 1876.

Loward, Capt. G.E.: Distt Gazetters of United Provinces of Agra & Oudh Vol. XXIX, "Distt Ghazipur" Allahabad 1915.

Nevill, H.R. Distt Gazetters of United Provinces of Agra & Oudh Vol. III, "Distt Muzaffar Nagar", Govt. Press Allahabad, 1953.

Nevill, H.R. Distt Gazettes of United Provinces of Agra & Oudh "Distt Ghazipur" Allahabad, 1909.

Oldham, W.: North Western Provinces- Historical & Statistical Memories of Ghazipur, Allahabad 1970.

Powellet, Major: Gazetters of Alwar, London, 1878.

Thornton: Ghazetters of United Provinces Agra & Oudh Vol. 39, Ghazipur, Allahabad 1915.

Varun, D.P.: District Ghazipur Gazetters, Allahabad 1982.

Newspapers & Periodicals

The Bihar Patriot, June 4, 1894, Patna.

The Illsustrated Weekly of India, Dec. 1971, Delhi.

The Jafri Times,(Jafri Observer) Vol. 2 No. 1, Aug.- Sept. 1988 Mumbai.

The Times of India, Dt. 5.12.2011, Delhi.

हिंदी पुस्तकें

अवधेश नारायण सिंह : ग़ाज़ीपुर जनपद का इतिहास

अस्थाना, राजकुमार : प्राचीन भारत, दिल्ली, 1936

आनन्द शर्मा : सिलसिलए-नियाज़िया, नियाज़ी अकादमी, बरेली, 2000

कृष्णानन्द : ग़ाज़ीपुर के संस्मरण

डॉ. मनोहर सिंह राणावत : सीतामऊ राज्य का इतिहास, नटनागर शोध संस्थान, सीतामऊ (मध्यप्रदेश)

डॉ. रघुवीर सिंह : रतलाम का प्रथम राज्य, राजकमल प्रकाशन, दिल्ली

डॉ. रघुवीर सिंह व डॉ. मनोहर सिंह राणावत : जोधपुर राज्य की ख्याति, भाग 1, पंचशील प्रकाशन, नई दिल्ली

डॉ. रीता कोठारी : सीतामऊ राज्य का सामाजिक इतिहास - 19वीं शताब्दी, नटनागर शोध संस्थान, सीतामऊ

डॉ. शिव मंगल राय : ग़ाज़ीपुर का इतिहास
डॉ. सरजू तिवारी : ग़ाज़ीपुर की इतिहासिक धरा

पत्र-पत्रिकाए

राष्ट्रीय हित साप्ताहिक; लखनऊ, 17 दिसम्बर 2010
ख़िलाफत मासिक; लखिनऊ, मुहर्रम नम्बर, अंक 2011, नवम्बर 2012

Office of the Cultural Counsellor
Embassy of Islamic Republic of Iran
New Delhi

AZĀDĀRI-E- HAZRAT IMAM HUSSAIN (A.S.)
EK ĀFAQI TAHREEK

Dr. Dharmendra Nath

Composing & Page setting: Ali Raza
Designing of the cover page: Aisha Fozia

First Edition: New Delhi, April 2013
Printed at: Alpha Art, Noida (U.P.)
ISBN: 978-964-439-607-6

Alhoda
International Publishers & Distributors

Iran Culture House
18, Tilak Marg, New Delhi-110001
Tel.: 23383232-4, Fax: 23387547
ichdelhi@gmail.com
newdelhi@icro.ir
http://newdelhi.icro.ir

AZĀDĀRI-E HAZRAT IMAM HUSSAIN (A.S.)
EK ĀFAQI TAHREEK

Dr. Dharmendra Nath

Office of the Cultural Counsellor
Embassy of Islamic Republic of Iran
New Delhi